فروغ حمد و نعت کا کتابی سلسلہ

دبستانِ نعت

مدیر

ڈاکٹر سراج احمد قادری

ریسرچ سینٹر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فروغ حمد و نعت کا کتابی سلسلہ

دبستانِ نعت

شمارہ نمبر ۸

جنوری۔دسمبر ۲۰۲۳ء

زیرِ نگرانی

فیروز احمد سیفی۔نیویارک

مدیر

ڈاکٹر سراج احمد قادری

مجلس مشاورت

پروفیسر عبد الحق۔دہلی
ڈاکٹر آصف آدر۔گلاسگو
ڈاکٹر احمد القاضی۔جامعہ ازہر، مصر
ڈاکٹر محمد اسمٰعیل آزاد فتح پوری
ڈاکٹر راہی فدائی۔بنگلور
ڈاکٹر شعائر اللہ خان۔رام پور
پروفیسر ڈاکٹر مقصود احمد۔بڑودہ
فاروق احمد جائسی۔کانپور
ڈاکٹر جعفر جری۔حیدرآباد
ڈاکٹر رضوان انصاری۔سیتاپور
قاضی اسد ثنائی۔حیدرآباد

NAAT RESEARCH CENTER-INDIA
Mohalla Banjaria West,
Khalilabad -272175
Distt. Sant Kabir Nagar, UP
INDIA
Mob: +91-9415875761
7985754611
+ 1-347-561-2447

drsiraj123@gmail.com
anees11435@gmail.com
www.naatresearchcentreindia.com

پاکستان میں رابطہ:
غلام علی-92-302-461-2214

ہدیہ Rs.500/-

مجلہ دبستانِ نعت میں شامل نگارشات کی آراء سے اِدارے کا متفق ہونا ضروری نہیں۔ جملہ تخلیقات ماہرین کی آراء کے اتفاق سے شامل کی گئی ہیں۔

غزالیِ زماں حضرت سید احمد سعید کاظمیؒ کے دستِ مبارک سے لکھی ہوئی

نعت

حرمین طیبین کی حاضری کے موقعہ پر یہ اشعار فی البدیہہ موزوں ہو گئے

حاضریِ مواجہہ شریفہ کے وقت ——

جلوۂ والضحیٰ دیکھتے رہ گئے
حسنِ بدر الدجیٰ دیکھتے رہ گئے
روئے روشن پہ زلفِ سیہ دیکھ کر
ہم ضحیٰ اور مسا دیکھتے رہ گئے

بابِ جبریل سے گزرتے وقت ——

عرش پر پہنچے آقا تو روح الامین
سدرۃ المنتہیٰ دیکھتے رہ گئے

غارِ حرا کے سامنے ——

حسنِ اقرا تو دیکھا تھا جبریل نے
ہم تو غارِ حرا دیکھتے رہ گئے

سید احمد سعید کاظمی غفرلہ

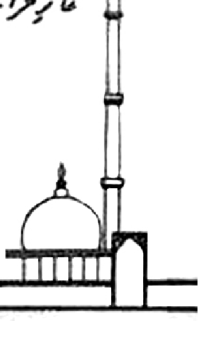

انتساب

مجاہد آزادی، طنز و مزاح کے سرخیل اور مقتدر نعت گو شاعر

محترم جناب محمد مصطفیٰ خاں احمقؔ پھپھوندوی

کے نام

۲۶/اپریل ۱۸۹۵ء - ۸/اگست ۱۹۵۷ء

حیاتِ جاوداں پانا ہے اُلفت میں فنا ہونا
مرے مٹنے میں میری زندگی کا راز پنہاں ہے

احمقؔ پھپھوندوی

منظوم تاثرات

(دبستان نعت کے مشمولات پڑھنے کے بعد)

دبستاں نعت کا انجم ہے انجمن کی بہار
سراج وسیفی و حرف وقلم کا یہ شہ کار

خُتن ہے مشک کا یا معدن عقیق و گہر
وفور تاب سے ہر گوشہ ہوگیا گلنار

یہ حمد و نعت کے گنجینہ ہائے ماہ تمام
لگے ہیں کوئے نگاراں ہیں زیست کے انبار

سمند شوق کی منزل بقیع و ارض حجاز
دیا ہے جس نے سفینہ کو عشق کی پتوار

چلی نسیم صبا دشت گل سے دست بہ دست
گلی گلی ہے مدینہ کی رشک صد گلزار

یہ ارمغانِ مقدس ہے چشم گریاں کا
غزل ہے سنگ وخزف، نعت ہے دُرِ شہوار

غلام و باقر و جامی و کعب کے نغمے
قریں ہیں دل کے نقوش وفا کے سب اطوار

فرید و بیدل و شیرازی و سنائی بھی
شبانہ روز اسی در کے تھے کفش بردار

ولی ومحسن و اقبال بھی تھے نغمہ سرا
دل و زبان وقلم اور جان کر کے نثار

☆

درود و نعت کے موتی بنے ہیں زینتِ گوش
رُخ وجبین و مژہ پر بھی آگیا ہے نکھار

دیارِ عشق میں چشمِ فلک نے دیکھا ہے
جلائی آتش ہجراں نے بارہا خروار

دبستاں نعت کا صدق و وفا کا مخزن نور
مٹایا جس نے غرور و شکوہ کا پندار

یہ سلسلہ ہے دبستانِ نعت کا ''ہشتم''
نفس نفس ہے معطر، نگہ نگہ دُربار

دعا ہے مدنی عاجز کی اب تو رب کے حضور
دل ونظر کو یہ کرتا رہے یوں ہی سرشار

ڈاکٹر محمد صدر الحسن ندوی مدنی (اورنگ آباد)

نور و نکہت

اداریہ	ڈاکٹر سراج احمد قادری	9

تحمید و تقدیس

صاحب بخشش والطاف وعنایات خدا	مضطؔر خیرآبادی	15
چند حرفوں میں ثنا تحریر ہم کیسے کریں	ڈاکٹر صوفی غازی امانؔ اللہ خان قادری	16
چہار سمت ہے مظہر ربوبیت اس کی	نصراللہ نصؔر	18

تابشِ فکر و نظر/ افکارِ روشن

حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم...	پروفیسر عبدالحق	20
مجاہد آزادی احمؔق پھپھوندوی: حیات اور...	عابد چشتی	26
ترکی زبان کے چند نعت گو شعراء کا تعارف	ڈاکٹر محمد آصف	44
اردو نعتیہ شاعری میں موضوع روایات	علامہ محمد شہزاد مجددی	62
نعتیہ شاعری کے آداب: پر تنقیدی نظر	ڈاکٹر مفتی محمد امجد رضا امجؔد	88
حضرت امام بوصیری کے قصیدۂ بردہ کا تنقیدی جائزہ	پروفیسر ابوسفیان اصلاحی	104
حاجی محمود مہاجر حسرؔت	ڈاکٹر راہی فدائی	127
حضرت مولانا امام احمد رضا خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ...	ڈاکٹر عقیل ہاشمی	143
اندلسی شاعری میں روایت مدح رسول صلی اللہ...	پروفیسر محمد شریف سیالوی	152
نعت کے اہم رجحانات!	ڈاکٹر عزؔیز احسن	162

اردو نعتیہ شاعری میں موضوعِ خُلق ...	ڈاکٹر سید جمیل الدین جمیلؔ راٹھوی	189
بارہویں صدی ہجری کی ایک مایہ ناز منظوم ...	ڈاکٹر مولوی بشیر الحق قادری آل قریش	204
جنوبی ہند کے فرد فرید علامہ فدوی باقوی کی ...	مولانا نثار احمد فدائی باقوی	229
نعت ! بزبان قرآن حضور رحمت للعالمین ...	تنویر پھولؔ	237
مہاجر نعت گو شعرا کا ایک اجمالی جائزہ	فیروز احمد سیفی	244
شگفتہؔ جمال اجملی کا ''میلادنامۂ اجملی'' ...	فاروقؔ جائسی	252
آج میں لکھتا ہوں سراپا کس کا	پروفیسر ڈاکٹر محمد افتخار شفیع	265
اڈیشا میں نعت نگاری: ایک مختصر جائزہ	انور بھدرکی	274
نعتِ محمد صلِّ علیٰ ایک انمول نعتیہ مجموعہ از شہزاد بیگ	ڈاکٹر شبیر احمد قادری	307
سلیمان اطہر جاویدؔ کی نعت گوئی	ڈاکٹر ستار ساحرؔ	315
راجستھان میں اردو نعت گوئی پر ایک نظر	ڈاکٹر شاہد احمد جمالی	319
امروہہ کے چند نعت گو	ڈاکٹر مصباح احمد صدیقی	330
لکھنؤ کے چند نعت گو شعراء	ڈاکٹر رضوان امجدی	340
ترقی پسند نعت گو: احمد ندیم قاسمی	ڈاکٹر قمر الزماں صدیقی	370
منظوم سوانح اعلیٰ حضرت	محمد اشرف رضا قادری	377
وہ ورق تھا دل کی کتاب کا	مولانا محمد قمر انجم قادری فیضی	386
''بحضور رسالت مآب'' صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ...	ڈاکٹر سراج احمد قادری	393
اقبال خلشؔ کی نعتیہ شاعری کا تجزیاتی مطالعہ	انس نبیل	398
حضرت شیخ الاسلام مفتی محمد انوار اللہ فاروقی کا ...	ڈاکٹر سراج احمد قادری	405
بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں ...	سلیمان خان	419

زاویۂ نگاہ

''دبستانِ نعت'' شمارہ 7 کا تنقید مطالعہ	پروفیسر فاروق احمد صدیقی	439
دبستانِ نعت شمارہ-6	پروفیسر شریف حسین قریشی	444
دبستان نعت ایک محتاط مطالعہ	علامہ عتیق اثرؔ ندوی	447

دبستان نعت: جہانِ دوش و فردا کی بازیافت	ڈاکٹر محمد صدر الحسن ندوی مدنی	450
پروفیسر ابوسفیان اصلاحی کے تحلیل و تجزیہ کا...	ڈاکٹر سعید احسن قادری	454
دبستان نعت: کامیابی کے ہفت آسمان پر	حلیم صابر	459
دبستانِ نعت کے شمارہ (7) پر ایک تحقیقی نظر	محمد اشرف رضا قادری	463

گلہائے عقیدت

بڑھی رحمت کی تابانی، لطافت بھی بلا کی ہے	ڈاکٹر راہیؔ فدائی	473
سکونِ قلب و نظر بن کے چارسو ہیں حضور	پروفیسر شریف حسین قریشی	474
گدائے کوچۂ خیر الانام ﷺ ہم بھی ہیں	تنویر پھولؔ	475
بُریدہ ناف ہے، مختون ہیں سرکار کیا کہنے	ڈاکٹر مبشر احمد نشترؔ	476
یقیں ہو سامنے تو کیا کوئی گماں ٹھہرے	ڈاکٹر التفاتؔ امجدی	478
ہم مطمئن بہت ہیں اس اپنی زندگی میں	کرشن کمار طورؔ	479
اندھرو! دُور ہی رہنا شبستانِ مقدّر سے	حبیب راحت حبابؔ	480
ذکر رسول کی جو سعادت نصیب ہے	اسلم عمادی	481
میرے سینے میں جو یہ دل ہے وہ ہے گھر ان کا	ڈاکٹر رضوان الرضا رضوانؔ	482
سوزش عشق کا ہے الگ ہی مزا جس کو مل جائے...	ڈاکٹر محمد امجد رضا امجدؔ	483
سن اے زمانہ! کہ جو کچھ ترے سوال میں ہے	علامہ عتیقؔ اثرؔ ندوی	484
چمن میں پھر سے بہاروں کا اعتبار ہوا	مولانا نثار احمد فدائی	485
مہاجرِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام	ڈاکٹر قمر الزماں صدیقی قمرؔ علیگ	486
لفظ یاقوت بنے فکر نگینہ بن جائے	ڈاکٹر شہزادؔ بیگ	490
کرتی ہے معطر جو مدینے کی ہوا ہے	فقیر مصطفیٰ امیرؔ	491
سب کو سینے سے لگانے مرے سرکار آئے	مولانا جابر حسین جابرؔ صدیقی بستوی	492
اُسی کے دم سے ہوئی بزمِ قدس کی تخلیق	آرزوؔ سہارنپوری	493
نُورِ خُدا ہیں رَہبر و سالار آپ ہیں	نفیسؔ نانڈوروی	494
کہاں ہو سکے گی ہم سے شاہ انبیاء کی مدحت	سیمیں برلاس	495

تمہیں دلوں کی فضائیں سلام کہتی ہیں	نور بانو محجوبؔ	496
گو نگے لفظوں کو صدا کی نغمگی تجھ سے ملی	افشاںؔ عباسی	497
میں بھی آنکھوں سے کبھی گنبدِ خضریٰ دیکھوں	ڈاکٹر انجناؔ سندھیر	498
بشر کیا لکھ سکے گا نعت پر عظمت محمد کی	بیگم عروج بدایونی	499
رُخِ مصطفیٰ کا جمال اللہ اللہ	پنڈت بال مکند عرش ملیسانی	500
الفت سرکارِ بطحیٰ چاہیے	ڈاکٹر رمیش پرساد گرگ بنارسی	501
کیا شان ہے جنابِ رسالت مآب کی	رام پرتاب اکملؔ جالندھری	502
خاک اوجِ ثریا کے آغاز پر	نسیمیؔ تاجی	503
اُنہیں کے واسطے تخلیقِ دو عالم خدا نے کی	شادؔ دکگرالوی	504
محبت ہی محبت لے کے پیارے مصطفیٰ آئے	زید احمد زیدؔ خیرآبادی	505
سلام اے سیّدِ عالم سلام اے روحِ انسانی	شہر یار رکگرالوی	506
اے شہنشاہِ دو عالم، الصلوٰۃ والسلام	پروفیسر شریف حسین قریشی	507

ستائش نامے

محمد افضل حسین برکاتی

الحاج سیّد محمد مفیض الدین قادری

ندیم صدیقی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اداریہ

الحمد للہ رب العالمین! ہم سب کے لیے مقام مسرت ہے کہ دبستان نعت اپنی عمر کی آٹھویں منزل طے کر چکا ہے۔ ہم نے اس کے ذریعے قارئین کرام کو صالح تخلیقی، تحقیقی اور تنقیدی مقالات و مضامین فراہم کرنے کی ہر ممکن کوشش کی ہے، مگر ہماری یہ کوشش کس حد تک کامیاب و کامراں ہے اس سے واقفیت ہمیں قارئین کرام کے نقطہائے نظر اور ان کی آرا سے ہی ہو پاتی ہے، وہی اس کی خوبیوں اور خامیوں کی آگاہی دیتے ہیں۔ اگر ان کی آرا اور ان کے نقطہائے نظر دستیاب نہ ہوں تو ہمیں مجلّے کی صحت وسقم اور اس کے معیار و وقار کا اندازہ ہی نہ ہو سکے۔

ہم نے ''دبستان نعت'' کے پہلے ہی شمارے سے نعتیہ ادب کی تنقید کو فروغ دینے کا عزم محکم کیا ہے۔ ہمارے نزدیک تنقید ہی توانا اور صالح نظریے کو جنم دیتی ہے۔ صرف دوسروں کی شخصیت ان کے افعال و کردار کا محاسبہ و محاکمہ ہی تنقید نہیں بلکہ اپنی ذات اور اس سے متعلقہ امور کا محاسبہ و محاکمہ بھی تنقید ہی ہے اور یہ عمل ہم اپنی روزمرہ کی زندگی میں بھی کرتے رہتے ہیں مثلاً ہم جب کسی سامان کی خرید و فروخت کرتے ہیں تو ہماری اوّلین نظر اس کی خوبیوں اور خامیوں پر ہوتی ہے اور جب ہم اس سے مطمئن ہو جاتے ہیں تبھی خرید و فروخت کے عمل کو حتمی شکل دیتے ہیں۔ خرید و فروخت کے دوران اس کی خوبیوں اور خامیوں پر نظر رکھنا کیا یہ تنقیدی شعور کا آئینہ دار نہیں ہے؟ یقیناً ہے۔ اسی طرح خود احتسابی کا عمل بھی تنقید کی ہی ایک شکل ہے مگر افسوس صد افسوس کہ اہل ادب نے ان تمامی تابندہ نقوش کو تنقید کے زُمرے میں شامل ہی نہیں کیا۔ جبکہ بغائر دیکھا جائے تو رب تبارک و تعالیٰ نے تخلیق و تحقیق، نقد و نظر اور جرح و تعدیل کی صلاحیت اس کی سرشت میں ودیعت فرما رکھی ہے۔

خود احتسابی یا محاسبۂ نفس جو صدیوں سے اسلام میں رائج ہے اور تصوف میں اس کو ایک اہم مقام و مرتبہ حاصل ہے انگریزی میں جسے Self accountability Censorship کہتے ہیں میری دانست میں یہ تو تنقید کی خشت اوّل ہے۔ جب ہم تصوف و سیر کی کتابوں کا مطالعہ کرتے

ہیں تو ہمیں ہمارے اسلاف ''محاسبۂ نفس'' پر سختی سے کاربند نظر آتے ہیں، اس سے ان کا مقصد سراغ زندگی کی یافت کے ساتھ اپنے آپ کو راستگی پہ قائم رکھنا تھا۔

محاسبۂ نفس کے تناظر میں میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ''دبستان نعت'' کے ساتویں شمارے میں ''تحمید وتقدیس'' کے عنوان کے تحت ہم نے ڈاکٹر تلنی وبھانا زلی ہمیر پور، ہماچل پردیش کی ایک حمد شامل کی تھی جس سے ہمارا مقصد غیر مسلم شعرائے کرام کی رب تبارک وتعالیٰ کی معرفت وآگہی اور اس کی بارگاہ عالی جاہ میں محبتوں سے لبریز جذبے کا اظہار تھا، مگر ان کی اس حمد کے ساتھ ہوا یہ کہ اس کے دوسرے شعر کا دوسرا مصرع:

''کس قدر احترام اس کا ہے''

نہ جانے کیسے تحریر ہونے سے چھوٹ گیا جس کی وجہ سے پوری حمد بے معنی ہو کر رہ گئی۔ جبکہ میں مجلّے کو ہر لحاظ سے معتبر بنانے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہوں نیز ''گلہائے عقیدت'' کے تحت شائع ہونے والی نعوت وسلام کو فن شاعری پر درک رکھنے والے حضرات سے بھی ایک نظر دکھا کر ہی تکمیل اشاعت کرتا ہوں، ہاں مذکورہ شمارے کے ساتھ اتنا ضرور رہا کہ حمد یہ کلام کو نہیں دکھا سکا شاید یہی وجہ رہی کہ ان کی اس حمد میں مذکورہ مصرع تحریر ہونے سے رہ گیا۔ جب مجلّہ کرم گستر محترم جناب فاروق جائسی صاحب کے پاس پہونچا تو انہوں نے مجھے فوراً ہی ٹیلی فون کر کے اس خامی کی طرف توجہ دلائی تو مجھے ایسا لگا جیسے کہ کاٹو تو خون نہیں۔ میں اپنی اس کوتاہی پر اس وقت سے لے کر تا ہنوز شرمندہ ہوں اور اسی سبب میں نے ڈاکٹر صاحبہ کو ساتویں شمارے کی کاپی ارسال نہیں کی۔ نیز میں نے اسی وقت طے کر لیا تھا کہ جب تک اس کی تلافی نہیں ہو جاتی تب تک ان کو مجلّہ ارسال نہیں کروں گا اور اس کی تلافی کی صرف ایک صورت تھی کہ میں اس کوتاہی کی وضاحت کرتے ہوئے ان کی پوری حمد از سرِ نو شائع کروں، جو حاضر خدمت ہے:

میرے دل میں قیام اس کا ہے　ذکر بس صبح و شام اس کا ہے
ہر گھڑی لب پے نام اس کا ہے　کس قدر احترام اس کا ہے
اس کی بخشش سے دو جہاں روشن　نور بکھرا تمام اس کا ہے
جو سمایا ہے ذرّے ذرّے میں　خوبصورت وہ نام اس کا ہے
وقت کو اپنی لَے سے جو بدلے　سوز اس کا کلام اس کا ہے
دل کو پاکیزگی سے جو بھر دے　ایسی مے، ایسا جام اس کا ہے
ہر مصیبت میں تو پکار اسے　حوصلہ بخش نام اس کا ہے
جو ہر اک غم سے کر دے بیگانہ　ایسا دلکش پیام اس کا ہے

سارا عالم سما سکے جس میں وہ ہمہ گیر نام اس کا ہے
باندھ رکھا ہے وقت کو جس نے نازؔلی وہ نظام اس کا ہے

اس سے میرا مقصد مجلّے کی استنادی حیثیت کو مجروح ہونے سے بچانا اور خود احتسابی عمل سے اپنے آپ کو ہم کنار رکھنا ہے، تاکہ مستقبل میں جب بھی کوئی محقق مجلّے پر مزید تحقیقی و تنقیدی نظر سے قلم اٹھائے تو وہ کسی طرح کے تذبذب کا شکار نہ ہو۔ میں یہاں پر اہلِ علم و ادب اور اپنے بہی خواہوں سے نہایت ہی ادب و احترام کے ساتھ عرض کرنا چاہوں نگا کہ جہاں وہ صفحات کے صفحات میری اور مجلّے کی ستائش میں رطب اللسانی فرماتے ہیں وہیں وہ میری اور مجلّے میں در آئی ہر چھوٹی بڑی خامیوں کی بھی نشان دہی فرمائیں، میں اُن کا مرہون منت رہوں گا۔ آپ یقین جانیں کہ مجھے ستائشی کلمات سے زیادہ خامیوں کا آئینہ دکھایا جانا پسند ہے اور ایسے حضرات کو میں جان و دل سے عزیز رکھتا ہوں کیونکہ ان کی نشان دہی مجھے راہِ راست پر گامزن تو رکھتی ہی ہے اس سے بڑھ کر مزید محتاط ہو کر کام کرنے کی توانائی عطا کرتی ہے، بشرطے کہ خامیاں حقائق پر مبنی ہوں۔

''دبستانِ نعت'' کا یہ شمارہ مجاہد آزادی، طنز و مزاح کے سرخیل اور مقتدر نعت گو شاعر محترم جناب محمد مصطفیٰ خاں احمؔق پھپھوندوی کے نام معنون ہے۔ احمؔق پھپھوندوی صاحب کی شاعرانہ عظمت کا اندازہ لگانے کے لیے صرف اتنا ہی کافی ہے کہ ان کا ایک شعر اکؔبر الہ آبادی کے سوانح نگار مولوی قمرالدین احمد صاحب بدایونی نے اپنی تصنیف منیف ''بزمِ اکبر یعنی اکؔبر الہ آبادی کی سوانح حیات اور کلام پر تنقید'' نامی کتاب مطبوعہ انجمن ترقی اُردو (ہند) دہلی، بارِ دوم سنہ ۱۹۴۴ء میں رقم کیا ہے جسے انہوں نے اکؔبر الہ آبادی کے سامنے پڑھا تھا۔ چونکہ احمؔق صاحب طنز و مزاح کے شاعر تھے اور اکؔبر الہ آبادی صاحب بھی، طبیعت کی مناسبت سے ہی ان کے شعر کو اکؔبر الہ آبادی کے سامنے پڑھا گیا، وہ درج ذیل ہے:

جو مَرے بربادیِ اسلام کی تلقین میں قبر اس کی ہو گلیڈ اسٹون کی پائین میں

بزمِ اکبر، یعنی اکؔبر الہ آبادی کی سوانح حیات اور کلام پر تنقید۔ مولوی قمرالدین احمد صاحب بدایونی بی۔اے، بی۔ٹی (علیگ) انجمن ترقی اُردو (ہند) دہلی، بارِ دوم، سنہ ۱۹۴۴ء صفحہ ۱۱۷

اس شمارے کا دوسرا مقالہ احمؔق پھپھوندوی صاحب ہی پر ہے جسے محترم عابد چشتی صاحب نے نہایت ہی عرق ریزی سے قلم بند کیا ہے، اس مقالے میں انہوں نے تحقیق و تفحص کا حق ادا کر دیا ہے۔ آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ایسے اکابرین کی تخلیقات ان کے فکر و فن اور کارناموں کو متعارف کرایا جائے۔ شاعرِ مشرق اقبؔال نے شاید اسی کے پیشِ نظر فرمایا تھا:

یا رب دل مسلم کو وہ زندہ تمنا دے　جو قلب کو گرما دے جو روح کو تڑپا دے
پیدا دلِ ویراں میں پھر سورشِ محشر کر　اس محمل خالی کو پھر شاہدِ لیلیٰ دے
بھٹکے ہوئے آہو کو پھر سوئے حرم لے چل　اس شہر کے خوگر کو پھر وسعتِ صحرا دے

''دبستانِ نعت'' کے اس شمارے میں تنقیدِ نعت کے حوالے سے دو اہم مقالے شاملِ ہیں۔ پہلا مقالہ علامہ ڈاکٹر شہزاد مجددی (لاہور) **اَدَامَ اللّٰہُ تَعَالیٰ فُیُوضَکُم** کا ہے۔ جس کا عنوان ہے ''اردو نعتیہ شاعری میں موضوع روایات''۔ ڈاکٹر صاحب کا یہ مقالہ چشم کُشا ہونے کے ساتھ ہماری فکر کو بھی مہمیز دیتا ہے کہ نعت رسول کس قدر علمی بصیرت و بصارت کی متقاضی ہے۔ اس میدان میں اگر علمی پائگاہ رکھنے والے لغزشیں کھا سکتے ہیں تو وہ نعت گو شعرا جو صرف تخیل کے سہارے نعت کی رقم طرازی میں مصروف ہیں وہ اپنے مقام و مرتبے کا تعین خود ہی کر سکتے ہیں اس کے لیے انہیں کسی تنقید نگار کی تنقید کی ضرورت نہیں۔ علامہ صاحب کا یہ مقالہ سہ ماہی مجلّہ ''مدحت'' لاہور کے خصوصی شمارہ ''قومی ادبی نعت کانفرنس ۲۰۲۳ء'' میں شائع ہوا تھا، جسے ہم نے اس کی افادیت کے پیشِ نظر ان سے اجازت لے کر شاملِ اشاعت کیا ہے۔ **جَزَاكَ هُمُ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنّا خَيرَ الجَزا۔**

دوسرا مقالہ محترم جناب ڈاکٹر امجد رضا امجدؔ، پٹنہ کا ہے۔ یہ مقالہ ہندوستان کے ایک مشہور و معروف شاعر و ادیب اور تنقید نگار ناوکؔ حمزہ پوری کی کتاب کا محاکمہ ہے جو حقائق و دقائق کی روشنی میں نہایت ہی بصیرت افروزی کے ساتھ قلم بند کیا گیا ہے۔ یہ مقالہ تنقیدِ نعت کی ابعاد و جہات کے تعین کے ساتھ تنقیدِ نعت کی سمت راست کی رہ نمائی کرتا ہے۔ تنقید کے انہی اصولوں پر گامزن رہ کر ہی نعت کو ارتقائی فروغ سے ہم کنار کیا جا سکتا ہے۔

نعت پر ایک وقیع مقالہ ہمیں محترم جناب فیروز احمد سیفی (نیو یارک) ڈائریکٹر نعت ریسرچ سینٹر۔ انڈیا نے فراہم کیا ہے۔ جسے پاکستان کے ایک موقر اسکالر پروفیسر محمد شریف سیالوی نے آج سے تقریباً ۳۳ رسال قبل تحریر کیا تھا مگر اس کے نقوش روزِ اوّل سے اتنے تابندہ ہیں کہ کہنگی کا نام ہی نہیں لیتے بلکہ اس کی ضیا پاشیاں روز بروز بڑھتی ہی جا رہی ہیں۔ اسی اہمیت و افادیت کے پیشِ نظر اس کو شامل مجلّہ کیا جا رہا ہے۔ جس کا موضوع ہے ''اندلسی شاعری میں روایت مدح رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم'' ان کا یہ مقالہ اولاً سہ ماہی مجلّہ ''فکر و نظر'' ادارۂ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد (خصوصی شمارہ اندلس کی اسلامی میراث) اپریل۔ دسمبر ۱۹۹۱ء میں صفحہ ۳۳۹ ر پر شائع ہوا تھا۔ جس کا عنوان تھا ''اندلس میں نعتیہ شاعری کے محرکات و موضوعات'' جسے بعد میں گورنمنٹ کالج شاہدرہ، لاہور سے شائع ہونے والے مجلّہ ''اوج''

کی دوسری جلد میں حکّ و اضافہ کے ساتھ ''اندلسی شاعری میں روایت مدح رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم'' کے عنوان سے شائع کیا گیا۔ یقیناً یہ مقالہ ایک فکر انگیز اور بصیرت افروز مقالہ ہے۔

ایک جانکاہ خبر جس نے مجھے نڈھال کر رکھا ہے وہ یہ کہ ۲۰۲۲ء میں میں محترم جناب ڈاکٹر شعائر اللہ خان صاحب کی دعوت پر تصوف سیمینار، رام پور حاضر ہوا تھا وہاں میری ملاقات پروفیسر ڈاکٹر شریف احمد قریشی صاحب سے ہوئی تھی۔ وہ اسم بامسمّی یعنی ایک شریف الطبع انسان تھے۔ جب میں نے سیمینار کے اختتام پر ان کو ''دبستان نعت'' کا چھٹا شمارہ پیش کیا تو وہ اسے دیکھ کر حیرت و استعجاب میں پڑ گئے اور مجھے ڈھیر ساری دعاؤں سے نوازتے ہوئے فرمایا کہ میں ان شاءاللہ تعالیٰ اس پر ضرور لکھوں گا اور کچھ ہی دنوں بعد انھوں نے مجھے مذکورہ شمارے پر ایک تاثراتی مضمون اور ساتھ میں دو نعتیں اور ایک سلام ارسال کیا۔ ۳۰ر دسمبر ۲۰۲۳ء کو بذریعہ سوشل میڈیا معلوم ہوا کہ آپ ۲۷ر دسمبر ۲۰۲۳ء کو طویل علالت کے بعد انتقال فرما گئے۔ اِنّا لِلّٰہِ وَ اِنّا اِلَیہِ رَاجِعُون۔

ہم نے اپنی روح کی تسکین اور ان کے تئیں خراج تحسین کے طور پر ان کی ایک نعت اور سلام کو اس شمارے میں شاملِ کیا ہے اور اللہ کریم جلّ مجدہٗ کی بارگاہ عالی جاہ میں آقا علیہم السلام کے طفیل دست بدعا ہیں کہ ڈاکٹر صاحب کی مذکورہ نعتیہ تحریر و تخلیق کو ان کے لیے ذریعہ نجات بنائے، آمین۔

اس بار ''دبستان نعت'' کے اس شمارے کی اشاعت میں بھی قدرے تاخیر ہوگئی، جس کی وجہ ۲ر نومبر ۲۰۲۳ء کو میرے بڑے بیٹے محمد اشرف سلمہ اور ۴ر نومبر کو میری درمیانی بیٹی سَحر صباح سلمہا کی شادی کی تقریبات کی مصروفیات رہیں نیز شادی کے معاً بعد مجھے ٹائفائڈ ہو گیا دوسرے یہ کہ ہماری چاہت کے اعتبار سے مقالات و مضامین بھی دستیاب نہیں ہو سکے تھے، جس کے لیے میں قارئین کرام سے معذرت کا خواستگار ہوں۔

آخر میں ہم اپنے تمامی قلمی اعانت فرمانے والے احباب کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ انھوں نے اپنا قیمتی وقت نکال کر اپنے گراں قدر تخلیقی، تحقیقی اور تنقیدی مقالات و مضامین نیز نعوت پاک سے نوازا ''دبستان نعت'' کی ساری زیبائش آپ کی انہی نوازشات کے سبب ہے:

هم رہے یاں تک تری خدمت میں سرگرم نیاز
تجھ کو آخر آشنائے نازِ بیجا کر دیا

(حسرت موہانی)

ڈاکٹر سراج احمد قادری

تحمید و تقدیس

حمد باری تعالیٰ جل جلالہ

صاحب بخشش و الطاف و عنایات خدا
ساری مخلوق کا ہے کعبۂ حاجات خدا

شب کا چاہے تو گھڑی بھر میں وہ تڑکا کر دے
دن کو چاہے تو گھڑی بھر میں کرے رات خدا

بخت بد سے تو بچاتا ہے وہ عزت میری
وقت بگڑے تو بناتا ہے مری بات خدا

ایسی آنکھیں مجھے اے عشق عنایت کر دے
جن سے مجھکو نظر آتا رہے دن رات خدا

دے کے لیتا نہیں، دیتا ہے تو پھر دیتا ہے
خالی کرتا نہیں بندوں کے بھرے ہاتھ خدا

سر بسر پنجۂ اندوہ سے دیتا ہے نجات
ہے طبیب قلق و صدمہ و آفات خدا

مضطرؔ اتنا غم محشر سے پریشاں کیوں ہے
آ پڑی بات تو رکھے گا تری بات خدا

مضطرؔ خیرآبادی (خیرآباد، یوپی)

حمد باری تعالیٰ ﷻ

چند حرفوں میں ثناء تحریر ہم کیسے کریں
مالک کل کی بتا تفسیر ہم کیسے کریں

اس زباں سے کیا بیاں ہو عظمتِ پروردگار
ذرے ذرے سے عیاں ہے قدرتِ پرودگار

کیا عجب ہے شان تیری خالقِ کون ومکاں
سارے عالم کا ہے داتا اور سبھی کا نگہ باں

ذات تیری وحدہٗ ہے اور لاثانی ہے تو
ساری خلقت کو فنا ہے اور لافانی ہے تو

عظمت ورفعت کو تیری ہم کریں کیسے بیاں
نطق عاجز سوچ کمتر اور قلم ہے نا تواں

ساری خلقت میں کوئی بھی رب نہیں تیرے سوا
جتنے بھی عالم ہیں سب کا تو اکیلا ہے خدا

ہر جگہ ہر سمت میں موجود تیری رحمتیں
ایک اک ذرّہ بیاں کرتا ہے تیری عظمتیں

یہ بھی سچ ہے ماورائے فہم ہے تو بے گماں
نا کوئی ہمسر ہے تیرا نا مماثل ہے یہاں

تو ہے ماؤں سے بھی بڑھ کر اپنے بندوں پر فدا
قہر پر غالب رہا تیرے کرم کا سلسلہ

تو ہی ہے خلاق مطلق تو ہی ہے کن کی صدا
تو اگر چاہے تو اک لمحے میں کر دے سب فنا

سارے بندے عبد ہیں تنہا تو ہی معبود ہے
کل جہاں کا ہر نفس ساجد ہے تو مسجود ہے

دہر تیرا ہے حرم تیرا کلیسا ہے تیرا
ہے ازل سے تا ابد سارا زمانہ ہے تیرا

تو ’سمیع‘ تو ’بصیر‘ تو ’قدیر‘ تو ’عظیم‘
تو ہے ’ارفع‘ اور ’اعلیٰ‘ تو ہے ’رحمٰن‘ و ’رحیم‘

پھول بوٹے ماہ و انجم بحر و بر ٹھنڈی ہوا
رات دن کرتے ہیں یارب سب تیری حمد وثنا

ساری مخلوقات ہو یا ہو نظام کائنات
تیرے ہی فضل وکرم پر ان سبھی کی ہے نجات

اک مکمل ضابطے میں ہے ترا سارا نظام
گردش ایام ہو یا ہو نظام صبح وشام

قوت ایمان شوق بندگی دیتا ہے تو
جس کو چاہے اس کو علم و آگہی دیتا ہے تو

تو جسے چاہے بنادے وقت کا مشکل کشا
فضل سے تیرے ہزاروں ہوگئے حاجت روا

جانتے ہیں سب تیری جلوہ گری ہے چارسو
ڈھونتے پھرتے ہیں پھر بھی لوگ مجھ کوکوبکو

ہم خطا کاروں پہ یارب بارشِ فیضان کر
شر سے تو ہم کو ہٹا اور صاحبِ ایمان کر

چاہتے ہیں ہم چلیں تا عمر راہِ مستقیم
ہے گناہوں سے ہماری آج بھی حالت سقیم

اس کےاحساں کی نہ حد ہےنا کوئی اس کا شمار
حد سے بڑھ کر رحم والا ہے میرا پروردگار

سرتا پا عاصی ہوں میں غازؔی مگر وہ ہے غفور
جو بھی اس سے مانگتا ہوں مجھ کو دیتا ہے ضرور

ڈاکٹرصوفی غازی امانؔ اللہ خان قادری
(اورنگ آباد)

حمد باری تعالیٰ جل جلالہ

چہار سمت ہے مظہر ربوبیت اس کی
ہے بندگی کا تقاضا ہی حمدیت اس کی

ہر ایک شئے بھی جہاں کی ہے ملکیت اس کی
ہر ایک دل پہ ہے قائم ملوکیت اس کی

نہیں ہے ہم نشیں اس کا، نہ اس سے بالاتر
جہاں میں سب سے معظم ہے حیثیت اس کی

ہوا میں، آب میں، دریا پہاڑ، بحر و بر
ہر ایک شئے میں نمایاں ہے شخصیت اس کی

وہ مہربان بھی، ستار بھی، کریم بھی ہے
بتائے کون صفت اس کی، عرفیت اس کی

چرند ہو کہ بشر ہو پرند صبح و شام
سبھی کو رزق بھی دیتا ہے خاصیت اس کی

غضب پہ آئے تو تحلیل کردے کوہِ گراں
وہ شاہِ کل ہے، کہاں کم ہے اہمیت اس کی

کتاب حق کی فضیلت بھی کیا بتائے کوئی
عظیم تر ہے زمانے میں شعریت اس کی

وہ لَمْ یَلِدْ بھی وہی لَمْ یُلَدْ، صمد بھی ہے
سمجھ سے دور ہے اے نصؔر ماہیت اس کی

نصر اللہ نصؔر (کولکاتہ)

تابشِ فکر و نظر

پروفیسر عبدالحق (دہلی)

حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم
غالبؔ کی آگہی کا سرچشمۂ نور

غالبؔ کسی فکری نظام کے موجد ہیں نہ مدعی۔ مگر وہ تفکیری شعور کے ترجمان ضرور ہیں۔ شعری تخلیقات میں فکر و شعور کی مختلف سطحیں موجود ہیں۔ عمومی خیال سے گریز پائی ان کی فطرت ہے۔ نئے تصورات زیادہ محبوب ہیں۔ ان کا مزاج فکر آشنا ہے۔ ان کے نزدیک تقلید ایک نامقبول توبہ ہے۔ ان کا معروف قول پیشِ نظر ہے:

اگر تقلید بودے شیوۂ خوب   پیمبر ہم رہِ اجداد رفتے

کہنہ نظامِ فکر ہو یا جہانِ انس و جن اسے مسمار کر کے نئی دنیا اور نئے نظام کی تشکیل کے وہ آرزومند ہیں۔ اس تغیر کے لئے تفکر لازم ہے۔ اس عمل میں استفہام کا درآنا ناگزیر ہے۔ نئے نئے اشکالات جنم لیتے ہیں۔ وہ مضطرب بھی کرتے ہیں۔ وہ اکثر سراپا استفسار نظر آتے ہیں:

کروں خوانِ گفتگو پر دل و جاں کی میہمانی

وہ وجود اور خارجی مظاہر کے بود و نبود پر ٹھہر کر غور و فکر کرنے والے سنجیدہ فنکار ہیں۔ وہ جہانِ موجود اور عالم امکان سے سرسری گزرنے کے قائل نہیں ہیں۔ ناقدین کا خیال ہے کہ ہماری شاعری میں فکر و فلسفہ کی روش کو غالب نے مہمیز کیا ہے۔ ہم ان کے اشعار سے بے تکلف نہیں ہو سکتے اور مستانہ طے کروں ہوں۔ وہ رہ وادئ خیال کا مظاہرہ بھی نہیں کر سکتے۔ کیونکہ صد جلوہ روبرو ہو تو جنبشِ مژگاں کو بھی بار ہوتا ہے۔

صحفِ سماوی میں اہل نظر کو تین زاویوں سے تدبر و تفکر کی تاکید ہے۔ **سَنُرِیۡهِمۡ اٰیٰتِنَا فِی الۡاٰفَاقِ وَفِیۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَهُمۡ اَنَّهُ الۡحَقُّ**۔ (حٰم سجدہ 53، پارہ 25)

یعنی رب جلیل، انسان اور مظاہرِ عالم ہی ارباب علم کے لئے مرکز توجہ ہیں۔ فلسفۂ قدیم و جدید میں

یہی مہماتِ مسائل میں شمار کئے گئے ہیں۔انہیں پر سلسلۂ فکرِ انسانی کی خاص توجہ رہی ہے۔غالبؔ مفکر تھے نہ مصلح۔لیکن وہ اپنی بساط بھر ان مسائل پر سنجیدگی سے سوچتے رہے ان کی آ گہی کا یہی اساسی پہلو بھی ہے:

بخشے ہے جلوۂ گل ذوق تماشا غالبؔ چشم کو چاہیے ہر رنگ میں وا ہو جانا

ایک جگہ اس حقیقت کا ادراک بطور اقرار موجود ہے:

گوہر کدۂ راز بود عالم معانی

عالم کے سراپا پُر اسرار ہونے کا اعتراف سنجیدہ فکر کا نتیجہ ہے اس فکر و تامل میں استفہامیے کا در آنا ناگزیر ہے۔یہ حقیقت بھی ملحوظ رہے کہ غالبؔ کے یہاں سوالات یا استفہامیہ کا اسلوب ہمارے شعراء کے مقابلہ سب سے زیادہ ہے۔ہمیں قدم قدم پر سوالیہ اشعار سے سابقہ پڑتا ہے۔

ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے؟
تمہیں کہو کہ یہ اندازِ گفتگو کیا ہے؟

☆

پوچھتے ہیں وہ کہ غالب کون ہے؟

☆

کہتے ہیں ہم تجھ کو منھ دکھلائیں کیا؟

☆

تمہیں کہو کہ جو تم یوں کہو تو کیا ہے؟

☆

ہوس کو ہے نشاطِ کار کیا کیا؟

☆

دل ہی تو ہے نہ سنگ وخشت درد سے بھر نہ آئے کیوں؟

☆

کسی کو دے کے دل کوئی نوا سنج فغاں کیوں ہو؟

☆

دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے؟

☆

حد ہے کہ تقریباً پوری غزل میں چار سوالیسے اشعار ہیں جو استفہامی تخلیق بن جاتے ہیں۔ مشہور غزل:

ابر کیا چیز ہے ہوا کیا ہے؟ یہ پری چہرہ لوگ کیسے ہیں؟

☆

جب کہ تجھ بن نہیں کوئی موجود پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے؟

فارسی میں بھی کئی غزلیں استفہامیہ پر مشتمل ہیں:

درِ گرد نالہ وادیٔ دل رزم گاہِ کیست؟ خونے کہ میدود بشرائن سپاہ کیست؟

☆

دوتا ہم از خیال کہ دل جلوہ گاہِ کیست؟ داغم ز انتظار کہ چشمش براہِ کیست؟

سرقہ کی بحث میں شامل شعر والی غزل بھی سوالیہ ہے:

لائق یہ قید و بند نہ بودن گناہ من بردن بزیرِ تیغ نہ کشتن گناہ کیست؟

اس شعر کو ظہوریؔ سے مستعار یا مستفاد بتایا جاتا ہے اس سبب غالبؔ کو ہدف بنایا گیا۔ غالبؔ کا جواب بھی ان کی ندرتِ خیال کی جرت افروز مثال ہے۔

کلیات میں بائیس اشعار کا ایک قطعہ ہے۔ جو دلچسپ ہے اور خیال افروز بھی۔ یہ غالبؔ کے فکر واستفسار کی گونا گوں ذہنی کیفیت اور اشارات کا مجموعہ ہے۔ شروع کے چار سوالیہ اشعار نہیں ہیں باقی سب سوالیہ اور مکالماتی اسلوب کے حامل ہیں۔ اُن میں شعری حسن بھی ہے۔ ساقی ہماری شاعری کا ایک علامتی پیکر ہے۔ جو بہت سی خوبیوں سے متصف ہے۔ مئے مینا و جام کے ساتھ یہ رازِ درون میخانہ کا پاسبان اور اسرارِ عالم کا رمز شناس بھی ہے۔ غالبؔ نے پہلے ہی شعر میں بزمِ آ گہی کے ساقی کو مخاطب کیا ہے۔ بزمِ آ گہی کی معنی آفرینی کو بہ غور دیکھنے کی ضرورت ہے:

ساقیٔ بزم آ گہی روزے راوتے ریخت در پیالۂ من
چوں دماغم رسید زاں صہبا شدم از ترکتاز و ہم ایمن
گفتم اے محرمِ سرائے سرور از ادب دور نیست پرسیدن
اوّل از دعویٔ وجود بگو گفت کفر است در طریقت من
گفتم آخر نمود اشیا چیست؟ گفت ہی ہی نمی تواں گفتن

ساقی جو واقفِ اسرارِ عالم ہے۔...... غالبؔ نے اپنے وجود گویا وجودِ انسانی اور مظاہر فطرت کی حقیقت دریافت کی ہے۔ یہی ان کے فکر وذہن کی خلش اور اضطراب کے باعث ہیں۔ اس کے بعد

غالبؔ فلسفیانہ افکار سے گریز کر کے اپنے ذاتی معاملات پر متوجہ ہوتے ہیں:

گفتمش با مخالفاں چہ کنم؟ گفت طرح بنائے صلح فگن
گفتمش چیست منشاء سفرم؟ گفت جور و جفائے اہلِ وطن

یہ سفر کلکتہ اور حریفانہ کشاکش کی طرف اشارے ہیں۔ اس کے بعد دہلی، بنارس، عظیم آباد، کلکتہ کے بارے میں سوال ہیں۔

غالبؔ نے استفسار کیا کہ یہاں کیا کرنا چاہیے ساقی جواب دیتا ہے کہ یہاں شعر وسخن ترک کر دو۔ غالبؔ کی شوخیِ طبع دیکھئے وہ سیم بروں کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ ساقی کا جواب ہے کہ یہاں کشورِ لندن کے خوباں بستے ہیں جو فولاد کی طرح سخت دل ہیں۔ مناسب ہے کہ ان سے پرہیز کرو اور اپنے سر کو سنگساری سے محفوظ رکھو۔ غالبؔ کے آخری سوال پر ساقی کا جواب ملاحظہ ہو:

گفتمش باز کو طریقِ نجات؟ گفت غالبؔ بکربلا رفتن

غالبؔ کا فکری نظام مربوط نہیں ہے۔ وہ منتشر اور غیر مرتب ہے۔ اہم مسائل پر ان کا ذہن مرتکز نہیں ہو پاتا۔ وہ ذاتی معاملات اور کشاکشِ غمِ پنہاں سے زندگی بھر نبرد آزما رہے۔ ورقِ زندگی کی تالیف کی مہلت نہ مل سکی۔ روٹی روزی کی فکر اور در بدری مقدر بن چکی تھی دوسرے مسائل در آتے ہیں۔ غیب سے مضامین بنیادی فکر کے ساتھ حاشیے کی ہم نشینی اختیار کر لینے پر مجبور ہوتے ہیں۔ غالبؔ کی یہ بڑی محرومی تھی۔ دیوان میں افکار کا ہجوم یا سیل نظر آتا ہے۔ مگر وہ غزلیہ شاعری کے طفیل لخت لخت بکھر جاتے ہیں۔ فکر کا ارتکاز یا تسلسل باقی نہیں رہ پاتا۔ ردیف وقافیہ کی پابندی بھی ریزۂ خیال کو منتشر کر دیتی ہے۔ خود فنکار کا ذہن بھی فکر کو مجتمع کرنے سے قاصر نظر آتا ہے۔ حالانکہ غالب کی بعض غزلوں میں کچھ اشعار میں تسلسل نظر آتا ہے۔ مگر دو چار شعر کے بعد یہ قائم نہیں رہ پاتا۔ یوں بھی غزل کو فرد فرد خیال ہی زیادہ راس آتے ہیں۔ غزل کے اس مسلمہ دستور سے غالبؔ بھی دست بردار نہیں ہو سکتے تھے۔

یہ تمام استفہامیے خدا، انسان اور اشیائے کائنات کی حقیقت کے ادراک کا سنگِ نشاں ہیں۔ جن کی آگہی کے لئے غالبؔ نے بطرزِ استفہام کا اسلوب اختیار کیا ہے۔

جانتا ہوں کہ جانتا ہے تو تب کہا ہے بطرزِ استفہام

آگہی کے تین مدارج ہیں۔ شعورِ خویشتن، شعورِ دیگرے اور شعورِ ثالث یعنی ذاتِ حق، ان تینوں کی شہادت سے آگہی عرفان تک رسائی حاصل کرتی ہے۔ اپنے وجود کی آگہی کے لئے:

خویش را دیدن بنورِ دیگرے

اپنے وجود کے لئے اشیائے کائنات کی آگہی لازم ہے۔ مظاہر کی آگہی سے اپنا عرفان مستحکم اور معظم ہوتا ہے۔ تکوینی نظام کا یہ ربط باہم ہے۔ اس ارتباط میں مرکز محسوس ذاتِ حق ہے۔ جس کی جلوہ آرائی سے کائنات نورفشاں ہے۔ بہ قول غالبؔ:

نازم فروغِ بادہ زعکسِ جمال دوست

اسی نورفشانی کا سرچشمہ نورِ ربّی ہے جو نورالسّمٰوات والارض ہے۔ یعنی وہ زمین وآسمان کا نور ہے۔ اس نورِ ربّی کا ذکر کلام میں ایک جگہ بیان ہوا ہے۔ جو بہت خیال افروز اور دل کشا ہے۔ اللہ کی ذات وصفات کی یہ مثال مسلم مفکرین کے نزدیک نوع بشر کے فکر وشعور کی معراج ہے۔ غالبؔ کے یہاں آگہی کی ارتفاعیت کا یہی منتہائے کمال ہے:

در آورد بی کلفتِ سمت و سوئے بنور السّمٰوات والارض روئے

غالبؔ نے سورۂ نور کی مقدس آیت کا ایک ٹکڑا اشارتاً نقل کیا ہے۔ پوری آیت تصورِ الٰہ کے عرفان وایقان کی ایک فروزاں رہ گزر ہے۔ آگہی وعرفان کا یہی نقطۂ جمال واتصال ہے۔ اس نقطۂ نور تک رسائی فیض مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بدولت ہے۔ ان کی اطاعت کے بغیر ممکن نہیں ہے غالب نے اس بلیغ اشارے کو حبِّ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور دینِ مبین کا دستور قرار دیا ہے یہی فکر ونظر کا حاصلِ حیات ہے۔

فارسی کلیات میں نعت کے ذیل میں پیغمبر اعظم وآخر صلی اللہ علیہ وسلم کی فیض بخشی آگہی کی دل نوازی وکرم گستری کا غالبؔ نے شکرانہ ادا کیا ہے:

از فیض بخشیٔ نقش غفلت آگہی وزدل نوازیٔ کرمش جبر اختیار

یہ نعتیہ قصیدہ ادبِ عالیہ میں منفرد امتیاز کا حامل ہے۔ حیرت ہوتی ہے کہ جذب ومحویت کا جو منظر فارسی شاعری میں موجود ہے۔ وہ اردو میں مفقود ہے۔ یہی نہیں بلکہ تفکیر دینی کے حوالے یا تذکرے جس کثرت سے فارسی شاعری میں موجود ہیں۔ اردو تخلیق تہی دامن ہے۔ مجھے یہ کہنے میں کوئی عار نہیں ہے کہ غالبؔ کے فکر وفن کی جو صورت فارسی میں ہے وہ اردو سے مختلف ہے۔ آہنگ واسالیب بھی الگ ہیں:

سائم بر آستانِ رسولِ کریم سر جاں را بہ فرقِ مرقدِ پاکش کنم نثار

غالبؔ ذولسان قلمکار ہی نہیں دومختلف شعری شبیہ رکھتے ہیں۔ محسوس ہوتا ہے کہ وہ فکر وشخصیت کے عجائب روزگار ہیں۔ شنویت کا یہ پہلو اردو اور فارسی کلام میں نمایاں ہے۔ ان کی آگہی کا مرکزِ محسوس

ذات گرامی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ اردو میں دو ایک اشاروں پر اکتفا کیا گیا ہے۔ جب کہ فارسی میں کئی سو اشعار موجود ہیں۔ جن میں ان کی عقیدت وارادت مندی اور ایمان ویقین کی جلوہ گری اعجازِ بیان کے ساتھ نمایاں ہے۔ اسی مذکورہ قصیدے میں نعتیہ ادب کا بے مثل شعر منظوم ہوا ہے۔ جو غالب کے بلند تخیل کے منتہاؤں کی دلیل ہے۔ اقرار ہے کہ رحمتِ عالم کے دستورِ دین سے دانش وبینش یا عرفان وآگہی کی تمام شعاعیں کسبِ نور کرتی ہیں:

فخرِ بشر، امانِ رسل، قبلۂ امم کز شرعِ اوست قاعدہ دانش استوار

غالبؔ کا اقرار ہے کہ عرفان وآگہی کا مرکز نور ذات مبارک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آئین کی اطاعت ہے۔ اسی اطاعت میں دونوں جہان کی فوز وفلاح اور اسرارِ آگہی کے راز پوشیدہ ہیں کیونکہ وہی مسجودِ عالم اور حضرت باری کے نظام کونین کا محافظ ہے:

مطاعِ آدم و عالم محمد ﷺ عربی
وکیل مطلق و دستورِ حضرتِ باری

☆☆☆

عابد چشتی (پھپھوند شریف، یوپی)

مجاہد آزادی احمقؔ پھپھوندوی: حیات اور نعتیہ شاعری ایک عمیق مطالعہ

ایک طرف یہ بات مسلمہ حقیقت ہے کہ شعر وسخن کے افق پر ابھرنے والی شخصیات اپنے اندر شاعری کا ایک جداگانہ پہلو لیے ہوتی ہیں جو دنیائے شعر وادب میں انہیں امتیازی تشخص سے ہمکنار کرتا ہے اور پھر یہی تشخص ان کی منفرد شناخت کا حوالہ بن جاتا ہے جس کے تناظر میں شاعر کے شخصی افکار ونظریات اور اس کے میلانات کا مطالعہ بہت آسان ہو جاتا ہے۔ جب کہ دوسری طرف یہ حقیقت بھی ہمارے تجربات کا حصہ ہے کہ تشخص وامتیاز کی یہ پرت کبھی کبھی اس قدر دبیز ہو جاتی ہے کہ اس کی تہہ میں شاعر کی شخصیت اور اس کی شاعری کی دیگر جہتیں کہیں دب کر رہ جاتی ہیں اور طویل زمانہ گذرنے کے باوجود ان پہلوؤں تک کسی کی رسائی نہیں ہو پاتی ہے یا پھر سراغ لگتا بھی ہے تو اسے ایک استثنائی پہلو سمجھ کر نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔

جناب احمقؔ پھپھوندوی کا شمار بھی شعر وادب کی ایسی ہی مایۂ ناز شخصیات میں ہوتا ہے جنہوں نے شاعری کی دنیا میں ایک مخصوص طرز یعنی طنز ومزاح کی روایات کو نہ صرف آگے بڑھایا بلکہ مزاحیہ شاعری کو اپنی جودت طبع اور فکر رسا سے مالا مال کر دیا اور طنزیہ شاعری کے باب میں ان نادر تجربات کو شامل کیا جنہیں دیکھ کر بالاتفاق انہیں اپنے دور کی مزاحیہ شاعری کا استاد تسلیم کیا گیا۔ احمقؔ صاحب اپنی بذلہ سنجی، طنزیہ لب ولہجے، منفرد انداز، ظرافت آمیزی اور سادگی کے ساتھ اپنے نظریات رکھنے کے حوالے سے جانے جاتے ہیں۔ معاصر شہادتوں سے پتہ چلتا ہے کہ جناب ''اکبرالٰہ آبادی'' کی مزاحیہ شاعری کے خوگر ان کے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد اپنے ذوق کی تسکین کے لیے احمقؔ پھپھوندوی کی محفلوں کا رخ کیا کرتے تھے جہاں پہنچ کر ان کی مزاح طلب طبیعتیں ایک گونہ انسیت

محسوس کرتیں یہی وجہ ہے کہ ہم عصر شعرا احمق صاحب کو اکبرالہ آبادی کے جانشین اوران کی مزاحیہ شاعری کے مظہر وامین کے روپ میں دیکھتے تھے۔

خیر احمؔق پھپھوندوی کی شاعری کا مزاحیہ پہلوان کی بین الاقوامی شناخت کا حوالہ تو بن گیا مگر اس مخصوص شناخت کی تہہ میں احمؔق صاحب کی شاعری کا وہ پہلو بہت بری طرح متاثر ہوا جہاں ان کے قلم کی روشنائی طنز ومزاح کی دنیا سے الگ، طہارت وخلوص اور احترام وحیا کا دوشالہ اوڑھے عشق و وجدان کے سہارے اپنے آقا کی بارگاہ میں شاعری کے پیکر میں عجز و نیاز کے گوہر آبدار لٹا کر اپنی عقیدت اور غلامانہ محبت کا اظہار کرتی دکھائی دیتی ہے۔ میری محدود معلومات کی حد تک احمق پھپھوندی کی شاعری کا یہ مقدس پہلو تاریخ کے نہاخانے سے ابھی تک باہر نہ آسکا جس سے احمق صاحب کے ''ادب نواز'' بھی ناآشنا رہ گئے۔ مندرجہ ذیل سطور میں معدودے چند دستیاب کلام کی روشنی میں احمق صاحب کی حیات کے ساتھ ساتھ ان کی نعتیہ اور مذہبی شاعری کے اسی ان کہے باب کا جائزہ لینے کی چھوٹی سی کوشش کی جارہی ہے جو کانچ کے بکھرے ہوئے ٹکڑوں کی طرح تو ہیں مگر ان میں احمق صاحب کی نعتیہ شاعری کا غیر مربوط ہی سہی دھندھلا سا عکس دکھائی دے جاتا ہے۔

احمؔق پھپھوندوی کا اصل نام ''محمد مصطفیٰ خاں'' تھا، پیدائش ۲۶/اپریل ۱۸۹۵ء میں قصبہ پھپھوند شریف میں ہوئی، آبائی وطن فرخ آباد تھا جہاں سے ہجرت کرکے ان کے والد پھپھوند آئے اور پھر یہیں کی مستقل سکونت اختیار کرلی۔ ہجرت کی وجوہات کا تعلق ۱۸۵۷ کی جنگ آزادی سے جڑا ہوا ہے جس کے ناکام ہونے کے بعد مجاہدین اور حریت پسندوں کو چن چن کر موت کے گھاٹ اتارا گیا، جس میں ہزاروں سرفروشوں کو انگریزوں کے ظلم واستبداد کا بہت بری طرح شکار ہونا پڑا۔ انہیں پھانسی پر لٹکایا گیا، اور آزادی کی تحریک کو ہمیشہ کے لیے کچلنے اور آنے والی نسلوں کو خوفزدہ کرنے کے لیے سرعام ناقابل بیان اور خطرناک سزاؤں سے گذارا گیا تاکہ مجاہدین کا انجام دیگر حریت پسندوں کے لیے نشان عبرت بن جائے اور پھر ان کے اندر سلگتی آزادی کی چنگاری کبھی شعلہ جوالہ نہ بن پائے بلکہ خوف و ہراس اور انجام کے رونگٹے کھڑے کردینے والے یہ مناظر ان کی تحریک اور آزادی کی امنگوں پر آخری ضرب ثابت ہوں۔ سنہ ۱۸۵۷ کی پہلی جنگ آزادی میں جن خاندانوں کو انگریزوں کے ظالمانہ عتاب اور اس کے سفاک نتائج بھگتنے پڑے ان میں احمؔق پھپھوندوی کا خاندان بھی تھا۔ احمق صاحب کے دادا مجاہد حریت جناب امام خاں، جو سنہ ستاون کی جنگ آزادی میں پروانہ وار سربکف نکل پڑے تھے، تحریک کے سرد پڑتے ہی انہیں پابند سلاسل کردیا گیا اور بغاوت کے جرم میں انگریز حکومت نے سر

عام انہیں تختہ دار پر لٹکا دیا۔ یہ صدمہ پورے خاندان کے لیے اس قدر گہرا تھا کہ جس کے زخموں کو مندمل کرنے کے لیے آبائی وطن چھوڑنے کا فیصلہ لیا گیا اور پھر احمق صاحب کے والد جناب عبداللہ خاں نے پھپھوند شریف آ کر یہیں کی بود و باش اختیار کر لی۔

احمؔق پھپھوندوی کو قدرت نے شاعرانہ طبیعت سے نوازا تھا، وہ بچپن ہی سے شعر و شاعری کی طرف مائل تھے، کچھ شعور بیدار ہوا تو خود احمق صاحب کو اپنی شاعرانہ صلاحیتوں کو نکھارنے اور پروان چڑھانے کی فکر دامن گیر ہوئی، جس کے لیے انہوں نے مولانا احسن مارہروی کو اپنا استاد بنایا۔ مولانا احسؔن مارہروی اپنے عہد کے نامور شاعر اور نقاد تھے جنہیں جناب داغ دہلوی سے شرف تلمذ حاصل تھا، اردو ادب کے ارتقا میں ان کی خدمات تاریخ کا حصہ ہیں۔ ۱۹۲۰ میں والد کے انتقال کر جانے کے بعد احمق صاحب مارہرہ چلے آئے اور یہیں رہ کر استاد سے اصلاح لینے لگے۔ شعر و سخن کی اصلاح اور استاد کے قلم سے نوک پلک سنوارنے کا سلسلہ جاری ہی تھا کہ اس دوران احمق صاحب کو شدت سے اس بات کا احساس ہونے لگا کہ علم کی کمی کہیں نہ کہیں ان کی اعلیٰ، فکر انگیز اور انقلاب آفریں شاعری کی راہ میں زبردست رکاوٹ بن رہی ہے اور جب تک یہ معرکہ سر نہیں کر لیا جاتا ہے اس وقت تک شاعری میں آفاقیت کے رنگ بھرنا بہت مشکل معلوم ہوتا ہے، علم کی کمی ان کی شاعری میں وہ تنوع نہیں لا سکتی جس کے ذریعہ وہ شعر و ادب کی زمین پر گہرے نقوش ثبت کر سکیں اور یوں سماج کے لیے کچھ کر گذرنے کے جن منصوبوں کا خاکہ وہ اپنے ذہن میں بنا رہے ہیں، محدود شاعری کی بساط پر ان منصوبوں کو بال و پر پھیلانے کا موقع کبھی نہیں ملے گا۔ علم کی کمی کا یہ احساس دن بدن گہرا ہوتا چلا گیا اور آخر میں احمؔق صاحب نے اصلاح سخن کے اس سلسلہ کو یہیں روکا اور حصول علم کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔ علم کی تشنگی کو بجھانے کے لیے انہوں نے مرکز اولیا بدایوں کے مدرسہ ''شمس العلوم'' کا رخ کیا اور یہاں رہ کر ایک عرصہ تک اپنی علمی پیاس بجھاتے رہے۔ اس کے بعد اعلیٰ تعلیم طبیہ کالج دہلی میں جا کر مکمل کی اور یہاں سے ان کا تعلیمی سلسلہ موقوف ہو گیا۔ (ابتدائیہ نقش حکمت)

ہم پیچھے ذکر کر آئے ہیں کہ احمق پھپھوندوی کا تعلق اس گھرانے سے تھا جنہوں نے انگریزوں کے ظلم و جبر اور ان کے غیر انسانی رویوں کو بہت قریب سے نہ صرف دیکھا تھا بلکہ وہ ان کے مشق ستم بھی بنے تھے اور انگریزوں کے ظالمانہ برتاؤ نے انہیں اپنا آبائی وطن چھوڑ کر خانہ بدوشی پر مجبور کر دیا تھا، درد و کرب اور سفاکیت کی یہ دل سوز اور سیاہ یادیں احمق صاحب کے دل میں چنگاری بن کر سلگ رہی تھیں جو آگے چل کر احمق صاحب کے باغی بننے اور انگریزوں کے خلاف پوری قوت، جواں مردی، جرأت

اورآہنی جذبوں کے ساتھ میدان میں آنے کا محرک بنیں اور پھر احمق صاحب اوائل عمری ہی میں، جب کہ ابھی جوانی کی بہاریں ان کی زندگی میں خوشگوار دستک دے رہی تھیں، انگریزوں کے خلاف اٹھنے والی ’’تحریک عدم اعتماد‘‘ سے وابستہ ہوگئے اور پورے جوش وخروش کے ساتھ انگریزوں کے پنجۂ استبداد سے ہندوستان کو آزاد کرانے کے لیے جدوجہد کرنے لگے۔ احمؔق پھپھوندوی نے انگریزوں کے خلاف ہندوستان کی عوام کو بیدار کرنے اور ان کے اندر آزادی کی اسپرٹ پیدا کرنے کے لیے اپنی قلمی اور شاعرانہ توانائیوں کا سہارا لیا اور طنزومزاح کے خوش نما لبادے میں انگریزوں کے ناپاک عزائم اور خفیہ منصوبوں کو طشت از بام کرنا شروع کردیا، دن گذرتے جس کے اثرات کا دائرہ وسیع ہوتا چلا گیا اور ان کی طنزیہ شاعری کے گہرے نشتر نے انگریزوں کے اندر اضطراب کی ایک لہر پیدا کردی۔

احمؔق پھپھوندوی کا شمار ان حریت پسندوں میں ہوتا ہے جو حصول آزادی کو اپنی زندگی کا نصب العین سمجھتے تھے اور اسی محور کے گرداں کی زندگی کی ہر حرکت گردش کررہی تھی۔ احمؔق صاحب کا ماننا تھا کہ غلامی کے جس تعفن زدہ ماحول میں ہم سانس لے رہے ہیں اور دوسروں کے رحم وکرم پر عزت نفس کا سودا کر کے گھٹ گھٹ کر جی رہے ہیں دراصل زندگی کے یہی تلخ اور رسوا کن تجربات ہمارے اندر یہ احساس پیدا کررہے ہیں کہ ایسی زندگی جس میں ایک انسان کے افکار تک پر پہرے بٹھا دیے جائیں اور سانس لینے کے لیے بھی اسے کسی کا مرہون منت ہونا پڑے، اس سے بہتر تو یہ کہ انسان موت کو گلے لگالے، چناں چہ ایک مسلسل نظم میں اس نظریہ کو پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

غلامی نے ہمیں اس فیصلے پہ لا کے پہنچایا کہ آزادی نہ ہوتو زندگی سے موت بہتر ہے
تمھیں مشق ستم مدنظر ہے تو یہاں آؤ مرا دل نذر تیغ و دشنہ وشمشیر وخنجر ہے

(نقش حکمت، ص:۲۸)

احمؔق پھپھوندوی اگر انگریزوں کے خلاف کھڑے ہوئے تھے تو اس کا سبب نہ تو اندھی تقلید تھی نہ ہی حریت پسندوں کی جذباتی رو میں بہہ جانے کا نتیجہ بلکہ وہ صاحب بصیرت تھے اور انگریزوں کے ناپاک اور خطرناک عزائم سے پوری طرح واقف ہونے کے بعد ہی انھوں نے آزادی پسند تحریکوں سے وابستگی اختیار کی تھی، وہ جانتے تھے کہ انگریز کس طرح تجارت کے بہانے ہندوستان کی سرحدوں میں داخل ہوئے اور اندر ہی اندر ہندوستان کو کھوکھلا کرنے کے لیے انھوں نے تانے بانے بننا شروع کردیے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہزاروں سال سے آزاد قوم بڑی چالاکی سے غلام بنالی گئی۔ انگریزوں کی نفرت انگیزی اور دہشت گردی کا نقشہ کھینچتے ہوئے لکھتے ہیں:

جانؔ بلؔ صاحب جو ہیں آج اس قدر نیک و شریف
ہم کو ان کا ہند میں تشریف لا نا یاد ہے
اول اول جب ہوا ہے ذات والا کا نزول
ہم کو وہ پر ہول و پر دہشت زمانہ یاد ہے
یاد ہیں ہم کو سب ان کے مکر ساری سازشیں
ان کی عیاری و فطرت کا فسانہ یاد ہے
جب ہمارے مال و دولت پر ہوئی ڈاکہ زنی
ہم کو اس قید ستم کا کارخانہ یاد ہے
کی گئی جب صنعت و حرفت ہماری پائے مال
ہم کو وہ ناپاک دور ظالمانہ یاد ہے
جب ہمارے اہل فن کی انگلیاں کاٹی گئیں
اب تک ان کا درد و غم سے تلملانا یاد ہے
جب ہوئے ہم فقر و ناداری سے برباد و تباہ
ہم کو اب تک اس مصیبت کا زمانہ یاد ہے
جس طرح ہم سے ہماری سلطنت چھینی گئی
یاد ہے ہاں وہ سلوک وحشیانہ یاد ہے
یاد ہے ہم کو وہ ان کے تفرقے کی پالسی
وہ شہیں دے کر ہمیں باہم لڑانا یاد ہے
تر ہوئے تھے جو گلی کوچے ہمارے خون سے
ہم کو وہ ہر جگہ ہر ہر ٹھکانہ یاد ہے
آپ سب کچھ بھول بیٹھے ہیں مگر بندہ نواز
ہم کو ان کی ہر ادائے مجرمانہ یاد ہے

(نقش حکمت ص:۱۰۳)

حصول آزادی کی جد جہد میں احمؔق صاحب اول سے آخر تک مخلص دکھائی دیتے ہیں وہ چاہتے تھے کہ جلد سے جلد ہندوستان کی فضا میں آزادی کی خوشبو پھیلے اور جس درد و کرب کے سمندر سے ان کا وجود گزرا ہے اور لوگوں کو ان حالات سے نبرد آزما نہ ہونا پڑا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ہزاروں کوششوں کے باوجود انہیں امید کی کرن نظر نہیں آتی ہے تو پھر وہ پوری عاجزی کے ساتھ اپنے خالق و مالک کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہو کر درد بھرے لہجے میں اس کی رحمت کو آواز دیتے ہیں اور یہاں ان کا قلم عبدیت کے آداب میں ڈھل کر یوں فریادی بن جاتا ہے:

بارالٰہا پھر اب ہند کو آزاد کر
پھر اسے آزاد کر
پھر اسے آباد کر
پھر اب اسے یاد کر
پھر اب اسے شاد کر
سخت مصیبت میں ہے غیب سے امداد کر
بارالٰہا پھر اب ہند کو آزاد کر

کر پھر اسے سر بلند
کر پھر اسے ارجمند
قید محن تا بہ چند
کر پھر اسے فتح مند
اجڑا ہوا ہے یہ گھر پھر اسے آباد کر
بارالٰہا پھر اب ہند کو آزاد کر
دور ہو پھر دل سے زنگ
ختم ہو آپس کی جنگ
پھر ہوں وہی رنگ ڈھنگ
پھر ہوں وہی ساز و چنگ
پھر نئے انداز سے تو اسے دل شاد کر
بارالٰہا پھر اب ہند کو آزاد کر
رنج و والم کب تلک
جور و ستم کب تلک
جنگ بہم کب تلک
روز کا غم کب تلک
ختم بس اب یا خدا ملک سے بیداد کر
بارالٰہا پھر اب ہند کو آزاد کر
رکھ لے پھر اس گھر کی لاج
پھر ہو عطا تخت و تاج
بدلے نظام سماج
ختم ہو اب سامراج
قوتیں اس کے خلاف جتنی ہوں برباد کر
بارالٰہا پھر اب ہند کو آزاد کر

(نقش حکمت، ص:۱۰۲)

احمؔق صاحب کی شاعری میں ہندوستان کی آزادی کی آواز دن بدن بلند ہوتی جارہی تھی اور ان کے اشعار آزادی کے متوالوں کے خون میں عجب گرماہٹ پیدا کر رہے تھے، قوم کے نوجوانوں کو جھنجھوڑتے ہوئے ایک جگہ لکھتے ہیں:

سنو دوستو جوش و ہمت دکھاؤ　　اٹھو اور اب ملک کے کام آؤ
وگر نہ یوں ہی ٹھوکریں کھاؤ گے تم　　یوں ہی روؤ گے اور پچھتاؤ گے تم
ملے گی سزا تم کو اس خود سری کی　　نہ دیکھو گے صورت کبھی بہتری کی
رہو گے یوں ہی عمر بھر جوں کے توں تم　　پھروگے سدا یوں ہی خوار و زبوں تم

(نقشِ حکمت، ص:۸۲)

احمؔق صاحب کی مذکورہ پر جوش نظموں نے انگریزوں کی نیندیں اڑا رکھی تھیں جس کے نتیجہ میں احمؔق صاحب کو قید و بند کی پر خار راہوں سے بھی گزرنا پڑا، مگر یہ نتائج خود احمق صاحب کے لیے کوئی غیر متوقع نہیں تھے بلکہ انہیں بخوبی اس بات کا یقین تھا کہ انھوں نے اپنی شاعری سے معاشرے کو منظّم کرنے اور انگریزوں کے خلاف متحد کرنے کی ملکی سطح پر جو مہم چھیڑ رکھی ہے وہ خود ان کے حق میں خطرناک نتائج کا پیش خیمہ ثابت ہوسکتی ہے، مگر احمؔق صاحب کے لیے ان مصائب اور عواقب کا تصور پریشان کن نہیں تھا، اس لیے کہ وہ فنا اور بقا کے اسلامی فلسفے سے آشنا تھے اور اس پر یقین بھی رکھتے تھے جس کا جا بجا انھوں نے اظہار کیا ہے، ایک جگہ لکھتے ہیں:

حیات جاوداں پانا ہے الفت میں فنا ہونا　　مرے مٹنے میں میری زندگی کا راز پنہاں ہے

(زندان حماقت ص:۱۲)

ایک لطیفہ: یہاں ایک پر لطف بات یہ بھی بتاتے چلیں کہ ہر چند کے پورے ملک میں احمؔق پھپھوندوی کی نظموں کی دھوم مچی ہوئی تھی اور ان کی انقلاب انگیز شاعری اخبارات کی زینت بن کر ہندوستانیوں میں ولولے پیدا کر رہی تھی جس کے چلتے انگریز حکومت ان کی نظموں کے تئیں حد سے زیادہ فکر مند اور پریشان تھی مگر اس کے برعکس خود قصبہ پھپھوند شریف ''احمؔق پھپھوندوی'' کے کسی انقلابی وجود سے یکسر نا آشنا تھا، انگریز پولیس نے کئی مرتبہ چھاپے مارے اور انہیں حراست میں لینے کے لیے پھپھوند میں تلاش کیا مگر قصبے کے لوگوں سے ''احمؔق پھپھوندوی'' کا کوئی سراغ نہ لگ سکا اور ہر بار انہیں مایوس لوٹنا پڑا، مگر یہ راز خود احمق صاحب اپنے سینے میں دبائے رکھنا مومنانہ عزیمت کے خلاف اور بزدلی کے مترادف سمجھتے تھے اس لیے انھوں نے خود ہی ایک دن یہ راز کھول دیا کہ:

تلاش احمقؔ مخبوط کیوں ہے اس قدر تم کو وہی تو ہے کہ جس کا نام شاید 'مصطفیٰ خاں' ہے

(زندان حماقت، ص:۱۲)

اس کے بعد اہل قصبہ کو ان کی ذات کا ادراک ہوا اور انگریزوں کی بھی راہ ہموار ہوگئی اور پھر یہیں سے ان کی قید و بند اور نظر بندی کا ابتلائی دور شروع ہوا جسے احمق صاحب کی ظریفانہ طبیعت نے مسکرا کر گلے لگایا، اس لیے کہ ان کی زندگی میں یاس کے لیے کوئی جگہ نہیں تھی وہ مایوسیوں کے اندھیروں میں بھی مسکرانے کا ہنر بخوبی جانتے تھے، احمق صاحب کو پابند سلاسل کرنے کے باوجود انگریز ان کے قلم، فکر اور جذبات پر پہرا نہ بٹھا سکے اور احمق صاحب قید خانوں کی تاریک فضاؤں میں بھی انگریز حکومت کے خلاف مسلسل لکھتے رہے اور یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہا جب تک کہ انگریزوں کے ناپاک وجود سے سرزمین ہند پاک نہیں ہوگئی ۔آپ کی نظموں کا مجموعہ ''زندان حماقت'' قید و بند کے انہیں لمحات کی یادگار ہے جب احمق صاحب ''اذیت خانوں'' کو بھی اپنی شاعری سے لالہ زار بنائے ہوئے تھے۔

یہ احمقؔ پھپھوندوی کی زندگی کا وہ رخ ہے جس رخ سے وہ خالص حریت پسند اور کانگریس کے متحرک اور سرگرم رکن نظر آتے ہیں، جنہیں انگریز اور ان کی ظالمانہ حکومت سے پشتینی عداوت تھی اور اسی عداوت نے انہیں انگریزوں کے خلاف کھل کر میدان میں آنے پر مجبور کر دیا تھا۔احمق صاحب کا یہ رخ پوری دنیائے شعر و ادب کے سامنے ہے اور اسی رخ سے دنیا انہیں پہچانتی ہے۔مگر احمقؔ صاحب کی زندگی کا ایک ایسا تابندہ باب بھی ہے جس سے بہت کم لوگ واقف ہیں، جہاں ان کی شخصیت طنز و مزاح، تغزل و سیاست کے مجازی جذبوں کے بجائے عقیدت، احترام، نیازمندی، اور اخلاص و محبت جیسے مقدس عناصر سے ترکیب پاتی ہے اور یہاں ان کے قلم کی شوخی اور شوریدگی یک لخت متانت، سکون اور ادب کے سانچے میں ڈھل کر نعت و مناقب کے وہ گل بوٹے کھلاتی ہے کہ جس کی خوشبو سے عشاق کا وجود معطر ہو اٹھتا ہے اور کلام کا بانکپن سامع کو سر دھننے پر مجبور کر دیتا ہے۔

یوں تو احمقؔ صاحب اول سے آخر تک ایک مزاحیہ اور سیاسی شاعر کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں اور اس میدان میں ہی انہوں نے زیادہ تر طبع آزمائی کر کے اپنے تجربات سے دنیا کو چونکایا بھی ہے اور محظوظ بھی کیا ہے، تاہم نعت و مناقب کے جو قدیم اور معدودے چند شہ پارے کسی طرح ہمارے ہاتھ لگے ہیں ان کے تناظر میں احمق صاحب کی شخصیت کچھ الگ ہی رنگ ڈھنگ اور سرمستی میں نظر آتی ہے، جہاں وہ الفاظ اور مفردات کی رقصاں اور زندہ ترکیبوں کے سہارے حبیب مکرم کی

بارگاہ سے جڑے اپنے داخلی جذبات، ان کے نورانی پیکر سے وابستہ شعور اور اپنے عشق و وارفتگی کا اچھوتے، دل نشیں اور دل آویز انداز میں اظہار کرکے کائنات عقیدت میں نعت کے مسحور کن قوس و قزح بناتے ہیں اور دبستان نعت میں رنگارنگ پھول کھلا کر عشق و محبت کی خوشبو بکھیر دیتے ہیں۔ یہاں یہ بات بھی عرض کرتا چلوں کہ احمق صاحب کی نعت گوئی ان کی زندگی کا کوئی حادثاتی واقعہ نہیں بلکہ اس کے پس پردہ وہ محرکات ہیں جو ان کی نعتیہ شاعری کی طرح عام ذہنوں سے پوشیدہ ہیں، جسے سامنے لانے کے بعد ان کی زندگی کی بکھری ہوئی کڑیاں خود بخود جڑتی چلی جاتی ہیں اور انہیں کڑیوں کے سہارے ان کی متنوع شخصیت کا سراغ لگانا آسان ہو جاتا ہے۔

یہ بات تو سب جانتے ہیں کہ احمؔق صاحب حریت پسند شاعر تھے اور انگریز حکومت کے خلاف لکھنا و بولنا یہی ان کی زندگی کا ہدف تھا جس کے لیے وہ بلا خوف و خطر تگ و دو کرتے رہے اور مصائب و آلام کے ہر طوفان سے گذرے مگر عام طور سے ان کی زندگی کے اس پہلو سے کبھی روشناس نہیں کرایا گیا اور نہ اس طرف توجہ دی گئی کہ وہ ایک مقدس خانقاہ سے وابستہ تھے اور ایک شیخ کامل کی بارگاہ کے حاضر باش اور صاحب نسبت بھی تھے، اور شیخ کے در سے وابستگی، غلامی اور روحانی نسبت نے ان کے وجود کے ساتھ ساتھ ان کی شاعری پر بھی گہرے اثرات مرتب کیے تھے۔

دراصل جناب احمؔق پھپھوندوی، حاجی الحرمین الشریفین پیکر اخلاص و وفا، فنا فی الشیخ، محبوب حافظ بخاری حضرت علامہ سید شاہ خواجہ اخلاص حسین چشتی رضی اللہ عنہ کے دامن ارادت سے وابستہ تھے۔ جو حضور حافظ بخاری رضی اللہ عنہ کے چچا زاد بھائی، داماد اور خلیفہ تھے، آپ ایک بلند پایہ شیخ، صاحب حال صوفی اور روشن ضمیر مرشد تھے، اور خود اپنے شیخ کی بارگاہ میں وہ مقام رکھتے تھے کہ اکثر آپ کے شیخ حضور حافظ بخاری فرمایا کرتے تھے کہ ''ہر شخص کو اپنے شیخ پر فخر ہوتا ہے کہ فلاں ہے مجھے اخلاص حسین کے مرید ہونے پر فخر ہے'' یہ جملے ان کی مقبولیت اور بلندی درجات کی محکم سند کی حیثیت رکھتے ہیں۔ پوری زندگی آستانہ عالیہ پر اپنے شیخ کی زیر سایہ گزاری۔ آخری عمر میں جب آپ حج کے لیے تشریف لے گئے تو حاضری بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے موقع پر مدینۃ المنورہ میں ۱۳۳۸ھ میں آپ کا وصال پر ملال ہو گیا اور یہ سعادت آپ کے حصہ میں آئی کہ جنت البقیع میں صحابی رسول حضرت عثمان بن مظعون اور فرزند رسول حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کے قرب میں مدفون ہوئے، جسے ہم شیخ کی محبت واخلاص اور ان کی نگاہ کرم کا نتیجہ کہہ سکتے ہیں۔ صبح کی نماز کے وقت یہ حادثہ پیش آیا۔ (ملفوظ مصابیح القلوب، ص: ۱۷۸)

خیر! شیخ کی نگاہ کیمیا اثر کی برکت تھی کہ جس نے احمق صاحب کی شاعری کو عشق حقیقی کا عرفان بخشا، عقیدت واحترام سے آشنا کیا، جذبات دروں کے اظہار وتعبیر کا سلیقہ دیا اور یوں سیاسی گلیاروں کو رنگ تغزل اور مزاح آمیز کلاموں سے لالہ زار بنا دینے والے ''احمقؔ پھپھوندوی'' نعت کی دنیا میں ''مداحؔ پھپھوندوی'' کے روپ میں جلوہ گر ہوئے اور دیکھتے دیکھتے ان کے قلم سے نعت ومناقب کے وہ فن پارے منصۂ شہود پر آئے کہ عام محفلوں سے لے کر پیر خانے کے دیوار ودر تک جن کی نغمگی، برجستگی اور سوز وساز کی گونج سنائی دینے لگی اور ان کی لکھی ہوئی نعتوں اور منقبتوں کو پیر خانے سے وہ سند مقبولیت حاصل ہوئی کہ چھ سات دہائیاں گزر جانے کے بعد آج بھی سماع خانے میں پڑھے جانے والے ان کے کلام بحر عقیدت میں جذبات کی لہریں اٹھا دیتے ہیں اور کیف وسرور اور باطنی احساس کا ایک سماں باندھ دیتے ہیں۔

یوں تو مداحؔ پھپھوندوی نے نعتیہ شاعری کی طرف توجہ کی تو لکھا اور خوب لکھا اور نعتیہ ادب کو اپنے تخیلات، حسن اظہار، الفاظ کے انتخاب، تراکیب کی برجستگی، اور تعبیرات کے جمال سے خوب نوازا مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ ان کی نعتوں کا یہ مقدس سرمایہ کہیں محفوظ نہ ہوسکا اور اکثر حصہ گردش لیل ونہار کے بے رحم ہاتھوں ضیاع کا شکار ہوگیا مگر بے توجہی کی تہوں میں دبے جن خستہ حال کلاموں کو نکالنے اور حاصل کرنے میں کامیابی ملی ہے انہیں سامنے رکھ کر مداحؔ پھپھوندوی کی نعتیہ شاعری کی جہتوں اور ان کے جمالیاتی پہلوؤں کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

مداحؔ صاحب کی نعتیہ شاعری میں وہ تمام عناصر پوری آب وتاب کے ساتھ دکھائی دیتے ہیں جو نعت کو بحیثیت ایک فن اور بحیثیت عبادت برتنے کے لیے لابدی سمجھے جاتے ہیں۔ ان کی نعتیہ شاعری میں سلاست بھی ہے، ترکیبوں کا بانکپن بھی، آداب نعت کے مطابق لفظیات کا حسن انتخاب بھی ہے اور عشق وخلوص کا رنگ بھی، ان کا قلم بارگاہ رسالت کے آداب سے واقف ہے اور اس بارگاہ کی نزاکت سے بھی باخبر ہے۔ مداح صاحب کی نعتیہ شاعری کا ایک نادر نمونہ ملاحظہ فرمائیں:

جہاں دیکھتے ہیں جدھر دیکھتے ہیں
ترے نور کو جلوہ گر دیکھتے ہیں

ترے پاؤں پر اپنا سر دیکھتے ہیں
نصیب آج ہم اوج پر دیکھتے ہیں

ذرا تیری چتون میں پاتے ہیں بل ہم
تو عالم کو زیر و زبر دیکھتے ہیں

یقیں ہم کو ہوتا نہیں کیمیا کا
مگر جب تیری خاک در دیکھتے ہیں

ترے فیض سے خشک شاخوں کو اکثر
خدا کی قسم بارور دیکھتے ہیں

جہاں دیکھتے ہیں وہ نقش کف پا
ملائک کے سجدے میں سر دیکھتے ہیں

گدا ہوں میں مداّح حافظ کے در کا   مجھے رشک سے تاجور دیکھتے ہیں

مداّح صاحب کی زندگی خانقاہی ماحول سے وابستہ رہی جہاں کے کیف آگیں ماحول اور خوش عقیدہ فضا نے ان کے اندر کے حسّی پہلوؤں کو خوب مہمیز کیا اور عبدیت و غلامی کے احساس کی اس سطح پر لے جا کر کھڑا کر دیا جہاں اپنے آقا کی عظمتوں میں رطب اللسان رہنا ہی روحانی تسکین کا سامان بنتا ہے۔ مداّح صاحب کی نعتیہ شاعری میں اپنی درماندگی کو وسیلہ بنا کر محبوب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں غلامانہ فریاد اور استغاثوں کے دل گیر نمونے دیکھنے کو ملتے ہیں جن کے چلمن سے ان کے سوز دروں کی جھلک بھی صاف دکھائی پڑتی ہے اور ان کے قلم سے نکلے ہوئے نعتیہ اشعار کے بین السطور سے ان کی قلبی واردات، لطیف جذبات، پاکیزہ احساسات اور نعتیہ شاعری پر ان کی استادانہ مہارت کا پتہ چلتا ہے اور ہر ہر شعر سے ان کی عقیدت اور عقیدے دونوں کا بھرپور اظہار دیکھنے کو ملتا ہے۔ چناں چہ محبوب رب ذوالمنن، رئیس الفقہا، حضرت علامہ سید شاہ خواجہ مصباح الحسن چشتی رضی اللہ عنہ، جو اپنے وقت کے قادر الکلام نعت گو اور صاحب حال شاعر تھے، ان کے بزبان عربی لکھے ہوئے سلام پر مداّح صاحب نے تضمین کی وہ حسین گل کاریاں کی ہیں جنہیں پڑھ کر وفور جذبات سے دل مچلنے لگتا ہے، عشق و مستی کی خاموش سطح پر سرمدی موجوں کا شور سنائی دینے لگتا ہے اور عقیدت میں عجیب نکھار محسوس ہونے لگتا ہے۔ ہم بلا تبصرہ مداّح صاحب کی یہ تضمین نقل کر رہے ہیں جس کے متعلق اپنے قارئین کو یہ بتانا مناسب سمجھتے ہیں کہ مداّح صاحب کی یہ تضمین ابھی تک پردۂ خفا میں تھی، پہلی بار دبستان نعت کے مقدس صفحات پر منظر عام پر آ کر تاریخ کے حافظے میں محفوظ ہونے جا رہی ہے:

اے شہ انبیا سلام علیک   اے حبیب خدا سلام علیک
شافع دوسرا سلام علیک   یا نبی الہدیٰ سلام علیک
یا رسول الوریٰ سلام علیک

مرأت حق نما سلام علیک   وجہ تخلیق ماسلام علیک
انت مقصودنا سلام علیک   یا عظیم الرجا سلام علیک
یا عمیم العطا سلام علیک

زاد طاعت سے ہے تہی زنبیل   رستگاری کی کون سی ہے سبیل
کہیں محشر میں ہوں نہ خوار و ذلیل   لیس للمذنب سواک کفیل
یا شفیع الوریٰ سلام علیک

دیکھ کر تیرا احتشام و تزک گردنیں انبیا کی جاتی ہیں جھک
حق سے ہے تیری نسبت نازک لیس فی الخلق کلھم مثلک
کامل الاصطفا سلام علیک

دردِ فرقت سے ہو رہا ہوں ہلاک دل ہے صد پارہ سینہ ہے صد چاک
میں کہاں جاؤں اے شہِ لولاک لیس فی الکون مستغاث سواک
یا مغیث الوریٰ سلام علیک

گنجِ اسرار رحمت یزداں کنزِ مخفی حکمت سبحاں
معدن فیض و مخزنِ احساں منبع الجود مصدر الایماں
انت یا مصطفیٰ سلام علیک

باعث افتخار کون و مکاں مایہ نازش زمین و زماں
نیست جز ذات تو کسے بجہاں افضل الخلق اکمل الانساں
سید الانبیا سلام علیک

چھان مارے امید میں اک اک در میر و وزیر و شاہ و ملک
اب میں سمجھا کے اے میرے مالک لیس لی ملجأ سوا بابک
منتہاء الرجا سلام علیک

ہے وہ عصیاں سے خاسر و خائب رحم مداحؔ خستہ کی جانب
اے رسول رؤف کے نائب انت مصباحؔ و عبدک المذنب
سائل للعطا سلام علیک

سلطان الہند، عطاے رسول، والی ہند، خواجہ خواجگاں خواجہ معین الدین چشتی رضی اللہ کی روحانی شخصیت برصغیر پاک و ہند کی وہ عظیم مرکزی ہستی ہے جہاں سے ہر ایمان والے کی ارادت مندی کے تار جڑے ہوئے ہیں۔ یہ وہ بارگاہ ہے جہاں ہزاروں دکھیارے، غم و آلام اور زمانہ کی ریشہ داوانیوں سے عاجز اپنی فریادیں لے کر اسی انداز میں حاضر ہوتے ہیں جس طرح رعایا کا ایک مظلوم فرد اپنے بادشاہ کی چوکھٹ پر حاضری دیتا ہے اور پھر دربارِ خواجہ کے فیوض و برکات کا کھلی آنکھوں مشاہدہ کرتا ہے کہ دردآمیز آہیں بابِ رحمت سے ٹکراتے ہی قسمت کی بند گرہیں کھلتی چلی جاتی ہیں اور عقیدت کیشوں کے جذبات یوں مدح سرائی کرنے لگتے ہیں:

خواجۂ ہند وہ دربار ہے اعلیٰ تیرا کبھی محروم نہیں مانگنے والا تیرا
(حسن رضا بریلوی)

ہندو پاک کے نعت گو شعرا میں شاید ہی کوئی ایسا ہو جس نے سلطان الہند کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کر کے اپنی نسبت غلامی کا شعری اظہار نہ کیا ہو۔جن سے سینکڑوں دواوین مہک رہے ہیں۔ مداؔح پھپھوندوی کے خم خانہ عقیدت میں سلطان الہند کی نسبتوں کے چراغ پوری آب و تاب کے ساتھ روشنی بکھیرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں،جس کی بنیادی وجہ یہ بھی ہے کہ مداؔح صاحب کو جس بارگاہ سے غلامی کا شرف حاصل تھا وہ ارفع اعلیٰ ذات نسباً اور مشرباً چشتی تھی ،اسی نسبت کا فیضان تھا کہ مداؔح صاحب پر بھی ہر حال میں چشتیت کا رنگ غالب تھا۔اور اسی نسبت کو وہ اپنی زیست کا حاصل سمجھتے تھے،انہیں نہ صرف یہ کہ اس روحانی نسبت پر فخر تھا بلکہ وہ اسی نسبت کو اپنے تعارف کا پہلا اور آخری حوالہ سمجھتے تھے۔یہی وجہ ہے کہ مداؔح صاحب اپنے تصوراتی وجود کو سمیٹے دربار خواجہ کے سامنے کھڑے ہو کر جس درد بھرے لہجے میں غریب نواز کی سرکار میں اپنی محبت کا اظہار منقبت کے خوش منظر تھالوں میں سجا کر پیش کرتے ہیں اسے پڑھ کر ان کے جذبوں کی طہارت اور خواجہ صاحب کی چوکھٹ سے وابستہ ان کی دلی کیفیات کی گہرائی کا پتہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔یہ منقبت ملاحظہ کریں:

ہم رتبہ تمہارا کوئی نہیں یا حضرت خواجہ معین الدین
تم خلد مکاں تم عرش مکیں یا حضرت خواجہ معین الدین

صرف ایک تمہاری چشم کرم کافی ہے پئے ہر درد و الم
بن جائے مری بگڑی بھی کہیں یا حضرت خواجہ معین الدین

آؤ کہ یہی ہے وقت مدد ہو رحم پئے اخلاص و صمد
دشمن ہیں تمام آمادۂ کیں یا حضرت خواجہ معین الدین

بگڑے نہ کہیں اب بات مری عزت ہے تمہارے ہاتھ مری
بیڑے کے مرے کھیوا ہو تمہیں یا حضرت خواجہ معین الدین

لاچار و پریشان و غمگین دنیا میں کوئی اب مجھ سا نہیں
آفت میں ہے میری جان حزیں یا حضرت خواجہ معین الدین

مداؔح تمہارے در کے سوا جائے تو کہاں جائے مولیٰ
دنیا میں ٹھکانا اس کا نہیں یا حضرت خواجہ معین الدین

مداح صاحب کو سلطان الہند کی بارگاہ سے جو نسبت حاصل ہے وہ اس نسبت کی روحانی بلندیوں سے خوب واقف ہیں، وہ جانتے ہیں کہ اللہ والوں کے باطنی تصرفات اور اللہ کی عطا کردہ قوتوں کے سہارے دکھیاروں کی چارہ سازی ایک مسلم واقعہ ہے جسے وہ اپنی خوش عقیدگی کا حصہ سمجھتے ہیں، اسی لیے جب ان کے اندر اضطرابات کی لہر اٹھتی ہے اور زندگی کے نشیب و فراز سے ان کا دل گھبرانے لگتا ہے تو ان کے تخیلات کے پرندے درماں طلبی کے لیے بارگاہ ہندالولی میں استغاثے کی ڈالیاں لے کر پہنچ جاتے ہیں اور دلوں کی خاموش زبان شعر کا محسوس پیکر لیے صفحۂ قرطاس پر آ کر اپنا غم ہلکا کر لیتی ہے، مداح صاحب کا درد آمیز استغاثہ ملاحظہ کریں:

یا خواجہ معین الدین چشتی سلطان الہند غریب نواز
اے روح نبی اے جان علی سلطان الہند غریب نواز

قسمت کا ستایا آیا ہوں داغ اپنے دکھانے لایا ہوں
سن لیجیے اب فریاد میری سلطان الہند غریب نواز

جب زخم جگر کی تکلیفیں برداشت سے باہر ہو گئی ہیں
آیا ہوں پئے درماں طلبی سلطان الہند غریب نواز

دریائے کرم سے اپنے مجھے سیراب تمنا کر دیجے
کھو دیجے مری اب تشنہ لبی سلطان الہند غریب نواز

آیا ہوں تو اب خالی نہ پھروں پئے قطب و فرید نظام الدین
بن جائے کہیں بگڑی میری سلطان الہند غریب نواز

حالت ہے مری اس درجہ زبوں روشن ہے وہ کیا میں کس سے کہوں
ہاتھ آپ کے ہے عزت میری سلطان الہند غریب نواز

مداؔح ہے کتا اس در کا اس کو بھی کوئی ٹکڑا ہو عطا
وہ چھوڑ کے جائے کہاں یہ گلی سلطان الہند غریب نواز

مداؔح پھپھوندوی کی قلبی وابستگی اس منزل پر دکھائی دیتی ہے جہاں اپنے ممدوح سے وابستہ ہر چیز محبّ کی نظر میں حسین اور تقدس مآب معلوم ہوتی ہے یہاں پہنچ کر محبّ صادق کے دل میں لب و کاکل، گل و رخسار اور زلف طرح دار کے ساتھ ساتھ محبوب کے مسکن و موطن، اس کی گلیوں کے پیچ و خم، بام و در اور محبوب کے گھر کی کچی دیواریں بھی خاص انسیت قائم کر لیتی ہیں اور اس کی روح کی

گہرائیوں میں اس طرح جذب ہو جاتی ہیں کہ وہ ان کے تذکرے سے بھی لطف اندوز ہونے لگتا ہے۔ مداح صاحب کے یہاں محبت کی اس سطح پر بھی والہانہ نظارے دیکھنے کو ملتے ہیں، چناں چہ انہوں نے مقام ''چشت'' کو ردیف اور قافیوں کی لڑی میں پرو کر سلطان الہند کی بارگاہ میں یوں خراج عقیدت پیش کیا ہے:

دیکھئے جس کو نظر آتا ہے شیدا چشت کا — بج رہا ہر طرف عالم میں ڈنکا چشت کا
اہل ظاہر کیا سمجھ سکتے ہیں رتبہ چشت کا — چشم باطن ہو تو دیکھے کوئی جلوہ چشت کا
اللہ اللہ کیا ضیا باری ہے نور فخر کی — فرش سے ہے عرش اعظم تک اجالا چشت کا
لو بجھا لو پیاس اپنی تشنہ کامان الست — موجزن ہے فقر کے میداں میں دریا چشت کا
کیوں نہ ہو اجمیر کے در پر خلائق کا ہجوم — جلوہ فرماں ہے وہاں آقا و مولا چشت کا
گلشن جنت پہ اتنا ناز اے رضواں نہ کر — دل فریبی میں ہے تجھ سے بڑھ کے صحرا چشت کا
آپ کے در سے کوئی خالی نہیں جاتا کبھی — آج بھر دیجے مرا دامن بھی صدقہ چشت کا
ہم سیاہ کاروں کا دنیا میں ٹھکانا تھا کہاں — شکر ہے مداؔح دامن ہاتھ آیا چشت کا

فنا فی الشیخ عارف باللہ حضرت مولانا فخر الدین زرادی رضی اللہ عنہ سلسلہ چشتیہ کے عظیم روحانی بزرگ ہیں جو علم ظاہری اور باطنی دونوں میں اپنی خداداد صلاحیت اور حیرت انگیز گیرائی و گہرائی کے لیے جانے جاتے ہیں۔ آپ کا شمار محبوب الٰہی حضرت خواجہ نظام الدین اولیا رضی اللہ عنہ کے اجلہ خلفا میں ہوتا ہے۔ آپ کی علمی عظمتوں کا اندازہ اس واقعہ سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ جب دہلی میں کچھ ظاہر بیں علما نے محفل سماع کو لے کر حضرت محبوب الٰہی پر طعن و تشنیع کی زبان دراز کی تو حضرت مولانا فخر الدین زرادی نے ان تمام علما کو اس طرح دعوت مناظرہ پیش کی:

> شما از دو جہت یک جہت گیرید، اگر جہت حرمت گیرید، حل ثابت کنم و اگر جہت حل گیرید، حرمت ثابت کنم (اصول السماع، ص: ۸۵)۔ ترجمہ: تم سماع کی حرمت اور حلت میں جو چاہو ایک موقف اختیار کر لو، اگر تم حرام کہو تو میں حلال ہونا ثابت کیے دیتا ہوں اور اگر تم حلال کہو تو میں حرام ہونا ثابت کر دوں گا۔

بہر حال حضرت مولانا فخر الدین زرادی رضی اللہ عنہ علم و معرفت کے بحر نا پیدا کنار تھے اور شیخ المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کی نگاہ فیض کے پروردہ بھی۔ مداؔح پھپھوندوی نے حضرت

مولانا فخر الدین زرادی کی بارگاہ میں بڑے دل گیراور سادہ لب ولہجے میں اپنی عقیدت کے ساتھ ساتھ ان کے مقام ومرتبہ اور روحانی عظمتوں کا جس طرح بیان کیا ہے وہ پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ لکھتے ہیں:

تم جلوۂ نور نبی و علی مولانا محمد فخر الدین تم مظہر شان لم یزلی مولانا محمد فخر الدین
کیا تم سے کہوں احوال اپنا سب تم پہ عیاں ہے حال اپنا اے واقف راز خفی و جلی مولانا محمد فخر الدین
پڑ جائے تمھاری جس پہ نظر ہو رند خراباتی بھی اگر ایماں ہے میرا ہو جائے ولی مولانا محمد فخر الدین
مداؔح ہے کتا اس در کا اس کو بھی کوئی ٹکڑا ہو عطا وہ چھوڑ کے جائے کہاں یہ گلی مولانا محمد فخر الدین

یوں تو مداؔح صاحب کی بیشتر زندگی سیاسی مہمات میں گزری مگر آستانہ عالیہ صمدیہ مصباحیہ پھپھوند شریف سے وابستگی ان کے اندر ان انقلابات کا پیش خیمہ ثابت ہوئی جس نے ''احمؔق'' صاحب کو بارگاہ رسالت کا ''مداؔح'' بنا دیا اور ان کا قلم پاکیزہ جذبوں میں نہا کر نعت ومناقب کے اجالے بکھیرنے لگا۔ مداؔح صاحب خانقاہ عالیہ کے اس احسان کے مرہون منت رہے اور اس در کی غلامی کو وہ اپنی فیروز بختی کے روپ میں دیکھتے رہے۔ انہوں نے اپنی وابستگی اور آستانہ عالیہ کے احسانات کا دل کھول کر والہانہ اعتراف کیا ہے چناں چہ شکر گزاری کے جذبات لیے وہ بانی آستانہ، ابدال وقت، حافظ بخاری خواجہ سید عبدالصمد چشتی رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں یوں نغمہ سنجی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں:

شہ عبد الصمد کے آستانہ پاک پر سر ہے بڑی اونچی جگہ قسمت لڑی ہے کیا مقدر ہے
ترے در کا بھکاری کس کے آگے ہاتھ پھیلائے کہ وہ تیرا ہے اس کے واسطے بس اک ترا در ہے
عمل میرا برا ہے زاہدو پھر تم کو کیا مطلب میں جس سرکار کا ہوں رحمت اس کی بندہ پرور ہے
ترے کوچہ میں تھوڑی سی جگہ گر مجھ کو مل جائے تو وہ میرے لیے ملک جم و دارا سے بہتر ہے
در خواجہ پہ ہم بستر جمائے اپنا بیٹھے ہیں ہمیں خلد بریں کا عیش دنیا میں میسر ہے
میں اس سرکار کا بندہ ہوں اے مداؔح قسمت سے کہ جس کے در کا کتا شیر سے رتبہ میں بڑھ کر ہے

مندرجہ بالا سطور میں گذرا کہ مداؔح پھپھوندوی کے مرشد کریم حضرت خواجہ اخلاص حسین رضی اللہ عنہ کا مدینہ منورہ میں سانحۂ ارتحال ہوا جو تمام وابستگان آستانہ عالیہ کے لیے بڑا جاں گسل تھا، اس غمگین موقع پر مداؔح صاحب نے اپنے درد دروں کے اظہار کے لیے اشعار کا سہارا لیا اور اپنے مرشد کی بارگاہ میں رثائی پیرایہ میں منقبت لکھ کر ان کے فضائل وکمالات کا انوکھا اظہار کیا ہے، اشعار پڑھ کر مداؔح صاحب کے کرب اور مرشد کریم کے فراق وہجر سے ان کے اندر کے اضطراب اور غم واندوہ کا

اندازہ لگایا جاسکتا ہے، لکھتے ہیں:

شہ خلق و مہمان شاہ عرب کا — یہ صندل ہے اخلاص مقبول رب کا
یہ نکتہ وہ سمجھا گیا کس غضب کا — عرب ہی کے دامن میں ہے جلوہ رب کا
نشانی تھی اک شاہ عبد الصمد کی — نمونہ تھا اک سیرت جد و اب کا
وہ حافظ کا عاشق وہ اسلم کا شیدا — وہ پیارا نبی کا وہ محبوب رب کا
مدینہ کی گلیوں میں شادی رچی ہے — مہیا ہے سامان عیش و طرب کا
ہیں مصباح دین نبی اس کے وارث — جو بندہ ہے ان کا وہ بندہ ہے رب کا
ادھر ہاتھ باندھے نماز ولا کو — ادھر آ گیا حق سے مژدہ طلب کا
سحر کو جو پردہ کیا یہ سبب تھا — کہ جھگڑا نہ ہو درمیاں روز و شب کا
بقیع مبارک کو مسکن بنایا — کہ مسکن ہے عثمان عالی نسب کا
خدا کے لیے اپنے مداحؔ کو بھی — بلالو وہاں صدقہ شاہ عرب کا

خانقاہی رواج کے مطابق جب مزارات پر نئی چادر ڈالی جاتی ہے تو ''چادر'' کے نام سے منظوم خراج عقیدت بھی پیش کیا جاتا ہے، مداحؔ صاحب نے اپنے پیرومرشد کے نام سے چادر بھی لکھی تھی جس میں انہوں نے پیر کی چادر پر عقیدت کی زبان کا خوبصورت استعمال کیا ہے:

بڑے رتبہ و شان کی ہے یہ چادر — پسند نبی و علی ہے یہ چادر
مرا دل تصدق مری جان صدقے — مرے پیارے اخلاص کی ہے یہ چادر
محبت کے پھولوں کی خوشبو ہے اس میں — مدینے سے بھیجی گئی ہے یہ چادر
ادا اس کی یہ صاف بتلا رہی ہے — کسی کشتۂ عشق کی ہے یہ چادر
مرے دل کا مقصد مرے جی کا ارماں — مری آنکھ کی روشنی ہے یہ چادر
جو محشر میں رکھے گی پردہ ہمارا — وہی ہے یہ چادر وہی ہے یہ چادر
رہے دامن اپنا اب کس طرح خالی — کہ مداحؔ بے حد سخی ہے یہ چادر

میں آخری سطریں لکھتے ہوئے یہ خوشی محسوس کررہا ہوں کہ جناب احمؔق پھپھوندوی صاحب کی زندگی سے جڑے اس رخ کو سامنے لانے کا مجھے موقع ملا جو ابھی تک اہل علم اور اہل ادب کے یہاں متعارف نہیں تھا، مجھے یقین ہے کہ احمؔق صاحب کا اس رخ سے مطالعہ اہل ادب کے لیے دل چسپی کا باعث ہوگا۔ میں مضمون کے اختتام پر ان تمام لوگوں کا شکریہ ادا کرنا چاہوں گا جن کا مقالے کی تیاری

میں بھرپور تعاون رہا، ان میں سرفہرست جانشین اکبر المشائخ، مجاہد سنیت، پیکر اخلاص وللہیت حضرت علامہ سید شاہ اختر میاں صاحب قبلہ چشتی دام ظلہ الاقدس، زیب سجادہ آستانہ عالیہ صمدیہ مصباحیہ پھپھوند شریف کا غلامانہ شکریہ بجالانا چاہوں گا جنہوں نے احمؔق صاحب کے متعلق بہت سی ان باتوں کو بتایا جو صرف ان کے سینے میں محفوظ تھیں۔اس کے بعد میں صمیم قلب سے شکر گزار ہوں دبستان نعت کے روح رواں مشفق وکرم نواز حضرت علامہ ڈاکٹر سراج احمد قادری صاحب کا جو مسلسل مجھے اس موضوع پر مواد اکھٹا کرنے اور لکھنے پر مہمیز کرتے رہے، ان کی حوصلہ افزائی کا نتیجہ ہے کہ احمؔق صاحب کے نعتیہ اشعار کی تلاش کا جذبہ پیدا ہوا۔اور اخیر میں خصوصیت کے ساتھ شکر گزار ہوں جناب دلشاد صاحب چشتی پھپھوندوی کا جنہوں نے احمؔق صاحب کا نعتیہ سرمایہ بڑے سلیقے سے سنبھال کر رکھا ہوا ہے، ستر سال پرانی ڈائریاں، جن کے اوراق ان کی خستہ حالی کا مرثیہ پڑھ رہے ہیں، ان کی مملوکہ ہیں جہاں سے ہمیں احمؔق صاحب کے نادر کلام ملے۔(یہ سرمایہ انہیں اپنے والد مرحوم جناب اقبال بخش صاحب قوال سے وراثت میں ہاتھ آیا ہے، جو خانقاہ عالیہ صمدیہ پھپھوند شریف کی سرکاری چوکی کے ہیڈ تھے)۔

☆☆☆

ڈاکٹر محمد آصف (امراوتی، مہاراشٹرا)

ترکی زبان کے چند نعت گو شعراء کا تعارف

کس جگہ اور کہاں تیرا چرچا نہیں (صلی اللہ علیہ وسلم)

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح وستائش کی سعادت متعدد زبانوں کو حاصل ہے۔ خصوصاً وہ زبانیں جن کا امت مسلمہ سے گہرا تعلق ہے ان میں نعتیہ شاعری کا وافر ذخیرہ موجود ہے۔ عربی فارسی اور اردو کے ساتھ ہی ترکی زبان میں بڑی اہم اور عمدہ نعتیں تحریر کی گئیں ہیں۔ ترکی میں نعتیہ شاعری کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ترکی کے پس منظر کو سمجھ لیا جائے۔

چھٹی صدی عیسوی میں گوکہ ترکوں نے وسطی ایشیا میں ایک سلطنت قائم کی جو سائبریا سے بیکل جھیل تک پھیلی ہوئی تھی۔ جس سے سیاسی سطح پر ایک طرف چین کو تو دوسری طرف ساسانی حکمرانوں کو خطرہ لاحق تھا، حتیٰ کہ انھوں نے ساسانی حکمران خسرو اور نوشیرواں کے خلاف بازنطینیوں کے ساتھ اتحاد کی تجویز بھی رکھی تھی۔ یہ 581ء میں مغربی ترک اور مشرقی ترک ان دو حصوں میں تقسیم ہوگئی۔ ان حالات میں یہاں اسلام داخل ہوا اور پھیلتا چلا گیا۔ عباسی اور اموی خلافت میں اسے مزید تقویت حاصل ہوئی۔ نویں صدی میں مشرقی ترکستان میں ایغور زافق ترک پر نمودار ہوئے۔ سامانیوں کے عہد میں ٹرانسوژیانا مکمل طور پر اسلام کے دامن میں سما گیا۔ 838ء میں شاش، اسفیجاب اور دریائے سا تر کے شمالی علاقوں کے رہائشی حلقہ بگوش اسلام ہوگئے۔ 961ء میں قارلوق، ایغوز اور مغربی ترک کے تقریباً دو لاکھ افراد اسلام کی لازوال دولت سے مالا مال ہوئے۔ چوتھی صدی ہجری یعنی دسویں صدی عیسوی میں کاشغر اور بالا ساعوکا میں اسلامی حکومت قائم ہوئی۔ پانچویں صدی ہجری میں تمام ترکی اسلام کے رنگ میں رنگ گیا۔ اس دوران یہاں تصوف بھی پروان چڑھا اور صوفیائے کرام اسلام کی تبلیغ اور تزکیہ کی نمایاں خدمات انجام دینے لگے، جس کے لیے وہ شاعری کا استعمال بھی کرنے لگے۔ صوفیائے کرام لوگوں کو محبت، اخوت، رواداری اور سماجی ہم آہنگی کا درس دیتے۔ اس کے لیے

انہوں نے تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا سہارا لیا۔ یہاں صوفیاء لوگوں کو عشق رسول کا جام پلاتے رہے اور لوگ عشق رسول سے سرشار ہوتے رہے، نتیجے میں یہاں نغمات حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی گونج بڑے پیمانے پر سنائی دینے لگی۔ آیئے اس کی چند جھلکیاں دیکھتے اور ترکی میں شاعری پر ایک سرسری نگاہ ڈالتے ہیں۔

ترکی میں شاعری

ترکی ایک وسیع و عریض خطہ ہے جہاں ترکی زبان بولی اور سمجھی جاتی ہے اور یہاں کی دفتری زبان بھی ہے۔ مصر اور ایران میں بھی ترکی بولنے والے پائے جاتے ہیں۔ ترکی زبان ان علاقوں کے علاوہ دریائے ڈینیوب سے نیل تک اور قسطنطنیہ سے چین تک معروف ہے۔ عالمی سطح پر جن زبانوں کی شناخت اسلامی یا مسلمانوں کی زبان کے طور پر ہے ان میں سے ایک ترکی زبان بھی ہے۔

ترکوں کی تہذیب میں قبولیت اسلام سے قبل بھی شاعری کے نمونے ملتے ہیں۔ شعراء اپنے ساتھ ساز رکھا کرتے تھے۔ نیز ایک مقام سے دوسرے مقام پر ہجرت کرتے رہتے۔ قبل اسلام شعراء مختصر بحریں استعمال کرتے تھے۔

"The Turks possessed a literature even before the conquest of Constantinapole, and they have always had the greatest respect for learning and admiration for literatrature."

فتح قسطنطنیہ سے قبل ہی ترک اپنا ادب رکھتے تھے، وہ ہمیشہ سے ادب کے مدح اور ادب سیکھنے کے خواہاں رہے ہیں، ترک ادب کا احترام کرتے رہے ہیں۔ (۱)

"Numerous Sultans did not think it beneath their dignity to become authors themselves and they delighted specially in the society of poets,historians and other literati."

متعدد سلاطین ادیب بننے میں کسر شان نہیں سمجھتے تھے، بلکہ شعراء، مورخین اور ادبا کی محافل سے

لطف اندوز ہوا کرتے تھے۔(۲)

حتیٰ کہ فاتح قسطنطنیہ خود شاعر تھا اور اپنی حدودِ سلطنت میں اور حدود سے باہر بھی ادب کی سرپرستی کرتا تھا۔کہا جاتا ہے کہ وہ تیس ترکی شعراء کو پنشن دیتا تھا۔ ہندوستانی خواجہ جہان اور ایرانی جامی کو سالانہ ایک ہزار دکات بھیجتا تھا۔اس نے لاطینی اور یورپی عالمی شاہکاروں کا ترکی زبان میں ترجمہ بھی کروایا تھا۔سلطان اول کے زمانے سے ہی ترکی زبان میں تراجم کیے جانے لگے تھے۔ترک سلاطین ادب سے گہرا شغف رکھتے تھے۔مراد دوم سے مراد چہارم تک تمام ۱۲/سلاطین شاعری کرتے تھے۔(۳)

"It may be therefore , justly be said that
the Ottoman Sultans have been the most
poetical Royal family in the World."

ہم کہہ سکتے ہیں کہ عثمانی سلاطین دنیا کے شاہی خاندانوں میں سب سے زیادہ شعر وسخن کا ذوق رکھنے والے تھے۔(۴)

ترکی میں ابتدائی شعراء خواجہ احمد یساوی اور یونس ایمرے سے لے کر آج تک کے شعراء نے عمدہ شعری نمونے پیش کیے ہیں اور اردو کی طرح ترکی پر بھی فارسی کے اثرات دیکھنے کو ملتے ہیں۔

ترکی میں نعتیہ شاعری کی ابتدا

ترکی کی قبل از اسلام شاعری میں اخلاقی عناصر پائے جاتے ہیں۔اسلام کے داخلے کے بعد اسے مزید مزین کیا گیا۔اسلام کے ساتھ ہی صوفی ازم بھی داخل ہوا اور صوفیائے کرام نے شاعری کے ذریعے اسلام وتبلیغ کا کام کیا۔اس کام کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا سہارا لینا ناگزیر ہے۔لہٰذا ان کی شاعری میں جابجا نعتیہ عناصر پائے جاتے ہیں۔پانچویں صدی ہجری کے اواخر اور چھٹی صدی ہجری کی ابتدا میں صوفی شاعر خواجہ احمد یساوی نمودار ہوئے،جن کا دیوان ''دیوان حکمت'' کے نام سے معروف ہے۔یہ دیوان صوفیانہ نظموں پر مشتمل ہے۔خواجہ احمد یساوی نے ہر نظم میں کوئی نہ کوئی حکمت بیان کی ہے اس لیے ان کا دیوان 'دیوان حکمت' کے نام سے مشہور ہوا۔یہ دیوان اسلامی ترکی ادب کی اوّلین تخلیقات میں سے ہے۔اس سے قبل یوسف خاص حاجب کا Kutadgu Bilig ملتا ہے۔ دیوان حکمت عوامی ادب کا عمدہ نمونہ ہے جس کے ذریعے خواجہ احمد یساوی نے اسلامی تعلیمات کو پیش کیا۔اس میں دیگر موضوعات کے ساتھ ہی نبی اکرم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ومعجزات کو عمدہ فنکاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے منظوم کیا گیا ہے۔جس کے اثرات بعد کے شعراء پر پڑے۔

سلیمان باقرغانی (حکیم عطا) نے بھی خواجہ احمد یساوی کی پیروی کی ہے۔ باقرغانی کتابی، آخر زمان کتابی اور (حضرت) مریم کتابی اس کی مشہور تصانیف ہیں۔ باقرغانی کتابی، دیوان حکمت کی نوعیت کی نظموں پر مشتمل ہے۔خواجہ سلیمان باقرغانی واقعہ معراج اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال اقدس کو شعری پیراہن میں پیش کرنے کی اچھی کوشش کی ہے۔(۵)

ساتویں ہجری کے اواخر میں ترکی کے پردہ سخن پر ایک اور صوفی نمودار ہوا جسے دنیا یونس ایمرے کے نام سے جانتی ہے۔ان کا دیوان زمانے بھر میں مشہور رہے۔یہ دیوان مثنویوں،غزلوں اور نظموں پر مشتمل ہے۔اس میں نعتیہ اشعار بھی ملتے ہیں۔

where is Muhammad Mustafa who ruled the world end to end

To whom has the world been faithful? see those who are left decieving themselves.

do not decieved by worldly wealth , worship god

Go together with beloved (Prophet) see who is the eternal way follow.(p 32)

(محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کہاں ہیں؟ جنھوں نے ایک سرے سے دوسرے سرے تک دنیا پر حکومت کیں۔جن پر دنیا کو بھروسہ تھا۔انہیں دیکھ جو اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں۔دنیاوی مال ومتاع سے دھوکہ مت کھا۔اللہ کی عبادت کر۔منہج مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر چل، دیکھ انہی کا راستہ ابدی ہے۔)(۶)

Muhammad never took offence, yet you still do. (p 334)

(محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ برائیوں سے بچتے رہے،لیکن تم انہی برائیوں میں ملوث ہو۔(یہ کیسا عشق ہے))(۷)

یونس ایمرے نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کریمانہ کو پیش کیا ہے۔تصوف کی چاشنی سے لبریز نعتیہ کلام نے ترکی کے صوفیانہ ادب کو بے حد متاثر کیا ہے۔

Myself is your redemption , and on your way and in your way,

O good Soul and beautiful name, O Muhammad..

(Meccan Era P 90)(۸)

(میرے لیے نجات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہاج پر عمل کرنے میں ہے۔اے روح مقدس اوراسمِ جمیل، یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم)

یونس ایمرے صوفی شاعر تھے اور تزکیہ نفس کی طرف توجہ کرتے تھے۔لوگوں کو برائیوں سے بچنے کے تلقین کرتے اور اس کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی طرف بلاتے تھے۔ یہ عنصر ان کی نعتیہ شاعری میں غالب نظر آتا ہے۔

عثمانی عہد میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعتیں بڑے پیمانے پر پڑھی اور لکھی جاتی رہی ہیں۔ اس عہد میں حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ ہر سطح کے قاری کے لیے قابل مطالعہ تھی۔آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص وکمالات کونظموں کی شکل میں مختلف محافل میں پڑھا جاتا تھا۔ نعت لکھنا، پڑھنا اور نعتیہ تحاریر ہدیہ کرنا باعث سعادت سمجھا جاتا تھا۔اس بابرکت عمل کے ذریعے روز قیامت انعام الٰہی کے حصول کی امید بھی کارفرما ہوتی، جوآج بھی ہے۔عثمانی عہد میں نثر ونظم دونوں ہیئتوں میں سیرت طیبہ تحریر کی گئی ہے۔جس سے ہم عثمانی عہد کی تہذیب وتمدن میں پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی اہمیت اور تصور کو سمجھ سکتے ہیں۔اس حوالے سے عثمانی عہد کے تین شاہکار بڑے اہم ہیں۔

۱۔سلیمان چلبی کی وسیلۃ النجات (812/1409)

۲۔یزیجیو غلی محمد کی محمدیے (853/1449) Muhammadiye

۳۔خاقانی کی حلیہ (1007/1598.9) Hilye

یہ تینوں فن پارے منظوم سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمرے میں آتے ہیں۔تینوں تصانیف میں شعراءکرام نے اپنے دستخط کیے ہیں تاریخ تکمیل بھی درج کی ہے۔تینوں میں طرز فکر مختلف ہے، یہ فرق تبدیلی زمان کی وجہ سے بھی ممکن ہے کہ زمانہ بدلتا ہے تو انداز فکر بھی تبدیل ہوتا ہے۔وسیلۃ النجات اور محمدیے کے درمیان چالیس برس کا فاصلہ ہے جبکہ حلیے دوسو سال بعد تحریر کی گئی ہے۔

وسیلۃ النجات از سلیمان چلبی

سلیمان چلبی کی وسیلۃ النجات بطور مولود نامہ مشہور ہے۔اس کی ابتدا میں شاعر نے خود سے متعلق معلومات فراہم کی ہے۔اس کے مطابق شاعر کا نام سلیمان ہے اور وسیلۃ النجات کا مقام تخلیق بصرہ ہے۔ابتدا میں شاعر نے نظم لکھنے کا مقصد بھی واضح کیا ہے کہ اس کے ذریعے شاعر پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق معلومات بہم پہنچانا چاہتا ہے تاکہ اللہ اسے انعام واکرام سے نوازے۔

شاعر قاری سے التماس کرتا ہے کہ وہ اس کی مغفرت کی دعا کرے۔سلیمان چلپی سے متعلق لطیفی نے ’تذکرۃ الشعراء‘ میں لکھا ہے کہ وہ ایواز پاشا کا بیٹا تھا۔ایواز پاشا سلطان مراد دوم کے وزیر اعظم تھے۔کونحلا حبار کے مطابق چلپی خود سلطان بایزید اول کی مشاورت کے رکن تھے انھوں نے سلطان کی وفات کے بعد بصرہ کی جامع مسجد میں امامت اختیار کر لی تھی۔

چلپی نے انعامات الٰہی کے حصول کے لیے وسیلۃ النجات تحریر کیا، جو نعتیہ شاعری کے عمومی مقاصد میں شامل ہے۔اصل مقصد کی طرف لطیفی نے ’تذکرۃ الشعراء‘ میں اشارہ دیا ہے۔ان کے مطابق چلپی کے زمانے میں ایک بیانیہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق گردش کر رہا تھا جس کے تحت انبیائے کرام علیہم السلام میں حضور کی افضلیت و برتری کا انکار کیا جا رہا تھا۔ایک مبلغ نے بصرہ میں بیان کیا کہ اللہ کے نزدیک تمام انبیاء برابر ہیں کوئی چھوٹا بڑا نہیں اور بطور حوالہ قرآن کی آیت 2:285 پیش کی۔یہی بیان وسیلۃ النجات کی تخلیق کا باعث ہوا۔چلپی نے تہیہ کر لیا کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت، برتری، اولیت وعلویت سے متعلق نظم تحریر کریں گے۔

وسیلۃ النجات بنیادی طور پر مولود نامہ ہے۔لیکن اس میں شاعر نے ولادت باسعادت کے علاوہ دیگر موضوعات کا بھی احاطہ کیا ہے۔یہ نعتیہ شاہکار قدیم عثمانی ترکی زبان میں ہے اور ہیئت کے اعتبار سے مثنوی ہے۔اشعار کی تعداد سے متعلق اختلاف ہے۔کچھ نسخے 150 سے 200 مصرعوں پر مشتمل ہیں جبکہ کچھ 1200 سے 1300 مصرعوں پر مشتمل ہیں۔اس میں مولود نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق بڑا ہی دلنشیں فنکارانہ انداز اختیار کیا گیا ہے۔ص۵۸۵(۹)

Amine (K)Hatun Muhammed annesi
Ol sedefden togdi ol bir danesi
Hem Muhammed gelmesi oldi yakin
C(h)ok alametler bilurdi gelmedin
C(h)unki Abdullahdan oldi hamile
Vakt eris(h)di hafta ve eyyamile
Ol-gecesi kim togdi ol hayru l-besher(Khairul Bashar)
Annesi anda neler gordi neler
On inkincisi Rebiu l-Evvelun

Ol dus(h)enbe gec(j)esi idi bilun

the English translation by Elias John Wilkinson Gibb as follows

Lady Amine , Muhammed's mother she,
(From this shell it was yon Pearl did come to be)
When Muhammed's time to come was near at hand,
Ere He came were many signs seen through the land,
Now by Abdullah his sire had she concieved ,
And the passing weeks and days the term achieved .
In the night whereon was born that best of men
Many a marvel passed before His mother's ken
On the tweifth 'twas of the First Rebi it fell
On a monday night it tided , wot ye well!

(۱۰)

انگریزی ترجمہ کی بنیاد پر اردو ترجمہ:

آمنہ خاتون محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ہیں
(اس سیپی سے یہ گہر نکلا تھا)
جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا وقت قریب آیا
ان کی آمد سے قبل عالم کی نشانیاں ظاہر ہوئیں
عبداللہ سے انھوں نے اس بات کا ذکر کیا
(دن اور ہفتے) وقت گزرتا گیا
جس شب ان خیرالبشر کی ولادت ہوئی
آپ کی والدہ کے سامنے متعدد معجزات رونما ہوئے
وہ ربیع الاول کی بارہ تاریخ تھی
پیر کی رات تھی، جبکہ مبارک واقعہ پیش آیا

وسیلۃ النجات میں چلبی نے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری حسن و جمال پر زیادہ طبع آزمائی نہیں کی، بلکہ ان عناصر کو نظم کیا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیگر انبیاء علیہم السلام سے ممتاز و ممیّز کرتے ہیں اور ان کا مقصد بھی یہی تھا کیونکہ وہ انکار فضیلت کا جواب تحریر کر رہے تھے۔ معجزات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرتے ہوئے آپ کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا تھا اسے نہایت خوبصورت انداز میں باندھا ہے۔ ص ۵۸۶

Mu'c(j)izatin dinlenuz s(h)evk ile (k)hos
Taki 'akl-u c(j)an kila c(j)us-u (k)hurus(h)
Gerc(h)i c(j)umle nur idi ol pak-i Zat
illa her'uzvinda vardi mu'c(j)izat
Hak ani ayruk nebiye vermedi
Hic(h) biri ol erdugine ermedi
Evvela ol kim mubarek c(j)isminun
Golgesi dusmezdi yere resminun
Nur idi basdan ayaga gogdesi
Bu 'ayandur nurun olmaz golgesi

(۱۱)

اردو ترجمہ

ان کے معجزات کا ذکر نیک خواہش کے ذریعے سنیے
تا کہ آپ کا دماغ اور روح روشن و تابندہ ہو
ان کا وجود مقدس مکمل نور تھا
ان کے تمام اعضاء سے معجزے ظاہر ہوتے ہیں
جو اللہ نے کسی اور نبی کو عطا نہیں کیا
جو نہیں حاصل ہوا کسی اور کو حاصل نہیں
سب سے پہلے ان کا مقدس جسم اطہر
جس کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا تھا
ظاہر ہے نور کا سایہ نہیں ہوتا

یزیجیوغلی کا رسالہ محمدیہ Muhammediye

رسالہ محمدیہ عام طور پر محمدیہ Muhammadiye کے نام سے مشہور ہے۔اس نظم کی ابتدا میں شاعر نے ذاتی معلومات بہم پہنچائی ہے۔یہ نظم Gelibolu (Gallipoli) کے مقام پر لکھی گئی جو ۸۵۳ھ میں مکمل ہوئی۔اس میں پیش کیے گئے تعارف کے مطابق شاعر سے ان کے ہمعصروں نے مستند سیرت طیبہ لکھنے کی فرمائش کی ۔ایسی سیرت جو قرآن و احادیث صحیحہ سے ماخوذ ہو۔ابتدا میں انھوں نے ہچکچاہٹ محسوس کی کیونکہ مولودنامے پہلے ہی سے موجود تھے اور ان میں سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم منظوم کی جا چکی تھی۔یاد رہے ترکی زبان میں دوسو سے زائد مولودناموں کا تذکرہ ملتا ہے۔لیکن کہا جاتا ہے کہ شاعر کو خواب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار نصیب ہوا جو اس نظم کی تخلیق کا باعث بنا۔

رسالہ محمدیہ، مصنف کی اپنی تصنیف مغارب الزمان کا منظوم ترجمہ ہے۔جو انھوں نے عربی زبان میں تحریر کی تھی۔رسالہ محمدیہ میں شاعر نے مثنوی اور قصیدہ دو ہیئتوں کا استعمال نہایت فنکاری کے ساتھ کیا ہے۔یہ فن پارہ دو حصوں پر مشتمل ہے۔

حصہ اول۔تخلیق، تاریخ انبیاء علیہم السلام، پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ (شعر ۱ تا ۴۷۵۶)

حصہ دوم۔معاد شناسی، روز قیامت، جنت و دوزخ (شعر ۴۷۵۷ تا ۹۰۰۸)

اس کی زبان بھی قدیم عثمانی ترکی ہے۔اس بیانیہ میں مدحیہ عناصر کو خوبی کے ساتھ برتا گیا ہے۔حدیث اور حدیثی اصطلاحات کا استعمال بڑی چابکدستی سے کیا گیا ہے۔

ذکر معراج۔ص ۵۹۱

(k)Haber verdi resulu 'llah ki yatmisdum Haremde ben
Hatimde iztic(j)a edub erisdurdi nazar Allah
Isada erdi C(j)ibrail selam ergurdi Allahdan
Seni Allah okur dedi buyrmsdur sefer Allah
Tutub pes sadrumi yardi ki ta gobegume erdi
C(h)ikardi yuregum derhal dahi dinle ne-der ol sah

(۱۲)

English Translation

The messenger of God told s " I slept in the Haram,

and when I was lying at the Hatim , GOd looked at me
That evening Gabriel brought greetings from God
'God calls you ' he said, " God orders you to travel."
He siezed my chest, and tore it apart down to the belly
and pulled out my heart. "Listen,what the king (Muhammed)said.

اردو ترجمہ:

رسول اللہ نے ہمیں آگاہ کیا کہ میں حرم میں محو استراحت تھا
جبکہ میں حطیم میں لیٹا ہوا تھا، خدا نے میری طرف نظر التفات فرمایا
اس شب جبریل پیغام خدا لے آئے
انھوں نے کہا خدا تمھیں بلاتا ہے، وہ سفر کا حکم دیتا ہے
انھوں نے میرا سینہ پکڑا، اسے شکم پاک سے جدا کیا
اس میں سے میرا دل نکالا، سنیے شہنشاہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) نے کیا کہا۔

اسے شاعر نے سادہ بیانیہ اور دلکش مدح سے مزین کیا ہے۔ اس میں مثنوی، قصیدے کی ہیئت کے ساتھ ہی مستزاد کا استعمال بھی کیا گیا ہے۔ درج ذیل مثال دیکھیے۔ ص۵۹۲

C(j)ihanun c(j)ani ve c(j)anun	Muhammeddur c (h)u c(j)anani ki kati 'dur makalti
Ol ola c(h)unki c(j)anani	nic(j)e sevmeye c(j)an ani ki sati'dur delalati
Odur c(j)anan yardan c(j)an	edindi c(h)un ani c(j)anan ki mahbub etdi zatina
Sever ani kamu c(j)anan	odur serverlerun c(j)ani ki c(j)ami 'dur kemalati

English Translation

The soul of this world and beloved of the Living soul is Muhammed. /what he says is definite.

He is indeed the beloved ,why should the living soul not love him?/The evidence is obvious.

It is the Living soul , who created the Beloved and adopted him as His beloved ./He made him His Beloved.

All souls (all beloveds) love him . he is the living soul of the souls./whose perfections are encompassing.

(۱۳)

ترجمہ:

اس کائنات کی روح (وجہ تخلیق کائنات) اوراللہ کے محبوب، محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ان کا کہا مطلق ہے۔

لاریب وہ محبوب ہیں، تو پھر کیوں نہ انہیں محبوب رکھیں۔ان سے محبت کے شواہد واضح ہیں۔

یہ اللہ ہی ہے جس نے انہیں پیدا فرمایا، اورانہیں اپنا محبوب بنایا۔محبوب اور محبّ تمام عشاق ان سے محبت کرتے ہیں۔وہ تمام عاشقوں کی جان ہیں۔ان کے کمالات بیحد ہیں۔

بڑا ہی دلنشیں انداز بیان اوروالہانہ اظہار عشق ہے۔یہاں شاعر نے صوفیانہ طرز اختیار کی ہے۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر نے ’’جہانون جانی‘‘یعنی جہان کی جان کہا ہے۔یہی نہیں بلکہ وہ روحِ جانِ جہان ہیں۔’’جانون جانی‘‘ میں شاعر نے جانی مراد اللہ لیا ہے اور مطلب یہ بیان کیا ہے کہ پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم محبوبِ خدا ہیں۔کیا انداز بیان اور عشقیہ کیفیت بیان کی ہے۔قاری عش عش کر اٹھتا ہے۔جمالیاتی کیف وسرور کے ساتھ روحانی لذت کا تجربہ ہوتا ہے۔

حلیے از خاقانی

چلبی اور یزیجو غلی کے وسیلۃ النجات اور محمدیے کے تقریباً ایک سو پچاس سال بعد خاقانی کی حلیے Hilye منظر عام پر آئی۔خاقانی محمد بیگ عثمانی نظم ونسق میں ایک اہم ملازم تھے۔ان کی شعری تصنیف

حلیے ۱۰۰۷ھ میں تکمیل کو پہنچی۔ حلیے کا ماخذ الترمذی الشمائل محمدیہ ہے، گو کہ الترمذی کو ترکی زبان میں منظوم کیا ہے۔ اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق حمیدہ اور شمائل کو بیان کیا گیا ہے۔ ص ۶۰۸ (۱۴)

Kana rasul Allah salla Allahu alahi wa-sallam azhar al-lawn

Ittifak etdi bu ma'nada umem	ezheru l-levni idi fahr -i Alem(fakhr e Aalam)
Yazunun (k)halis idi agi kati	ruhlan saf idi safi sifati
Reng-i ruyu gul idi yek dil ile	gul gibi kirmiziya ma;il idi
Kaplamis(h)dir yuzunu nur-i surur	sure-i nur idi ya matla-i nur
Mushaf-i-husn idi ol-vec(h)-emil	(k)hatt-i rusarasi nass-i tanzil
Gun yuzunden utanub ab-i hayat	meskenin etdi vera-i zulmat
Vec(h)-i berrakinin ashab-u safa	humreti galib idi der hatta
Gokde olmusdu o ruy-i rengin	sem-i c(j)em'-i harem -i 'illiyin
Ana vermisdi kemal-i zinet	katib-i c(h)ehre-kusa-yi fitret
Gark - alud olic(j)ak ol sultan	Gul-i pur-jaleye benzerdi heman

English translation by Elias John Gibb as follows

(the messenger of God -God bless him and grant him salvation -bright of hue)

All the folks hereon agree
That the pride of the world was bright of blee
Full sheen was the radiance of his face
His cheeks were lustrous with lustre's grace
One of heart with the rose was his face's hue

Like the rose , unto ruddiness is drew
Yclad his face in the light of delight
'Twas the chapter of light or the dawn of light
The scripture of beauty was that fair face
The down on his cheeks was the verse of grace
Shamed by his visage bright as day
Life's fountain hid in the dark away
Well may the comrade of joyance call:
"The sheen of his visage conqurs all!'
Yon radiant face shone in the sky
The light of the harem-fist on high
The Portrait-painter of Nature gave
Thereto all beauty that man may have
When the sweat upon that sultan stood
He was forsooth the rose bedewed.(Gibb, History of Ottoman Poetry,3,197)

ترجمہ:

تمام لوگ اس بات پر متفق ہوں گے
کہ فخر عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) انتہائی تابناک تھے
روئے انور مکمل روشن تھا
ان کے رخسار کی چمک رب کے فضل سے چمکدار تھی
ان کے چہرے کی رنگت گلاب سے زیادہ حسین و دلکش تھی
جیسے گلاب کی طرف دل مائل ہوتا ہے
ان کا چہرہ مسرت و شادمانی کی روشنی کھلتا دمکتا تھا
یہ عنوانِ نور تھا یا صبح روشن

ان کا روئے انور صحیفہ جمال تھا
ان کے رخسار پر فضل و رحمت کی آیتیں کندہ تھیں
حتیٰ کہ چہرے کی تابناکی سے دن بھی شرماتا تھا
ظلمت سے سرچشمۂ حیات ابل پڑا
خوشیاں پکار اٹھیں (خوشیوں کے سرداروں نے آواز بلند کی)
ان کے چہرے کی دمک نے سب کو فتح کر لیا
حرم سے روشنی انتہائی بلندیوں کو چھونے لگی
خالق فطرت نے عطا کیا

وہ تمام حسن و جمال جو ایک انسان رکھ سکتا ہے (حسن و جمال کی تمام خصوصیات کو آپ کی ذات میں یکجا کر دیا)

جب وہ سلطان پسینے میں شرابور ہوتا
ان گلابوں کی طرح ہوتا جن پر شبنم کی بوندیں چمکتی ہیں۔

کیا عمدہ حسن و جمال رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عکاسی کی گئی ہے۔اس بند میں شاعر کا ذوق جمال اپنے جوبن پر دکھائی دیتا ہے۔

مولود الرسول از لامی چلبی Lamii Chelebi

وسیلۃ النجات کے سو سال بعد لامی چلبی نے مولود الرسول قلم بند کیا۔ لامی چلبی کا تعلق بھی بصرہ ہی سے تھا۔ وسیلۃ النجات کی طرح یہ مولود نامہ بھی مثنوی کی ہیئت میں منظوم کیا گیا ہے۔اس میں لامی چلبی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بچپن سے جڑی ہوئی شخصیات کا ذکر بھی کیا ہے۔ جیسے حضرت آمنہ، عبدالمطلب، حضرت حلیمہ سعدیہ وغیرہ۔ انھوں نے ان حضرات کو بطور راوی پیش کیا ہے۔اور اس وقت کے ماحول و معاشرہ کا نقشہ کھینچا ہے جس میں آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے پرورش پائی۔اس فن پارے میں جو فنی تکنیک کا استعمال کیا گیا ہے وہ آج کی ناول تکنیک سے ملتی جلتی ہے۔

مولود سلطان الانبیاء از جوہری

جوہری نے مولود سلطان الانبیاء ۵۹۸ ھ میں لکھی۔اس میں 1547 اشعار ہیں۔ یہ طویل مولود ناموں میں سے ایک ہے۔اس میں قدیم ترکی زبان کی تمام خصوصیات پائی جاتی ہیں۔

السلام (Esselam) از نجیب فاضل کسا کورک

نجیب فاضل کسا کورک نے Esselam (خوش آمدید) نام سے ایک نعتیہ نظم تحریر کی ہے، جو ۶۳/ابواب پر مشتمل ہے۔ یہ بھی منظوم سیرت النبی کے زمرے میں آسکتی ہے۔ نجیب فاضل نے زمانی ترتیب کے اعتبار سے حیات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو منظوم کیا ہے۔ ولادت باسعادت، معجزات، معراج، ہجرت، غزوات اور وصال اقدس کا مترنم بیان کیا ہے۔ اس نظم کا ضمنی عنوان Mukaddes Hayattan Levhalar (حیات مقدس کے روشن اوراق) ہے۔ نظم ۶۳/ابواب پر مشتمل ہے جو علامتی اظہار ہے ۶۳/سالہ حیات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا۔

فُضُولی Fuzuli

فضولی پندرہویں اور سولہویں صدی عیسوی کے ایک اہم شاعر ہیں۔ جنھوں نے عشق نبوی سے لبریز نعتیہ شاعری کی ہے۔ نعتیہ نظم Su Eulogy میں انھوں نے عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا والہانہ اظہار کیا ہے۔ اس نظم کو بے پناہ شہرت نصیب ہوئی۔ لفظ 'پانی' کا سہارا لے کر انھوں نے برجستہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات کو بیان کیا ہے۔ ان کی نعتیہ شاعری لفظی، معنوی اور اظہار کی جمالیات سے تابندہ ہے۔

water to the people of the world who made pure life

mature to the path of Ahmed E Mukhtar who made it powerful (P 121)

ترجمہ: پانی زمانے کے لوگوں کو خالص بناتا ہے۔ طریقہ احمد مختار کا پانی اسے طاقتور بناتا ہے(۱۵)

Ya Resulallah! Sen o kerem deryasisin ki mi'rac(j) gec(j)esinde

feyzinin c(h)ig damlalari yildiz ve gezegenlere su ulastimistir (Demirbag,1991:90) (p 125)(۱۶)

ترجمہ: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ وہ بحر سخاوت ہیں کہ شب معراج کو آپ کے کرم کی شبنم نے ستاروں اور سیاروں کو پانی بخشا۔(۱۷)

Umdugun oldur ki ruz-i has(h)r mahrum olmayam

C (h) esme-i vaslun vere men tes(h)ne-i didare su (Fuzuli , Akyuz vd , 1990:31-33) (p 127)

ترجمہ:۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے امید ہے کہ بروز قیامت میں محروم نہ رہوں گا۔آپ کے سرچشمہ حسن کے دیدار سے سیرابی نصیب ہوگی۔(۱۸)

یمن دیدے Yaman Dede

محمد عبدالقادر کچیغلو (1887-1962) ''یمندی ملا'' کے نام سے مشہور ہے۔دیدے نے اپنی شاعری میں پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق کا اظہار کیا ہے۔شاعر کے عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے انہیں لوگ Yanar Dede (دادا) کے نام سے پکارتے ہیں۔ہمعصر کلاسیکی ترکی ادب میں ان کی نعت بعنوان Dahilek Ya Rasulallah بہت مشہور ہے۔وہ اپنی شاعری میں اس بات کا برملا اظہار کرتے ہیں کہ ان کے لیے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر جان دینا ایک بے مثال سعادت ہے۔(۱۹)

اسمائے عثمانی سلاطین جنھوں نعتیں تحریر کیں

۱۔سلطان سلیمان۔محبی (1494-1566)

۲۔سلطان ثانی بایزید (1450-1512)

۳۔سلطان فاتح محمد (1459-1495)

۴۔یاوز سلطان سلیم (1470-1520)

۵۔سلطان احمد اول۔بختی (1590-1616)

۶۔سلطان مصطفیٰ دوم (1664-1703)

۷۔سلطان سوم۔احمد (1673- 1736)

۸۔سلطان سلیم سوم۔سلیم (1761-1808)(۲۰)

ان تمام سلاطین کی نعتیں شائع ہوچکی ہےں اور کتابوں میں ملتی بھی ہیں۔فی الحال ناموں پر ہی اکتفا کررہا ہوں۔

عثمانی دور میں نعتیہ شاعری کو خوب فروغ حاصل ہوا۔اس عہد میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق قیمتی ادب تشکیل پاتا رہا۔ترکی کی نعتیہ شاعری میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق قرآنی آیات

اوراحادیث کریمہ کو بڑے پیمانے پر برتا گیا۔حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل وکمالات، حسب ونسب، اخلاق وعادات، سماجی وسیاسی زندگی کو حیات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر گوشہ کوادب کے سانچے میں ڈھال کرپیش کرنے کی سعی جمیلہ کی گئی۔

Your Love is remedy for all pain , O Prophet

(۲۱)and your closeness fill all need

ترجمہ:۔یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کاعشق ہر دکھ کا درماں ہےاورآپ صلی اللہ علیہ وسلم سےقربت ہرضرورت کی تکمیل ہے۔

صفات حمیدہ کا بیان ترکی کے تقریباً ہر شاعر نے کیا ہے۔یونس ایمرے کے دیوان میں حمد باری تعالٰی کے ساتھ مدح نبوی کا التزام کیا گیا ہے۔

منظوم سیرت اور مولودنوموں کے علاوہ غزوہ نامے، ہجرت نامے بھی تحریر کیے گئے ہیں۔۶۴۰/ مصرعوں پر مشتمل اولین غزوہ نامہ دوروسون فقیہ سے منسوب ہے جبکہ دوسرا غزوہ نامہ ''غزوات نبوی'' احمد رفیق نے قلم بند کیا ہے۔ Al Nahiefy (النہفی) نے ۷۸۸/ اشعار پر مشتمل ہجرت نامہ لکھا جو ترکی زبان میں لکھا گیا سب سے پہلا ہجرت نامہ ہے۔کمال پاشازادہ نے'' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دیگر انبیاء پر فضیلت'' کے عنوان سے نظم تحریر کی ہے۔ترکی زبان کے نعت گوشعراء نے متعدد احادیث کومنظوم کیا ہے۔ایسے شعراء میں علیشار،فضلی، نبی،علی آفندی اور وجیہہ زادہ کمال مشہور ہیں۔(۲۲)

اس طرح ترکی زبان میں نعتیہ شاعری کی روایت طویل اور مستحکم ہے۔یہاں کے شعراء نے نعتیہ شاعری میں جدت وتنوع کا مظاہرہ کیا ہے۔اظہارعشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حیات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر گوشہ کومنظوم کرنے کی فنکارانہ کاوشیں کی گئیں ہیں۔

حواشی

۱۔ Charles Wells , Preface , The Literature of Turks

۲۔ ایضاً　　۳۔ ایضاً　　۴۔ ایضاً

۵۔ Mehmed Fuad Koprulu , Early Mystics in Turkish Literature

۶۔ ایضاً ۷۔ ایضاً

۸۔ Dr Noura Ahme , The Meccan Era in the light of Turkish writing

۹۔ Visualising the Prophet Rhetorical and Graphic Aspects of Three Ottoman Turkish Poems

۱۰۔ ایضاً ۱۱۔ ایضاً ۱۲۔ ایضاً

۱۳۔ ایضاً ۱۴۔ ایضاً

۱۵۔ The Praise to the Prophet Muhammad in the poems of Fuzuli and Yaman Dede

۱۶۔ ایضاً ۱۷۔ ایضاً

۱۸۔ ایضاً ۱۹۔ ایضاً

۲۰۔ Ahmet Ozer, Turk Edebiyatinda Naatler, Kaynak Yaynlan

۲۱۔ Dr Noura Ahmed, The Meccan Era in the light of Turkish writing

۲۲۔ Dr Noura Ahmed, The Meccan Era in the light of Turkish writing

☆☆☆

علامہ محمد شہزاد مجددی (لاہور، پاکستان)

اردو نعتیہ شاعری میں موضوع روایات

(تنقیدی جائزہ)

ہمارے دینی ادب میں نعت کی روایت قرون اولیٰ سے ہی نہایت اہتمام سے شامل رہی ہے اور قرآن وسنت میں اسے مدائح نبویہ اور محاسن وشمائل محمدیہ علی صاحبھا الصلوٰۃ والتسلیمات کے تناظر میں اختصاصی مقام ومرتبہ بھی عطا کیا گیا ہے۔ چنانچہ سیکڑوں آیات کریمہ اور ہزاروں احادیث مبارکہ محض سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل ومحاسن اور محامد واوصاف کے بیان پر مشتمل دکھائی دیتی ہیں۔ اسی طرح کتب سیرت طیبہ بھی ورق ورق اور سطر سطر ایسے مضامین مدح وثناء کو اپنے دامن میں سمیٹے نظر آتی ہیں جن سے حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ اور صوری ومعنوی کمالات کا اظہار ہوتا ہے۔ لہٰذا اسلامی ادبیات میں پائی جانے والی مختلف اصناف نظم ونثر میں اہل ایمان شعراء بلکہ بعد ازاں غیر مسلم شعراو نے بھی رحمۃ للعالمین، خاتم الانبیاء والمرسلین حضرت محمد مصطفیٰ کی بارگاہ میں اپنی عقیدتوں کے نذرانے بصورت نظم وغزل اور قصیدہ ورباعی پیش کرنا اپنے لیے باعثِ سعادت اور ذریعۂ نجات سمجھا اور شاعر دربار رسالت حضرت سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے لے کر مولانا احمد رضا خان قادری (م 1921ء) اور مولانا جامیؔ سے لے کر علامہ اقبالؔ (م 1938ء) تک منظوم سیرت نگاری اور نعت گوئی کا ایک مربوط سلسلہ مطلع ادب پر ابھرتا دکھائی دیتا ہے۔ ماضی قریب سے عصر حاضر تک خصوصاً قیام پاکستان کے بعد مملکت خداداد پاکستان میں جن خوش نصیب شعراء نے اس حوالے سے قابل قدر اور نمایاں خدمات سر انجام دی ہیں ان میں مولانا ظفر علی خان، حافظ مظہر الدین، مولانا ماہر القادری، حافظ لدھیانوی، حفیظ جالندھری، احسان دانش، حفیظ تائب، محمد اعظم چشتی، احمد ندیم قاسمی، عبدالعزیز خالد، راجا رشید محمود، بشیر حسین ناظم، خالد احمد، صبا اکبر آبادی، ہلال جعفری، ڈاکٹر ریاض مجید، راغب مراد آبادی، تابش دہلوی، حسرت حسین حسرت، عبدالستار نیازی،

محمد علی ظہوری، پیر سید نصیر الدین نصیر گیلانی اور رفیع الدین ذکی قریشی جیسے شعراء قابل ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ بھی پاکستان اور ہندوستان میں ہزاروں ماہر اور قادر الکلام نعت گو شعراء ہوئے اور موجود ہیں جن کی ہمہ جہت خدمات کا تذکرہ تفصیل کا متقاضی ہے۔

بلاشبہ یہ بات بھی لائق اطمینان ہے کہ عمومی طور پر حمد و نعت اور سلام و مناقب کی طرف مذہبی رجحان رکھنے والے شعراء متوجہ ہوئے اور کمال محبت سے ہدیہ ہائے عقیدت اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کرتے رہے۔ یہاں نور نامے، معراج نامے اور عوامی محافل میلاد میں پڑھے جانے والے مولود ناموں کا ذکر بھی ضروری ہے کہ یہ سلسلہ بھی ایک زمانے تک نہایت اہتمام سے رائج اور مقبول رہا ہے اور اس عقیدت مندانہ رجحان کے نتیجے میں کچھ ایسے لوگ بھی نعتیہ شاعری کے میدان میں اترے جو مطلوبہ شرعی استعداد اور علمی قابلیت کے حامل نہ تھے۔ لہٰذا ان کے قلم سے نکلنے والے کلام میں کچھ غیر شرعی اور غیر علمی رویے بھی شامل ہوئے اور نہ صرف کمزور و ضعیف بلکہ موضوع روایات تک ذخیرہ ادب میں شامل ہوتی چلی گئیں اور عوامی مقبولیت و پذیرائی نے انہیں رفتہ رفتہ درجۂ استناد عطا کر دیا۔ اس صورت حال کے ذمہ دار خصوصاً وہ شعراء تھے جو قرآن و سنت اور علوم شرعیہ سے باقاعدہ آشنائی نہیں رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ وہ واعظ نما نیم مُلّا اور میلاد خواں طبقہ جو عوامی مجالس و محافل میں شہرت رکھتا تھا اور خوش الحانی کے جوہر سے بھی بہرہ ور تھا۔ جب کہ ایک طبقہ مستند اہل علم اور باقاعدہ شرعی علوم سے واقفیت رکھنے والے نعت گو شعراء کا بھی رہا لیکن بتقاضائے بشریت علوم شرعیہ خصوصاً حدیث کے بحر بیکراں تک محدّثانہ رسائی نہ ہونے کے سبب کہیں کہیں ان سے بھی چوک ہوئی اور بعض غیر مستند اور وضعی و جعلی روایات ان کے کلام میں بھی شامل ہو گئیں اور آج تک نعتیہ اشعار کی صورت میں زبان زد عام ہیں۔

عصر حاضر فروغ نعت کے ساتھ ساتھ نعتیہ ادب میں تنقیدی رجحانات کے بھی کئی در وا کرتا چلا جا رہا ہے اور یقیناً وابستگان نعت کے لیے یہ سلسلۂ نقد و نظر باعث تقویت و طمانیت ہے۔ نعت اردو ادب کی ایک مقدس صنفِ سخن ہے اور دوسری مذہبی شاعری کی طرح اس کا منبع و مصدر بھی قرآن و سنت ہی ہیں۔ نعتیہ شاعری کے بیشتر مضامین قرآنی آیات اور احادیث مبارکہ سے مستفاد و ماخوذ ہوتے ہیں اور وہ معدودے چند نعت گو شعراء جنہیں علوم شرعیہ پر کامل عبور تھا۔ انہوں نے اپنے کمال علم و تقویٰ کی برکت سے نعت کی شمشیر آب دار پر مکمل حزم و احتیاط سے قدم رکھا اور وادیٔ عشق کی مسافت کو عافیت و سلامتی کے ساتھ طے کرنے میں کامیاب رہے۔

قرآن مجید کے بعد علوم شرعیہ کا سب سے بڑا اور بنیادی ماخذ حدیث شریف ہے اور دیگر اہل علم کی طرح علمی ذوق کے حامل نعت گو شعراء نے بھی اس ماخذ سے استفادہ کیا ہے۔ چنانچہ اردو نعتیہ شاعری میں ان گنت اشعار ایسے ملتے ہیں جن کے مضامین یا تو مشتمل بر احادیث ہیں یا کسی حدیث کے مضمون سے مستفاد ہیں جب کہ کئی اشعار میں بلفظہٖ کسی حدیث پاک کو منظوم کیا گیا ہے۔ اس وقت مرزا رفیع سوداؔ کا ایک مشہور شعر یاد آ رہا ہے:

حدیثِ، من رآنی، دال ہے اس گفتگو اوپر
کہ دیکھا جس نے ان کو، اس نے دیکھی شکل یزدانی [1]

البتہ یہاں پر یہ بات بھی لائق اعادہ ہے کہ شاعر کا خیال متن حدیث سے متعارض ہے۔ یہ حدیث پاک جسے امام ابوعیسیٰ ترمذی علیہ الرحمہ نے ''شمائل ترمذی'' میں روایت کیا ہے کچھ یوں ہے:

من رآنی فی المنام فقد رآنی [2]

''جس نے خواب میں مجھے دیکھا، اس نے حقیقتاً مجھے ہی دیکھا۔''

حضرت احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ نے بھی اس حدیث سے استفادہ کرتے ہوئے بڑی احتیاط سے کہا ہے:

شراب قد رأی الحق، زیب جام، من رآنی، ہے کھلے کیا راز محبوب و محبّ مستانِ غفلت پر [3]

ایک مشہور حدیث کے متن کو فاضل بریلوی نے یوں منظوم کیا ہے:

من زار تربتی و جبت له شفاعتی

ان پر درود جن سے نوید ان بشر کی ہے۔ [4]

اکثر کتب سیر میں یہ روایت بایں الفاظ ملتی ہے:

1۔ سوداؔ، مرزا رفیع، کلیات سودا، جلد اوّل، ص 224، منشی نامی نول کشور، کانپور، انڈیا

2۔ ترمذی، محمد بن عیسیٰ، امام، جامع الترمذی، کتاب الرویا، باب ماجاء فی قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم من رآنی......الخ، رقم 2276، دار ابن کثیر، بیروت، 1428ھ

قشیری، مسلم بن حجاج، امام، صحیح الجامع، کتاب الرؤیا، باب من رآنی فی المنام فقد رآنی، رقم 5919، مکتبہ العصریہ، بیروت، 2013ء

3۔ بریلوی، احمد رضا، امام، حدائق بخشش، ص 67، ط فرید بک اسٹال، لاہور

4۔ ایضاً، ص 72

من زار قبری و جبت له شفاعتی 1

جس نے میری قبرانور کی زیارت کی، اس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگئی۔

امام تقی الدین سبکی علیہ الرحمہ نے ’’شفاء السقام‘‘ میں اور امام ابن حجر مکی رحمہ اللہ نے ’’الجواھر المنظم‘‘، میں اسے نقل کیا ہے جب کہ ہمارے معاصر عرب کے فاضل شیخ حمود سعید المَمد وح (دبئ) نے اپنی کتاب "**رفع المنارة فی تخریج احادیث التوسل، الزیارة**" میں اس حدیث کی سند پر معترضین کو محققانہ جوابات دیئے ہیں۔ محدث بریلوی علیہ الرحمہ کا ایک مشہور شعر ہے:

رب ہے معطی یہ ہیں قاسم دیتا وہ ہے، دلاتے یہ ہیں 2

یہ مضمون ’’صحیح البخاری‘‘ (کتاب العلم) میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث شریف سے لیا گیا ہے جس کے الفاظ درج ذیل ہیں:

اِنَّمَا أنَا قاسم و الله یعطی 3

’’اللہ تعالیٰ ہی عطا کرنے والا ہے جب کہ میں تقسیم کرنے والا ہوں۔‘‘

اس حدیث پاک پر مبنی راقم السطور کا ایک شعر بھی ملاحظہ کیجیے:

سنتا ہے فریاد خدا ہی، دیتا ہے شہزاد خدا ہی کرتے ہیں تقسیم محمد صلی اللہ علیہ وسلم 4

حضرت حفیظ تائب مرحوم کو بھی مضامین قرآن وحدیث نعتیہ اشعار میں منظوم کرنے میں خاص ملکہ حاصل تھا، چنانچہ آپ لکھتے ہیں:

مجھے توازن فکر ونظر دیا تو نے سجھا کے نکتہ ’خیرالامور اوسطھا‘ 5

اردو ادب کے نعتیہ ذخائر میں جہاں صحیح احادیث پر مبنی مضامین بکثرت ملتے ہیں، وہاں سیکڑوں نعتیہ اشعار ایسے بھی ہیں جن کی بنیاد کسی شدید ضعیف یا ساقط الاعتبار موضوع (من گھڑت) روایت پر

---

1 ہیثمی، نورالدین علی بن ابی بکر، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، کتاب الحج، باب زیارت سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، رقم 5841، دار الفکر، 2010

2 بریلوی، احمد رضا، امام، حدائق بخشش، ص 482، ط مکتبۃ المدینۃ، کراچی، 2017

3 بخاری، محمد بن اسماعیل، جامع الصحیح، کتاب العلم، باب من یرد اللہ بہ خیراً یفقہ فی الدین، رقم 1، دار ابن حزم بیروت

4 مجددی، شہزاد، کلیات شہزاد مجددی، ص 104، ط نعت مرکز، لاہور، 2017

5 تائب، حفیظ، کلیات حفیظ تائب، ص 30، ط القمر انٹر پرائزز، لاہور

ہے اور موضوع یعنی وضعی وجعلی روایت عندالمحدثین صرف اور صرف اس صورت میں بیان کرنا جائز اور حلال ہے جب کہ اس کی وضعیت کو ظاہر کرنا مقصود ہو کیونکہ کسی قول یا فرمان کو بلاتحقیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنا بہت بڑی جسارت ہے اور عمداً کسی ایسی بات کو جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ فرمائی ہو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے منسوب کرنا 'اکبر الکبائر' ہے۔ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّداً فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ۔ 1؎

''جس شخص نے قصداً مجھ پر جھوٹ باندھا اس نے اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنالیا۔''

ایک دوسرے مقام پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ تَقُوْلَ عَلَيَّ مَالَمْ اَقُلْ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ۔ 2؎

''جس نے مجھ پر ایسی بات کہی جو میں نے نہیں کی تھی، وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں کرلے۔''

آج کل تقریر وتحریر میں اس بے احتیاطی کی بھرمار ہے۔ واعظین اور قصہ گو قسم کے مقررین کا یہ عام وطیرہ ہے کہ وہ بغیر علم کے احادیث بیان کررہے ہوتے ہیں، محافل میلاد میں اسٹیج سکریٹری اور نقیب قسم کے لوگ تو اسی طرح کی خرافات پر ہی چل رہے ہیں حالانکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

كَفىٰ بِالمرءِ كذِباً أن يُحدثَ بكلِّ ما سمعَ 3؎

''کسی شخص کے جھوٹا ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی ہوئی بات کو آگے بیان کردے۔''

ایک روایت میں "**كفىٰ بالمرء اثماً**" کے الفاظ بھی آئے ہیں۔

افراط تجاہل کی موجودہ فضا میں ہم ائمہ محدثین کی رہنمائی میں ایسی روایات کی نشاندہی کا فریضہ سرانجام دینا وقت کی اہم ضرورت سمجھتے ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات نہیں ہیں لیکن

1؎ بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، کتاب العلم، باب اثم من کذب علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم، رقم 109، طبع دار ابن حزم، بیرت

2؎ قزوینی: ابن ماجہ، محمد بن یزید، حافظ سنن، مقدمہ، بالاتغلیظ فی تعمد الکذب علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، رقم 34، طبع، دار الفکر بیروت

3؎ قشیری، مسلم بن حجاج، صحیح الجامع، مقدمہ، باب النہی عن الحدیث بکل ما سمع، رقم 7، مکتبہ العصریہ، بیروت 2013

انہیں احادیث کہہ کر لکھا پڑھا اور سنا سنایا جاتا ہے۔ان موضوع روایات میں ایک مشہور قول ہے:

الفقر فخری و به أفتخر۔

''فقر میرا فخر ہے اور میں اس کے ساتھ مفتخر ہوں۔''

اس قول کی شہرت اور مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ اچھے اچھے اہل علم اپنی تصنیفات مقالات میں اسے نقل کر کے اس سے استشہاد کرتے ہیں اور نعت گو شعراء اپنے کلام میں اس مضمون کو منظوم کرتے ہیں۔شاعر مشرق علامہ محمد اقبالؔ کا معروف مصرع ہے:

سماں ''الفقر فخری'' کا رہا شانِ امارت میں 1

سلسلہ سہروردیہ کے ایک فاضل صوفی بزرگ مولانا قلندر علی سہروردی (م 1958ھ) رحمۃ اللہ علیہ نے تصوف اور اہل تصوف کے دفاع میں ایک کتاب تالیف فرمائی جس کا عنوان ہی ''الفقر فخری'' ہے یہ کتاب متعدد بار شائع ہو چکی ہے اور اس کے اندرونی ٹائٹل پیج پر ایک شعر یوں درج ہے:

کروں مال و زر کی میں کیوں ہوس، مجھے اپنے فقر پہ فخر بس

یہی حرزِ جانِ فقیر ہے، یہی ''قولِ شاہِ حجاز'' ہے 2

الغرض اس موضوع اور باطل روایت کو ایسے ایسے بزرگوں نے ''قولِ شاہِ حجاز'' ہی سمجھا اور تقریر و تحریر میں اسے بالالتزام جگہ دی۔ہم ائمہ محدثین و ماہرین اصول حدیث کے اقوال و آراء کی روشنی میں اس قول کا تنقیدی اور فنی جائزہ پیش کرتے ہیں:

امام ابن حجر عسقلانی کا موقف:

حضرت امام احمد بن محمد بن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (م 852ھ) اپنی تصنیف ''تلخیص الحبیر'' میں فرماتے ہیں:

وَ هٰذَا الْحَدِيثُ سُئِلَ عَنْهُ الْحَافِظُ اِبْن تَيْمِيةَ؟ فَقَال : اِنَّهٗ كَذِبَ لَا يَعْرِفُ فِیْ شَیْءٍ مِنْ كتب الْمُسْلِمِيْنَ الْمَروِيَةِ وَ جَزمَ الصَّنعَانِیْ بِانَّه مَوْضُوع۔ 3

اس حدیث ''الفقر فخری'' کے بارے میں حافظ ابن تیمیہ سے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا یہ جھوٹ ہے مسلمانوں کے ذخیرہ مرویات میں اس قسم کی کوئی چیز نہیں پائی گئی۔امام صنعانی نے بھی اس

---

1 اقبال، محمد، علامہ، کلیات اقبال، ص 223، ط خالد بک ڈپو، لاہور

2 سہروردی، قلندر علی، الفقر فخری، ٹائٹل پیج، ط مرکزی مجلس سہروردیہ، لاہور

3 عسقلانی: ابن حجر، احمد بن علی، امام، تلخیص الحبیر، جلد 3، ص 235، ط موسسۃ قرطبۃ، مصر، 1995

کے موضوع ہونے کی تاکید کی ہے۔''

امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مروی ایک اور معروف روایت یہاں نقل کر کے وضاحت کی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف منسوب فقر و مسکنت کی حقیقت کیا ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَللّٰھُمَّ أَحۡیِنِیۡ مِسۡکِیۡنًا وَّ تَوَفَّنِیۡ مِسۡکِیۡنًا وَّاحۡشُرۡنِیۡ فِیۡ زُمۡرَۃِ الۡمَسَاکِیۡنِ۔ 1؎

''اے اللہ! مجھے زندہ رکھنا تو مسکینوں میں اور اگر میری موت آئے تو مسکینوں میں اور مجھے (قیامت کے دن) اٹھانا تو مسکینوں کے ساتھ۔''

اس روایت کو امام ترمذی نے غریب کہا ہے اور اس کی سند میں ضعف ہے۔ ابن ماجہ، حاکم اور بیہقی نے اسے الگ الگ طرق سے روایت کیا ہے۔

وَقَالَ الۡبَیۡھَقِی : وَوَجۡھُهٗ عِنۡدِیۡ أَنَّہٗ لَمۡ یسأل حَالَ الۡمَسۡکِنَۃِ الَّتِیۡ یَرۡجِعُ مَعۡنَاھَا اِلٰی الۡقِلَّۃِ وَ أَنَّمَا سَأَلَ الۡمَسۡکَنَۃُ الَّتِیۡ یَرۡجِعُ مَعۡنَاھَا اِلٰی الۡاِخۡبَاتِ وَالتَّوَاضُعُ۔ 2؎

امام بیہقی کہتے ہیں: میرے نزدیک اس کی توجیہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسکنت کا سوال نہیں کیا جس کا معنی قلت لیا جاتا ہے بلکہ اس مسکنت کا سوال کیا ہے جس سے مراد انکسار اور عاجزی لیا جاتا ہے۔''

ایک اور قابل غور امر یہ ہے کہ صحیح احادیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فقر سے استعاذہ اور پناہ مانگنا ثابت ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو بھی اس کی تعلیم فرمائی۔ چنانچہ فقر سے استعاذہ کے الفاظ یوں مروی ہیں:

اللھم أعوذبك من فتنة الفقر۔ 3؎

1؎ ترمذی، محمد بن عیسیٰ، امام، کتاب الزہد، باب ماجاء أن الفقراء المہاجرین۔ الخ، رقم 2352، ط دار ابن کثیر، بیروت

2؎ عسقلانی: ابن حجر، احمد بن علی، امام، تلخیص الجیر، جلد 3 ص 235، ط موسسۃ قرطبۃ، مصر، 1995ء، سنن الکبریٰ للبیہقی، باب مایستدل بہ علی ان الفقیر، رقم 12932

3؎ بخاری، محمد بن اسماعیل، امام، صحیح البخاری، کتاب الدعوات، باب التعوذ من الماثم والمغرم، رقم 6368، ط دار ابن حزم، بیروت۔ قشیری، مسلم بن حجاج، امام صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب التعوذ من شر الفتن، رقم 6871، ط مکتبۃ العصریہ، بیروت

''اے اللہ! میں مفلسی کے فتنے سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔''

سنن ابی داؤد میں عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کی ایک روایت میں مسنون دعائیہ کلمات یوں ہیں:

اللهم انی اعوذبك من الکفر و الفقر۔ 1

''اے اللہ! میں کفر اور فقر سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔''

یہاں کفر کے ساتھ فقر کا تذکرہ لائق عبرت بھی ہے اور محل تنبیہ بھی۔ صحیح ابن حبان میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: **فقال رجل : و یعتدلان؟ قال صلی اللّٰہ علیه وسلم : نعم۔** 2

''ایک شخص نے پوچھا کیا یہ دونوں برابر ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں۔''

مسند احمد اور سنن ابن ماجہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

تعوذوا باللّٰہ من الفقر۔ 3

''فقر سے اللہ کی پناہ مانگو۔''

صحیح ابن حبان میں ہے:

أعوذبك من الفقر والفاقة۔ 4

''میں فقر و فاقہ سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔''

الغرض احادیث صحیحہ میں فقر سے پناہ و نجات اور برأت کے مضامین کثرت سے ملتے ہیں۔ یہاں ایک اور بات کو ملحوظ رکھنا بھی ضروری ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لئے موجود،

---

1 سجستانی: ابوداؤد، سلیمان بن اشعث، امام، سنن، کتاب الادب، باب مایقول اذا أصبح، رقم 5090، ط مکتبہ الریاض الحدیثیہ، ریاض

2 ابن حبان، محمد، امام، (مترجم) الاحسان، کتاب الادعیۃ، باب ذکر البیان ان الشی ...... الخ، رقم 1026، ط شبیر برادرز، لاہور، 2014

3 الشیبانی، احمد بن حنبل، امام، مسند، مرویات ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، رقم 10986، ط مکتبہ رحمانیہ، لاہور
قزوینی: ابن ماجہ، محمد بن یزید، امام، سنن، کتاب الدعاء، باب ما تعوذ منہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، رقم 3842، ط دار الفکر، بیروت

4 ابن حبان، محمد، امام، الاحسان، کتاب الادعیۃ، **باب ذکر ما یستحب للمرء ان یتوذ...... الخ**، رقم 1030، ط شبیر برادرز، لاہور، 2014

مذکور اور منصوص فضائل کا اظہار بھی فخر سے نہیں فرمایا بلکہ ہر جگہ لافخر و لافخر کی تکرار سے اپنے رب کی بارگاہ میں اظہارِ عبودیت و تواضع فرمایا ہے۔

امام شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن سخاوی رحمۃ اللہ علیہ (م 902ھ) اپنی تصنیف لطیف "**المقاصد الحسنة**" میں رقمطراز ہیں:

الفقر فخری و به أفتخر...... هو باطل موضوع 1

"**الفقر فخری و به أفتخر**...... الخ، باطل اور گھڑی ہوئی روایت ہے۔"

ملا علی بن سلطان القاری رحمۃ اللہ علیہ (م 1014ھ) "**الاسرار المرفوعة فی الاخبار الموضوعة**" میں فرماتے ہیں:

الفقر فخری و به أفتخر...... قال العسقلانی: هو باطل الموضوع۔ و قال ابن تیمیة : هو کذب۔ 2

"فقر میرا فخر ہے...... الخ، عسقلانی نے اسے باطل اور موضوع کہا ہے اور ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ یہ کذب ہے۔"

شیخ محمد طاہر بن علی پٹنی رحمۃ اللہ علیہ (م 986ھ) "**تذکرة الموضوعات**" میں اس روایت کے بارے میں لکھتے ہیں:

الفقر فخری و به أفتخر...... قال شیخنا : هو باطل موضوع۔ 3

"**الفقر فخری**...... ہمارے شیخ نے اسے باطل اور موضوع کہا ہے۔"

مزید لکھتے ہیں: اسے الصنعانی نے بھی موضوع کہا ہے۔

شیخ اسماعیل بن محمد عجلونی رحمۃ اللہ علیہ (م 1162ھ) "**کشف الخفاء**" میں اس قول کو نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں:

قال الحافظ ابن حجر : باطل موضوع و قال فی التمییز : کالمقاصد و من الواهی فی الفقر ما للطبرانی عن شداد بن أوس رفعه: "الفقر أزین بالمؤمن من العذار الحسن علی خد الفرس" و قال ابن تیمیة : کذب، و سنده ضعیف والمعروف أنه

---

1 زرقانی، محمد بن عبدالباقی، امام، مختصر المقاصد الحسنہ: رقم 692، ط المکتب الاسلامی، بیروت، 1989

2 القاری، ملا علی، الموضوعات الکبیر، حرف فاء، ص 50، ط الرافع المجتبائی، دہلی

3 پٹنی، محمد طاہر بن علی، شیخ، تذکرۃ الموضوعات، ص 178، ط المکتبۃ القیمۃ، ممبئی، 1343

من كلام عبدالرحمن بن زياد بن أنعم كما رواه ابن عدى فى كامله۔ 1

”حافظ ابن حجر نے اسے باطل و موضوع کہا ہے اور تمییز میں مقاصد الحسنہ ہی کی طرح (صاحب تمییز) نے کہا کہ فقر کے بارے میں روایت واہیہ میں سے ایک روایت ہے جسے طبرانی نے شداد بن اوس سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ ”فقر مومن کے لئے گھوڑے کے رخسار پر خوبصورت نشان سے بھی زیادہ موزوں ہے۔“ ابن تیمیہ نے اسے کذب کہا ہے اور اس کی سند ضعیف ہے جب کہ مشہور یہ ہے کہ یہ عبدالرحمٰن بن زیاد بن انعم کا قول ہے جیسا کہ ابن عدی نے اپنی کامل میں روایت کیا ہے۔“

شارح بخاری امام احمد بن محمد قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ (م 923ھ) لکھتے ہیں:

و أما مايروى أنه صلى اللّٰه عليه وسلم قال : "الفقر فخرى و به أفتخر" فقال شيخ الاسلام ابن تيمية والحافظ بن حجر : هو باطل موضوع۔ 2

اور یہ جو روایت کیا جاتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، الفقر فخری......الخ، شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور حافظ ابن حجر نے اسے باطل و موضوع کہا ہے۔“

فاضل بریلوی کی تحقیق:

تائید مزید کے لئے اعلیٰ حضرت محدث بریلوی قدس سرہٗ کی تحقیق بھی ملاحظہ فرمائیں:

حضور اقدس قاسم النعم، مالک الارض ورقابِ الامم معطی منعم قثم قیم، ولی والی، علی عالی، کاشف الکرب، رافع الرتب، معین کافی، حفیظ وافی، شفیع شافی، عفو عافی، غفور جمیل، عزیز جلیل، وہاب کریم، غنی عظیم، خلیفہ مطلق حضرتِ رب، مالک الناس و دیانِ العرب، ولی الفضل، جلی الافضال، رفیع المثل، ممتنع الامثال صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ ارفع و اعلیٰ میں الفاظ مذکورہ (یتیم، غریب، مسکین، بے چارہ) کا اطلاق ناجائز و حرام ہے۔

خزانۃ الاکمل مقدسی و ردالمحتار و اخرشتی میں ہے:

يجب ذكره صلى اللّٰه عليه وسلم بأسماء معظمة فلا يجوز أن يقال أنه فقير، غريب، مسكين۔

”حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ عزت و تکریم والے ناموں سے کرنا لازم و فرض ہے اور اس طرح کہنا جائز نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فقیر، غریب اور مسکین تھے۔“

---

1 عجلونی، اسماعیل بن محمد، کشف الخفاء و مزیل الالباس، رقم 1835، ط مکتبۃ العلم الحدیث، دمشق

2 قسطلانی، احمد بن محمد، شیخ، المواہب الدنیہ، جلد 2، ص 126، ط دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1996ء

علامہ خفاجی رحمۃ اللہ علیہ ''نسیم الریاض'' جلد رابع ص:450 پر لکھتے ہیں:

الأنبیاء علیهم الصلوٰة والسلام لا یوصفون بالفقر ولا یجوز أن یقال لنبینا صلی اللّٰه علیه وسلم فقیر و قولهم عنه: "الفقر فخری" لا أصل لهٗ کما تقدم.

''انبیائے کرام علیہم السلام کو فقر سے موصوف نہ کیا جائے اور یہ جائز نہیں کہ ہمارے آقا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فقیر کہا جائے، رہا لوگوں کا "**الفقر فخری**" کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی کہنا تو اس کی کوئی اصل نہیں۔ جیسا کہ پہلے بیان ہوا ہے۔''

اسی کتاب کے صفحہ 278 پر ہے:

قال الزرکشی کالسبکی : لایجوز أن یقال لهٗ صلی اللّٰه علیه وسلم فقیرا و مسکین و هو اغنی الناس باللّٰه تعالیٰ لا سیما بعد قوله تعالیٰ : "ووجدك عائلًا فاغنیٰ" و قولهٗ صلی اللّٰه علیه وسلم : "اللهم أحیینی مسکیناً" أراد به المسکنة القلبیة بالخشوع والفقر فخری باطل لا أصل له...... کمال قال الحافظ ابن حجر العسقلانی. [1]

''امام بدرالدین زرکشی نے امام سبکی کی طرح فرمایا کہ یہ جائز نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فقیر یا مسکین کہا جائے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ کے فضل سے لوگوں میں سب سے بڑھ کر غنی ہیں۔ خصوصاً اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاجت مند پایا سو غنی کر دیا'' کے نزول کے بعد، رہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ ''اے اللہ مجھے مسکین زندہ رکھ...... الخ'' تو اس سے مراد باطنی مسکنت کا خشوع کے ساتھ طلب کرنا ہے اور الفقر فخری باطل ہے اس کی کوئی اصل نہیں جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے فرمایا ہے۔''

محدث بریلوی کی تحقیق مزید:

مولانا احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''کتاب الشفاء'' قاضی عیاض کے حوالے سے یہ صراحت کی ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ذات والا صفات کے لئے نازیبا اور غیر موزوں اسماء و صفات کا استعمال حکایتاً ناجائز و ممنوع ہے۔ اسی طرح بارگاہِ رسالت میں گستاخی اور بے ادبی اگرچہ سہواً یا جہالت و لاعلمی کے باعث ہی ہو، لائق گرفت اور ناقابل معافی جرم ہے۔

---

1. بریلوی، احمد رضا، امام، الفتاویٰ الرضویہ: جلد 14، ص 626، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن، لاہور 1998

ذیل میں کچھ معروف اور بزرگ نعت گو شعراء کے اشعار ملاحظہ فرمایئے جنھوں نے "**الفقر فخری**" کو بطور حدیث نظم کیا ہے:

1-حفیظ جالندھری

اگرچہ ''فقر فخری'' رتبہ ہے تیری قناعت کا　　مگر قدموں تلے ہے فرکسرائی و خاقانی [1]

2-بہادر شاہ ظفؔر

کہتے تھے الفقر فخری جس فقیری کو نبی　　فخر دیں، فخر جہاں پر وہ فقیری ختم ہے [2]

3-حافظ مظہر الدین مظہؔر

سبق ہے یاد مجھ کو آج بھی ''الفقر فخری'' کا　　بحمداللہ ہے میری خوئے درویشانہ برسوں سے [3]

4-خواجہ محمد یار فریدیؔ

فخری دارد بفقرش مصطفیٰ　　فقر را برہان مولانا فرید [4]

5-ضامنؔ حسنی

''فقر فخری'' سے ہم آہنگ تھی شاہی جس کی　　ایسا مولا کوئی دیکھا ہے بتا چرخِ کبود [5]

6-بیچین رجپوری

از روئے 'الفقر فخری' تھا سدا زہد و قنوع　　پانی پینے کو رکھا جامِ سفالی آپ نے [6]

---

1. جمیل یوسف: منتخب نعتیں، ص 129، ط مقتدرہ قومی زبان، لاہور، 2011
2. ظفر، بہادر شاہ، کلیات ظفر، حصہ سوم، ص 221، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور 1994
3. مظہر، مظہر الدین، حافظ، کلیات مظہر، ص 963، ارفع پبلشرز، لاہور، 2013
4. فریدی: محمد یار، خواجہ، دیوان محمدی، ص 46، ط آستانہ عالیہ گڑھی شریف، رحیم یار خان، 1998
5. حسنی: ضامن، ضامن حقیقت، ص 55، ط بزم فروغ ادب، حیدر آباد، 1986ء
6. رجپوری: بیچین، کلیات بیچین، حصہ اوّل، ص 23، ط مکتبہ بیچین، لاہور، 2003ء

7-انیسہ ہارون شروانیہ

مژدۂ ''فقر فخری'' سنایا حوصلہ مفلسوں کا بڑھایا [1]

8-حافظ لدھیانوی

ہے فخر تجھے فقر پہ اے شاہِ دوعالم اے ختم رسل، ہادیِ دیں، خلق مجسم [2]

9-حفیظ الرحمٰن احسن

عجز کی شان 'الفقر فخری' صفت رشک فغفور جاہ و حشم آپ کا
عظمتیں سرنگوں آپ کے سامنے نصب ہے رفعتوں پر علم آپ کا[3]

10-پروفیسر اسرار احمد سہاروی

اگرچہ فخر پہ انداز فخر حاوی ہے تمہارا نقش قدم سجدہ گاہِ شاہاں ہے [4]

ہمارے خیال میں اس شعر کا مصرع اولیٰ یوں ہونا چاہیے:

اگرچہ فخر پہ انداز فقر حاوی ہے

11-سید امین گیلانی

تجھ سے سنا جب تیرے غلاموں نے 'الفقر فخری'
تخت انہوں نے روندے ہیرے رولے تاج اچھالے[5]

12-رفیع الدین ذکی قریشی

ہیں امت اس کی ہم ''الفقر فخری'' جس نے فرمایا
اترتے کیوں نہیں پھر حشمت و نخوت کے مرکب سے [6]

---

1. محمود: راجا رشید ''نعت''، ماہنامہ شمارہ، فروری 1994ء، ص 82، لاہور
2. لدھیانوی: حافظ، ثنائے خواجہ، ص 51، ط منیب الرحمٰن اینڈ برادرز، سرگودھا، 1971ء
3. احسن، حفیظ الرحمٰن، منتخب نعتیں، مرتبہ تابش صدیقی، ص 79، ط مطبوعات حرمت، راولپنڈی، 1983ء
4. محمود: راجا رشید ''نعت'' ماہنامہ شمارہ فروری 1994ء، ص 56، لاہور
5. گیلانی، امین، سید، سرمایہ درویش، ص 27، ط ادارہ السادات، شیخوپورہ، 1994ء
6. ذکی، رفیع الدین، قریشی، توشہ، ص 94، مطبع لاہور، 2002ء

13- جعفر بلوچ

مری جاں مرا دین و ایماں ہے 'الفقر فخری' میں فخر پرور پیمبر کی امت میں جعفر 1

(شاعر نے اس نعت میں ''الفقر فخری'' کو بطور ردیف استعمال کیا ہے۔ (۔)

14- بشیر حسین ناظم

وہ ایسے قائل 'العجز فخری' ہیں کہ عالم کی غنا و سرفرازی ان کے کف پا پہ قرباں ہے 2

(العجز فخری کے الفاظ کتاب الشفاء میں قاضی عیاض مالکی رحمہ اللہ نے ایک طویل روایت بیان کرتے ہوئے نقل کیے ہیں۔)

15- راجا رشید محمود

ملا ہے درس محمد سے ''فقر فخری'' کا کمال فقر میں مضمر ہے قیصری اپنی 3

16- محمد اکبر خان میرٹھی

جب سے اکبر ہیں شہ الفقر فخری کے فقیر شال سے بہتر ہے یہ دلق فقیرانہ ہمیں 4

17- رونق

لولاک تاج خوش نما بس تیرے چہرے پر کھلا 'الفقر فخری' کی ردا تھی تیری ہی خاطر دھری 5

معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق چند موضوع روایات:

اردو نعتیہ شاعری میں بہ کثرت پائے جانے والے ایسے مضامین میں سے ایک معروف مضمون واقعہ معراج میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین سمیت عرشِ معلیٰ پر تشریف لے جانے سے متعلق ہے۔ جس کا مفہوم کچھ یوں ہے کہ جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرشِ الٰہی کی طرف عروج فرمایا تو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے پیش نظر جو موسیٰ علیہ السلام سے کہا گیا تھا:

---

1 بلوچ، جعفر، بیعت، ص 31، یونیورسل بکس لاہور، 1989ء

2 ناظم، بشیر حسین، جمال جہاں فروز، ص 385، طفریدیہ پرنٹنگ پریس، کراچی، 1998ء

3 محمود: راجا رشید، ورفعنا لک ذکرک، ص 75، پاپولر پبلشرز، لاہور، 1977ء

4 میرٹھی: اکبر محمد خان، گلزار اکبر، ص 20، ط دین محمد اینڈ سنز، لاہور

5 رونق، گنجینہ نعت، ص 86، نول کشور گیس پرنٹنگ ورکس، لاہور

فاخلع نعليك انك بالواد المقدس طوى۔[1]

''اے موسیٰ! اپنے جوتے اتار دو کیونکہ تم مقدس وادی طویٰ میں ہو۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی نعلین اتارنے کا ارادہ فرمایا لیکن ارشاد ہوا:

یا محمد! لا تخلع نعليك لتشرف السماء بهما۔

''اے محمد! اپنے نعلین نہ اتارو تاکہ آسمان ان سے شرف حاصل کرے۔''

علامہ عبدالحئ لکھنوی رحمہ اللہ (م ۱۳۰۴ھ) نے اس روایت کو ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

یا محمد! لا تخلع نعليك فاِن العرش يتشرف بقدومك منتعلا ويفتخر على غيره متبركا فصعد النبى صلى الله عليه وسلم اِلى العرش و فى قدميه النعلان و حصل له لذلك عز و شان۔

''اے محمد! اپنے نعلین مت اتاریں بے شک عرش آپ کے قدموں کے جوتوں سمیت آنے سے مشرف ہوگا اور اس سے برکت حاصل کرکے اپنے غیر پر فخر کرے گا، پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم عرش پر تشریف لے گئے (اس حال میں کہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں مبارک میں نعلین تھے اور اس وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شان وعظمت حاصل ہوئی۔''

علامہ عبدالحئ لکھنوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اس قصے کا تذکرہ اکثر نعت گو شعراء نے کیا ہے اور اسے اپنی تالیفات میں درج کیا ہے اور ہمارے زمانے کے اکثر واعظین اسے طوالت واختصار کے ساتھ اپنی مجالس وعظ میں بیان کرتے ہیں۔ جب کہ شیخ احمد المقری نے اپنی کتاب "**فتح المتعال فی مدح النعال**" میں علامہ رضی الدین قزوینی اور محمد بن عبدالباقی زرقانی رحمہ اللہ نے "**شرح مواهب اللدنيه**" میں زور دے کر وضاحت کی ہے کہ یہ قصہ مکمل طور پر موضوع ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے گھڑنے والے کو برباد کرے۔ معراج شریف کی کثیر روایات میں کسی ایک روایت سے بھی یہ ثابت نہیں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت پاپوش مبارک پہنے ہوئے تھے۔[2]

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین پاک کی فضیلت وعظمت کے حوالے سے لکھی جانے والی ایک اہم اور حوالے کی کتاب "**فتح المتعال فی مدح النعال**" ہے جس کے مولف علامہ

1۔ طٰہٰ، 12:20

2۔ لکھنوی، عبدالحئ، علامہ، الاثار المرفوعۃ فی الاخبار الموضوعۃ، ص33، ط ادارہ احیاء السنۃ، گوجرانوالہ

احمد المقری التلمسانی رحمہ اللہ (۱۹۹۲ء/ ۱۰۴۱ھ) (اس کتاب کا اردو ترجمہ مفتی محمد خان قادری اور مولانا محمد عباس رضوی کی مشترکہ کاوش کے نتیجے میں شائع ہو چکا ہے۔)

امام احمد المقری نے اس کتاب میں بعض عرب شعراء کے ایسے نعتیہ اور مدحیہ قصائد نقل کئے ہیں جن میں عرش پر نعلین سمیت جانے کا تذکرہ بڑے والہانہ انداز میں کیا گیا ہے، مثلاً:

یا ناظر التمثال نعل نبیه قبل مثال نعله متذللا

''اے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم! کے نقش نعلین کی زیارت کرنے والے! ان کے نقش نعل کو عاجزی سے بوسہ دے۔''

واذکر به قدما علت فی لیلة الأسراء به فوق السموات العلی

''اور اس بات کو یاد رکھ کہ یہ نعلین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معراج کی رات آسمانوں کی بلندی سے اوپر تک گئے تھے۔''

شیخ المقری کا تبصرہ:

مولف "**فتح المتعال فی مدح النعال**" فرماتے ہیں:

مذکورہ کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج نعلین سمیت ہوا اس کی تصریح شیخ السبتی وغیرہ نے بھی کسی جگہ کی ہے اور یہ اضافہ بھی کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نعلین اتارنے کا ارادہ کیا تو آواز آئی کہ انہیں نہ اتارو۔ شیخ ابوالحسن علی بن احمد الخزرجی نے بھی اس کی اتباع کی ہے، لیکن تلاش بسیار کے باوجود مجھے کتب حدیث میں اس کی تائید نہیں ملی تو درست یہی ہے کہ اسے چھوڑ دیا جائے جب تک کہ یہ آپ تک پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتی اور اس طرح کی روایات کو بغیر (مصدقہ) معلومات کے بیان نہیں کرنا چاہئے۔ بعض حفاظ حدیث نے اس کا سخت انکار بھی کیا ہے اور ایسی بات کرنے والوں پر طعن بھی کیا ہے اور اس معاملے میں محدثین کی اتباع بھی متعین ہے کیونکہ وہ زیادہ آگاہ ہوئے ہیں۔1

عجیب بات یہ ہے کہ اس کتاب کے مقدمہ اور بعض تقریظات میں اس موضوع اور جعلی روایت کو نقل کر کے اس سے استشہاد کیا گیا ہے اور نعلین نبوی کی فضیلت اس سے ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مثال ملاحظہ ہو:

---

1 تلمسانی، احمد المقری، امام، فتح المتعال (مترجم)، ص231، ط کاروان اسلام پبلی کیشنز، لاہور، 2012ء

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب عرش پر تشریف لے گئے تو اپنے نعلین کو اتارنے کا قصد کیا جس پر رب تبارک وتعالیٰ نے فرمایا کہ میرے حبیب! اپنے نعلین کے ساتھ عرش پر چلے آیئے......الخ

آگے پورا قصہ دہرایا گیا ہے۔ایک عربی شعر لکھا ہے:

لدی الطور موسیٰ نودی اخلع و احمد علی العرش لم یوذن بخلع نعاله 1

''موسیٰ علیہ السلام کو طور کے قریب جوتے اتارنے کا حکم دیا گیا جب کہ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو سرِعرش بھی یہ رخصت نہ ملی۔''

اسی کتاب کے ایک فاضل تقریظ نگار نے اپنی تحریروں میں اس من گھڑت اور وضعی روایت کو بڑے اہتمام سے جگہ دی ہے۔(ملاحظہ ہو ص:93)

ایک اور معتبر اہل قلم شخصیت نے علامہ یوسف بن اسماعیل النبہانی کے عربی اشعار نقل کرنے کے بعد اسی مضمون ومفہوم کا اعادہ کیا ہے۔ 2

ایک بزرگ اور معروف تقریظ نگار نے اس جعلی اور موضوع روایت میں مزید اضافہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

جناب الٰہی سے خطاب آیا کہ اے میرے حبیب! آگے چلے آؤ۔تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نعلین مبارک اتارنی چاہی تو عرش مجید لرزہ میں آ گیا......الخ

مزید لکھتے ہیں:

پس معلوم ہوا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نعلین مبارک سمیت عرش پر قدم رکھے تو عرش کو قرار آ گیا اور وہ پرسکون ہو گیا اور اس کی عظمت بلند ہوئی۔ 3

امام محمد بن عبدالباقی زرقانی رحمہ اللہ (م 1122ھ) ''شرح المواہب'' میں لکھتے ہیں:

وقد سئل الِامام رضی الدین القزوینی عن وطیء النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم علی العرش بنعله، و قول الرب جل جلاله: لقد شرف العرش بنعلك یا محمد، هل ثبت أم لا؟ فاجاب : أما حدیث وطیء النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم العرش بنعله، فلیس بصحیح ولا ثابت...... الخ 4

---

1 تلمسانی، احمد المقری، امام، فتح المتعال (مترجم)، ص 45-44، مطبوعہ لاہور، 2000ء

2 ایضاً، ص-99-98 3 ایضاً، ص-102

4 زرقانی، محمد بن عبدالباقی، امام، شرح الزرقانی علی المواہب، جلد 8، ص 223، دارالکتب العلمیہ، بیروت، 1996ء

''اور جب امام رضی لدین قزوینی رحمہ اللہ سے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین سمیت عرش پر خرام فرمانے اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: ''اے محمد! تحقیق عرش تیرے نعل سے شرف پائے'' کے بارے میں پوچھا گیا کہ کیا یہ ثابت ہے یا نہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا، جہاں تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین سمیت عرش پر خرام فرمانے والی روایت کا تعلق ہے تو یہ صحیح اور ثابت نہیں ہے۔''

امام زرقانی لکھتے ہیں:

بعض محدثین فرماتے ہیں:

جس شخص نے یہ روایت گھڑی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نعلین سمیت عرش پر چڑھے خدا اس کو غارت کرے اس نے شدید بے حیائی کا مظاہرہ کیا اور مؤذبین کے سردار اور عارفین کے پیشوا صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ایسی جسارت کی ہے اور فرمایا کہ امام رضی الدین قزوینی کا جواب درست ہے۔ بلاشبہ اسراء و معراج کا قصہ طوالت و اختصار کے ساتھ تقریباً چالیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے، لیکن ان میں سے کسی ایک روایت میں بھی اس بات کا ذکر نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں میں اس رات نعل تھی، یہ تو صرف بعض جاہل قسم کے قصہ گوؤں کی شاعری میں ملتا ہے اور ان لوگوں نے عرش کا تذکرہ نہیں کیا بلکہ یہ کہتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم بساط پر آئے اور جوتے اتارنے کا ارادہ فرمایا تو صدا دی گئی کہ آج جوتے مت اتاریں اور یہ باطل ہے کیونکہ پوری چھان بین کے باوجود ایسی کوئی روایت احادیث میں نہیں پائی گئی، اور نہ ہی ایسا کسی حدیث صحیح، حسن یا ضعیف میں وارد ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سدرۃ المنتہیٰ سے آگے گئے ہوں۔[1]

اس مقام پر امام زرقانی فرماتے ہیں:

مگر ان محدثین کے اس دعویٰ میں یہ تامل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سدرۃ المنتہیٰ سے آگے جانا کسی صحیح، حسن اور ضعیف روایت میں وارد نہیں ہوا جب کہ ابن ابی حاتم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے:

اِنہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لما انتھی الی سدرۃ المنتھی غشیتہ سحابۃ فیھا من کل لون، فتأخر جبریل۔

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے تو ایک ہمہ رنگ بادل نے آپ صلی اللہ علیہ

---

1. زرقانی، محمد بن عبدالباقی، امام، شرح الزرقانی علی المواہب، جلد 8، ص 223، دارالکتب العلمیہ، بیروت، 1996ء

وسلم کو ڈھانپ لیا پس جبریل علیہ السلام پیچھے رہ گئے۔"

اور قزوینی جس کے قول کی تصویب اس محدث نے کی ہے وہ بھی اس روایت کے منقول ہونے کا اعتراف کرتے ہیں:

فاِنما ورد فی أخبار ضعیفة و منکرة 1

"یہ صرف ضعیف اور منکر روایات میں وارد ہوا ہے۔"

علامہ عبدالحیٔ لکھنوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ایسی ہی روایات میں سے وہ روایت ہے جو قصہ گو (واعظوں) میں مشہور ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات نعلین سمیت سیر فرمائی، پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم آسمان کی بلندیوں پر گئے اور عرش معلیٰ پر پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ادباً جوتے اتارنا چاہے اور اللہ تعالیٰ کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ فرمانا بھی پیش نظر تھا۔ (اے موسیٰ اپنے جوتے اتار دو، بیشک تم وادی مقدس طویٰ میں ہو) تو ملک الاعلیٰ کی بلند بارگاہ سے ندا دی گئی: اے محمد! اپنے جوتے نہ اتارو۔ بعض شعراء اور قصیدہ خوانوں نے بھی اس قصے کو اپنی شاعری اور مجموعوں میں ذکر کیا ہے، یوں یہ قصہ ان کے خواص و عوام میں پھیل گیا۔ 2

علامہ لکھنوی رحمہ اللہ چند عربی اشعار نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

میں نے جب یہ قصہ بعض واعظین سے سنا تو دل ہی دل میں کہا کہ اس معاملے کا واقع ہونا مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بلند شان کے باوصف کچھ بعید نہیں، بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام جہانوں پر فضیلت عطا فرمائی ہے اور زمینوں اور آسمانوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں سے مشرف کیا تو کچھ بعید نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نعلین سمیت معراج کرائی ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا ہو، اپنے جوتے مت اتارو لیکن (پھر خیال آیا) جو چیز کسی ضعیف روایت تک سے ثابت نہیں ہے ہمیں اسے بیان کرنے کی جرأت نہیں کرنی چاہئے۔ یہاں تک کہ میں امام المقری اور دیگر علماء کی آراء پر مطلع ہوا اور میرا تردد چھٹ گیا اور میرا تحیر جاتا رہا اور میں نے برسرِ مجالس اعلان کیا کہ یہ قصہ موضوع، جعلی، من گھڑت اور اختلافی ہے۔

---

1 زرقانی، محمد بن عبدالباقی، امام، شرح الزرقانی علی المواهب، جلد 8، ص 223، دارالکتب العلمیہ، بیروت، 1996ء

2 لکھنوی، عبدالحیٔ، مولانا، غایۃ المقال (مجموعۃ الرسائل) ص 228، 72، ط ادارۃ القرآن، کراچی

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رحمۃ اللہ سے بھی اس روایت کے بارے میں پوچھا گیا تھا، چنانچہ احکام شریعت میں ہے:

سوال: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا شب معراج عرش الٰہی پر نعلین مبارک سمیت تشریف لے جانا صحیح ہے یا نہیں؟

جواب: یہ محض جھوٹ اور موضوع ہے واللہ اعلم۔[1]

اسی تسلسل میں واقعہ معراج سے متعلق چند دیگر موضوع روایات کی نشاندہی بھی مناسب معلوم ہوتی ہے جو قصہ گو قسم کے واعظین میں مقبول و مشہور ہیں۔ مثلاً ایک بے اصل روایت وہ ہے جسے صاحب ''مواہب اللدنیۃ'' نے درج ذیل الفاظ میں نقل کیا ہے:

قف اِن ربك يصلی[2]

''اے محمد! ٹھہرو بے شک تمہارا رب درود بھیج رہا ہے۔''

اس روایت کے بارے میں شیخ امام محمد درویش الحوت (م 1276ھ، تلمیذ علامہ ابن عابدین شامی) لکھتے ہیں:

حدیث: **قف فاِن ربك يصلی، و أنه قيل لهٗ ذلك ليلة الاِسراء باطل۔**[3]

''حدیث: ٹھہرو بے شک تمہارا رب درود بھیج رہا ہے اور یہ کہ ایسا معراج کی رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا باطل ہے۔''

ایسے ہی معراج کے حوالے سے وہ روایت جسے طبرانی نے سیدتنا عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے:

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: معراج کی روات جب میں نے آسمانوں کی سیر کی تو میں جنت میں داخل ہوا پھر ایک ایسے جنتی درخت کے پاس ٹھہرا جس سے زیادہ خوبصورت درخت میں نے جنت میں نہیں دیکھا اور نہ ہی اس سے زیادہ سفید خوشبودار اور نہ پھل کے لحاظ سے زیادہ پاکیزہ۔ چنانچہ میں نے اس کے پھلوں میں سے ایک پھل پکڑا اور کھا لیا تو وہ میری صلب میں نطفہ بن گیا پھر جب میں زمین پر اترا اور خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ملا تو وہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے حاملہ ہوگئیں۔[4]

---

1. بریلوی، احمد رضا، امام، احکام شریعت، ص 166، ط شبیر برادرز، لاہور
2. قسطلانی، احمد بن محمد، شیخ، مواہب اللدنیۃ، جلد 2، ص 382، ط دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1996ء
3. حوت، محمد درویش، امام، اسنی المطالب، ص 222، ط دار الکتاب العربی، بیروت، 1983ء
4. قسطلانی، احمد بن محمد، شیخ، مواہب اللدنیۃ، جلد 2، ص 381، ط دار الکتب العلمیہ، بیروت 1996ء

امام قسطلانی رحمہ اللہ اسے رقم کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

اس میں یہ تصریح ہے کہ معراج سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ولادت سے پہلے ہوئی حالانکہ ان کی ولادت اعلان نبوت سے تقریباً سات سال پہلے ہوئی اور بلاشبہ معراج کا واقعہ اعلان نبوت کے بعد کا ہے۔

شارح مواہب امام زرقانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''قسطلانی رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ یہ حدیث ضعیف ہے اس سے مراد ضعیف کی سب سے بری قسم ہے اور وہ موضوع ہے۔ پھر یقیناً ابن جوزی، امام ذہبی اور حفاظ حدیث نے یہ صراحت کی ہے کہ یہ روایت موضوع ہے اور اگرچہ یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے متعدد طرق سے مروی ہے اور ابن جوزی نے اسے ابرادی کی سند سے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اور وہ کذاب، وضاع (حدیث گھڑنے والا) ہے۔ حاکم نے مستدرک میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ امام ذہبی اپنی تلخیص میں کہتے ہیں: یہ صریح جھوٹ ہے اور یہ روایت مسلم بن عیسیٰ الصفار کی گھڑی ہوئی ہے کیونکہ فاطمہ رضی اللہ عنہا معراج تو کجا اعلان نبوت سے بھی پہلے پیدا ہوئی ہیں اور یہ اسی بات پر دلالت کرتا ہے کہ مصنف نے ضعیف سے مراد موضوع لیا ہے۔''[1]

اس زمرے میں واعظین کی زبانوں پر جاری رہنے والی وہ روایت بھی ہے جسے ''معارج النبوۃ'' کے حوالے سے پڑھا، سنا اور سنایا جاتا ہے۔ اس روایت کا خلاصہ کچھ یوں ہے:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شبِ معراج براق پر سوار ہوتے وقت اللہ تعالیٰ سے وعدہ لے لیا ہے کہ روزِ قیامت جب کہ سب لوگ اپنی اپنی قبروں سے اٹھیں گے ہر ایک مسلمان کی قبر پر اسی طرح ایک ایک براق بھیجوں گا جیسا کہ آج آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے بھیجا گیا ہے۔

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا رحمہ اللہ سے پوچھا گیا:

سوال: یہ مضمون صحیح ہے یا نہیں اور کتاب ''معارج النبوۃ'' کیسی کتاب ہے اس کے مصنف عالم اہلسنّت اور معتبر محقق تھے یا نہیں؟

جواب: بے اصل ہے۔ کتاب ''معارج النبوۃ'' کے مؤلف سنی واعظ تھے، کتاب میں رطب و یابس سبھی کچھ ہے۔ واللہ اعلم۔[2]

---

[1] زرقانی، محمد بن عبدالباقی، امام، شرح الزرقانی علی المواہب، جلد 8، ص 194، مکۃ المکرّمۃ، 1996ء

[2] بریلوی، احمد رضا، امام، احکام شریعت، ص 165، ط شبیر برادرز، لاہور

ماہرین حدیث اور ائمہ محدثین نے موضوع روایت کی شناخت اور پہچان کے لئے جو علامات اور اصول بیان کئے ہیں، ان کے مطابق یہ روایت ظاہر الوضع ہے یعنی کلام نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے معمولی مناسبت اور تمسک رکھنے والا طالب علم بھی اس کے مضمون کی رکالت، عدم فصاحت اور عقل و شرح سے تصادم کے باعث فوراً جان لے گا کہ یہ صاحبِ جوامع الکلم کا کلام نہیں ہوسکتا۔

معراج کے حوالے سے یہ بات بھی مشہور ہے کہ گلاب کا پھول اس رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پسینہ مبارک سے پیدا ہوا اور اس کی خوشبو میں بھی یہ راز پوشیدہ ہے۔

ایک روایت کے الفاظ یوں نقل کئے گئے ہیں:

من أراد أن يشم رائحتي فليشم الورد الأحمر۔1

''جو میری خوشبو کو سونگھنا چاہے وہ سرخ گلاب کو سونگھ لے۔''

امام بدرالدین زرکشی نے "**اللآلي المنثورة**" میں امام سخاوی نے ''المقاصد الحسنہ'' میں اور شیخ محمد بن طاہر پٹنی وغیرہ نے ''تذکرۃ الموضوعات'' میں اسے جعلی، من گھڑت اور موضوع روایت قرار دیا ہے۔2

واقعہ معراج سے متعلق اس طرح کی بیش تر روایات مشہور ہیں جن کا تذکرہ اکثر واعظین کی تقریروں اور تحریروں میں ملتا ہے۔

ایسی روایات کے فروغ میں غیر مستند اور بے سروپا حکایات پر مشتمل لٹریچر اور کتب و رسائل کا بڑا ہاتھ ہے۔ اس سلسلے میں چند مشہور کتابوں کے نام لئے جا سکتے ہیں، مثلاً نزہۃ المجالس، معارج النبوۃ، وعظ بے نظیر، بارہ تقریریں، صوفیائے کرام سے غلط طور پر منسوب تذکرے، ملفوظات کے مجموعے اور فضائل اعمال کے نام سے مختلف موضوعات پر شائع ہونے والی غیر علمی کتابیں اور حصول ثواب کے لئے مفت تقسیم کئے جانے والے کتابچے اس قسم کے مواد سے بھرے ہوتے ہیں۔ ہماری نعتیہ شاعری پر عربی اور فارسی شاعری کا بھی کسی حد تک گہرا اثر ہے لہٰذا عربی اور فارسی اساتذہ کے اشعار میں پائے جانے والے مضامین کو بھی

---

1 زرکشی، بدرالدین، امام، اللآلی المنثورۃ فی احادیث المشہورۃ، ص 147، ط المکتب الاسلامی، طبعۃ الاولیٰ، بیروت، 1996ء

2 ایضاً

زرقانی، محمد بن عبدالباقی، امام، مختصر المقاصد الحسنہ: رقم 91، ط المکتب الاسلامی، بیروت، 1989ء

پٹنی، محمد طاہر بن علی، تذکرۃ الموضوعات، ص 161، المکتبۃ القیمیۃ، بمبئی

خصوصی اہمیت حاصل رہی ہے۔عربی اشعار میں اسی مضمون کا حامل شعر اوپر (بحوالہ ''فتح المتعال'') گزر چکا ہے فارسی میں بھی یہ مضمون بعض اکابر نے منظوم کیا ہے نظامی گنجوی کا شعر دیکھئے:

سریرِ عرش را نعلین او تاج امین وحی و صاحب سر معراج 1

آخر میں اردو کے معروف اور غیر معروف نعت گو شعراء کے اشعار بطور نمونہ پیش خدمت ہیں:

1- بیدم وارثی

نعلین پا سے عرشِ معلیٰ کو ہے شرف روح الامیں ہیں غاشیہ بردار مصطفیٰ 2

2- وہبی لکھنوی

حکم موسیٰ کو ہوا "**فاخلع**" مگر معراج میں تاج فرش عرش ہے نعلین پائے مصطفیٰ 3

3- وحشی

تیری نعلین کا وہ رتبہ ہے اعلیٰ جس سے عرش کے فرش کو حاصل شرف تاج ہے آج 4

4- حافظ

عرش پہ نعلین سے جانے والے شبِ معراج میں اللہ 5

5- شاہ انصار الہ آبادی

خود عرش نے بوسے لئے ایقان و ادب سے کیسے ہو بیاں آپ کے نعلین کا عالم 6

6- بشیر حسین ناظم

نقش نعل پاکِ سلطانِ اُمم بدر بن کر عرش کے سر پر کھلا 7

---

1. بریلوی، شفیق، ارمغان نعت، ص 62، ط مرکز علوم اسلامیہ، کراچی
2. وارثی: بیدم شاہ، کلیات بیدم وارثی ص 81، ط خزینۂ علم و ادب، لاہور
3. لکھنوی: وہبی، کلیات وہبی، ص 17، منشی نامی نول کشور لکھنؤ
4. وحشی، گنجینہ نعت، مرتبہ محمد شریف، حصہ دوم، ص 22، نول کشور گیس پرنٹنگ ورکس، لاہور
5. حافظ، گنجینہ نعت، مرتبہ محمد شریف، حصہ دوم، ص 87، ط نول کشور گیس پرنٹنگ ورکس، لاہور
6. الہ آبادی، شاہ انصار، کلام لاکلام، ص 50، ادبستان انصار، کراچی
7. ناظم، بشیر حسین، جمال جہاں فروز، ص 401، ط فریدیہ پرنٹنگ پریس، کراچی، 1998ء

7-بشیر حسین ناظم

ان کے نعلین کا مقام فلک ان کے نعلین تک مری پرواز 1ؔ

8-غلام قطب الدین فریدی

عرشِ اعلیٰ کا بھی اعزاز بڑھا ہے ان سے سلسلہ فیض کا ایسا ترے نعلین میں ہے 2ؔ

9-راجا رشید محمود

کیا سراپائے پیمبر کا مقام نعل تک معراج میں ہے مقتدر 3ؔ

پیشِ نظر حقیقی مضمون متعدد صحیح احادیث کے علاوہ تقریباً 10 موضوع و من گھڑت روایات کے استنادی جائزہ پر مشتمل ہے، جب کہ اکیس ائمہ محدثین اور اکابر فقہاء کے محققانہ اقوال سے استفادہ کرتے ہوئے اس تحریری کاوش کو سرانجام دیا گیا ہے۔ اردو نعتیہ شاعری کے حوالے سے کم و بیش 30 معروف و معتبر شعراء کے کلام سے متعلقہ اقتباس حدیث پر مبنی اشعار کا انتخاب بھی مع حوالہ مآخذ درج کر دیا گیا ہے۔ امید کی جا سکتی ہے کہ درج بالا معروضات اپنے موضوع و محتویات کی مناسبت سے نہ صرف اہل فکر و نظر کے لئے تحقیق مزید کے در وا کرے گی بلکہ وابستگان حلقہ نعت کے لئے دینی و اعتقادی جہت سے ہدایت کے راستے روشن تر کرنے کا ذریعہ ثابت ہوں گی۔

مصادر و مراجع:

1- القرآن الحکیم
2- احسن، حفیظ الرحمٰن، منتخب نعتیں، مرتبہ تابش صدیقی، ط مطبوعہ حرمت، راولپنڈی، 1983
3- احمد بن حنبل، الشیبانی، امام، مسند، ط مکتبہ رحمانیہ، لاہور
4- اقبال، محمد، علامہ، کلیات اقبال، ط خالد بک ڈپو، لاہور
5- الہ آبادی، شاہ انصار، کلام لاکلام، ادبستان انصار، کراچی
6- بخاری، محمد بن اسماعیل، جامع الصحیح، دار ابن حزم، بیروت
7- بریلوی، احمد رضا، امام، احکام شریعت، ط شبیر برادرز، لاہور

1ؔ ایضاً، ص 133
2ؔ فریدی، غلام قطب الدین، بیتابی، ص 72، ط، شرکت پرنٹنگ پریس لاہور، 2003ء
3ؔ محمود، راجا رشید، فضائل نعلین حضور، ص 199، ط، ماشاء اللہ بک، لاہور، 2000ء

8- بریلوی، احمد رضا، امام، الفتاویٰ الرضویہ، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن، لاہور، 1998ء

9- بریلوی، احمد رضا، امام، حدائق بخشش، ط فرید بک سٹال، لاہور

10- بریلوی، احمد رضا، امام، حدائق بخشش، ط مکتبۃ المدینۃ، کراچی، 2017ء

11- بریلوی، شفیق، ارمغان نعت، ط مرکز علوم اسلامیہ، کراچی

12- بلوچ، جعفر، بیعت، یونیورسل لاہور، 1989

13- بیہقی، احمد بن حسین بن علی بن موسیٰ ابوبکر، السنن الکبریٰ، مکتبہ دار الباز، مکہ مکرمہ، ط 1994ء

14- پٹنی، محمد طاہر بن علی، شیخ، تذکرۃ الموضوعات، ط المکتبۃ القیمۃ، ممبئی، 1343ھ

15- تائب، حفیظ، کلیات حفیظ تائب، ط القمر انٹرپرائزز، لاہور

16- ترمذی، محمد بن عیسیٰ، امام، جامع الترمذی، دار ابن کثیر، بیروت، 1428ھ

17- تلمسانی، احمد المقری، امام، فتح المتعال (مترجم)، ط کاروان اسلام پبلی کیشنز، لاہور، 2012ء

18- تلمسانی، احمد المقری، امام، فتح المتعال (مترجم)، مطبوعہ لاہور، 2000ء

19- جمیل یوسف: منتخب نعتیں، ط مقتدرہ قومی زبان، لاہور، 2011ء

20- حافظ، گنجینہ نعت، مرتبہ محمد شریف، حصہ دوم، ص 87، ط نول کشور گیس پرنٹنگ ورکس، لاہور

21- ابن حبان، محمد، امام، (مترجم) الاحسان، ط شبیر برادرز، لاہور، 2014ء

22- حسنی: ضامن، ضامن حقیقت، ط بزم فروغ ادب، حیدر آباد، 1986ء

23- حوت، محمد درویش، امام، اسنی المطالب، ط دار الکتاب العربی، بیروت، 1983ء

24- خفاجی، ابوعباس احمد بن محمد بن عمر (979-1069ھ/ 1571-1659ء)۔ نسیم الریاض فی شرح شفاء القاضی عیاض۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، 1421ھ/ 2001ء

25- ذکی، رفیع الدین، قریشی، توشہ، مطبع لاہور، 2002ء

26- رجپوری: بیچین، کلیات بیچین، ط مکتبہ بیچین، لاہور، 2003ء

27- رونق، گنجینہ نعت، نول کشور گیس پرنٹنگ ورکس، لاہور

28- زرقانی، محمد بن عبدالباقی، امام، شرح الزرقانی علی المواہب، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1996ء

29- زرقانی، محمد بن عبدالباقی، امام، مختصر المقاصد الحسنہ، ط المکتب الاسلامی، بیروت، 1989ء

30- زرکشی، بدرالدین، امام، اللآلی المنثورۃ فی احادیث المشہورۃ، ط المکتب الاسلامی، طبعۃ الاولیٰ، بیروت، 1996ء

31- سجستانی: ابوداؤد، سلیمان بن اشعث، امام، السنن، ط مکتبہ الریاض الحدیثیہ، ریاض

32- سہروردی، قلندر علی، الفقر فخری، ط مرکزی مجلس سہروردیہ، لاہور

33- سوداؔ، مرزا رفیع، کلیات سودا، منشی نامی نول کشور، کانپور، انڈیا

34- ظفر، بہادر شاہ، کلیات ظفر، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، 1994ء

35- عجلونی، اسماعیل بن محمد، کشف الخفاء ومزیل الالباس، ط مکتبۃ العلم الحدیث، دمشق

36- عسقلانی: ابن حجر، احمد بن علی، امام، تلخیص الحبیر، ط موسسۃ قرطبۃ، مصر، 1995ء

37- فریدی، غلام قطب الدین، بیتابی، ط شرکت پرنٹنگ پریس لاہور، 2003ء

38- فریدی: محمد یار، خواجہ، دیوان محمدی، ط آستانہ عالیہ گڑھی شریف، رحیم یار خان، 1998ء

39- القاری، ملا علی، الموضوعات الکبیر، ط الرافع المجتبائی، دہلی

40- قزوینی: ابن ماجہ، محمد بن یزید، امام، السنن، ط دار الفکر، بیروت

41- قسطلانی، احمد بن محمد، شیخ، المواہب الدنیہ، ط دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1996ء

42- قشیری، مسلم بن حجاج، امام، صحیح الجامع، مکتبہ العصریہ، بیروت، 2013ء

43- گیلانی، امین، سید، سرمایہ درویش، ط ادارہ السادات، شیخوپورہ، 1994ء

44- لدھیانوی: حافظ، ثنائے خواجہ، ط منیب الرحمٰن اینڈ برادرز، سرگودھا، 1971ء

45- لکھنوی، عبدالحئ، علامہ، الاثار المرفوعۃ فی الاخبار الموضوعۃ، ط ادارہ احیاء السنۃ، گوجرانوالہ

46- لکھنوی، عبدالحئ، مولانا، غایۃ المقال (مجموعۃ الرسائل)، ط ادارۃ القرآن، کراچی

47- لکھنوی: وہبی، کلیات وہبی، منشی نامی نول کشور، لکھنؤ

48- مجددی، شہزاد، کلیات شہزاد مجددی، ط نعت مرکز، لاہور، 2017ء

49- محمود، راجا رشید، فضائل نعلین حضور، ط ماشاءاللہ بک، لاہور، 2000ء

50- محمود: راجا رشید ''نعت'' ماہنامہ شمارہ فروری 1994ء، لاہور

51- محمود، راجا رشید، ورفعنا لک ذکرک، پاپو، ر پبلشرز، لاہور، 1977ء

52- مظہر، مظہر الدین، حافظ، کلیات مظہر، ارفع پبلشرز، لاہور، 2013ء

53- میرٹھی: اکبر، محمد خان، گلزار اکبر، ط دین محمد اینڈ سنز، لاہور

54- ناظم، بشیر حسین، جمال جہاں فروز، ط فریدیہ پرنٹنگ پریس، کراچی، 1998ء

55- وارثی: بیدم شاہ، کلیات بیدم وارثی، ط خزینہ علم وادب، لاہور

56- ہیثمی، نور الدین علی بن ابی بکر، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، دار الفکر، 2010ء

☆☆☆

ڈاکٹر مفتی محمد امجد رضا امجدؔ (پٹنہ)

نعتیہ شاعری کے آداب: پر تنقیدی نظر

''نعتیہ شاعری اور اس کے آداب'' اردو کے معروف نثر نگار، عروض داں اور رباعی گو شاعر جناب ناوک حمزہ پوری کے تین مقالات اور کچھ منتخب کلام مجموعہ ہے۔ مقالات کے عناوین ہیں:

''نعتیہ شاعری''۔ ''غیر مسلم شعرا اوران کی نعتیہ شاعری''۔ ''نعتیہ شاعری کے آداب''

اس تیسرے مقالہ کو ہی مصنف نے کتاب کا نام دیا ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ مصنف کے نزدیک یہ مقالہ سب سے زیادہ وقیع اور معیاری ہے۔ مقالات میں مصنف کے علم، تجربے، اخلاص اور جذبے کی جھلک صاف طور پر نمایاں ہے۔ ناوک صاحب نے نعتیہ شاعری کے حوالہ سے جو معلومات جمع کر دی ہیں اسے قابل قدر محنت شمار کرنے کے ساتھ ساتھ ادبی حلقے میں پسندیدگی کی نظر سے دیکھا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ اردو ادب کے کچھ نامور افراد مثلاً اقبال انصاری دہلی، قمر سنبھلی، ڈاکٹر رشاد عثمانی اور معظم الدین دہلی نے اس کتاب پر مختصر مختصر تاثرات قلم بند فرمائے ہیں اور مصنف کی محنت کو داد تحسین سے نوازا ہے۔ جناب اقبال انصاری کے نزدیک یہ کتاب نعت گوئی کے موضوع پر ''ایک رہنما، دستاویز اور قابلِ قدر ریفرنس بک'' کا درجہ رکھتی ہے اور قمر سنبھلی صاحب کے نزدیک اس کتاب کا اسلوب ''بڑا متین اور نرم ہے'' ظاہر ہے یہ دونوں چیزیں کتاب کی معنوی قدر و قیمت کو متعین کرتی ہیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ یہ کتاب بہت سی معلومات کا گلدستہ ہونے کے باوجود کم از کم ناوک صاحب کی علمی شہرت کے معیار پر کھری نہیں اترتی، اس میں پھولوں کے ساتھ کانٹوں کی ایسی باڑھ ہے کہ قاری اس کی چبھن محسوس کیئے بغیر نہیں رہ پاتا اور وہ غیر محسوس طور پر ذہن وفکر پر ایک بوجھ محسوس کرنے لگتا ہے۔ کتاب کا لہجہ بھی متین اور نرم نہیں، بلکہ سخت اور کرخت ہے جس سے یہ تاثر ملتا ہے کہ مصنف ابلاغ وترسیل کے معاملہ میں شدت پسند واقع ہوئے ہیں۔ ان کی کتاب کے یہ جملے ہمارے دعوے کی تائید کے لئے کافی ہیں:

☆ ان کج فہموں (ناقدین ادب) کو اتنی بات سمجھ میں نہیں آتی: ص10

☆ کوتاہ نظر ناقدین: ص10

☆ اکثر ناواقف مقررین: ص33

☆ ایسی ضلالت و گمراہی کی باتیں نام نہاد علماء، پیشہ ور جاہل مولویوں: ص66

نعتیہ شاعری پر گفتگو کرتے ہوئے انہوں نے کتاب کے صفحہ 10 پر یہ سوال اٹھایا ہے کہ نعت کو اب تک صنف سخن کا درجہ کیوں نہیں دیا گیا۔ مگر جواب میں ''مکررات'' سے کام لیتے ہوئے صرف اتنا کہہ کر ہاتھ کھینچ لیا ہے کہ:

صنفی شناخت کے لئے صرف ہیئت واحد معیار نہیں بلکہ موضوع بھی بہت اہم رول ادا کرتا ہے اور موضوعی اہمیت کے لحاظ سے نعت وہ مہتم بالشان صنف ہے کہ دوسری کوئی صنف اس کی پاسنگ کے برابر نہیں اتنی عام بات اور اتنے سادہ انداز میں کہنے کے لئے انہوں نے جس طرح کی تمہید (ان کج فہموں کی سمجھ میں اتنی بات نہیں آتی) باندھی ہے اس سے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ''ناقدین ادب'' ان کے نزدیک ان پڑھ اور بودے لوگوں کی جماعت کا نام ہے، جنہیں ہیئت، مواد، موضوع، صنف وغیرہ جیسے ادبی الفاظ سے کوئی شناسائی نہیں۔ ناوک صاحب کو چاہئے تھا کہ وہ نعت کا صنفی اعتبار سے درجہ متعین کرنے کے لئے ''صنف، ہیئت'' اور ''موضوع'' پر علمی اور فنی گفتگو کرتے، اور نعت کو صنف کا درجہ نہیں دینے والے ناقدین کے سوالات کا علمی اور مدلل جواب دیتے تاکہ ''ناقدین'' ان کی مدلل گفتگو کے بعد اپنے نظریے پر نظر ثانی کے لئے مجبور ہوتے۔

کتاب کے صفحہ 14 پر حضرت کعب بن زہیر کا اک شعر اس طرح نقل فرمایا ہے:

ان الرسول لنور یستضاء بہ وصارم من سیوف الھند مسلول

اور ترجمہ کیا ہے ''بلا شبہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایک نور ہیں جن سے اس طرح اجالا پھیلتا ہے جس طرح فولادی تلوار کے نیام سے نکلتے ہی آنکھوں کے سامنے چمک پیدا ہوتی ہے'' پتہ نہیں ناوک صاحب کے نزدیک اس شعر اور اس کے ترجمہ کا ماخذ کون سی کتاب ہے، کہ نہ شعر اصل حالت میں ہے نہ ترجمہ ہی شعر کے مطابق۔ حضرت کعب بن زہیر کا یہ شعر ''عالم علم دو عالم'' حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اصلاح فرمودہ ہے اصلاح سے قبل یہ شعر اس طرح تھا:

ان الرسول لنار یستضاء بہ وصار م من سیوف الھند مسلول

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''نار'' کی جگہ ''نور'' اور ''سیوف الھند'' کی جگہ ''سیوف اللہ'' کہنے کا حکم صادر فرمایا: یہ اصلاح فنی اور معنوی اعتبار سے کتنی جامع ہے اہل علم وفن محسوس کر سکتے ہیں۔ اس

شعر میں حضرت کعب نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صفتیں بیان کی ہیں پہلے مصرع میں ''نور'' جس کی وضاحت یستضاء بہ سے کی ہے اور دوسرے مصرع میں ''صارم'' جس کی توضیح سیوف اللہ مسلول سے کی ہے۔اب اس شعر کا سلیس ترجمہ ہوگا ''رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم وہ نور ہیں جن سے روشنی حاصل کی جاتی ہے اور اللہ جل مجدہ کی تلواروں میں سے ایک چمکتی ہوئی تلوار ہیں'' ناوک صاحب کے نقل کردہ ترجمہ میں ''بلاشبہ رسول ایک نور ہیں'' کے علاوہ اور کوئی لفظ ایسا نہیں جو شعر کے الفاظ کے مطابق ہو۔ترجمہ نگار نے صرف لفظ ''سیف'' کو سامنے رکھ کر پورا ترجمہ گڑھ لیا ہے۔

کتاب کے صفحہ 20 پر نعت کے فن لطیف اور نازک ترین ہونے پر اظہار خیال کرتے ہوئے یہ توضیح فرمایا کہ ''معمولی سے معمولی بے احتیاطی بھی شاعر کو لے ڈوبتی ہے،نعت گو شعراء کو توحید ورسالت،الوہیت و نبوت میں جو فرق ہے اس کا لحاظ بہر حال لازم ہے،شرک اسلام میں نا قابل معافی گناہ ہے'' مگر اس کے بعد حوالہ دیئے بغیر اپنے لفظوں میں ایک روایت نقل فرمائی:

روایت ہے کہ کسی شخص نے حضور اکرم سے کہا **ماشاء اللّٰہ وشئت** (جو اللہ چاہے اور آپ چاہیں) حضور نے فوراً ٹوکا **اجعلتنی للّٰہ نداً** (تم مجھے اللہ کے برابر کرتے ہو) کہو **ماشاء اللّٰہ وحدہٗ** (جو اللہ واحد چاہے)

اس روایت کو ان لفظوں ہی کے ساتھ تسلیم کر لیا جائے پھر اس کے مفہوم کو ناوک صاحب کے نقل کردہ فرمان ''شرک اسلام میں نا قابل معافی گناہ ہے'' کے تناظر میں سمجھا جائے،جیسا کہ سیاق وسباق کا تقاضہ ہے تو ماننا پڑے گا کہ **ماشاء اللّٰہ وشئت** کہنے والے صحابی رسول نے معاذ اللہ شرک کیا،اور جب ''شرک نا قابل معافی گناہ ہے'' تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صحابی کو بغیر توبہ وتجدید ایمان کرائے صرف یہ فرما کر کیسے معاف کر دیا **ماشاء اللّٰہ وشئت** کے بجائے **ماشاء اللّٰہ وحدہ** کہو۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ حدیث پاک مختلف روایتوں سے مختلف الفاظ کے ساتھ مشکوٰۃ شریف،ابن ماجہ،سنن ابی داؤد،سنن نسائی،مسند احمد،طبقات ابن سعد اور معجم کبیر طبرانی میں موجود ہے،مگر اس کا وہ مفہوم نہیں جو ناوک صاحب لے رہے ہیں یہی وجہ ہے کہ کسی بھی شارح حدیث نے یہ نہیں فرمایا ہے کہ کہنے والے نے شرک کا ارتکاب کیا تھا اس لئے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ٹوکا۔مسند امام احمد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ **انکم تجعلون للّٰہ نداً** کے الفاظ ایک یہودی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہے تھے،حدیث پاک کے الفاظ ہیں۔

"اتیٰ حبر من الاحبار رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فقال۔یا محمد نعم

القوم انتم لولا انکم تجعلون للّٰہ ندا قال سبحانك وما ذاك قال تقولون ماشاء اللّٰہ وشئت قالت فامھلرسول اللّٰہ شیئاًقال انه قد قال ماشاء الله فلیفصل بینھما ثم شئت "یہود کے ایک عالم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوکر عرض کیا، اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ بہت عمدہ لوگ ہیں اگر اللہ کا برابر والا نہ ٹھرائیے، یہ سن کر آپ نے تعجب کرتے ہوئے فرمایا ''سبحان اللہ یہ کیا''؟ اس نے کہا آپ لوگ کہتے ہیں ''جو چاہے اللہ اور جو چاہو تم'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مہلت تک کچھ نہ فرمایا، بعد میں ارشاد فرمایا ''اس یہودی نے ایسا ایسا کہا ہے لہٰذا اب تم لوگ اپنی بات اس طرح کہا کرو ''جو چاہے اللہ تعالیٰ پھر جو چاہو تم۔''

یعنی آپ نے اپنی مشیت کی بات تو باقی رکھی، ہاں! اس سے پہلے اللہ کی مشیت کا تذکرہ فرمایا۔ حدیث پاک میں تقولون کا لفظ آیا ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ صحابہ کرام اس جملہ (**ماشاء اللّٰہ وشئت**) کو عام طور پر کہا کرتے تھے، اب اگر یہودی کی بات، اس کے عقیدے کے مطابق تسلیم کر لی جائے تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ معاذ اللہ صحابہ کرام شرک کرتے تھے اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم اسے گوارہ کرتے تھے اور یہ بھی کہ معاذ اللہ ایک یہودی کے بتانے سے اس قول کے شرکیہ ہونے کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوا۔ پھر اصلاح کے وقت آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ اب صرف ماشاء اللہ وحدہ کہو بلکہ فرمایا **ماشاء اللّٰہ ثم شئت** کہو۔ اگر اللہ کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چاہنے کی بات کہنا شرک ہوتا تو آپ یقیناً ایسا نہیں فرماتے، جب کہ ایک جگہ نہیں احادیث کی مختلف کتابوں میں آپ کا یہی ارشاد موجود ہے چنانچہ ابن ماجہ میں ہے **قولوا ماشاء اللّٰہ ثم ماشاء محمد** (کہو جو چاہے اللہ اور جو چاہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اسی ابن ماجہ میں دوسری جگہ ہے **ولٰکن یقل ماشاء اللّٰہ ثم شئت** (لیکن یہ کہو جو چاہے اللہ پھر جو چاہیں آپ) معلوم ہوا کہ ازروئے حدیث ایسا کہنا شرک نہیں، ہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خیال فرما کر کہ نااہل افراد اس سے برابری کا معنیٰ نہ لے لیں (جیسا کہ اس یہودی نے لیا) آپ نے احتیاطاً صرف ایک لفظ (ثم) کا اضافہ فرمادیا۔

کتاب کے صفحہ 33 پر غالب کے مشہور زمانہ شعر:

زباں پہ بار خدایا یہ کس کا نام آیا — کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کیلئے

لکھ کر یہ تبصرہ فرمایا ہے ''اکثر ناواقف مقررین اور دیگر حضرات غالب کے اس شعر کو نعتیہ شعر جانتے ہیں'' یہاں ناوک صاحب بدگمانی کے شکار ہو گئے ہیں۔ کوئی مقرر اسے اصلاً نعت کا شعر نہیں سمجھتا، ہاں موقع محل اور سیاق وسباق کے اعتبار سے اپنے جذبے کی ترجمانی کے طور پہ اس شعر کو اس

مفہوم ضرور استعمال کر لیتا ہے اور یہ کوئی بدعت ہے، نہ ہی اس میں کوئی شرعی وادبی قباحت......عربی، فارسی اردو تینوں زبانوں کے اشعار مختلف مواقع پر مختلف معانی ومفاہیم میں صدیوں سے استعمال ہو رہے ہیں، کون اس کو برا سمجھتا ہے۔ پھر یہ کہ نعت میں غزل کا رنگ اور غزل میں نعت کا پہلو تلاش کر نے کی روایت بھی ہمارے یہاں برقرار ہے، واقعہ یہ ہے کہ قاری وسامع ہر شعر کو اپنی فہم اور اپنے مزاج کے اعتبار سے سمجھتا ہے اور وہ اس کا حق ہے اگر ایسا نہیں ہوتا تو آج غالب کے دیوان کی اتنی شرحیں سامنے نہیں آتیں اور نہ ذخیرۂ اردو کا یہ گلستاں ہمارے سامنے ہوتا۔اس لئے غالب کے اس شعر پر ناوک صاحب کا اس شدت (اکثر ناواقف مقررین) سے برہم ہونا قرین انصاف نہیں۔

ناوک صاحب نے کتاب کے صفحہ 40 پر اقبال کی نظم ''ذوق وشوق'' کو نعت سمجھتے ہوئے اس کے یہ اشعار قلم بند فرمائے ہیں:

لوح بھی تو قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب گنبدِ آبگینہ ہے تیرے محیط میں حباب
عالم آب وخواب میں تیرے ظہور سے فروغ ذرہ ریگ کو دیا تونے طلوعِ آفتاب

اور یہ تبصرہ فرمایا ہے کہ ''اقبال کا خطابیہ انداز دل کو چھوتا ہے''۔جبکہ ڈاکٹر عبدالمغنی نے اقبال کے اس نظم کو حمدیہ قرار دیا ہے چنانچہ وہ اس نظم کو نعتیہ نظم سمجھنے والے پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

بعض شارحین نے پوری نظم کو نعت رسول کی شکل دے دی ہے۔لیکن یہ بالکل غلط ہے۔ پہلے ہی بند میں شاعر حسن ازل کی بات کرتا ہے، جو ذات باری تعالیٰ کے علاوہ اور کوئی نہیں ہوسکتا... یہ صریحاً نعت کی بجائے حمد کا موضوع ہے۔(اقبال کا ذہنی وفنی ارتقاء، صفحہ:66)

اس خیال کو انہوں نے اپنی کتاب ''اقبال اور عالمی ادب'' (صفحہ 285) اور ''اقبال کا نظام فن'' (صفحہ 352،356،364) دونوں میں دہرایا ہے۔اب ناوک صاحب ہی ارشاد فرمائیں کہ اقبال کے اشعار بقول عبدالمغنی حمد ہیں تو انہوں نے نعت سمجھ کر ''ناواقف مقررین'' کی صف میں اپنی جگہ بنائی یا نہیں۔اور ان کے بقول یہ نعت کے اشعار ہیں تو عبدالمغنی صاحب، اسے حمد جان کر ''ناواقفوں کے زمرے میں آتے ہیں یا نہیں۔

نعت میں تو، تم، تیرا، تمہارا وغیرہ کے استعمال کے تعلق سے بھی ناوک صاحب نے اس کتاب میں سوالات اٹھائے ہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

نعت گوئی میں ایک روش عام جو مجھے نہیں بھاتی وہ یہ ہے کہ نعت شریف میں ''آپ'' کے لئے تو، تم، تیرا، تمہارا وغیرہ کو لوگاں نے روا رکھا ہوا ہے۔شرم آنی چاہیئے کہ ہم اپنے باہ چچا کو لے کر تھانہ کے

ادنیٰ سپاہی کو تو ''تو اور تم'' کہنے کی جرأت نہیں رکھتے لیکن خیر البشر، امام الانبیاء، ختم المرسلین، محبوب رب العٰلمین کو ''تو اور تم'' کہنے میں عار نہیں سمجھتے۔

محترم ناوک صاحب کے اس جذبۂ ادب کو ہزاروں سلام کہ وہ نعت پاک میں آپ اور تم کے تعلق سے اتنا پاک اور حساس جذبہ رکھتے ہیں۔ مگر مجھے یہاں ترمذی شریف کی حدیث پاک یاد آ رہی ہے کہ ایک بار کوفہ کے عبدالرحمٰن نامی شخص نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مچھر کے خون کے بارے میں مسئلہ پوچھا، تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ ''کبھی حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کے خون کے بارے میں بھی مسئلہ پوچھنے کی توفیق ہوئی؟

ہمارے محترم ناوک صاحب کا بھی معاملہ کچھ ایسا ہی ہے وہ اپنی کتاب میں جا بجا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو قاصد، ایلچی، غیر مختار، بیکس و ناچار، مجبور اور عامی کہتے ہوئے نہیں تھکتے، مگر لسانی اور قواعدی اعتبار سے جائز الفاظ کو بے ادبی پر محمول کرتے ہیں ان کی فکر کا دونوں پہلو انتہا پسندانہ ہے جس میں ممکن ہے اخلاص کار فرما ہو مگر حقیقت سے کوسوں دور ہے۔

رہی بات نعت پاک میں تو اور تم وغیرہ کے استعمال کی، تو یہ بات اہل زبان وفن سے مخفی نہیں کہ یہ اسماء ضمائر وضع لغت کے اعتبار سے ادنیٰ درجہ کے مخاطب کے لئے مخصوص نہیں بلکہ ادنیٰ، اوسط، اعلیٰ سبھی درجہ کے مخاطبین کے لئے ہے اسی لئے اردو کے بڑے بڑے اور محترم نعت گو شعراء نے اپنی نعتوں میں ''تو، تم تیرا، تمہارا، تجھے، تم کو، تمہیں تو ہو'' وغیرہ الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔ اس تعلق سے محقق عصر حضرت مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی کی محققانہ تحریر ہمارے سامنے ہے آپ اپنی کتاب ''تصغیر کی حقیقت'' میں لکھتے ہیں:

اردو میں لفظ ''تو'' کی وضع عربی میں لفظ ''انت'' اور فارسی میں لفظ ''تو'' ہی کی طرح محض ضمیر واحد مخاطب کے لئے ہوئی ہے، جس میں ادنیٰ، اوسط، اعلیٰ سبھی درجوں کے مخاط شامل ہیں چنانچہ جن لغتوں میں یہ منقول ہے کہ ادنیٰ درجہ کی نسبت بولا جاتا ہے انہی لغتوں میں یہ بھی ہے کہ ''پیار و بے تکلفی سے بھی استعمال کرتے ہیں خدائے تعالیٰ کو بھی ''تو'' سے خطاب کرتے ہیں'' قاموس، مصباح الغات، بیان اللسان، عربی سے اردو لغت کی تمام کتابوں میں لفظ ''انت'' کا ترجمہ ''تو'' ہی کیا ہے۔ ''تو، تم آپ''، نہیں کیا ہے۔ اگر لفظ ''تو'' کی وضع واحد کم تر کے لئے، لفظ ''تم'' کی وضع واحد کم درجہ کے لئے اور لفظ ''آپ'' کی وضع واحد برتر کے لئے ہوتی، تو عربی لفظ ''انت'' کا ترجمہ ''تو، تم، آپ'' تینوں ہی کیا جانا چاہئے تھا۔

علاوہ ازیں لفظ ''تم'' کی وضع تو لفظ ''تو'' کے جمع کے طور پر ہے۔ البتہ جس طرح عربی و فارسی میں صیغہ جمع کا اطلاق تعظیماً واحد کے لئے بھی کر دیتے ہیں۔ اسی طرح اردو میں بھی مخاطب واحد کے لئے تعظیماً لفظ ''تم'' کا اطلاق کر دیا جاتا ہے۔ ''فیروز اللغات جدید'' میں ہے۔ ''تم'' (ہندی) تو کی جمع۔ تعظیماً واحد کو بھی کہتے ہیں۔ (ص 212) ہاں غیر خدا کے لئے کلام منثور میں مستعمل ہو، تو جب تک کوئی واضح قرینہ نہ ہو، عرفاً تحقیر متبادر ہوتی ہے۔ مگر کلام منظوم میں ایسا نہیں۔ ''تحریر سنبٹ (ص 365) اور حاشیہ شرح جامی (339) میں ہے۔

ان قیاس غیرالشعرعلی الشعرضعیف لانه یجوز فیه مالا یجوز فی غیره

یعنی نظم پر نثر کا قیاس ضعیف ہے کیوں کہ کلام منظوم میں بہت سی وہ باتیں روا ہیں جو کلام منثور میں روا نہیں۔

قواعد اردو، مرتبہ مولوی عبدالحق میں ہے

نظم اکثر مخاطب کے لئے ''تو'' لکھتے ہیں یہاں تک کہ بڑے بڑے لوگوں اور بادشاہوں کو بھی اسی طرح خطاب کیا جاتا ہے (جیسے)

بعد شاہان سلف کے تجھے یوں ہے تفضیل جیسے قرآن پسِ توریت و زبور و انجیل

(ذوق)

دعا پر کروں ختم اب یہ قصیدہ کہاں تک کہوں تو چنیں پے چناں ہے

(میر)

اس لئے نعت پاک میں اس لفظ کے استعمال کو ممنوع نہیں کہا جا سکتا۔ جب لفظ ''تو'' کے اطلاق کا حکم معلوم ہو گیا تو لفظ ''تیرا'' کے اطلاق کا حکم بھی واضح ہے کہ ''تیرا'' لفظ ''تو'' ہی کی اضافی صورت ہے۔''

دوسری بات یہ کہ ناوک،،، اگر لفظ ''آپ'' کو مستقل طور پر ضمیر مخاطب کا بدل تسلیم کرتے ہیں تو یہ بات بجائے خود حیرت انگیز ہے کیوں کہ لفظ ''آپ'' ضمیر مشترک ہے، وہ صرف مخاطب کے لئے مخصوص نہیں بلکہ غائب اور اپنی ذات کے لئے بھی مستعمل ہوتا ہے اور ہو سکتا ہے، اس کی وضاحت فارسی قواعد سے بخوبی ہو جاتی ہے جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں اور اردو نے بہرحال اسی کا اثر قبول کیا ہے۔ لفظ ''آپ'' کا مخاطب کے لئے ہونا تو بدیہی ہے، ذات کے لئے استعمال کی مثال میں امام احمد رضا کا یہ شعر ملاحظہ کریں:

دیر سے آپ میں آنا نہیں ملتا ہے ہمیں کیا ہی خود رفتہ کیا جلوۂ جاناں ہم کو

اور غائب کے لئے استعمال کی مثال میں غالب کی مشکل پسندی کے خلاف کہا گیا یہ شعر دیکھیں:

کلام میر سمجھا اور کلام میرزا سمجھے		مگر ان کا کہا یہ آپ سمجھیں یا خدا سمجھے

اتنی وضاحت کے بعد اب یہ کہنے کی ضرورت نہیں رہ گئی کہ نعت پاک میں ناوک صاحب کا ''تو،تم''،ضمیر مخاطب کے استعمال کو معیوب سمجھنا گویا بلا جواز ایک قسم کی قواعدی اختراع ہے۔

ناوک صاحب نے اپنی کتاب میں جا بجا ایسے مباحث بھی چھیڑے ہیں جوان کے مخصوص علمی وادبی دائرے سے باہر کی چیزیں ہیں،اس لئے پرخلوص جذبے کے باوجود تفہیم،اظہار اوراخذ نتائج میں سخت چوک ہوگئی ہے۔یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے اس مقالہ میں بار بار تضاد بیانی کے شکار ہوئے ہیں اور''آداب نعت'' کا مقرر کردہ،ان کا پیمانہ خود ان کے سنگ فکر سے چور چور ہو گیا ہے انہوں آداب نعت کے ضمن میں شعرا کو جن باتوں کالحاظ رکھنے کی ھدایات دی ہیں ان میں سے چند یہ ہیں:

(1) نبی کو اپنی ذات کے لئے بھی نفع ونقصان کا اختیار نہیں

(2) نبی کو شفاعت کا اختیار نہیں

(3) نبی غیر مختار ہوتے ہیں

(4) نبی کو غیب کی خبر نہیں ہوتی

(5) نبی کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا

(6) نبی کسی کو ہدایت نہیں دے سکتے،وغیرہ

سمجھ میں نہیں آتا کہ ناوک صاحب یہاں شعراء کو نعت گوئی کے آداب بتا رہے ہیں یا معاذ اللہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو بے کس ومجبور اور بے علم وبے خبر بتا کر ان کی عظمت ورفعت سے کھلواڑ کر رہے ہیں،ان کے زعم میں اگر انبیاء اتنے ہی مجبور اور بے بس ہوتے ہیں تو ان کی بعثت کا فائدہ ہی کیا ہے؟اور اگر وہ اتنے ہے مجبور تھے تو خلق خدا ان سے فیضیاب کیسے ہوئی۔ناوک صاحب نے اسی جذبے سے متاثر ہوکر دوسری جگہ پھر اسی دلخراش لہجے میں لکھا ہے:

> ''رسول کا کام کیا ہے وہ پیغام مات ربی،جو اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس بذریعہ وحی بھیجے اسے من وعن اس کے۔گویا رسول کا کام تو بس قاصد کا ہے،ایلچی کا ہے۔''ص63

ناوک صاحب اس طرز تحریر پر غور کریں،کیا رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کے آداب یہی ہیں؟کیا ان کا مقام ومرتبہ ایک قاصد اور ایلچی کا ہے؟کیا انہیں خدائے پاک نے قدرت واختیار عطا نہیں کیا؟انہیں شفیع نہیں بنایا،انہیں اپنا محبوب نہیں بنایا؟کیا یہی قرآنی تعلیمات اور صحابہ کرام کے

عقائد ہیں کہ انہیں محبوب خدا کی بجائے معاذ اللہ ''ایلچی'' سمجھا جائے:

ع ناطقہ سربگریباں ہے اسے کیا کہیے

ناوک صاحب نے صحابہ کرام کی نعتوں کو نعتیہ شاعری کا نمونہ قرار دیتے ہوئے دفتر کا دفتر دیکھنے کی بات کی ہے۔ پتہ نہیں عربی ماخذ تک کتنی ان کی رسائی ہے اور انہوں نے اصل مآخذ کے ساتھ کتنے صحابہ کی نعتیں ملاحظہ کی ہیں۔ ہمارے سامنے تو صحابہ کرام کے آثار و اقوال کے علاوہ وہ اشعار بھی ہیں جن سے صاف ظاہر ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب، قدرت وملکیت، ہدایت وحکمت، شفاعت واستعانت اور قبضہ واختیار کے اوصاف سے متصف جانتے تھے۔ یہ چند اشعار ملاحظہ ہوں جن سے ہمارے دعوے کی تائید ہوتی ہے۔

☆ حضرت مالک بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نعتیہ قصیدے کا ایک شعر ہے، جس میں حضور علیہ السلام کو عالم غیب کہا ہے:

او فی و اعطیٰ للجزیل لمجتد و متیٰ تشاء یخبرك عما فی غد

حضور علیہ السلام سب سے زیادہ وفا اور سائل نفع کو کثرت سے عطا فرمانے والے ہیں اور تم جب چاہو حضور علیہ السلام تمہیں غیب کی خبر دے دیں۔ کتاب الجیس والانیس میں ہے، کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ قصیدہ سماعت فرما کر حضرت مالک بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دعائے خیر اور خلعت سے نوازا، کتاب کے الفاظ ہیں۔ **فقا له خیر او کساه حله۔**

☆ حضرت عامر بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ غزوۂ خیبر کو جاتے ہوئے یہ رجزیہ اشعار پڑھتے چلے، جس میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ہادی ہونے کا اقرار، سکینہ اتارنے کی درخواست، مغفرت کی تمنا اور ثابت قدم رکھنے کی آرزو کا بیان ہے:

اللھم لولا انت ماهتدیتنا ولا تصدقنا ولا صلینا
فاغفر فداءً لك ابقینا والقین سکینة علینا
وثبت الاقدام ان لاقینا ونحن عن فضلك مااستغیثنا

لفظ **اللھم** یہاں تخاطب کے لئے نہیں بلکہ بسم اللہ کے طور پر ابتدائے کلام کے لئے ہے جیسا کہ بخاری شریف کے شارح امام احمد قسطلانی ''ارشاد الباری'' میں فرماتے ہیں **وقوله اللھم لم یقصد بها الدعاوانما افتتح بهاالکلام** اسی طرح فاغفر فدا لگے تحت فرماتے ہیں **المخاطب بذالك النبی صلی اللّٰه علیه وسلم ای اغفر تقصیرنا فی حقك** (یعنی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم اگر آپ کی ہدایت نہ ہوتی تو ہم ہدایت نہیں پاتے صدقہ وخیرات کی سعادت سے محروم ہوتے نمازیں نہیں پڑھتے، یارسول اللہ! ہماری وہ خطائیں معاف فرمائیں جو مجھ سے سرزد ہوئیں، آپ کے صدقے ہمیں یقین کی دولت ملی) وضاحت کے طور پر یہ بھی عرض کردوں کہ ان اشعار کو سن کر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بجائے ناراضگی کے حضرت عامر کے لئے یرحمہ اللہ فرمایا تھا۔

☆ حضرت جہیش بن اویس نخعی رضی اللہ عنہ اپنے ایک قصیدہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہادی ومہدی فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

الا یا رسول اللّٰہ انت مصدق فبورکت مهدیا وبورکت هادیا

☆ حضرت زہیر بن صرو جشمی رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے استغاثہ واستعانت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

امنن علینا رسول اللّٰہ فی کرم فانك المرء ترجوه و تدخر

ان لم تدارکهم نعماءً تنشرها یا ارجع الناس حلماحین یختبر

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم پر اپنے کرم سے احسان فرمایئے۔ حضور ہی وہ مرد کامل ہیں ہم جن سے امیدیں باندھیں اور مصیبت کے وقت اپنا ذخیرہ بنائیں، اگر حضور کی نعمتیں جو سب کو عام ہیں، ان کو نہ پہنچیں تو ان کا کہیں ٹھکانہ نہ ہوگا، اے آزمائش کے وقت سارے جہاں سے زیادہ عقل والے۔

صحابی رسول حضرت نابغہ کا مشہور شعر ہے:

فیا قبالنبی وصاحبیه الا یا غوثنا لا تسمعونا

صحابہ کرام کے علاوہ تابعین، تبع تابعین، فقہاء، محدثین اور علماء اولیاء نیز عربی فارسی اردو تینوں زبانوں کے ثقہ نعت گوشعراء کے کلام میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق سے ایسے عقائد موجود ہیں میں سبھوں کے کلام سے نمونے کے اشعار لکھ کر مقالہ کو طول دینا نہیں چاہتا، اس لئے صرف امام اعظم، امام شافعی، محقق علی الاطلاق حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے کلام کے نمونہ ملاحظہ کریں۔

امام اعظم اپنے ''قصیدۂ نعمانیہ'' میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا شافع، غنی، مخلوق کا خزانہ فرماتے ہوئے ان سے استعانت کرتے ہیں:

یا مالکی کن شافعی فی فاقتی انی فقیر فی الوریٰ لغناك

یا اکرم الثقلین یاکنز الوریٰ جد لی بجودك وارضنی برضاك

انا طامع بالجودمنك ولم یکن　　لابی حیفة فی الانام سواك

حضرت امام شافعی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولا دامجاد کو اپنا وسیلہ سمجھتے ہیں اور قیامت میں کامیابی کی امید رکھتے ہیں چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

یا آل النبی ذریعتی　　و ھم الیه وسیلتی

یا اکرم الثقلین یاکنز الوریٰ　　جد لی بجودك وارضنی برضاك

انا طامع بالجودمنك ولم یکن　　لابی حیفة فی الانام سواك

ابا رجو ھم اعطیٰ غداً　　بیدی الیمین صحیفتی

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلی اپنے قصیدہ ''اطیب النغم فی مدح سید العرب والعجم'' میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا ماویٰ، ملجا، جائے پناہ اور فریادرس سمجھتے ہوئے فریاد کرتے ہیں

ویاخیر من یر جیٰ لکشف رزیة　　ومن جوده قدفاق جود السحاب

وانت مجیری من ھجوم ملمة　　اذاانشبت فی القلب شرا لمخالب

یہی شاہ صاحب قصیدۂ ہمزیہ میں رورو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عریضہ پیش کرتے ہیں کہ حضور! میدان محشر میں، میں آپ کی نگاہ کرم کا محتاج ہوں سوائے آپ کے اور کوئی نہیں جو وہاں ہماری پشت پناہی کر سکے۔ آپ کے اشعار ہیں:

ینادی ضارعابخضوع قلب　　وذلٍ وابتھالٍ والتجاء

رسول اللّٰه ویا خیر البرایا　　نوالك ابتغی یوم القضاء

اذا ماحل ما خطب مد لھم　　فانت الحصن من کل البلاء

الیك توجھی وبك استنادی　　وفیك مطامعی وبك ارتجالی

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ چند اشعار علمائے دیوبند و اہل حدیث کے بھی نقل کر دیا جائے تا کہ ناوک صاحب کے جذبے کی اور بھی تسکین ہو جائے۔ چنانچہ مشہور وہابی عالم نواب صدیق حسن بھوپالی کے اشعار دیکھیں:

یا سیدی یاعروتی ووسیلتی　　یا عدتی فی شدة ور خائی

قد جئت بابك ضارعاً متضرعا　　متأوھاً نتنفس صعداء

مالی ورائك مستغاثفارحمن　　یارضمةً للعٰلمین بکائی

یعنی اے میرے آقا اے میرے سہارے، میرے وسیلے۔ سختی اور نرمی میں میرے کام آنے

والے۔ میں آپ کے دروازے پر اس حال میں حاضر ہوا ہوں کہ میں ذلیل ہوں اور میری سانس پھولی ہوئی ہے، آپ کے سوا میرا کوئی نہیں ہے جس مدد مانگی جائے۔ **ایرحمۃ اللعٰلمین!** میری آہ وبکا پر رحم فرمایئے۔ (ندائے یارسول اللہ)

اب ناوک صاحب ہی ارشاد فرمائیں کہ صحابہ کرام او فقہ واحادیث کے ان ائمہ کے نعتیہ دواوین سے ان کے مقرر کردہ آدابِ نعت کی تائید ہوتی ہے یا تنسیخ۔ اور جب انہیں کی الفاظ میں ''نعت گوئی کے سلسلے میں بہترین نعتیں جو نمونے کے طور پر کام آسکتی ہیں اصحاب کرام کی نعتیں ہیں۔'' تو نعت گوئی کیلئے صحابہ کرام کی نعتوں کو نمونہ بنایا جائے یا ان کے مقرر کردہ فرسودہ ''آدابِ نعت'' کو۔

نعتیہ شاعری کے آداب کا دوسرا مضمون ''غیر مسلم شعرا اور ان کی نعتیہ شاعری'' ہے اس میں محترم ناوک صاحب نے یہ سوالات اٹھائے ہیں:

(1) کیا غیر مسلم شعراء کی نعتیہ شاعری منافقانہ بازی گری ہے؟

(2) کیا اس قبیلے کے شعراء منافق تھے؟

(3) کیا ان کی کہی ہوئی نعتیں، نعت کے زمرے میں شامل نہیں؟

ناوک صاحب کے یہ سوالات یقیناً اہمیت کے حامل ہیں اور اس پہ گفتگو ہو سکتی ہے۔ مگر موصوف نے جس لہجہ میں اپنی بات پیش کی ہے وہ محل نظر بلکہ جرأت بیجا ہے: وہ لکھتے ہیں'' کیا فرماتے ہیں علمائے زبان وفن و مفتیان شعر وسخن بیچ اس مسئلہ میں کہ'' کیا اس جملہ سے استفتاء کا تمسخر اور مفتیوں کی تضحیک کا پہلو نہیں نکلتا ہے؟ کسے نہیں معلوم کہ مفتی کا منصب شرعی احکام ومسائل سے وابستہ ہے اور اس کا تقدس آج بھی محفوظ ہے، محترم ناوک صاحب غالباً پہلے شخص ہیں جنہوں نے ''مفتی'' کی اضافت اس طرف کی ہے جسے قرآن مقدس نے **وماینبغی**۔ اور **والشعراء یتبعھم الغاؤن** سے تعبیر کیا ہے۔

جہاں تک بات غیر مسلم شعراء کی نعت گوئی کی ہے تو اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں کہ صنف نعت کی تعریف کے اعتبار سے یقیناً وہ نعتیں ہیں اور انہیں نعتیہ ادب کی تاریخ میں جگہ دی گئی ہے۔ مگر یہ کہ وہ نعتیں اخلاص وصداقت کے معیار پر بھی کھری اترتی ہیں، اسے قبول کرنے میں یقیناً صنف نعت کے محققین کو تأمل ہوگا۔ دراصل غیر مسلموں کی کہی ہوئی نعتیں مضامین کے اعتبار سے دو طرح کی ہیں:

(1) پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف، اخلاق اور معجزات کا تذکرہ

(2) پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی محبت کا اظہار اور فراق وہجر میں اضطرابی کیفیت کا بیان

پہلی قسم کے مضامین پر مشتمل اشعار کے تعلق سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس میں تاریخی عکاسی کی حد

تک گویا اخلاص وصداقت ہے۔ کفار مکہ کے اعترافات اور خصائل نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے تذکرے بھی اسی زمرے میں شامل ہیں۔ ہری چندر اختر کے یہ اشعار اس ضمن میں پیش کئے جاسکتے ہیں:

آدمیت کا غرض ساماں مہیا کردیا — اک عرب نے آدمی کا بول بالا کردیا
کس کی حکمت نے یتیموں کو کیا دریتیم — اور غلاموں کو زمانے بھر کا مولا کردیا
زندہ ہوجاتے ہیں جو مرتے ہیں حق کے نام پر — اللہ اللہ موت کو کس نے مسیحا کردیا

مگر ان کے وہ اشعار جن میں عشق ومحبت اور فراق وہجر کا اظہار ہیں یا بایں حال کفر جنت میں جانے کا ادعا وہ زبانی جمع خرچ ،لفظوں کی فنکاری اور منافقانہ بازی گری کے سوا کچھ نہیں۔ ناوک صاحب ان اشعار کو دیکھیں اور فیصلہ کریں کیا ان اشعار میں صداقت ہے، اخلاص ہے یا واقعی یہ اشعار منافقت کا آئینہ دار ہیں:

لے کے دلّو رام کو حضرت گئے جنت میں جب — غل ہوا ہندو بھی محبوب خدا کے ساتھ ہے

☆

محشر میں دی فرشتوں نے داور کو یہ خبر — ہندو ہے ایک احمد مرسل کا مدح گر
ہے بت پرست گرچہ لیکن ہے نعت گو — احمد کی نعت لکھتا ہے دنیا میں بیشتر
ہے نام دلورام تخلص ہے کوثری — لے جائیں اس کو خلد میں یا جانب سقر
سنتے ہی یہ ملائکہ سے یہ انوکھی بات — فرمایا ذوالجلال نے جنت اس کا گھر

(دلورام کوثری)

محمد مصطفیٰ نے مجھ کو دیوانہ بنایا ہے — مئے توحید سے مخمور مستانہ بنایا ہے

(سمن سرحدی رام چندر)

ہجر احمد میں ہوا ہوں اس قدر گریہ کناں — نوح کے طوفاں کا عالم ہر اک آنسو میں ہے
پرسش روز جزا کی فکر پھر کیوں ہو ہمیں — بخشوانا جب ہمارا آپ کے قابو میں ہے

(لالہ چھنومل نافذ دہلوی)

کیوں دل خستہ مرا ہجر میں بیتاب نہ ہو — ہوگئے ان کی زیارت کو مہینے مجھ کو

(گوری پرساد ہمدم)

اتنی وضاحت کے بعد ناوک صاحب کو اب یہ حقیقت تسلیم کرلینا چاہئے کہ غیر مسلموں کی نعت گوئی یک گونہ زمانے کے ماحول اور منفعت وخوشامد پسندی کی ایک شکل تھی، یہی وجہ ہے کہ قدیم

زمانے کے برخلاف، موجودہ دور میں جب کہ مسلمانوں کو عروج واقتدار اور منفعت کی وسیع توقع نہیں تو پھر نئی نسل کے نوجوان غیر مسلم شعراء کیا اردو اور کیا ہندی کسی زبان میں نعت گوئی کی طرف متوجہ نہیں ہیں الاّ یہ کہ بعض شعراء محض اس لئے لکھ رہے ہیں کہ انہیں کسی بھی شکل میں اس سے ''اسٹیج'' کی آمدنی کا یقین ہے۔ چاہے وہ مشاعرے کی صورت میں ہو یا ریڈیائی پروگرام کی صورت میں۔

ناوک صاحب کے مقرر کردہ آدابِ نعت کا دوسرا عجیب وغریب پہلو یہ ہے کہ خود ناوک صاحب نے اپنی نعتیہ شاعری میں اس کا پاس ولحاظ نہیں رکھا ہے۔ شعر گوئی کے وقت وہ بھول گئے ہیں کہ الوہیت ورسالت کے درمیان امتیاز باقی رہنا چاہئے۔ اس لیے خود ان کی شاعری کے تعلق سے ان ہی کے الفاظ میں یہ کہا جا سکتا ہے ''...از خود رفتگی کی وجہ سے حمد ونعت کے مابین کا فرق کبھی کبھار ان کی تخلیقات میں برقرار نہیں رہا ہے'' دعویٰ تشنۂ شہادت نہ رہ جائے اس لیے خود ان کے مقرر کردہ آداب کی روشنی میں ان کے چند اشعار کا جائزہ لے لیا جائے۔ وہ اپنی کتاب کے صفحہ 66 پر لکھتے ہیں:

> ''گذشتہ دنوں ایک رسالہ نظر سے گزرا۔ رسالے کا نام تو ''توحید اور شرک'' ہے۔ لیکن اندرون صفحات جو کچھ لکھا گیا ہے اس کا لب ولباب یہ ہے کہ اللہ کے علاوہ کسی اور سے بھی مدد مانگنا اور فریاد کرنا شرک نہیں ہے۔ مزاروں پر دعائیں مانگنی جائز ہے... وغیرہ۔ تو سر پیٹ لینے کو جی چاہا''۔ ص 67

اب اسی عقیدے کی روشنی میں اسی کتاب میں شامل ان کے یہ اشعار دیکھیں:

دل و نگاہ ہیں بیمار یا رسول اللہ　　عطا ہو خاطرِ بیدار یا رسول اللہ
امید وار کرم ہے یہ بندۂ عاصی　　نگاہِ لطف ہو اک بار یا رسول اللہ

☆

یا ختم رسل بخش ایں تشنہ لبے　　یک جرعۂ معرفت زمیخانۂ خویش

ناوک عاصی شرمندہ ہے بن کے سوالی در پہ کھڑا ہے
بہر کرم فرمائیں شفاعت صلی اللہ علیہ وسلم

تڑپاتی ہے رہ رہ کے پھر دوری
بلوایئے للہ اک بار حضور

کتاب کے صفحہ 63 پر ناوک صاحب فرماتے ہیں:

''ان کی ذمہ داری یہ نہیں کہ وہ مخلوق کی ہدایت کا ذمہ اپنے اوپر لیں
بلکہ یہ کام اللہ نے اپنے ہی ذمہ رکھا کہ وہ جسے چاہے ہدایت دے، جسے چاہے
نہ دے، گویا رسول کا کام تو صرف قاصد کا ہے، ایلچی کا ہے۔''

اب ذیل کے اشعار میں (انہیں کی زبان میں) معاذ اللہ ایک ''ایلچی'' کی شان وشوکت، قدرت واختیار اور مقام ہدایت ملاحظہ کیجئے اور دیکھئے کہ کس طرح ان اشعار میں ناوک صاحب کا عقیدۂ توحید مجروح ہوگیا ہے:

واللہ کہ محی بھی ہیں ماحی بھی آپ — اللہ کی رحمتوں کا سایہ بھی آپ
اک قعر مذلت سے زمانے کو نکالا — بھولے گی نہ دنیا کبھی احسان محمد

☆

جہل کی ظلمتیں مٹیں کفر کی بدلیاں چھٹیں — شمع ہدیٰ سے آپ کی بقعہ نور شش جہات

☆

وہ جن کی ذات نے لادینیت کی ظلمت میں — جلائی راہ نمائی کو دین کے مشعل
وہ جن کے دم سے ہوئی ختم وقعت عزیٰ — وہ جن کی ذات سے مٹ کر رہا وقار ہبل

آخرت میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت اور شفاعت سے انکار کرتے ہوئے کتاب کے صفحہ 67 پر ناوک صاحب فرماتے ہیں:

''میاں! ہمیں آپ کو تو صرف آپ کی امت ہونے کا شرف حاصل
ہے۔ آنحضرت نے اپنی بیٹی، اپنی پھوپھی تک کو تقویٰ شعاری اور عمل صالح
کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ کل آخرت میں میری قرابت مندی کچھ
کام نہ آئے گی وہاں اعمال صالحہ ہی کام آئیں گے۔''

مگر جب اپنی مغفرت اور آخرت میں سہارے کی ضرورت محسوس ہوئی تو یہ عقیدۂ توحید کہاں اور کیسے فراموش کر دیا گیا ملاحظہ کریں:

گرچہ گناہگار ہے ناوک امیدوار ہے — روز شفاعت اس پہ بھی ایک نگاہ التفات

☆

ہے بزم آخرت میں شفیع آپ ہی کی ذات — دنیا میں ہر فلاح کا امکان آپ ہیں

☆

محبوب خدا ساقی کوثر ہیں حضور بے ریب وگماں شافع محشر ہیں حضور

قرآں میں ہے آپ کی مدحت صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہیں شافع روزِ قیامت صلی اللہ علیہ وسلم

نثر ونظم میں یہ تضاد بیانی اور فکری تصادم اس لیے سامنے آیا کہ ناوک صاحب نے قرآن پاک کی جن آیات کو آدابِ نعت کے طور پر پیش کیا ہے انہیں براہ راست قرآن اور معتبر تفاسیر کی روشنی میں سمجھنے کی بجائے متنازع کتاب ''تقویۃ الایمان'' کی روشنی میں سمجھنا چاہا ہے جس کے ایمان شکن مندرجات نے ہندوستان میں روزاول سے ہی ''افتراق بین المسلمین'' کی فضا پیدا کردی ہے۔ 1857ء سے اس صدی تک علمائے حق اس کتاب کی تردید کرتے رہے ہیں۔ خود شاہ اسماعیل دہلوی کے چچا حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے بھی اس کا جواب لکھنا چاہا مگر عمر نے وفا نہیں کی۔ یہی وہ کتاب ہے جسے انگریزوں نے مسلمانوں کے درمیان پھوٹ ڈالنے کے لئے لاکھوں کی تعداد میں شائع کر کے مفت تقسیم کرایا تھا۔ ظاہر ہے ایسی کتاب کو پیش نظر رکھ کر جو بات بھی کی جائے گی اس کا نتیجہ شانِ رسالت کی تنقیص، تعلیمات صحابہ وصوفیہ سے محرومی، حقائق سے دوری کی اور افتراق بین المسلمین کی شکل میں سامنے آئے گا۔ ناوک صاحب کو چاہیے کہ وہ ان تشریحات اور اپنی نعت کی روشنی میں اپنے مقرر کردہ ''آدابِ نعت'' پر نظر ثانی فرمالیں تاکہ ان کی فکر قرآنی تعلیمات اور صحابہ کرام کے نظریات کے مطابق ہوجائے اور انہیں بھی:

قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی

کہنے کا جواز مل جائے۔

☆☆☆

پروفیسر ابوسفیان اصلاحی (علی گڑھ)

حضرت امام بوصیری کے قصیدۂ بردہ کا تنقیدی جائزہ

سابقہ تین اقساط میں امام بوصیری کے تمام نعتیہ قصائد کے بنیادی اشعار کی روشنی میں ان کے جذبۂ حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ امام بوصیری کے نعتیہ قصائد میں یہ شہادت موجود ہے کہ ان کا وجودِ کلی حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے متسم ہے۔ گویا مشخص کلی کی تعریف مدح سرورکونین صلی اللہ علیہ وسلم سے عبارت ہے، امام بوصیری کے ہر بن مو سے حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشبو بکھرتی ہے۔ حبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی ان کا فکری منہج ہے۔ کیونکہ حب خداوندی اور حب رسالت کے اتصال کا نام ایمان کامل ہے۔ اسی کا نام الکتاب اور الاسلام ہے۔ امام بوصیری کے نعتیہ اشعار میں ان دونوں موقف کی پوری تائید وترجمانی ہے۔ ان دونوں کی یکجا تشریح کے بغیر نعتیہ قصائد کا استناد غیر معتبر ہے۔ امام بوصیری نے قرآن کریم کو اوّلین مرجع قرار دیا ہے۔ راقم نے اشعار کی تشریح کرتے ہوئے آیات کریمہ کو نقل کیا ہے۔ اس میں کلام نہیں کہ امام بوصیری کے نعتیہ اشعار قرآن کریم سے مستفاد ہیں۔ امام بوصیری کا دوسرا مرجع احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ امام بوصیری نے قرآن کریم سے زیادہ احادیث پر انحصار کیا ہے، لیکن افسوس کہ بہت سی ضعیف احادیث کے مفاہیم کی بنیاد پر ان کے اشعار منظوم کیے گئے ہیں۔ معجزوں کے تعلق سے احادیث ضعیفہ یا احادیث موضوعہ سے استفادہ کیا گیا ہے۔ ایک پہلو جو انتہائی قابل قدر ہے کہ کتب مقدسہ کے مباحث کو نعتیہ اشعار میں مدغم کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ عظمت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تئیں یہودیت اور عیسائیت کی جو کدورت وعداوت ہے اسے ان قصائد میں بیان کیا گیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہود ونصاریٰ کی کدورتوں سے امام بوصیری خوب واقف تھے۔ اس کے بغیر مدح رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا تصور ادھورا رہے۔

امام بوصیری کے ذکر کے بغیر عربی نعتیہ شاعری نامکمل رہے گی۔ بالخصوص آپ کا قصیدہ بردہ عربی نعتیہ شاعری کی آبرو ہے۔ یہ دراصل حضرت کعب بن زہیر کے قصیدہ ''بانت سعاد'' کے تتبع میں منظوم کیا گیا ہے جو ایک مستحسن تتبع ہے۔ لیکن ''بانت سعاد'' کے اسلوب بیان اور خالص عربیت کا تتبع محال

ہے۔ بانت سعاد کی سب سے عظیم انفرادیت یہ ہے کہ جب وہ یہ قصیدہ مسجد نبوی میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور پیش کرر ہے تھے تو درمیان تقدیم کبھی کبھی چہرہ انور شاعر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب اٹھ جاتا، اس میں معنوی تائید، اسلوبِ بیان کی توصیف اور حب رسول کا اعتراف سب کچھ موجود تھا، گویا بانت سعاد کو دربار رسالت کی تائید وتعریف حاصل ہے جو دیگر بے شمار تتبعات کو حاصل نہیں۔ کعب بن زہیر کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بردۂ شریف اس تقدیم عظیم کے عوض پیش کردی۔ ایسا بڑا انعام واکرام کیا کسی شاعر کو نصیب ہوا۔ اس چادر کی عظمت تو دیکھیے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد ان کے وارثین سے خرید لی۔ حکومتی سطح پر منتقل ہوتے ہوئے خلافت عثمانیہ کے ہاتھوں میں آئی۔ شاید آج بھی ترکی کے کسی میوزیم میں یہ محفوظ ہے۔ ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی نے ''بانت سعاد'' کو بزبانِ اردو منظوم کیا ہے۔ جن کا خیال ہے کہ یہ پہلی اردو منظوم کوشش ہے۔ ڈاکٹر نعمانی خود ایک معتبر نعت گوشاعر ہیں جنھوں نے عربی، فارسی اور اردو نعتیہ شاعری کا بالامعان وبالاستیعاب مطالعہ کیا ہے۔ ڈاکٹر نعمانی نے یہ شعوری کوشش کی ہے کہ نعتیہ شاعری کی شفافیت برقرار رہے۔ اس پر کوئی ایسی چھینٹ تک نہ آنے پائے کہ جس سے اس کا تقدس متاثر ہوجائے۔ اردو نعتیہ شاعری شرکیہ عناصر سے مملوء ہے۔ بڑے بڑے موحدین بھی اپنے نعتیہ اشعار کو شرکیہ غل وغش سے بچا نہ سکے۔ مناسب ہوگا کہ چند اشعار کے تراجم ہدیۂ ناظرین کیے جائیں تاکہ وہ اس منظوم مبارک سے محظوظ ہوسکیں:

أنبئت ان رسول اللّٰہ أو عدنی	**والعفو عند رسول اللہ ماٗمول**
خبر ملی ہے کہ مجھ کو ہلاک کرنے کی	ہوئی ہے عام اجازت، لب رسالت سے
مگر مرا دل امیدوار رکھتا ہے	امید عفو و کرم در گہہ نبوت سے

☆

لقد اتیت رسول اللّٰہ معتذرا	**العذر عند رسول اللّٰہ مقبول**
بلاشک آج رسولِ خدا کی خدمت میں	میں لے کے آیا ہوں، عذر خطا کا عزم صمیم
مجھے یقین ہے، مری معذرت بھی ہوگی قبول	خدا گواہ کہ سرکار ہیں رؤف و رحیم

☆

مهلا هداك الذی اعطاك نافلة	**قرآن فيها مواعيظ وتفضيل**
رسول پاک عطا کیجیے مجھے مہلت	خدا کی خاص ہدایت ہے آپ کو حاصل

که جس سے آپ کو قرآن سی کتاب ملی نصیحت اور بیانات جس کے ہیں کامل

☆

لاتاخذنی بأقوال الوشاه ولم اذنب و ان کثرت فی الاقاویل

نہ باز پرس کریں مجھ سے آپ شاہ رُسل کسی بھی طرح مرے دشمنوں کے کہنے سے

ہوئی نہ مجھ سے خطا ایسی شانِ اقدس میں گڑھے گئے ہیں یہ جس کے بہت سے افسانے

امام بوصیری کے قصیدۂ بردہ کی ابتداء عام عرب شعراء کی طرح ہوئی ہے۔ ابتداء میں پندونصائح کے بعد دنیا کی بے ثباتی کی جانب اشارہ کیا گیا ہے اور اپنی بداعمالیوں کا اعتراف کرتے ہوئے محارم سے گریز کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ ہوائے نفس اور اتباع شیطان سے انسان وادیٔ محارم میں جا گرتا ہے۔ اپنی معتوب ذات کا اعتراف کرتے ہوئے امام بوصیری اللہ سے استغفار کے خواہاں ہیں۔ اپنی لاپرواہیوں کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں لوگوں کو نیکی کی دعوت دیتا ہوں اور خود نیکیوں سے بے پرواہ ہوں اور یہ میری بدقسمتی ہے کہ روح کے قبض ہونے سے قبل میں نے نفلوں کو اپنے لیے توشۂ آخرت نہیں بنایا۔ گویا امام بوصیری ابتدائیہ میں اپنی تقصیر پر اشکبار ہیں۔ اسے اپنی کوتاہیاں اور خامیاں نظر آتی ہیں۔ یہ امام بوصیری کی داخلی کیفیت ہے جس سے اس کی انابت الی اللہ کا اندازہ لگانا دشوار نہیں ہے۔ اپنے ابتدائیات سے آگے بڑھتے ہوئے امام بوصیری نے چند اوصاف حمیدہ کو موضوع بحث بنایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سحر خیزی کا ذکر کیا، فاقہ کشی کو منظوم کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صبر و توکل کی جانب بھی اشارہ کیا۔ یہ بھی فرمایا کہ زہد و ورع میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہاڑوں سے بھی زیادہ مضبوط تھے۔ اس سلسلے کا ایک شعر یوں ہے:

وکیف تدعوا الی اللہ ضرورۃ من لولاہ لم تخرج الدنیا من العدم

(اور کیوں دنیاوی ضرورت اسے اپنی جانب مائل کرے۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو یہ دنیا ظہور پذیر نہ ہوتی)

قرآن کریم کی بے شمار آیات کریمہ میں تخلیق کائنات کا ذکر ہے۔ مقاصد تخلیق کا بیان ہے۔ قرآن کریم کے نزدیک ام التخلیق یہ ہے کہ یہ تخلیق کائنات مبنی برحق ہے جس کی قرآن کریم میں وضاحتی تفصیل موجود ہے۔ اساسی مقصد یہ ہے کہ اس حق کی معرفت حاصل کی جائے تاکہ حقوق کائنات کی پاسداری ہو سکے۔ قرآن کریم نے یہ بھی صراحت کی ہے کہ تخلیق کائنات کا مقصد لہو و لعب ہرگز نہیں ہے بلکہ قرآن کریم بار بار آفاق وانفس میں اترنے اور انھیں پڑھنے کی بات کرتا ہے اور تخلیق کائنات

سے غفلت غیر قرآنی اور غیر پسندیدہ عمل ہے۔ یہ تخلیق کائنات دعوتِ فکر وعمل دیتی ہے، آسمانوں اور زمین کے مابین تمام چیزیں لائق التفات ہیں۔ انھیں ہرگز باطل تصور نہ کیا جائے۔ کائنات کی تخلیقی ابتداء اور انتہا کا ذکر اللہ نے یوں کیا ہے:

إِنَّهُ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ	بیشک وہی پہلی بار بھی پیدا کرتا ہے پھر وہی
لِيَجْزِيَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا	دوبارہ بھی پیدا کرے گا تا کہ ایسے لوگوں کو جو کہ
الصَّلِحٰتِ بِالْقِسْطِ وَالَّذِينَ	ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کیے انصاف
كَفَرُوا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيمٍ	کے ساتھ جزا دے اور جن لوگوں نے کفر کیا ان
وَعَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ	کے واسطے کھولتا ہوا پانی پینے کو ملے گا اور دردناک
(یونس:۱۰/۴)	عذاب ہوگا ان کے کفر کی وجہ سے۔

مذکورہ آیت کریمہ میں مقصد تخلیق واضح انداز میں بیان کر دیا گیا ہے کہ یہ دنیا دارالامتحان ہے۔ اسی کے مطابق آخرت میں فیصلے کیے جائیں گے جو ''یَومُ الدِّین'' یعنی یوم الجزاء ہے۔ صلحاء کو اللہ اپنے انعامات سے نوازے گا اور سیہ کاروں کو دردناک عذاب سے گزرنا ہوگا۔ تخلیق کائنات سے متعلق آیات کریمہ میں یہ ادنیٰ تصور نہیں ملتا کہ باعثِ تخلیق اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اسی طرح یہ تصور احادیث صحیحہ میں بھی موجود نہیں کہ تخلیق کائنات کا اصل باعث اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اس سے آگے مجھے یہ کہنے کا بھی جواز ہے کہ وہ نعتیہ قصائد جو عہد رسالت میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور پیش کیے گئے اس میں یہ تصور تخلیق موجود نہیں کہ شخصیت رسول اکرم واضح کے سبب یہ کائنات منظر عام پر آئی۔ اگر حقیقت کائنات یہی ہوتی تو تخلیق کائنات کے قرآنی مباحث میں یہ نکتہ خاص ضرور مذکور ہوتا۔ اس لیے امام بوصیری کے اس خود ساختہ نقطۂ نظر سے اتفاق کرنا مشکل ہے کیوں کہ اس کا تصور قرآن سے تصادم ہے۔ آگے کے اشعار میں امام بوصیری نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف امتیازات کو اپنے اشعار میں پنہانے کی قابل قدر کوشش کی ہے۔ امام بوصیری نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سید الکونین ہیں، نہی عن المنکر اور امر بالمعروف ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بنیادی فریضہ ہے۔ شفیع المذنبین کی حیثیت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا گیا ہے۔ جس کے تعلق سے لکھا جا چکا ہے اور قرآنی نقطہ نظر پیش کیا جا چکا ہے۔ نیز یہ حوالہ بھی سپرد قرطاس ہے کہ پروفیسر الطاف احمد اعظمی نے اپنی تفسیر سورہ فاتحہ اور تفسیر میزان القرآن میں قابل قدر روشنی ڈالی ہے کہ سواد امت نے شفیع المذنبین کا جو تصور پیش کیا ہے اس کا قرآن سے کوئی علاقہ نہیں ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ

وسلم نے امت مسلمہ کو یہ تاکید کی کہ اللہ کی رسی کو اس طرح پکڑا جائے کہ وہ ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے۔

محمد سید الکونین والثقلین والفریقین من عرب وعجم

(محمد صلی اللہ علیہ وسلم سرورکونین، جن وانس کے فرمانروا اور عرب وعجم دونوں کے پیش واہیں)

الحبیب الذی ترجیٰ شفاعتہ لکل ھول من الأھوال مقتحم

(وہی اللہ کے حبیب ہیں جن سے شفاعت کی امید، یہی شفاعت ہر طرف سے بچانے والی ہے)

دعا الی اللّٰہ فالمستمسکون بہ مستمسکون بحبل غیر منقصم

(انھوں نے اللہ کی طرف بلایا، جن لوگوں نے ذات خداوندی سے خود کو وابستہ کرلیا تو گویا انھوں نے ایک ایسی رسی کو پکڑ لیا)

امام بوصیری کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ مختلف انداز میں مختلف امتیازات رسالت کو منظوم کیا ہے۔ کبھی کبھی ایک صفت کو مختلف پیرائے میں متعدد بار ذکر کیا ہے۔ اوراس میں ایک خاص لذت اور کشش پیدا کی ہے۔ یہ کہنا یقیناً بجا ہوگا کہ ان کے نعتیہ قصائد کے مضامین زیادہ تر یکساں ہیں لیکن پیرایۂ اظہار میں تنوع ہے۔ یہی چیز انہیں دوسروں سے ممتاز کرتی ہے۔ امام بوصیری کے بہت سے خیالات لائق تردید ہیں لیکن رسالت سے اس کا جو جذباتی والہانہ پن ہے اوراس کے شرایین میں جو حب رسول رواں ہے اس کی رفتار اور عمق کا اندازہ لگانا آسان نہیں ہے۔ اس کے حب رسول کا قلزم بیکراں ہے یہی اس کی شہرت وعظمت کا راز ہے۔

فاق النبیین فی خلق وفی خلق ولم یدانوہ فی علم ولاکرم

(تخلیق اور عادات دونوں میں تمام انبیاء کرام سے برتر ہیں، علم وادراک اور جود وسخا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہم سری ناممکن ہے)

وکلھم من رسول اللّٰہ ملتمس غرقا من البحر أو رشفا من الدیم

(اور تمام انبیاء کرام آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست گزار ہیں کہ انھیں سمندر سے ایک چلو پانی اور موسلا دھار بارش سے ایک قطرہ پانی کا مل جائے)

ووافقون لدیہ عند حدھم من نقطة العلم أو من شکلة الحکم

(وہ اپنی اپنی حیثیت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے روبہ روایستادہ ہیں تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں سے ایک نقطہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمتوں سے کوئی حکمت میسر آجائے)

فھو الذی تم معناہ وصورتہ ثم أصطفی حبیباً بارئ النسیم

(یقیناً اللہ ہی ہے جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معنوی اور ظاہری تخلیق کو پائے تکمیل تک پہنچایا۔ پھر خلقت کو بنانے والے نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا حبیب چن لیا۔)

مذکورہ اشعار میں امام بوصیری نے یہ وضاحت کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جسمانی اور روحانی ساخت سے بے مثیل ہیں۔ عرفان وآ گاہی اور انفاق میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہم سری کرنا دشوار ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس بحرِ بے کراں اور سیل رواں کی طرح ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم وحِکَم انسانی عقل سے ماوراء ہیں اور ظاہر وباطن دونوں اعتبار سے اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکمیل کی ہے۔ یہ تمام انبیاء ورسل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور ملتمس ہیں۔ کیوں کہ ہر زاویئے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کو پانا ناممکن ہے۔ آگے کے اشعار میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے محاسن ومحامد کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ اور یقین کے ساتھ تاکیداً کہا گیا ہے کہ دنیا کی کوئی ذات اس کی شریک وسہیم نہیں ہوسکتی ہے۔ ایک خاص بات امام بوصیری نے یہ کہی کہ ہمیں اپنے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تئیں ان طریقوں کو نہ اپنایا جائے جو یہود ونصاریٰ نے اپنے انبیاء ورسل کے تعلق سے اختیار کیے۔ قرآن کریم میں رسالت کے تئیں ان کی کج خلقیوں کا ذکر ہے۔ انھوں نے ان کے ناموس ووقار کو تارتار کیا بلکہ انھیں تہہ تیغ کیا، اپنی انہی نافرمانیوں کے سبب بندر بنائے گئے۔ ان کی بستیاں الٹ دی گئیں اور تیز ترین آندھیوں نے انھیں تہس نہس کر دیا۔ طوفان نوح نے ان کے وجود کو نیست ونابود کر دیا۔ ان تمام غلط راستوں پر جانے سے ملت اسلامیہ کو بوصیری نے تنبیہ کی ہے۔

منزه من شريك محاسنه   فهو هو الحسن فيه غير منقسم

(اپنے محاسن میں کسی ساجھی دار سے بالکل مبرا ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر موجودہ جوہر حسن غیر منقسم ہے)

دع ما ادعته النصاریٰ فی بینهم   واحکم مما شئت مدحاً فيه احتكم

(نصاریٰ اپنے انبیاء کرام کے باب میں جو کہتے ہیں اسے ترک کر دو، تم جس قدر چاہو اپنے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کرو اور سنو)

فان فضل رسول اللّٰه ليس له   حد فيعرب عنه ناطق بقم

(یقیناً اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فضل ومرتبہ کی حد نہیں ہے۔ پس نعت گو اپنی زبان سے اس کی تشریح وتعبیر کرتا رہے)

اعيا الوریٰ فهم معناه فليس یریٰ   فی القرب والبعد فيه غير منقحم

(یقیناً تمام تر مخلوق اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی معنوی دریافت میں عاجز رہ گئی، متقدمین اور متاخرین دونوں کے یہاں توضیحی عجز موجود ہے۔)

کالشمس تظهر للعينين من بعد صغيرة وتكلى الطرف من أمم

(جیسے سورج دور سے مختصر دکھائی دیتا ہے لیکن لوگوں کی آنکھوں کو خیرہ کر دیتا ہے۔)

وكيف يدرك فى الدنيا حقيقته قوم ينام تسلوا عنه بالحكم

(وہ قوم جو خواب گراں میں محو ہے اور خواب ہی اس کا سامان تسلی ہے وہ اس دنیا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت کا ادراک کیسے کر سکتی ہے)

امام بوصیری کو نعتیہ کمال حاصل ہے۔ ایک مضمون کو سو رنگ میں باندھنے کا ہنر اسے آتا ہے، یہی چیز نعت گو شعراء میں ایک اختصاص بن جاتی ہے۔ نعت گو شعراء کے جم غفیر میں وہ پہچانا جاتا ہے۔ مذکورہ آخری شعر میں اسوۂ رسول سے امت کی غفلت کا اظہار کیا ہے۔ امت لاپرواہیوں میں غرق ہے۔ اسے سیرت پاک کی عظمت و رفعت کا احساس نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے "**وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ**" کہہ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفعت کاملہ کا اظہار کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رتبہ پوری دنیا میں ظاہر و باہر ہے، لیکن افسوس کہ یہ بند آنکھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار سے بہرور ہونے سے محروم ہیں۔ امام بوصیری متاسف ہے کہ سیرت پاک کے تقاضوں سے ہم بے بہرہ ہیں۔ ہماری ذلت کا راز یہی ہے کہ سیرت پاک ہمارا محور نہیں، سیرت مقدسہ ہماری منزل اور سیرتِ مطہرہ ہمارا لائحۂ عمل نہیں۔ اس ایک شعر کے ذریعہ امام بوصیری نے امت کی زبوں حالی کو واشگاف کیا ہے۔ نیز حقیقت رسالت کی ترجمانی کی ہے۔

فمبلغ العلم فيه أنه بشر وأنه خير خلق اللّٰه كلهم

(علم سے یہ چیز متبادر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں اور تمام تر مخلوق سے برتر ہیں۔)

وكل اى آتى الرسل الكرام بها فانما اتصلت من نوره بهم

(تمام انبیاء کرام تمام معجزوں کے ساتھ ظہور پذیر ہوئے، یہ تمام معجزے انھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے موصول ہوئے۔)

فانه شمس فضل هم كواكبها يظهرن انارها للناس فى الظلم

(آپ صلی اللہ علیہ وسلم آفتابِ فضل و کرم ہیں، انبیاء کرام اسی آفتاب بے مثل کے ستارے ہیں، یہی ستارے آفتاب رسالت کی تابانیوں سے ظلمت میں لوگوں کی رہنمائی کرتے ہیں۔)

الكرم بخلق نبى زانه خلق بالحسن مشتمل بالبشر منقسم

(آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ساخت کس قدر متناسب ہے، جسے اخلاق حسنہ نے مزید حسین بنادیا۔ یہ عادات حسن سے عبارت اور خوب روئی سے منقسم ہیں۔)

امام بوصیری کا وصف خاص یہ ہے کہ تمثیلات وتعبیرات سے انھوں نے امتیازات رسالت کو مزید اجاگر کیا ہے، ان کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ مختلف زاویوں سے فہم رسالت کو عام کیا جائے۔ اسے باعث التفات بنایا جائے۔ بوصیری کا مقصد اپنے مدحیہ اشعار سے اظہار وافتخار نہیں بلکہ یہ نعتیہ شاعری لوگوں کو اسوۂ حسنہ سے قریب کرنا چاہتی ہے۔ کیونکہ یہی چیز ہمارے لیے دنیاوی ڈھال ہے۔ ہمارے مسائل کا بہتر حل ہے۔ انھیں شاعرانہ کمال دکھانے کی خواہش نہیں بلکہ عامۃ الناس کو رسالت پاک سے جوڑنے کی تمنا ہے۔

كالزهر في ترف والبدر في شرف والبحر في كرم والدهر في همم

(آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پھول کی مانند شگفتہ اور شرافت وطبیعت کی رو سے بدر کامل، جود وسخا میں سمندر اور ارادوں میں مانند دہر ثبات قدم۔)

كأنه وهو فرد من جلالته في عسكر حين تلقاه وفي حشم

(آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جلالتِ شان میں منفرد ہیں، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور تم آؤ گے تو محسوس ہوگا کہ وہ جم غفیر اور حشم وخدم کے مابین ہیں۔)

كأنه اللؤلؤ المكنون في صدف من معدن منطق منه ومبتسم

(آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکلم ریزی سیپ میں پوشیدہ موتیوں کی مانند ہیں، یہ موتی تکلم اور تبسم کی کانوں سے بکھر رہے ہیں۔)

بوصیری نے مختلف حوالوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کی توضیح کی ہے۔ یہ توضیحات جہاتِ رسالت کو منکشف کر رہی ہیں۔ تمثیلات وتعبیرات میں بوصیری کو مہارت تامہ حاصل ہے۔ قصیدہ بردہ کی تشہیر کی ایک بنیادی وجہ یہ بھی ہے، تمثیلات وتعبیرات کی دنیا اجنبی نہیں ہے لیکن اس کے استعمال سے جادو کر دینا، مردہ الفاظ میں روح پھونک دینا اور قارئین کے اذہانِ میں تحریک پیدا کر دینا آسان نہیں ہے۔ شاعر ساحر ومحرک ہوتا ہے۔ بوصیری نعتیہ شاعری کے محرض ومحرک ہیں۔ اپنی نعتیہ شاعری سے ایک تحریک وتاثیر کی تاسیس کی ہے۔ یہی تاسیس اس کی علامت ہے۔

لاطيب يعدل ترباً ضم اعظمه طوبىٰ لمنتشق منه وملتثم

(کوئی مٹی اس مٹی کے برابر نہیں ہوسکتی، جس کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعضاء سے وابستگی

رہی ہو، باعث سعادت ہے وہ انسان جو اسے سونگھتا اور بوسہ دیتا ہو۔)

ابان مولده عن طيب عنصره يا طيب مبتدأ منه ومختتم

(آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عناصر طیبہ کو واضح کر دیا، جس کی ابتداء اور انتہاء دونوں کس قدر پاکیزہ ہیں۔)

يوم تفرس فيه الفرس أنهم قد انذروا بحلول البئوس والنقم

(اہل فارس کو یقین ہو گیا کہ وہ مصائب اور انتقام سے دوچار ہوں گے۔)

وبات أيوان كسرىٰ وهو منصرع كشمل اصحاب كسرىٰ غير ملتئم

(ایوان کسریٰ (نوشیرواں کا محل) کے کنگرے منہدم ہو گئے، اصحاب کسریٰ کی اجتماعیت ایسی پارہ پارہ ہوئی کہ دوبارہ اس کا متحد ہونا ناممکن ہو گیا)

والنار خامدة الانفاس من أسف عليه والنهر ساهی العين من سدم

(قادیاسیوں) کی آگ کی سانس نوشیرواں پر تاسف کرنے کے سبب ڈوبنے لگیں اور پریشانی کی وجہ سے دریا سست رفتار ہو گیا)

وساء ساوة أن غاضت بحيرتها ورُدَّوارِدُها بالغيظ حين ظمى

(اور ساوہ کا برا حال یہ ہوا کہ اس کی جھیل خشک ہو گئی۔ اور پیاسے اپنی پیاس کو بجھانے کے لیے اس کے ساحل پر نازل ہوئے تو برہمی میں واپسی ہوئی۔)

بوصیری نے مذکورہ اشعار میں ظہور قدسی کی منظر کشی کی ہے کہ رسالت کے ظہور سے مختلف مذاہب کے ماننے والے شک سے دوچار ہوئے، ان کا اقتدار، ان کا رعب ودبدبہ اور ان کی چیرہ دستیاں مٹی میں مل گئیں۔ آفتاب رسالت کے حضور ان کی فرمارروائیاں تہہ خاک ہوئیں۔ اسی طرح سردارانِ عرب کا سارا زور ٹوٹ گیا۔ ان کے قبائلی نظام تتر بتر ہو گئے۔ ان کے تسلط کی چولیں ہل گئیں۔ ان کی اصنام پرستی سرنگوں ہو گئی، خانہ کعبہ کی دیواروں سے توحید کی آواز بازگشت بلند ہونے لگی۔ بوصیری نے عربوں کے کبر وغرور کے انحطاط کا یوں ذکر کیا ہے:

عموا وصموا فإعلان البشائرلم تسمع وبارقةُ الإنذار لم تشم

(کفار اس طرح اندھے بہرے ہوئے کہ بشارتوں کے اعلان کا انھیں پتا ہی نہیں چلا اور ڈرانے والی بجلیوں کا انھیں احساس نہ ہوا۔)

من بعد ما اخبرا لأقوامَ كاهنهم بأن دينهم المُعْوَجّ لم يقم

(کفار کے کاہنوں نے انھیں بتادیا تھا کہ تمہارا دین اب اس طرح جھک گیا ہے کہ اس کا سیدھا ہونا ناممکن ہے۔)

وبعد ما عاینوا فی الافق من شهب منقضة وفق ما فی الارض من صنم

(اوراس کے بعدانھوں نے مشاہدہ کیا کہ افق سے گرتے ہوئے شعلے نظر آئے اوراسی طرح زمین کے بت اوندھے منھ ہوتے گئے۔)

بوصیری نے مختلف حوالوں سے رسالت کی صداقت کا اعلان کیا ہے۔اس صداقت آسمانی کوکم کرنے کی ہزارہا کوششیں کیں لیکن سب رائیگاں گئیں۔ کفار ومشرکین کی یہی جدوجہد رہی کہ سرورکائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا کام ہی تمام کردیا جائے۔لیکن ان کی تمام تدابیر الٹی پڑ گئیں، ان کے حوصلے پست ہوگئے اورصداقتِ ربانی کا بول بالا ہوا۔

وما حویٰ الغار ومن خیر ومن کرم وکل طرف من الکفار عنه عمی

(اورغار نے اپنے اندرجس خیروکرم کوجمع کیا، کفار کی نظریں انھیں دیکھنے سے اندھی ہوگئیں۔)

فالصدق فی الغار والصدیق لم یرما وهم یقولون مابالغار من أرم

(صدق اورصدیق دونوں غار میں تھے لیکن دکھائی نہ پڑے اور کفار کہہ رہے تھے کہ غار میں کوئی نہیں ہے۔)

وظنوا الحَمام وظنوا العنکبوت علی خیر البریة لم تُنسج ولم تَحُم

(انھوں نے گمان کیا کہ کبوتر نے نہ تو انڈے دیئے اورنہ ہی مکڑی نے خیرالبشر پر جالا تنا (بلکہ یہ صورت حال پہلے سے تھی)

بوصیری کی نعتیہ شاعری کی یہ ایک ممتاز علامت ہے کہ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف معجزات کا ذکرکیا گیا ہے، یہ صراحت کی جاچکی ہے کہ ان میں بیشتر معجزات کی کوئی اساس نہیں ہے۔ ان کے بیشتر مراجع احادیث ضعیفہ یا اسرائیلات ہیں۔ یہ بتانا مناسب ہوگا کہ صرف نعتیہ شاعری ہی نہیں بلکہ کتب تفاسیر بھی اسرائیلیات سے مملوء ہیں، اس چیز نے اساس دین میں بہت ہیرا پھیری کی ہے مولانا اسیرادروی نے اسرائیلیات کے نقائص اورمضراثرات کی جانب اپنی کتاب ''تفسیروں میں اسرائیلی روایات'' میں مدلل اشارہ کیا ہے۔راقم نے اس کی اس اہمیت کے پیش نظراس پرایک مقالہ ''تفسیروں میں اسرائیلی روایات: مولانا اسیرادروی کی کتاب کا مطالعہ وتجزیہ'' کے عنوان سی سہ ماہی ''تحقیقات اسلامی'' (اپریل-جون ۲۰۲۳ء) میں تحریر کیا ہے۔ بہرکیف یہاں یہ بتانا ہے کہ ہماری

نعتیہ شاعری بھی اسرائیلیات سے پاک نہیں ہے۔

کم أبرأتْ وصِبا باللمس راحته واطلقت أرِباً من ربقة اللمم

(کتنے ہی بیمار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ لگانے سے شفایاب ہوگئے اور کتنے ہی جنون میں مبتلا افراد (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کے مس سے) نجات پا گئے۔)

وأحيته السنَةُ الشهباء دعوته حی حکت غرةً فی الاعصر الدهُم

(اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا نے سال قحط کو شاندار زندگی میں تبدیل کردیا اور تاریک ترین زمانوں کو روشن کردیا۔)

بعارض جاد أوخلتَ البطاحَ بها سیب من الیم أوسیل من العرم

(بادل سے اس قدر پانی نازل ہوا کہ تو وادیوں کو دریا تصور کرے یا سیل رواں گمان کرے۔)

فالدر یزداد حسنا وھو منتظم ولیس ینقص قدراً غیر منتظم

(اگر موتیاں پرو دی جائیں تو ان کا حسن مزید دوبالا ہوجاتا ہے۔ ویسے غیر منظوم موتیوں کی قدر دانی میں کمی نہیں آتی۔)

بوصیری نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتِ اقدس کو معجزوں سے ابھارنے کی کوشش کی ہے۔ انہی معجزوں کی بنیاد پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس بہت سے امتیازات سے منتسب کی گئی ہے۔ مناسب ہوتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کی تفسیر کے لیے قرآن کریم کو مرجع کی حیثیت دی جاتی، لیکن بوصیری نے اس پہلو سے اپنی نعتیہ شاعری کو مضبوط نہیں بنایا ہے۔ قصیدہ بردہ کے مضامین زیادہ تر معجزوں کے اردگرد طواف کرتے ہوئے نظر آتے ہیں جس کی وجہ سے اسے بہت اعلیٰ مقام حاصل نہیں ہے۔ ویسے بوصیری نے اپنے قصائد میں کہیں کہیں قرآن کریم کی عظمت کو بیان کیا ہے اس قصیدہ میں بھی قرآن کریم کی عظمت کو ابھارنے کی کوشش کی ہے:

آیَاتُ حَقٍ مِنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَقة قَدِیْمَةٌ صِفَةُ المَوْصُوفِ بِالْقِدَمِ

(اللہ کی جانب سے نازل کردہ آیات حق پر مبنی ہیں اور ایک خاص نظام سے مربوط ہیں، یہ آیات قدیم ہیں، اللہ تعالیٰ کی صفت قدامت سے عبارت ہیں۔)

لَمْ تَقْتَرِنْ بِزَمَانٍ وَهِیَ تُخْبِرُنَا عنه المَعَادِ وَعَنْ عَادٍ وَعَنْ إِرَمِ

(یہ آیات کریمہ کسی خاص عہد سے ہی متصف نہیں ہیں، یہ ہمیں روز آخرت کے متعلق بتاتی ہیں قوم عاد اور قوم ارم کے احوال سے باخبر کرتی ہیں۔)

دَامَتْ لَدَیْنَا فَفَاقَتْ کُلَّ مُعْجِزَۃٍ مِنَ النَّبِیّٖنَ اِذْجَاءَتْ وَلَمْ تَدُمِ

(ہمارے پاس یہ آیات کریمہ ہمیشہ رہیں گی، انھیں دیگر انبیاء کرام کے تمام معجزوں پر فوقیت حاصل ہے۔ جنھیں دوام حاصل نہیں ہے۔)

مُحَکَّمَاتٌ فَمَا تُبْقِیْنَ مِنْ شُبْہٍ لِذِی شِقَاقٍ وَمَاتَبْغِیْنَ مِنْ حَکَمِ

(یہ آیات کریمہ اس قدر محکم ہیں کہ دشمنوں کو ان میں شک کی گنجائش نہیں اور نہ ہی یہ آیات کریمہ اپنے باب میں کسی صراحت کی محتاج ہیں۔)

مَاحُورِبَتْ قَطُّ اِلَّا عَادَ مِنْ حَرَبٍ أَعْدَی الاَعَادِی اِلَیْھَا مُلْقِیَ السَّلَمِ

(جب ان آیات کریمہ سے کسی بدترین دشمن نے جنگ برپا کی تو اسے صلح وصفائی کے علاوہ کوئی چارہ نظر نہ آیا۔)

رَدَّتْ بَلَاغَتُھَا دَعْوٰی مُعَارِضِھَا رَدَّ الغَیُورِ یَدَ الجَانِی عَنِ الْحُرَمِ

(آیات کریمہ کی بلاغت نے اپنے معارضین کے دعووں کی تردید کردی ہے جسے ایک غیرت مند، گناہ گار کے ہاتھ کو اپنی بیویوں سے روک دیتا ہے۔)

لَھَا مَعَانٍ کَمَوْجِ الْبَحْرِ فِی مَدَدٍ وَفَوْقَ جَوْھَرِہٖ فِی الْحُسْنِ وَالْقِیَمِ

(آیات کریمہ معانی سے لبریز ہیں جس طرح بہتا اور پھیلایا ہوا دریا متموج ہے، یہ آیات کریمہ اپنے حسن وجمال اور اساسیات میں جوہر سمندر سے کہیں بالاتر ہیں۔)

فَمَا تُعَدُّ وَ لَا تُحْصیٰ عَجَائِبُھَا وَلاتُسَامُ عَلَی الِاکْثَارِ بِالسَّأَمِ

(قرآن کریم کے عجائب بے حدوحساب ہیں۔ کثرتِ عجائب کا احاطہ کیا جانا ناممکن ہے۔)

مذکورہ بالا اشعار کی روشنی میں یہ کہنا ہرگز دشوار نہیں کہ بوصیری قرآن کریم کے تہہ خانوں سے بخوبی واقف تھے جو حالات کے ساتھ کھلتے اور اپنی حکمتوں کو اگلتے رہیں گے، ان خیالات سے مترشح ہے کہ بوصیری نظم قرآن کے قائل تھے جس کے لیے انھوں نے ''محدقۃ'' کا لفظ استعمال کیا ہے۔ یہ بھی پتا چلتا ہے کہ وہ قرآن کریم کی قدامت کے قائل ہیں جن کو کبھی حداثت لاحق نہیں ہوسکتی ہے، لوح محفوظ میں اس کی موجودگی اس کے غیر فانی ہونے پر دال ہے۔ اسی لیے بوصیری نے دیگر انبیاء کرام کے معجزوں کو حادث قرار دیا ہے، بوصیری نے قرآن کریم کے متعلق بتایا کہ یہ کسی عہد سے عبارت نہیں ہے بلکہ ہر عہد کی کتاب اور اس میں ہر عہد کی ترجمانی ہے، اسی لیے اس کی آیات کریمہ کو کسی خاص تناظر میں دیکھنا مناسب نہیں ہے۔ بلکہ یہ ہر دور میں کتاب ہدایت رہے گی۔ بوصیری نے یہ بھی

وضاحت کی ہے کہ اس کے مخالفین نے شکست فاش کا سامنا کیا۔ بوصیری نے یہ بھی وضاحت کی کہ معانی ومفاہیم اور معارف وحکم کے اعتبار سے فرقان حمید بحر بے کراں ہے۔ اس میں کلام نہیں کہ بوصیری قرآنی حقائق سے بخوبی واقف تھے۔

قَرَّتْ بِهَا عَيْنُ قَارِيْهَا فَقُلْتُ لَهُ لَقَدْ ظَفِرْتَ بِحَبْلِ اللّٰهِ فَاعْتَصِمِ

(آیات کریمہ کی تلاوت کرنے والوں کی آنکھوں کو قرار ملتا ہے۔ تلاوت قرآن کرنے والے سے میں نے کہا کہ تم اللہ کی رسی سے وابستہ ہو کر سرفراز ہوئے ہو بس اسے مضبوطی سے تھامے رہو۔)

اِنْ تَتْلُهَا خِيْفَةً مِنْ حَرِّ نَارِ لَظَى أَطْفَأْتَ نار لَظَى مِنْ وِرْدِهَا الشَّجِمِ

(اگر تم دہکتی ہوئی آگ کے ڈر سے قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہو تو تم نے اس دہکتی ہوئی آگ پر آیات کریمہ کے سرد پانی کے ڈالنے سے اسے بجھا دیا۔)

كَأَنَّهَا الْحَوْضُ تَبْيَضُّ الوُجُوْهُ بِهِ مِنَ الْعُصَاةِ وَقَدْ جَاءُ وهُ كَالْحُمَمِ

(یہ آیات کریمہ حوض کوثر ہیں جس کے پانی کو پینے سے چہرے روشن ہو جاتے ہیں اور نافرمانوں سے ممتاز ہو جاتے ہیں۔ یہ حوض کوثر کے پاس سیہ رو کھڑے تھے۔)

وَكَالصِّرَاطِ وَكَالمِيْزَانِ مَعْدِلَةً فَالْقِسْطُ مِنْ غَيْرِهَا فِى النَّاسِ لَمْ يَقُمِ

(یہ آیات کریمہ عدل کے اعتبار سے میزان کی مانند ہیں، ان آیات کریمہ کے برعکس معاشرے میں قیام عدل ناممکن ہے۔)

لَاتَعْجَبَنْ لِحَسُوْدٍ رَاحَ يُنْكِرُهَا تَجَاهُلًا وَهُوَ عَيْنُ الحَاذِقِ الفَهِمِ

(اگر حاسد عمداً ان آیات کریمہ کا انکار کرتا ہے تو یہ باعث حیرت نہیں، کیوں کہ یہ منکر انتہائی چتر اور زیرک ہے۔)

قَدْ تُنْكِرُ الْعَيْنُ ضَوءَ الشَّمْسِ مِنْ رَمَدٍ وَيُنْكِرُ الْفَمُ طَعْمَ المَاءِ مِنْ سَقَمِ

(اور آنکھ آفتاب کی تابانی کا انکار اپنے مرض کے سبب کرتی ہے اور منہ پانی کے ذائقے کا انکار بیماری کے سبب کرتا ہے۔)

مذکورہ اشعار میں دنیا کے سب سے بڑے معجزہ قرآن کریم کے اوصاف پر بوصیری نے روشنی ڈالی ہے۔ سب سے پہلے تو اس نے یہ کہا کہ یہ کتابِ ربانی طمانیت قلب ہے۔ اس کی تلاوت سے انسان جہنم کی آگ سے بچ سکتا ہے۔ تلاوت قرآن سے چہروں کو تازگی اور شگفتگی ملتی ہے اس کی آیات کریمہ کے اندر حوض کوثر کی کیفیت وتاثیر ہے۔ جس کا پانی جسم وجان دونوں کے لیے نفع بخش ہے۔ یہ

کتاب ربانی عدل وانصاف کا صحیفہ ہے۔اس کے بغیر دنیا میں قیام عدل کا تصور باطل ہے۔لیکن حاسدین ومعاندین نے قصداًاس کے وقار کولائق التفات گوارہ نہ کیا،لیکن یہ تمام چیزیں ان کے ذہنی فساد کا پتا دیتی ہیں،انسان کی فکر مرجائے تو اسے محاسن نظر نہیں آتے۔حسن وجمال اس کی آنکھوں میں چبھتا ہے۔بوصیری نے امتیازات قرآن کو بڑے تدبر کے ساتھ منظر عام پر لانے کی کوشش کی ہے۔قرآن کریم کو حوض کوثر سے تشبیہ دے کر اس کی تمام رفعتوں کو بیان کردیا ہے۔دراصل وہ یہ بتانا چاہتا ہے کہ جسے اتنی عظیم کتاب دی گئی ہو اس سے اس کے وقار کا اندازہ لگانا دشوار نہیں۔

یَا خَیرَ مَن یَمَّمَ لعافُونَ سَاحَتَهُ سَعیًا وَفَوق مُتُونِ الأینَقِ الرّسُمِ

(اے ذات اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی منزل کا طلب گار ہوتے ہوئے لوگوں نے قصد کیا، دوڑتے رہے اور تیز رفتار اونٹوں کی پشت پر سوار ہوتے ہوئے۔)

وَمَنْ هُوَ الآیَةُ الْکُبریٰ لِمُعْتَبِرٍ وَمَنْ هُوَ النِّعْمَةُ العُظْمیٰ لِمُغْتَنِمِ

(یقیناً یہ ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یقین کرنے والوں کے لے ''آیت کبریٰ'' ہے اور یہ ذاتِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارباب غنیمت کے لیے نعمت عظمیٰ ہے۔)

سَرَیْتَ مِنْ حَرَمٍ لَیْلًا اِلٰی حَرَمٍ کَمَا سَرَیٰ الْبَدْرُ فِی دَاجٍ مِنَ الظُّلَمِ

(آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شبِ معراج میں خانہ کعبہ سے بیت المقدس کا سفر اس طرح کیا جیسے بدر کامل شب دیجور میں چلتا ہو۔)

وَبِتَّ تَرْقیٰ اِلٰی اَنْ نِلْتَ مَنْزِلَةً مِنْ قَابِ قَوْسَیْنِ لَمْ تُدْرَكَ وَلَمْ تُرَمِ

(اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم مستقل بلندی کی جانب چڑھتے گئے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قاب قوسین کی منزلت نصیب آئی۔یہ چیز ادراک سے بالاتر ہے اور عزم وارادے سے پرے ہے)

وَقَدَّمَتْكَ جَمِیْعُ الْاَنْبِیَاءِ بِهَا وَالرُّسُلِ تَقْدِیْمَ مَخْدُوْمٍ عَلَی خَدَمِ

(اسی رتبے کے سبب تمام انبیاء کرام اور رسل عظام علیہم السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مقدم کیا جس طرح خدام اپنے مخدوم کو تقدیم بخشتے ہیں۔)

وَأنتَ تَخْتَرِقُ السَّبْعَ الطِّبَاقَ بِهِمْ فِی مَوْکِبٍ کُنْتَ فِیْهِ صَاحِبَ الْعَلَمِ

(اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم آسمان کے ساتوں طبق سے گزرتے تھے،ایسا محسوس ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جلوس میں ہوں جس کی قیادت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہو۔)

کَیْمَا تَفُوزَ بِوَصْلٍ أیِّ مُسْتَتِرٍ عَنِ الْعُیُونِ وَسِرٍّ أیِّ مُکْتَتَمِ

(آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سامنا ایسی چیزوں سے ہوا جو آنکھوں سے مخفی تھیں اور یہ سب ایسے راز تھے جو پس پردہ تھے۔)

مذکورہ اشعار میں شب معراج کا ذکر ہے۔ایک طبقہ ایسا ہے جو معراج کو نیامی مانتا ہے، جب کہ قرآن کریم کے الفاظ پر غور کیا جائے تو یہ جسمانی ہے۔ دوسری ایک وضاحت یہ ہے کہ خانہ کعبہ سے بیت المقدس کا سفر چالیس دن کا ہے۔قرآن کریم نے اسے ''لیلاً'' کہہ کر یہ وضاحت کی ہے کہ رات کے ایک مختصر حصے میں یہ سفر طے ہوا جس کو قرآن کریم کی زبان میں ''اسراء'' کہا گیا ہے۔اس کے بعد جو آسمانی سفر ہے اسے معراج کہا جاتا ہے۔ جہاں جا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام انبیاء کرام کو نماز پڑھائی۔ سر سید اور بہت سے دیگر محققین نے اس پر اظہار خیال کیا ہے۔ یہ بات اسی سلسلے میں آ چکی ہے کہ سر سید نے اسے روحانی تسلیم کیا ہے۔لیکن مصطفیٰ صادق الرافعی اور دیگر مفسرین نے اسے جسمانی تسلیم کیا ہے۔قرآنی الفاظ سے اگر شواہد بتائے جائیں تو راقم کے نزدیک معراج جسمانی ہوئی ہے۔ لیکن اس کی بنیاد پر کفر و اسلام کا مسئلہ کھڑا کیا جائے یہ مناسب نہیں ہے۔

وَجَلَّ مِقْدَارُ مَا وُلِّيتَ مِنْ رُتَبٍ وَعَزَّ اِدْرَاكُ مَا أُولِيتَ مِنْ نِعَمِ

(آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کردہ رتبے نہایت جلیل القدر ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر برپا کردہ نعمتیں نا قابلِ فہم ہیں۔)

بُشْرَىٰ لَنَا مَعْشَرَ الِاسْلَامِ إِنَّ لَنَا مِنَ الْعِنَايَةِ رُكْنًا غَيْرَ مُنْهَدِمِ

(اے برادران اسلام! ہمیں ایسا رکن عنایت کیا گیا جو غیر منہدم ہے۔)

لَمَّا دَعَا اللّٰهُ دَاعِيْنَا لِطَاعَتِهِ بِأَكْرَمِ الرُّسْلِ كُنَّا أَكْرَمَ الْأُمَمِ

(جب اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہادیٔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا جو اکرم الرسل ہیں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے سبب ہمیں اکرم الامم کا درجہ عطا کیا گیا ہے۔)

بوصیری نے اس قصیدے میں جہاد کی معنویت کا بھی ذکر کیا ہے۔قرآن کریم میں اسلامی جنگوں کے لیے جہاد اور قتال دونوں لفظ مستعمل ہوئے ہیں تاکہ جہاد کی حقیقت منظر عام پر آ جائے۔ایک طبقہ ایسا ہے جو لفظ جہاد کی لغوی تحقیق کرتے ہوئے جہاد پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتا ہے، لیکن لفظ قتال ان کی ذہنیت کو کھول دیتا ہے کہ جہاد کی مختلف قسمیں ہو سکتی ہیں لیکن اصل جہاد یہ ہے کہ بوقت ضرورت دشمنان انسانیت کو زیر کرنے کے لیے میدانِ جنگ میں زرع پوش ہو کر شمشیر بکف ہوا جائے۔ لفظ قتال سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ جہاد کی اصل تعریف دونوں لفظ کے بغیر ممکن نہیں۔ راقم نے اپنے

مقالہ ''گیتا اور قرآن کریم-موازنہ'' (قرآنیات وادبیات، پروفیسر ابوسفیان اصلاحی، اوروا پرنٹرس، شاہدرہ، دہلی، ۲۰۱۴ء، طبع اول ستمبر ۲۰۱۴ء، ص: ۲۷۵-۲۹۸) میں ثابت کیا ہے کہ گیتا میں دہشت گرد اور عدد انسانیت سے جنگ کرنے کی بات کہی گئی ہے۔ یہی نقطہ نظر قرآن پیش کرتا ہے تو اس پر ہمارے ہندوستانیوں اور مخالفین امت کو اعتراض ہوتا ہے اور جہاد کو ایک لعنت کی طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ جب کہ جہاد رحمت اور بنی نوع انسان کے لیے ایک نعمت ہے۔ قرآن کریم سے واضح ہے کہ دشمنانِ انسانیت کو بے دست و پا کرنے کا نام جہاد وقتال ہے۔

کَأنَّمَا الدِّیْنُ ضَیفٌ حَلَّ سَاحَتَهُمْ بِکُلِّ قَرْمٍ اِلَی لَحْمِ العِدَا قَرِمِ

(دین اسلام ایک ایسا مہمان ہے جو دشمنانِ اسلام کے گھروں میں داخل ہو گیا ہے۔ وہ ان کے گوشت کے کھانے کے سلسلے میں حد درجہ خواہش مند ہے۔)

یَجُرُّ بَحْرَ خَمِیْسٍ فَوْقَ سَابِحَةٍ یَرْمِی بِمَوْجٍ مِنَ الْاِبْطَالِ مُلْتَطِمِ

(دین اسلام نے ایک ایسے لشکر کو ترتیب دیا ہے جو بحرِ بے کراں کی مانند متموج ہے۔ یہ تیز رفتار گھوڑوں پر مشتمل ہے۔ یہ دریا سورماؤں کے ساتھ تھپیڑے لگا رہا ہے۔)

مِنْ کُلِّ مُنْتَدَبٍ لِلّٰهِ مُحْتَسِبٍ یَسْطُو بِمُسْتَأصِلٍ لِلْکُفْرِ مُصْطَلِمِ

(اللہ سے رجوع کرنے والا پر امید ہے کہ وہ کفر کو جڑ سے اکھاڑ کر نیست و نابود کر دے گا۔)

هُمُ الْجِبَالُ فَسَلْ عَنْهُمْ مَصَادِمَهُمْ مَاذَا رَأیَ مِنْهُمْ فِی کُلِّ مُصْطَدَمِ

(صحابہ کرام مانند پہاڑ ہیں، ان سے کافروں کو صدمے پہنچانے کی خبریں معلوم کی جا سکتی ہیں کہ کفار نے معرکہ آرائیوں میں ان کا کس طرح سامنا کیا ہے۔)

وَسَلْ حُنَیْنًا وَسَلْ بَدْراً وَسَلْ أُحُداً فُصُولَ حَتْفٍ لَهُمْ اَدْهَی مِنَ الوَخَمِ

(ان سے جنگ حنین، جنگ بدر اور جنگ احد کے احوال دریافت کرو، موت کے یہ موسم ان کے نزدیک وباء سے سنگین تھے۔)

وَالْکَاتِبِیْنَ بِسُمْرِ الخَطِّ مَا تَرَکَتْ اَقْلَامُهُمْ حَرْفَ جِسْمٍ غَیْرَ مُنْعَجِمِ

(اور یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نیزوں سے خط لکھنے والے ہیں، ان کے اقلام نے کسی بھی جسم حرف کو غیر مضروب نہیں چھوڑا (یعنی ان کی تلواروں نے دشمنانِ اسلام کے ایک ایک عضو پر تلواریں جلائیں)

شَاکِی السِّلَاحِ لَهُمْ سِیْمَا تُمَیِّزُهُمْ وَالْوَرْدُ یَمْتَازُ بِالسِّیمَا عَنِ السَّلَمِ

(صحابہ کرام رضی اللہ عنہ ہتھیار بند رہتے، یہی ان کا امتیاز ہے، جس طرح خار دار گلاب بغیر

خاردار پھولوں سے ممتاز ہوتا ہے۔)

تُهْدِی اِلَيْكَ رِيَاحُ النَّصْرِ نَشْرَهُمْ   فَتَحْسَبُ الزَّهْرَ فِی الأَكْمَامِ كُلَّ كَمِی

(ہوا نے نصرت سے تمھیں ان کی خوشخبریاں پیش کیں، تم یہ گمان کرتے ہو کہ گلاب غلاف کے اندر چھپا ہوا رہے گا۔)

كَأَنَّهُمْ فِی ظُهُورِ الخَيْلِ نَبْتُ رُباً   مِن شِدَّةِ الحَزْمِ لَا مِن شِدَّةِ الحُزُمِ

(گویا وہ اپنے گھوڑوں کی پشت پر اپنے عزم صمیم سے اس طرح جمے ہیں جیسے ٹیلوں پر کھڑے درخت (میدان جنگ میں ان کا یہ جما رہنا تنگ کسنے کی وجہ سے نہیں ہے۔)

وَمَنْ تَكُنْ بِرَسُولِ اللّٰهِ نُصْرَتُهُ   اِنْ تَلْقَهُ الْاُسْدُ فِی آجَامِهَا تَجِمِ

(اور اگر کسی کو نصرت رسالت حاصل ہو تو کچھار میں رہنے والے شیر اس کے سامنے سرنگوں ہو جائے)

وَلَنْ تَرىٰ مِنْ وَلِيٍّ غَيْرِ مُنْتَصِرٍ   بِهِ وَلَا مِنْ عَدُوٍّ غَيْرِ مُنْقَصِمِ

(اور اگر کوئی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دوست ہو تو یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ بے یارومددگار رہو، اسی طرح اگر کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن ہو تو یہ ممکن نہیں ہے کہ اس پر کاری ضرب نہ لگائی گئی ہو)

اَحَلَّ اُمَّتَهُ فِی حِرْزِ مِلَّتِهِ   كَاللَّيْثِ حَلَّ مَعَ الأَشْبَالِ فِی أَجَمِ

(آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو اپنی پناہ میں لے لیا ہے، جس طرح شیر اپنے بچوں کو اپنی کچھار میں لے لیتا ہے۔)

مذکورہ اشعار میں بوصیری نے اسلامی جنگوں کا ذکر کیا ہے، اسی ضمن میں صحابہ کرام کی خدمات، شجاعت اور عزم وحوصلہ کا بھی ذکر کیا ہے، انھوں نے اپنے دینی جذبہ کے سبب دشمنانِ اسلام اور مخالفین رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ بوصیری نے فرمایا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ دین اسلام کا ایسا لشکر ہیں جو میدان جنگ میں اسی طرح پا بہ استقلال ہیں جس طرح ٹیلوں پر درخت اٹل ہیں۔ انھوں نے اپنے نیزوں سے دشمنانِ اسلام کو ریزہ ریزہ کر دیا۔ اشاعت اسلام، جہاد اور انسانیت کے فروغ کا مقصد یہ تھا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو حصن حصین عطا کر دیں، چنانچہ اسلام ایک مضبوط قلعہ ہے۔ اگر اس قلعہ کی حفاظت کی جائے اور اس کی چھت کے نیچے رہنے کو پسند کیا جائے تو دنیا کی تمام خطرناک چیزوں سے بچا جا سکتا ہے اور دشمنانِ ملت کو زیر کیا جا سکتا ہے۔

بوصیری کی نعتیہ شاعری کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ انھوں نے اپنے گناہوں، اپنی تقصیرات اور اپنی شاعرانہ بے راہ روی کا ذکر کیا ہے۔ جس میں موثر آہ وزاری، اپنے غلط اقدامات پر شرم ساری اور

اپنی سیہ کاریوں کا ایسا اعتراف ہے کہ جس کی تاثیر سے قاری کی آنکھوں میں آنسو آجائے۔ اپنی بداعمالیوں کا بارگراں لے کر دربار رسالت میں حاضر ہوتا ہے تاکہ سبک سر ہوجائے۔ اشکبار ہوتے ہوئے عفوودرگزر کا طلب گار ہوتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عنایات کے حصول کے لیے گڑگڑاتا اور کپکپاتا ہے تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے سرفراز ہوجائے۔ بوصیری کے اندر اخلاص بے پایاں اور حب رسول کی بے کرانی ہے اور یہی چیز اس کے تصورات اور احساسات کو مزید موثر بنادیتی ہے۔ بار بار اپنی نعتیہ شاعری کا حوالہ دیتا ہے تاکہ دربار رسالت میں اس کی سن لی جائے۔

خَدَمْتُهُ بِمَدِيحٍ اَسْتَقِيْلُ بِهِ ذُنُوبَ عُمْرٍ مَضىٰ فِى الشِّعْرِ وَالخِدَمِ

(میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعمتوں کے ذریعہ مدح سرائی اس لیے کی ہے کہ عمر بھر شاعری اور سلاطین کے حوالے سے جو کوتاہیاں سرزد ہوئی وہ معاف ہوجائیں۔)

اِذْ قَلَّدَانِىَ مَا تُخْشَى عَوَاقِبُهُ كَأَنَّنِىْ بِهِمَا هَدْىٌ مِنَ النَّعَمِ

(انہی دونوں چیزوں (شاعری اور دربارنوازی) نے میری گردن میں ایسا قلادہ ڈال دیا ہے جس کے عواقب سے ہراساں ہوں۔)

اَطَعْتُ غَىَّ الصِّبَا فِى الْحَالَتَيْنِ وَمَا حَصَلْتُ اِلَّا عَلَى الآثَامِ وَالنَّدَمِ

(میں نے ابتداءً دونوں حالتوں میں ضلالت کو پسند کیا، چنانچہ میرے حصے میں گناہوں اور ندامتوں کے سوا کچھ نہ آیا۔)

فَيَا خَسَارَةَ نَفْسٍ فِى تِجَارَتِها لَمْ تَشْتَرِ الدِّينَ بِالدُّنْيَا وَلَم تَسُمِ

(نفس (امارہ) کی تجارت پر افسوس صد افسوس کہ اس نے دنیا کے عوض دین کو نہ خریدا اور نہ ہی (اس کا) مول بھاؤ کیا۔)

وَمَنْ يَبِعْ آجِلًا مِنْهُ بِعَاجِلِهِ يَبِنْ لَهُ الغَبْنُ فِى بَيْعٍ وَفِى سَلَمِ

(جو شخص دنیاوی نفع کو اخروی نفع پر ترجیح دیتا ہے تو اسے موجودہ خریداری اور آئندہ خریداری میں نقصان سے گزرنا پڑتا ہے۔)

إن آتِ ذَنْبًا فَمَا عَهْدِى بِمُنْتَقِضٍ مِنَ النَّبِىِّ وَلَاحَبْلِى بِمُنْصَرِمِ

(اگرچہ میں نے گناہ کیے ہیں لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے میرا پیمان ٹوٹا ہوا نہیں ہے اور نہ ہی میری رسی (آپ صلی اللہ علیہ وسلم) سے غیر منقطع ہے۔)

فَاِنَّ لِى ذِمَّةً مِنْهُ بِتَسْمِيَتِى مُحَمَّداً وَهُوَ أوْفىٰ الخَلْقِ بِالذِّمَمِ

(یقیناً مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دست گیری یوں حاصل ہے کہ میرا نام محمد ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم دست گیریوں اور ذمہ داریوں کو سب سے زیادہ نباہنے والے ہیں۔)

مذکورہ اشعار میں بوصیری نے بڑے واضح انداز میں اس کا اعتراف کیا کہ پوری عمر شاعری کی بھول بھلیوں میں گزری یا بادشاہوں کی مدح سرائیوں میں بیتی، یہ دونوں قلادے گردن میں پڑے ہوئے ہیں مجھے امید کامل ہے کہ یہ میرے نعتیہ قصائد میرے عفوودرگزر کا ذریعہ بن جائیں گے۔ میں نے تاحیات ایسی دنیاوی تجارت کی ہے کہ آخرت کے لیے کوئی سامان نہیں ہے۔ سینہ کوبی کے سوا میرے پاس کچھ نہیں۔ زندگی بھر دنیا کو خریدتا رہا، اسے مناتا اور اس کے نخرے اٹھاتا رہا۔ آج جب چل چلاؤ ہے، زادراہ کا کوئی اہتمام نہیں تو آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں، دل کے اندر اضطراب واحتراق برپا ہے۔ لیکن دربار رسالت سے میرا باندھا ہوا پیمان غیر منقطع ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے غیر منفصل رشتہ ہے۔ بوصیری نے تو یہ کہہ کر کمال ہی کر دیا ہے کہ میرے نام کے ساتھ محمد لگا ہوا ہے، یہی انتساب واختصاص مجھے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ضمانت دے گا۔ اسم محمد شدائد قیامت سے بچنے کی شہادت ہے۔ اس سے بڑی شہادت وضمانت دنیا میں کوئی نہیں۔ اس شہادت کے بغیر انسان کی تمام کارگزاریاں باطل ہیں، اسی لیے بوصیری کو یقین کامل ہے کہ آخرت میں اس کا سہارا ضرور کام آئے گا۔

إنْ لَمْ يَكُنْ فِي مَعَادِي أخِذاً بِيَدِي فَضْلًا وَإلَّا فَقُلْ يَا زَلَّةَ القَدَمِ

(اگر بیوم معاد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دستگیری مجھے حاصل نہ رہی تو بجز اس کے کہ قدم پھسل جائیں گے کوئی صورت نظر نہیں آتی۔)

حَاشَاهُ أن يَحْرِمَ الرَّاجِي مَكَارِمَهُ أوْ يَرْجِعَ الجَارُ مِنْهُ غَيْرَ مُحْتَرَمِ

(کیا یہ ممکن ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے امید رکھنے والا محروم رہے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ لینے والا غیر محفوظ رہے؟)

وَمُنْذُ ألْزَمْتُ افْكَارِي مَدَائِحَهُ وَجَدْتُهُ لِخَلَاصِي خَيْرَ مُلْتَزِمِ

(اور جب سے میں نے اپنے فکر وفہم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح سرائیوں سے ملتزم کر دیا ہے تو میں نے اپنی نجات کا ایک بہترین راستہ تلاش کر لیا ہے۔)

لن يفوت الغنى منه يداً تربت ان الحيا يُنبت الأزهارَ فى الاكَم

(جس ہاتھ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربت مس ہوگئی اس سے خوش حالی کبھی فوت نہ ہوگی، بارش ٹیلوں کو سبزہ زار بناتی ہے۔)

وَلَمْ اُرِدْ زَهْرَةَ الدُّنْيَـا الَّتِى اقْتَطَفَتْ يَـدَا زُهَيْـرٍ بِـمَـا اَثْـنَـى عَـلَى هَرِمِ

(اور میں دنیا کے ان پھولوں کے پاس نہیں آیا جنھیں زہیر کے ہاتھوں نے ہرم بن سنان کی تعریف کرکے حاصل کیا۔)

يَـا اَكْـرَمَ الـرُّسُلِ مَالِى مَنْ اَلُوذُ بِهِ سِـوَاكَ عِـنْدَ حُلُولِ الْحَـادِثِ الْعَمَمِ

(اے اکرم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم! میرے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سوا کون ہے کہ حوادث عامہ کے وقت جس کی پناہ لوں۔)

وَلَـنْ يَضِيْقَ رَسُولَ اللّٰهِ جَاهُكَ بِى اِذَا الْـكَـرِيْـمُ تَـجَـلَّـى بِاسْمِ مُنْتَقِمِ

(اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جاہ وجلال میرے تئیں ہرگز تنگ نہ ہوگا، جس وقت رب کریم بحیثیت منتقم جلوہ گر ہوں گے۔)

فَـاِنَّ مِـن جُـودِكَ الـدُّنْيَا وَضَرَّتَهَا وَمِـنْ عُـلُـومِكَ عِـلْـمَ اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ

(بے شک دنیا اور آخرت دونوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نوازشوں کا تعلق ہے۔لوح وقلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم سے خارج نہیں ہیں۔)

يَـا نَـفْسُ لَاتَقْنَطِى مِن زَلَّةٍ عَظُمَتْ اِنَّ الْـكَـبَـائِـرَ فِـى الْـغُـفْرَانِ كَاللَّمَمِ

(اے نفس! تم اپنے عظیم ترین گناہ کے بعد بھی ناامید نہ ہونا، بے شک گناہ کبیرہ بخشش کے سامنے رتی برابر ہیں۔)

مذکورہ اشعار میں بوصیری نے اپنی بے بسی اور بے بضاعتی کا ذکر کیا ہے۔اس کا یہ اعتراف کس قدر حسین ہے کہ اس نے اپنے ذکر وفکر کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح سرائی کے سپرد کر دیا ہے۔ بوصیری نے اپنی نعتیہ شاعری کا امتیاز بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ میں زہیرؔ کی طرح درباری شاعری نہیں کرتا کہ جس کی وجہ سے خواہشات کی تکمیل ہو، میں تو ثنا خوانِ رسول ہوں۔اور اسی ثنا خوانی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہات کا طالب ہوں۔ بوصیری کا یہ تصور بالکل غلط ہے کہ روز جزاء جب اللہ کا ظہور ہوگا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جلالت اور شفاعت کام آئے گی یہ تصور صریحاً قرآن کریم کے خلاف ہے۔قرآن کریم میں یہ صراحت موجود ہے کہ عدل ربانی کسی چیز سے متاثر نہ ہوگا۔اس موضوع پر سید قطب شہید اور مولانا صدرالدین اصلاحی کی تحریریں لائق مطالعہ ہیں۔بہرکیف بوصیری کی یہ التجاء اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مطہرہ سے یہ انسلاک والتحاق لائق ستائش ہے۔ یقیناً نعتیہ شاعری کو ایک آہنگ دینے میں اس قصیدے کا قابل ذکر رول ہے۔معنوی اعتبار سے

بوصیری سے اختلاف ممکن ہے۔لیکن فنی اعتبار سے اس کی بلندیاں نا قابل تردید ہیں۔

لَعَلَّ رَحْمَةَ رَبِّی حِیْنَ یَقْسِمُهَا تَأْتِی عَلَی حَسَبِ الْعِصْیَانِ فِی الْقِسَمِ

(امید ہے کہ جب میرا رب اپنی رحمتوں کو تقسیم کرر ہا ہوتو کثرتِ عصیان کے مطابق اس پر اسی طرح بکثرت اس کے رحمتوں کی بارش ہوں۔)

یَا رَبِّ وَاجْعَلْ رَجَائِی غَیْرَ مُنْعَکِسٍ لَدَیْكَ وَاجْعَلْ حِسَابِی غَیْرَ مُنْخَرِمِ

(اے میرے رب! آپ سے وابستہ میری امید کواوندھے منھ نہ پلٹئے گااور میری امید کورسوانہ کیجیے گا)

وَالْطُفْ بِعَبْدِكَ فِی الدَّارَیْنِ لَهُ صَبْراً مَتٰی تَدْعُهُ الأَهْوَالُ یَنْهَزِمُ

(اے پروردگار! تو دونوں جہاں میں اپنے بندے پر لطف وکرم فرما، کیوں کہ مشکلات ومصائب میں صبر ساتھ چھوڑ دیتا ہے۔)

بوصیری کے یہاں ناامیدی کا تصور نہیں۔قرآن کریم میں ناامیدی پر سخت وعید ہے، حدیث میں یہ صراحت ہے کہ ناامیدی کفر ہے۔قرآن کریم میں جس توکل کی تعلیم دی گی ہے اس کا انحصار امید پر ہے۔ایمان امید کو تقویت بخشتا ہے، اللہ نے اپنے بندوں سے مانگنے اور اسے پکارنے سے منع کیا ہے اور یہ صراحت بھی کی ہے کہ "نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِن حَبْلِ الْوَرِیْد" (میں تو اس سے شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہوں)۔یہ تمام چیزیں بندوں کے اندر امید کی قندیل روشن کرتی ہیں۔بوصیری کی امید کا حال یہ ہے کہ وہ اپنے اعمال سیاہ کے مطابق اللہ کی رحمتوں کا امیدوار ہے۔وہ اپنے قریب مایوسیوں کو آنے نہیں دیتا۔قصیدہ بردہ کا اختتام درودوسلام پر ہوتا ہے۔

وائْذِنْ لِسُحْبِ صَلوٰةٍ مِنْكَ دَائِمَةٍ عَلَی النَّبِیِّ بِمُنْهَلٍّ وَمُنْسَجِمِ

(اے رب کریم! آبادیوں کو اجازت دے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درودوسلام کی موسلا دھار بارش برسائیں۔)

مَا رَنَّحَتْ عَذَبَاتِ الْبَانِ رِیحُ صَبًا وَاَطْرَبَ الْعِیْسَ حَادِی الْعِیْسِ بِالنَّغَمِ

(جب تک باد صبا ان کی شاخوں کو ہلاتی رہے اور حدی خواں اپنی نغمہ سرائی سے اونٹوں کو مست کردے)

بوصیری کا قصیدہ بردہ اپنے مضامین اور فنی محاسن کے سبب عربی نعتیہ شاعری میں منفرد منزلت کا حامل ہے۔اس قصیدے کی اوّلین خصوصیت یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقدار واوصاف کا خوبصورت تجزیہ کیا گیا ہے تاکہ اس توسط سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خیر البریہ قرار دیا جائے، ان اخلاقِ عالیہ کے بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ملت اسلامیہ کو اسوۂ حسنہ کی دعوت دی جائے، اور بتایا

جائے کہ اس کے بغیر دین و دنیا میں سرخروئی ناممکن ہے۔ بوصیری مختلف انداز سے امت کو سیرت پاک سے جوڑنے کا خواست گار ہے۔ اس قصیدے کا ایک دوسرا پہلو یہ ہے کہ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف معجزوں کا تذکرہ ہے جس کے متعلق راقم کا خیال ہے کہ ان میں بہت سے معجزے ایسے ہیں جن کا ثقاہت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بوصیری کا یہ انداز نہایت کمزور اور لائق تنقید ہے۔ اس کی پوری نعتیہ شاعری معجزوں سے مملوء ہے۔ اس سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مطہرہ متاثر ہوتی ہے۔ بوصیری نے معراج کا بھی ذکر کیا ہے۔ یہ ایک ایسی معرفت ہے جو کسی نبی کو حاصل نہیں ہے۔ عام رائے یہ ہے کہ معراج "**بجسده العنصری**" یعنی جسمانی ہوئی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کے متعلق فرمایا "**عرج بی الی السماء**" یعنی مجھے میرے ساتھ آسمان پر چڑھایا گیا، جس سے جسمانی معراج کا ترشح ہوتا ہے۔ محققین کا خیال ہے کہ معراج ہجرت سے ایک سال قبل رونما ہوئی تھی اور بعضوں کا خیال ہے کہ سالوں قبل واقع ہوئی تھی۔

قصیدۂ بردہ میں جہاد اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جہادی کارناموں کا ذکر ہے۔ ان کی تلواروں نے کفار و مشرکین کے زور کو پاش پاش کر دیا۔ انہی کوششوں سے اسلام کے حصن حصین کا قیام یعنی ریاست مدینہ وجود میں آئی، مولانا مودودی نے ''اسلامی ریاست'' اور معروف سیرت نگار پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی نے ''تنظیم ریاست'' میں اس حصن حصین کی عالمانہ تشریح کی ہے جس کی وجہ امت اسلامیہ تمام خطرات سے محفوظ ہوگئی، لیکن افسوس کہ آج یہ اسلامی ریاست امریکی ترجمان بن گئی، خود اس کے مفتی اسلام کے ترجمان نہیں بلکہ سعودی ترجمان بن گئے، سعودی پالیسیز کے مخالفین سلاخوں کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔

قصیدۂ بردہ کا ایک اساسی امتیاز یہ ہے کہ اس میں قرآن کریم کے مختلف محاسن کو ابھارا گیا ہے۔ اس کتاب کے بغیر دنیا میں قیام عدل ناممکن ہے۔ قرآن کریم ہر دور کی کتاب ہے ہر دور کے چیلنجز کو یہ قبول کرتی ہے۔ ان کے مدلل حل پیش کرتی رہے، یہی کتاب انسانوں کو عذاب سعیر سے نجات دلاسکتی ہے۔ یہ ایک دائمی معجزہ ہے جس کے اثرات ہر عہد میں نظر آئیں گے۔ مخالفین قرآن کریم نے طرح طرح سے قرآن کریم کی آواز کو دبانے کی کوششیں کیں لیکن شکست خوردگی کا شکار ہوکر رہ گئے۔ قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت اور اس کے اندر لسانی اسقام تلاش کیے۔ اور یہ سب ان کی بدنیتی پر مبنی تھا۔ قرآن کریم کتاب ربانی ہے اور رب کریم ہی اس کا مدون بھی جس کی وجہ سے انسانی عیاریاں اور مکاریاں بے معنی ہوکر رہ گئیں۔ بوصیری نے کئی اشعار میں قرآن کریم کی قدر و قیمت پر روشنی ڈالی ہے۔

اس کا اختتامیہ بڑا طویل ہے جس میں بوصیری نے اپنی کمزوریوں، بداعمالیوں اور اپنی گزشتہ بے مقصد شاعری کا ذکر کیا ہے۔ بڑے موثر انداز میں دربار رسالت میں ماتم کناں ہیں، بوصیری نے کہا کہ اس کا مجھے اعتراف ہے کہ میرے ساتھ گناہوں کا ڈھیر ہے، لیکن رب کریم سے امید ہے کہ اپنی رحمتوں کی کثرت کے سبب اس جم غفیر خطاؤں کو بخش دے گا، اس کی رحمتوں کا طلب گار ہوں۔ مجھے امید ہے کہ رسوا نہیں کیا جاؤں گا۔ میرے نام کے ساتھ محمد ہے، یہی اتصال شعاعِ امید ہے جو مجھے ظلمتوں سے باہر لائے گی، اخروی شدائد سے محفوظ رکھے گی۔ اسی طرح بوصیری کا یہ بھی خیال ہے کہ سیرت پاک سے میرا وہ اتصال وانسجام ہے کہ انقطاع کا امکان ہی نہیں۔ کیوں کہ بوصیری کو **"واعتصموا بحبل اللّٰہ جمیعا"** کا مکمل شعور ہے، یہی شعور انسان کو قعر مصائب سے بچالیتا ہے۔ بوصیری نے یہ بھی کہا کہ میرے ان ہاتھوں نے مدینہ منورہ کی تراب مقدس کو مس کیا ہے، نیز اس پر جبہ سائی کی ہے۔ اس لیے پُر امید ہوں کہ ذلتیں میرے قریب نہیں آئیں گی اور مجھے پناہ گاہ رسالت ضرور حاصل ہوگی کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن کرامت و دستِ سخاوت بہت وسیع ہے۔

بوصیری کا قصیدۂ بردہ اپنی معنویت اور لسانی رفعت کے پیش نظر ہمیشہ پڑھا جاتا رہے گا اور اس کی قوت کشش کبھی بھی از کار رفتہ نہیں ہوگی۔ اس کی تازگی، شگفتگی اور جاذبیت ناقدین ادب کے لیے ہمیشہ باعثِ التفات رہے گی اور یہی بوصیری کے زندہ رہنے کی ضمانت ہے۔ عربی نعتیہ شاعری کی تکمیل اس کے بغیر ناممکن ہے۔ اس میں کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ کو ہدف تنقید بنایا گیا ہے جو بہتر نہیں ہے، کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ کی بلندیاں دربار رسول کی عطا کردہ ہیں اس لیے اسے کچھ کہنا یا ان کی ماضی کی خطاؤں کا ذکر کرنا موزوں نہیں ہے اور کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ کے مدمقابل خود کو کھڑا کرنا اور ان کی شخصیت کو مجروح کرنا غیر مستحسن طریقہ ہے۔

بہر نوع بوصیری کی شخصیت نے نعتیہ شاعری میں ایک ایسا مینار کھڑا کیا ہے جسے مینار رسول کا درجہ حاصل ہے۔ قصیدۂ بردہ عربی نعتیہ شاعری کا سنگ میل ہے جس کی ضوفشانی تا قیامت برقرار رہے گی۔ اس کی حلاوت کو بقاء دوام حاصل ہے۔ بوصیری نے اپنے زندہ رہنے کا کتنا عظیم سامان کر دیا ہے۔ حب کریم کا ایسا بیج بویا ہے جو محبین رسول کو ہمیشہ مادی او روحانی آسودگی کا سامان فراہم کرتا رہے گا۔ اپنے نعتیہ قصائد میں بوصیری نے ایسا لباس تواضع اختیار کیا ہے جو اس کی انفرادیت کا سبب بن گیا ہے۔ بوصیری تقاضائے حب رسول سے۔

☆☆☆

ڈاکٹر راہی فدائی (بنگلور)

حاجی محمود مہاجر حسرتؔ
تیرہویں صدی ہجری کے ایک گمنام منظوم سیرت نگار

دکنی ادب کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ وہ نظم و نثر کی ابتدائی تحریروں اوران کی مختلف اصناف کا ماخذ و مصدر تسلیم کیا جاتا ہے۔اس امر کے ثبوت کے لئے حضرت بندہ نوازؔ (متوفی ۸۲۵ھ) کے دکنی رسائل ۱ نظامؔی بیدری کی مثنوی ''کدم راؤ پدم راؤ'' (تصنیف شدہ مابین ۸۲۵ھ تا ۸۳۹ھ)۲ اور محمد قلی قطب شاہ کا دیوان ۳ کا مطالعہ کافی ہے۔......کی انہی اولیات میں منظوم سیرت نگاری بھی ہے جس میں میلادنامہ، معراج نامہ، نورنامہ، شمائل نامہ، معجزات النبی، وفات نامہ وغیرہ شامل ہیں۔انہیں درحقیقت نعتیہ شاعری کے ضمن میں رکھا جانا چاہئے مگر جہاں تک منظوم سیرت کا تعلق ہے بقول ماہر دکنیات ڈاکٹر محمد علی اثرؔ اس کی شروعات قدرتؔی بیجاپوری کی تصنیف ''قصص الانبیاء'' (قبل ۱۰۹۰ھ) سے ہوتی ہے۔۴ بعد ازاں غوثؔ آرکانی (متوفی ۱۲۲۵ھ) کی مثنوی ''ریاض مسعود'' (تصنیف شدہ ۱۱۹۱ھ) کو اہمیت حاصل ہے۔۵ ان دونوں مثنویوں میں اوّل الذکر دس ہزار اشعار پر اور ثانی الذکر بارہ ہزار پانچ سو اشعار پر مشتمل ہے لیکن ان مثنویوں کا موضوع صرف حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ نہیں ہے بلکہ ان میں دیگر انبیاء و رسل کے قصے اور واقعے بھی شامل کئے گئے ہیں جیسا کہ ان کے نام کا تقاضا ہے۔

''ریاض مسعود'' کے قلمی نسخے سالار جنگ میوزیم لائبریری، حیدرآباد اور اورینٹل مینو اسکرپٹ لائبریری حیدرآباد کی زینت بڑھا رہے ہیں۔البتہ اردو میں مستقل و مفصل سیرت نبوی منظوم کرنے کی سعادت اردو کے اوّلین نقاد علامہ باقر آگاہ ویلوری (متوفی ۱۲۲۰ھ) کے حصے میں آئی، آپ نے ''ہشت بہشت'' کے نام سے منظوم سیرت تحریر کی جس کے جملہ اشعار نو ہزار ہیں، بقول مؤلف ''خانقاہ اقطاب ویلور کے علمی آثار۔''

''یہ (کتاب ہشت بہشت) دراصل آٹھ مختلف و مکمل رسالوں کا

مجموعہ ہے جن میں سے ہر ایک کے لئے مستقل حمد، نعت، منقبت غوث اعظم
اور مدح مرشد کے علاوہ الگ الگ اوزان کا بھی التزام کیا گیا ہے، یہ کتاب
ہشت بہشت درحقیقت امیر الامراء نواب حافظ محمد منور خاں امیر ابن والی
کرناٹک نواب محمد علی والا جاہ (متوفی ۱۲۱۰ھ) کی خواہش پر لکھی گئی۔ ان آٹھ
رسالوں میں سے ابتدائی چھ رسائل ۱۱۸۴ھ سے ۱۱۸۶ھ تک مکمل ہو گئے تھے،
بعد ازاں مختلف مصروفیات اور دیگر علمی مشاغل کی بنا پر طویل وقفہ کے بعد
۱۲۰۶ھ میں آخر کے دونوں رسائل تصنیف کئے گئے۔''۶

علامہ باقر آگاہ کی مثنوی ''ہشت بہشت'' کے بعد دکنی میں تخلیق پانے والی ضخیم منظوم سیرت طیبہ حاجی محمود صاحب مہاجر المتخلص بہ حسرتؔ کی ''ریاض سیر'' ہے جو دراصل حضرت غلام محی الدین سید شاہ عبداللطیف قادری (ثانی) ذوقیؔ ویلوری (متوفی ۱۱۹۴ھ) منظوم ومبسوط سیرت پاک ''معجز مصطفیٰ'' (فارسی) کا آزادانہ ترجمہ ہے۔

حضرت ذوقیؔ اردو کے مایہ ناز صاحب دیوان صوفی شاعر حضرت سید شاہ ابوالحسن قربیؔ ویلوری (متوفی ۱۱۸۲ھ) کے اکلوتے فرزند تھے، ذوقیؔ کی ولادت ۱۱۵۱ھ مطابق ۱۷۲۷ء میں ہوئی۔ ''رخشاں'' سے سال ولادت برآمد ہوتا ہے۔ آپ نے اپنے والد ماجد سے کتب متداولہ فارسی وعربی کی تعلیم حاصل کی، معرفت وسلوک کے اعلیٰ مراتب بھی والد بزرگوار کے زیر سرپرستی کسب کئے اور ننانوے (۹۹) سلاسل میں اجازت وخلافت سے سرفراز ہوئے، شاہ قربیؔ کے وصال کے بعد منصب رشد وہدایت پر فائز رہ کر تصنیف وتالیف میں منہمک ہو گئے۔ شاعری کا ذوق وراثت میں ملا تھا، نظم ونثر میں آپ کی کتابوں کی تعداد ساٹھ (۶۰) سے بھی زیادہ ہے۔ بقول مؤلف ''علی آثار'':

''حضرت ذوقیؔ کی نثری تصنیفات علم تفسیر، علم حدیث، علم عقائد وفقہ،
علم منطق، علم معانی، بیان بدیع، لغات، قواعد نحو وصرف، علم عروض پر محیط ہیں،
آپ کی منظوم تصنیفات میں غزل، مثنوی، قصیدہ، رباعی، ترجیع بند، نظم بے نقط
وغیرہ اصناف سخن میں اشعار کی تعداد لاکھوں تک پہنچتی ہے۔''۷

آپ ایک پرگو اور فطری شاعر تھے، آپ کی قادر الکلامی پر آپ کے معاصر علامہ آگاہؔ حیرت زدہ رہ جاتے تھے، علامہ آگاہؔ کی گواہی ہے کہ حضرت ذوقیؔ نے ایک نشست میں سات سو (۷۰۰) شعر موزوں کئے۔۸

حضرت ذوقیؔ کی تین مثنویاں تاریخی اعتبار سے بہت اہم ہیں، ایک ''معجز مصطفیٰ'' جو صرف

ڈیڑھ ماہ میں مکمل ہوئی، دوسری ''نجیب نامہ'' نواب کرناٹک انورالدین خاں کے رفیق ومصاحب محمد نجیب خان بہادر کے حالات وواقعۂ شہادت (۱۱۶۲ھ) کو شامل ہے اور تیسری ''در بے بہا'' نواب محمد علی والا جاہ کے فتح تنجاور کی تاریخ ہے۔ ''معجز مصطفیٰ'' تقریباً ساڑھے سات ہزار اشعار پر مشتمل ہے جسے آپ نے ۱۱۸۰ھ مطابق ۱۷۶۶ء میں تحریر کیا تھا جب کہ آپ کی عمر صرف تیس سال تھی، یہ معرکہ آرا مثنوی ۱۱۸۱ھ میں مدراس سے زیور طباعت سے آراستہ ہوکر بہت مقبول ہوئی۔۹؎ یہی وہ بلند پایہ مثنوی ہے جس کا ترجمہ حاجی محمود حسرت نے مصنف علیہ الرحمہ کے وصال کے ترپن (۵۳) سال بعد ۱۲۴۷ھ مطابق ۱۸۳۱ء میں دکنی زبان میں ''ریاض سیر'' کے نام سے کیا تھا، اس مثنوی کے دو نسخے تاحال دستیاب ہوئے ہیں، ان میں سے ایک سالار جنگ میوزیم لائبریری حیدرآباد کا مخزونہ ہے اور دوسرا کتب خانۂ محمدی دیوان صاحب باغ چنائی (تمل ناڈو) کی امانت ہے۔۱۰؎ علاوہ ازیں ''ریاض سیر'' اپنی تخلیق کے تیئیس سال بعد ۱۲۷۰ھ مطابق ۱۸۵۳ء میں مطبع شرفیہ (مدراس) سے شائع ہوئی تھی مگر آج اس کے مطبوعہ نسخے بھی نایاب ہیں، البتہ ایک بوسیدہ کرم خوردہ نسخہ دارالعلوم لطیفیہ حضرت مکان ویلور (تمل ناڈو) کے کتب خانے میں محفوظ ہے، یہی مطبوعہ نسخہ راقم الحروف (راہی فدائی) کا مأخذ ومرجع ہے۔ یہاں ایک غلط فہمی کا ازالہ ضروری ہے، وہ یہ کہ حضرت حسرتؔ کی مثنوی کا نام ''ریاض سیر'' ہے نہ کہ ''ریاض السیر'' جیسا کہ افضل العلماء محمد یوسف کوکنی نے اپنی کتاب میں تحریر کیا ہے۔۱۱؎ یہ اس لئے کہ مثنوی کے اختتام کے موقع پر خود حسرتؔ نے رقم کیا ہے کہ اس کا نام ''ریاض سیر'' ہے۔ اور سال تصنیف ''زہے معجز انبیا'' سے استخراج شدہ سن ۱۲۴۷ھ ہے۔ اشعار ملاحظہ ہوں:

بفضل خدا خالق ذوالمنن — ہوا جب کہ آراستہ یہ چمن
وہیں بلبل طبع تجویز کر — رکھا نام اس کا ''ریاض سیر''
پھر آیا جو تاریخ کا کچھ خیال — رکھے تا کوئی خوب سے حسب حال
تامل کے دریا میں پس غوطہ مار — نکالے عجب گوہر آبدار
یہی وہ ہے تاریخ بس جاں فزا — زہے معجز خاتم انبیاء ۱۲؎

حضرت حسرتؔ کے حالات پردۂ خفا میں ہیں، افسوس کہ سات ہزار سے زائد اشعار کے خالق کا ذکر کسی بھی معروف تذکرے میں موجود نہیں۔ البتہ ''ریاض سیر'' کی اندرونی شہادتوں کے پیش نظر بس یہ کہا جاسکتا ہے کہ حضرت حسرتؔ کا اسم گرامی حاجی محمود مہاجر ہے، اس نام کی صراحت مطبوعہ نسخے کے سرورق پر کی گئی ہے۔ ڈاکٹر افضل الدین اقبال مرحوم (حیدرآباد) کے بیان کے مطابق حسرتؔ کا نام

حاجی غلام محمود مہاجر تھا اور وہ مدراس کے متوطن تھے۔۱۳؎ حضرت حسرتؔ گوشہ نشیں، منکسر المزاج اور صوفی شاعر تھے، پیکر علم و عرفان ہونے کے باوجود انتہائی منکسر المزاج اور خداترس بزرگ تھے، آپ نے ''ریاض سیر'' اپنی عمر کے آخری دور میں تخلیق کی تھی، اس وقت آپ کے پیر و مرشد حضرت سید شاہ ابوالحسن (ثانی) قادری محویؔ ویلوری (متوفی ۱۲۴۳ھ) ابن حضرت سید شاہ عبداللطیف ذوقیؔ کا وصال چار سال قبل ہو چکا تھا مگر آپ کے شفیق و کرم فرما استاذ حضرت علامہ الحاج سید شاہ محی الدین قادری حیات تھے جن سے آپ نے عربی و فارسی کی کتب متداولہ پڑھی تھیں۔ اس مقام پر ایک نکتہ کی طرف توجہ مبذول کرانا ضروری ہے کہ حسرتؔ کے شیخ حضرت محویؔ اپنے اجداد کی طرح صاحب تصنیف بزرگ تھے، آپ کا یہ وصف خاص آپ کے مریدوں اور خلفاء کو بھی عطا ہوا ہے، چنانچہ حضرت محویؔ کے نامور خلیفہ شمس العلماء شاہ عبدالوہاب قادری ویلوری (متوفی ۱۳۳۷ھ) بانی ام المدارس جامعہ باقیات صالحات، ویلور کے والد ماجد حضرت علامہ شاہ حافظ عبدالقادر آتوری علیہ الرحمہ (متوفی ۱۲۵۱ھ) نے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (متوفی ۱۲۳۹ھ) کی گرانقدر فارسی تفسیر کا عربی ترجمہ "**التعریب القادری للتفسیر العزیزی**" کے عنوان سے ۱۲۴۹ھ میں کیا، حضرت محویؔ کے شاگرد و مرید جناب حسرتؔ نے ''معجز مصطفیٰ'' کا ترجمہ ۱۲۴۷ھ میں فارسی سے اردو میں کیا، اس طرح حضرت محوی کے فرزند و خلیفہ حضرت سید شاہ عبداللطیف (ثالث) قادری نقوی معروف بہ ''قطب ویلور'' (متوفی ۱۹۲۹ھ) نے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی معرکہ آرا تصنیف ''تحفۂ اثناعشریہ'' کا ترجمہ ۱۲۸۸ھ میں فارسی سے عربی میں کیا جب کہ آپ اپنے دوسرے حج کے دوران مکہ مکرمہ میں فروکش تھے، حضرت محویؔ کے ایک اور شاگرد و مرید میر محمد حیات قادری میسوری ابن میر محمد یوسف (متوفی ۱۲۸۱ھ) مصنف ''مصباح الحیات'' نے ۱۲۴۴ھ مطابق ۱۸۲۹ء میں مثنوی ''مفتاح الایمان'' تحریر کی جس کا موضوع عقائد و ایمانیات ہے۔ یہ فہرست مزید طویل ہو سکتی ہے مگر یہاں اس کا موقع نہیں ہے۔

حضرت حسرتؔ شاہ محویؔ کے شاگرد و مرید تھے نہ کہ شاہ ذوقیؔ کے جیسا کہ محترم یوسف کوکن عمری نے اپنی انگریزی تصنیف میں کہا۔۱۴؎ اس طرح ڈاکٹر افضل الدین اقبال کا یہ دعویٰ بھی صحیح نہیں کہ حسرتؔ حضرت قطب ویلور سید شاہ عبداللطیف قادری کے مرید تھے اور حضرت محویؔ سے بھی فیض پایا تھا۔۱۵؎ کیونکہ حسرتؔ نے منقبت غوث اعظم کے آخر میں لکھا ہے کہ آپ کے تصرف کی وجہ سے مجھے بصیرت حاصل ہوئی، میرے کور چشم میں نور پیدا ہوا اور مجھے شاہ ابوالحسن کا در مل گیا، اس کے بعد حسرتؔ نے اپنے شیخ کی مدح سرائی کی ہے جس میں مدحت سے لکھا اور یہ اعتراف کیا کہ شاہ صاحب نے ان

کے دل کو علم و عرفان سے بھر دیا۔ یہ اور بات ہے کہ بعد میں حسرؔت نے شاہ عبداللطیف معروف بہ قطب ویلور سے بھی فیض پایا تھا چنانچہ حضرت حسرؔت کا ارشاد:

”مرے دل کو قیدِ غم سے چھڑا — خوشی کی مجھے راہ دکھلا دیا
منور ہوئے تب مرے چشم کور — دل تار میرے نے پایا ہے نور
ملا دوست سے، چھوڑ دشمن کو میں — مرا سر ہے اور اس کا در بعد ازیں
مجھے عالم مکر و فن سے چھڑا — سہہ بوالحسن پاس پہنچا دیا

مدح شیخ المشائخ خاص درگاہ صمدی سید ابوالحسن قادری:

زہے ابوالحسن بحر جود و نوال — عطا میں حسن، بوالحسن در خصال
تمنا تھی اس کی صلاح انام — حدیث حسن اس کے لب پہ مدام

☆

سکھایا ہمیں علم عرفان کا — بہت راز پنہاں دلوں میں بھرا

☆

نہ دیکھا زمانے میں میں نے کسے — جو تجھ سا شریعت کو محکم کرے
تمامی خلائق سے ہم لے کنار — ترے آستاں پر ہیں امیدوار
گدایان دل خستہ پر لطف کر — عطا کر کے ان کی خطا سے گذر
کرم سے نجھا حسرؔت ریش پر — کرامت کر اے شاہ، درویش پر[۱۶]

حضرت حسرؔت متأہّل تھے، آپ کا خاندان بڑا تھا جس میں فرزند، برادران اور خویش و اقارب سبھی تھے، آپ نے اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کے لئے بھی اپنے شیخ اور شیخ زادے حضرت قطب ویلور کی تعریف و توصیف کے بعد ان کے طفیل میں دعا کی، اشعار ملاحظہ ہوں:

طفیل ان بزرگوں کے سب اے خدا — مرے دوستاں جو ہیں اور اقربا
بھی فرزند و خویش و براور تمام — پنہ میں رکھ اپنے تو ان کو مدام
رہ راست پر ان کو رکھ سر بہ سر — روا ان کے حاجات دارین کر
بتوفیق خیر ان کے تیں شاد رکھ — دے علم و ہنر اور آباد رکھ
مری عرض ساری یہ ہووے قبول — بحق شہ دیں محمد رسول[۱۷]

حضرت حسرؔت نے مثنوی ”ریاض سیر“ نظم کرنے کا سبب بیان کرتے ہوئے رقم کیا ہے کہ

انہیں اپنی آخری عمر میں یہ خیال دامن گیر ہوا کہ انہوں نے اب تک کوئی ایسا کام نہیں کیا جس سے حیات جاویداں حاصل ہو، لوگ انہیں یاد کر کے ان کی وفات کے بعد ایصال ثواب کریں جیسا کہ اہل اللہ اور اصحاب خیر کے ساتھ ہوتا آ رہا ہے، پھر اپنی کم مائیگی اور زبوں حالی پر نظر پڑی تو دل نے کہا کہ ثواب جاری کے لئے انہیں دادا پیر حضرت ذوقیؔ این شاہ قربی کی بے نظیر مثنوی ''معجز مصطفیٰ'' کا دکنی زبان میں ایسا ترجمہ کرنا چاہئے جس سے عوام الناس کو فائدہ پہنچے اور وہ پڑھ کر دعائیں دیں۔ اس ضمن میں کہے گئے اشعار یہ ہیں:

''مرے جی میں یک روز آئی یہ بات
کہ کچھ زندگی کو نہیں ہے ثبات
نہیں عمر دنیا کا کچھ اعتبار
ہے اصل بنا اس کا ناپائیدار

☆

''موا نیں ہے وہ چھوڑ جس نے گیا
پل و مسجد و چاہ و مہماں سرا
میں آیا جو دنیا میں ہوکر غریب
یہ تینوں بھی کاموں سے ہوں بے نصیب
نہ حاصل ہوا مجھ کو عرفان حق
نہ طاعت سے پایا میں رضوان حق
جہاں میں نہ کچھ خیر جاری کیا
یہ عمر عزیز اپنی چپ کھودیا
دریغا کہ حق پاس میرے تئیں
سبب سرخروئی کا کچھ بھی نہیں
مری عمر ناحق گئی سب گذر
ملا نیں مجھے زندگی کا ثمر
گئے لوگ جیسے جہاں سے گذر
اسی طرح میں بھی کروں گا سفر
تو اس وقت جز حسرت و درد و آہ
نہیں ہے مرے ساتھ کچھ زاد راہ
کسی کو نہ مجھ سے ہوا فائدہ
میرے بعد تا وہ پڑھے فاتحہ
کرے گا نہیں یاد مجھ کو کوئی
نہ لیوے گا کوئی مرا نام بھی'

☆

گذرنے سے یہ بات جی میں مرے
نہایت ہوئی بے قراری مجھے
ہوئی درد و غم کی جو آتش بلند
تڑپنے لگا دل میرا جیوں سپند
نہ تھا دل یہ گویا کہ سیماب تھا
نبٹ مرغ بسمل سا بے تاب تھا
میں دیکھا تپش سے جو فرصت نہیں
ہوئی زندگی تلخ میرے تئیں
اس احوال میں مجھ پہ اے ہوشیار
یکایک ہوا فضل پروردگار

که یکبار خاطر میں یہ آ گیا کوئی ایسی تصنیف کیجے بھلا
کہ ہو فائدہ اس سے لوگوں کے تیں کہ یہ بھی کم از خیر جاری نہیں‘‘

☆

بملک سخن خسروِ نامور تخلص ہے ذوقیؔ جسے مشتہر
متانت میں جیسے نظامیؔ شہیر حلاوت میں سعدیؔ صفت بے نظیر
فصاحت میں سحباںؔ کا بے شک امام بلاغت میں عرفیؔ یک اس کا غلام
نظائر میں صائبؔ جو تھا بے نظیر تھا نازک خیالی کا اس کے اسیر
لکھا اس نے ہے پر شرف یک کتاب کہ بحرِ سیر میں ہے درّ خوش آب
ہے نظم اس کا اعجاز سے پر تمام بھی ہے ’’معجز مصطفیٰ‘‘ اس کا نام
تو ہندی میں کر ترجمہ اس کے تیں بشرطیکہ افہام سے ہو قریں
نہیں فارسی سے جو کوئی آشنا کرے گا ترے حق میں پڑھ کر دعا
جو حاصل کریں فائدہ سب عوام ثواب اس کا پہنچے گا تجھ کو مدام
رہے گا جہاں بیچ اے دل فگار یہی خیر جاری ترا یادگار
جو یہ مشورت دل نے مجھ کو دیا تو میں مستعد ترجمہ پر ہوا
وہیں ہاتھ میں لے کے میں نے قلم لگا ترجمہ کرنے اس کا رقم‘‘[۱۸]

حضرت حسرتؔ نے حضرت ذوقیؔ کی تحریر کردہ حمد، مناجات، نعت اور منقبت غوث اعظم کو اپنی جانب سے لکھا ہے اور کہا کہ اس کو ’’ریاض سیر‘‘ کا دیباچہ سمجھا جائے۔ اس تعلق سے کہے گئے ابیات درج ذیل ہیں:

’’مصنف کے حمد و مناجات کو بھی نعت و مناقب کو اے نیک خو
کیا ترجمہ اپنی جانب سے میں وہی اس کا دیباچہ ہے دل نشیں‘‘

پھر آپ نے کہا ہے کہ ترجمہ کرنے کے دوران مجھے بڑی دقت پیش آئی، اور میں نے بڑی محنت اٹھائی، اور بعض مقامات پر اصل پر اضافے بھی کیا تا کہ نظم کی زیب و زینت باقی رہے اور قارئین میں دلچسپی و دلکشی پیدا ہو جائے۔ لوگ اس سے خوب استفادہ کریں، اس مفہوم کے چند شعر پیش ہیں:

’’عزیزو، لکھا ہوں جو میں یہ کتاب اٹھایا ہوں محنت بہت بے حساب
میں ابیات کو اصول کے بھی کہیں لکھا ہوں بلا ترجمہ اے ......
کہ تا اس سے اس نظم کو ہووے زیب ہو یہ نامہ ہر ایک کا دل فریب‘‘

سببِ تالیف کے آخر میں آپ نے ناظرین سے درخواست کی کہ اگر اس میں کہیں خطا و خلل دیکھیں تو اصلاح کر دیں اور عیب چینی سے پرہیز کریں:

''جو ہیں ناظر اس کے، ان کے حضور یہی ہے مری التجا بالضرور
خطا یا خلل گر کہیں اس میں ہو کرم کر یہ عاصی پہ اصلاح دو
وگر نہ رہ لطف سے بالضرور رکھو عیب چینی سے خاطر کو دور''۱۹

''ریاضِ سیر'' چار سو چھتیں (۴۳۶) صفحات پر محیط ہے جس میں حمد و مناجات اور نعت و منقبت پر مشتمل دیباچۂ نصیحت پدر (حضرت ذوقی) برائے پسر (حضرت محوی) اور سببِ تالیف کے علاوہ ''معجز مصطفیٰ'' کی طرح انیس مقالہ جات، تتمہ اور حسرتؔ کی طرف سے رقم کردہ خاتمہ درج ہے۔ آخر میں ترقیم کے طور پر کاتب کا نام حاجی سید عبدالقادر قادری اور تاریخ کتاب ۱۶/ ذی الحجہ ۱۲۷۰ھ لکھا گیا ہے۔

اس گرانقدر مثنوی کے نظم نگار حضرت حاجی (غلام) محمود مہاجر حسرتؔ کے ہم نام خان بہادر مولوی غلام محمود مہاجر ابن احمد حسین مہاجر ہیں جو کرناٹک سرکار میں ڈپٹی سکریٹری کے عہدے پر فائز تھے، موصوف کے جد امجد حامد سعید خاں بہادر سلطان ٹیپو شہید کے دربار میں بارسوخ فرد تسلیم کئے جاتے تھے، مولوی غلام محمود مہاجر دینی وعصری علوم وعصری فنون کے مجمع البحرین تھے، برٹش انڈیا نے آپ کو ۱۸۹۷ء میں خان اور ۱۹۰۱ء میں خان بہادر کے لقب سے نوازا تھا۔۲۰ خان بہادر غلام محمود مہاجر کے تعلقات حضرت مولانا سید شاہ رکن الدین قادری ویلوری (متوفی ۱۳۲۵ھ) ابن حضرت قطب ویلور (متوفی ۱۲۸۹ھ) سجادہ نشین آستانۂ اقطاب ویلور و بانی دارالعلوم لطیفیہ سے مستحکم تھے۔ چنانچہ غلام محمود نے مذکورہ دارالعلوم سے جلسۂ تقسیم اسناد منعقدہ تاریخ ۹/ شعبان ۱۳۱۱ھ مطابق ۱۸۹۳ء میں نہ صرف شرکت کی بلکہ اپنے خطاب مستطاب سے طلبۃ العلوم کو مستفیض بھی فرمایا۔

(روئیدادِ جلسۂ دستار بندی مطبوعہ ۱۳۱۱ھ)

حضرت حسرتؔ کا نسبی تعلق قوم نوائط سے ہے۔ ''مہاجر'' آپ کا خاندانی لقب ہے جو نسلاً بعد نسلٍ نام کا لاحقہ بن کر چلا آ رہا ہے، بقول مولف ''تاریخ النوائط'':

''یہ لقب (مہاجر) اس خاص گروہ کا ہے جو حوالی مدینۂ مطہرہ میں سکونت پذیر تھا۔ حجاج بن یوسف کے مظالم سے جب تمام افراد قوم کا اجتماع مدینۂ مطہرہ میں ہوا تو مہاجر سے موسوم ہوئے جب ساری قوم بہ ہیئت مجموعی

مدینۂ مطہرہ سے ہجرت کر کے بغداد آئی تو کل افراد قوم مہاجرین کہلائے، اس
لقب کے اکثر افراد حیدرآباد میں موجود ہیں۔'' ۲۱

حضرت حسرتؔ کا وصال ''ریاض سیر'' کی طباعت ۱۲۷۰ھ سے قبل ہو چکا تھا، اس لئے کتاب کے سرورق پر آپ کے اسم گرامی کے ساتھ ''غریق بحر رحمت'' لکھا ہوا ہے۔ یہ بات قابل غور ہے کہ جنوب کے کثیر التصانیف بزرگ حضرت شاہ عبدالحئی قادری احقرؔ بنگلوری (ولادت ۱۲۳۵ھ وفات ۱۳۰۱ھ) خلیفہ حضرت قطب ویلور قدس سرہٗ جو حضرت حسرتؔ کے بعد خانقاہ اقطاب ویلور کے خوشہ چیں ہوئے تھے، انہوں نے ''ریاض سیر'' کے بعد ''جنان السیر'' کے نام سے ۱۲۷۵ھ میں مفصل منظوم سیرت پاک تحریر کی، یہ عین ممکن ہے کہ حضرت احقرؔ کو ''ریاض سیر'' سے ''جنان السیر'' لکھنے کی تحریک ملی ہو۔ ''جنان السیر'' کا تعارف کراتے ہوئے مؤلف ''خانقاہ اقطاب ویلور کے علمی آثار'' رقم طراز ہیں:

''حضرت احقر نے سیر طیبہ کو پہلی بار مبسوط طور پر واقعات کے
جزئیات کے ساتھ اردو زبان میں نظم کیا اور اس کتاب کا نام ''جنان السیر فی
احوال سید البشر'' رکھا۔ یہ مثنوی تقریباً بیس (۲۰) ہزار اشعار پر مشتمل ہے۔
اس کتاب کے دو دفتر ہیں اور ہر دفتر چار چمن (باب) سے سجایا گیا ہے،
حضرت احقرؔ نے سات چمن خود ہی لکھے مگر آٹھواں چمن (معجزات محمدی)
اپنے لائق و فائق فرزند عبدالقادر علی صوفی سے لکھوایا۔'' ۲۲

حضرت حسرتؔ کے معاصرین میں علامہ باقر آگاہ ویلوری (متوفی ۱۲۲۰ھ) علامہ عبدالعلی بحر العلوم لکھنوی ثم مدراسی (۱۲۲۵ھ) علامہ حافظ عبدالقادر آتوری (۱۲۵۱ھ) علامہ قاضی ارتضٰی علی خاں صفوی مدراسی (متوفی ۱۲۷۰ھ) علامہ سراج العلماء سعید اسلمی مدراسی (متوفی ۱۲۷۲ھ) حضرت میر محمد حیات قادری میسوری (۱۲۸۱ھ) حضرت سید شاہ عبداللطیف معروف بہ قطب ویلور (متوفی ۱۲۸۹ھ) حضرت حکیم زین العابدین مائل ویلوری (متوفی ۱۲۹۷ھ) وغیرہ علماء و صلحا کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔ مگر افسوس کہ ان بزرگوں سے حسرتؔ کے روابط و تعلقات کا علم نہیں ہے حالانکہ مذکورہ اہل علم و فضل سبھی علاقۂ مدراس سے تعلق رکھتے ہیں۔

کتاب اور صاحب کتاب کے تعارف کے بعد مثنوی ''ریاض سیر'' کے مختلف حصوں سے نموناً اشعار پیش کئے جا رہے ہیں تا کہ شاعر کی فنی صلاحیتوں اور فکری بلندیوں کا اندازہ ہو سکے اور تخلیق کار کی قادر الکلامی اور قوت متخیلہ کی کارفرمائی کا علم ہو جائے۔

حمد

خدایا سزاوار شاہی تجھے
تو صاحب ہے سب خادماں ہیں ترے
دل و جاں ترے بندہ فرماں مدام
دل و جاں سے ہیں ہم بھی تیرے تمام
کیا ہے جو تو تن کو محکوم جاں
رکھا ہے بہت اس میں حکمت نہاں
کھڑا کر کے خوبی یہ ...... سپہر
تو روشن کیا چہرۂ ماہ و مہر
سنوارا بلندی سے افلاک کو
تو پستی سے زینت دیا خاک کو
ترے حکم میں سب مَلک اور مُلک
ہے تجھ بحر احساں سے چرخ ایک فلک
منور ہے تجھ میں ماہ تمام
لڑی کو ہے تاروں کے تجھ سے نظام[۲۳]

نعت سرورکونین صلی اللہ علیہ وسلم میں حضرت حسرت کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

''امام رسل، رہبر انس و جاں
امان زمین و امین زماں
محمد نبی شاہ ابرار ہے
کلید در گنج اسرار ہے
محمد کو جب حب سے حصہ دیا
حبیب اور محبوب اپنا کیا
ٹھکانا تو محبوب کا جان ہے
بھی اس کے اوپر جان قربان ہے
ہے فتراک میں اس کے دست نہاں
گھسا خاک پر اس کے سر آسماں
ارم ہے خجل اس کے ایوان سے
ہیں رضوان اسیر اس کے رضوان سے
شفیع الخلائق بمحض الکرم
رفیع المراتب امام الامم
در افشاں ہوا ابر کف اس کا جب
گئی بس در افشائی ابر سبب
دل اس کا ہے دریا سے احساں میں پیش
کف اس کا ہے معدن سے بخشش میں بیش
فلک ہے زمیں بوس اس کا مدام
ملک حقہ در گوش اس کے تمام
فلک جب سے در پر گھسا اس کے سر
شب و روز اس پر ہے شمس و قمر
نسیم کرم اس کی در وقت کار
نکالی ہے کانٹے سے گلشن ہزار
ہوئے اس کے لب سے جو ظاہر علوم
معطل ہوا جملہ عالم نجوم
جہاں کو دیا دین سے روشنی
سیاہی سویدا کی دل سے گئی''[۲۴]

واقعہ معراج کی تفصیل بیان کرتے ہوئے آپ نے تمہید میں اپنے کمال فن اور جدت سخن کا ثبوت دیا ہے، فنکارانہ قدرت، بلند تخیل اور معنی آفرینی کی عمدہ مثال ذیل کے اشعار سے عیاں ہوتی ہے:

”تھی مشکیں شب اک یار کی زلف سی نہ ایسی معنبر ہو بو یار کی
زبس اس میں تھی روشنی جلوہ گر کہ خورشید نکلا شب آن کر
فلک میں چھپا مہر اس نور سے کہ جیوں تیرگی آگے خورشید کے
بہرِ یک طرف شعلۂ نور تھا فراہم مگر مشک و کافور تھا
شب نور از بس وہ رکھتی تھی نور کہ طبع جہاں سے کدورت تھی دور
سیاہی کیا منہ سے دور آسماں کہ تسبیح سے روئے تسبیح خواں
ہوئی اس قدر رات روشن تمام ہوا روز روشن کا بس رات نام“ ۲۵؎

صدیوں سے مصنّفین اہلسنّت کا یہ معمول رہا ہے کہ وہ حمد و نعت کے بعد حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ کی بارگاہ میں نذرانہ عقیدت بصورت منقبت پیش کرتے ہیں، حضرت حسرت نے بھی اسی طریقۂ سلف کو اپناتے ہوئے اشعار کہے ہیں جن میں شعریت و تخیل کی فراوانی نظر آتی ہے۔ چند شعر پیش خدمت ہیں:

”زہے عبد قادر شد حق پرست زبردست سب اس کے ہیں زیردست
بزرگ بزرگاں ہے وہ محترم پناہ عرب اور امان عجم
رہے غوث اعظم امام انام قدم جس کا ولیوں کے سر پر تمام
مشائخ مشائخ ہوئے اس ستی سرافراز قطب اور اوتاد بھی
کیا جو کہ جان اس کی رہ میں سبیل وہ اس کو دیا چشمۂ سلسبیل
بلندی میں مانند قطب و فلک یہ قطب فلک دو ہیں اور وہ ہے یک
تقرب کے حق میں وہ عالی ہمم گیا مصطفیٰ کے قدم پر قدم
فلک جیوں زمیں اس کی ہے زیر پا زمانہ سدا اس کو ...... کیا ۲۶؎

ذوقیؔ علیہ الرحمہ نے اپنی گرانمایہ مثنوی ”معجز مصطفیٰ“ میں اپنے فرزند حضرت محویؔ کو طویل نصیحت فرمائی تھی جس کا اختصار حضرت حسرتؔ نے اپنی مثنوی ”ریاض سیر“ میں تحریر کیا ہے، یہاں ان نصائح میں سے صرف دو پند ہدیۂ ناظرین کئے جاتے ہیں جنہیں حضرت محویؔ نے اپنی زندگی کا جز ولاینفک بنایا تھا اور اس پر تاحیات آپ کا عمل رہا۔ ایک نصیحت درج ذیل ہے:

”دیا کر غریبوں کو سیم اور زر جو تجھ پاس ہو ورنہیں عذر کر
فقیروں میں بخشش کیا کر مدام تو بر لا امیدوں کو ان کے تمام

تو دل جوئی بے دلاں کر　کیا کر غریبوں پر بذل و عطا
جو آوے تجھے زخمیٔ غم نظر　لگا مرہم لطف اس زخم پر
جو پابند غم کوئی تجھ کو دے　چھڑا اس کو غم سے خدا کے لئے'' ۲۷

حضرت محویؔ نے اپنے والد ماجد کی مذکورہ بالا پند و نصیحت کی مکمل پابندی کی، بقول مؤلف ''خانقاہ اقطاب ویلور کے علمی آثار'':

''حضرت محوی متوکل علی اللہ بزرگ تھے تاہم آپ کی جود و نوال اور عطا وافضال کے چرچے حیران کن تھے، بقول حضرت شاہ عبدالحئی احقرؔ بنگلوری:

''کہ بیاں اس کے ہو توکل کا　اور قناعت کا اور تبدل کا
اور سخاوت میں اس کی شان علیٰ　ایسا بخشتا تھا لطف سے مولیٰ
کہ امیروں کو تھی پشیمانی　اغنیا کو کمال حیرانی''

آپ کے پوتے حضرت سید شاہ رکن الدین محمد قادری ابن حضرت مولانا سید شاہ عبداللطیف قادری نقوی معروف بہ قطب ویلور فرماتے ہیں:

''حاتم وقت ایسے کہ علاوہ روپیوں کے سات سو گھوڑے اللہ کی راہ میں خیرات فرمائے۔ حضرت قطب ویلور قدس سرہٗ اکثر فرماتے تھے کہ والد ماجد کی صحبت میں (تقریباً) چالیس سال رہا کبھی آج کی چیز کو کل کے لئے رکھنے کو نہیں فرمائے۔'' ۲۸

دوسری نصیحت مصنف ''معجز مصطفیٰ'' نے اپنے صاحبزادے کو اس طرح کی جسے آپ نے حرز جاں بنائے رکھا تھا:

جو بد ہے فقیر، اس کو مت بول زشت　تو کر اس سے نیکی نہ کہہ بد سرشت
بد اخلاق پاوے تو اس کو اگر　ہے یک اس میں نیکی تو سو طرح شر
نظر یک پہ کر، اس کے سو پر نہ کر　تو کہہ نیک اس کو، بدی سے گذر''

جس شخص میں سو طرح کے شر ہوں اور سو برائیاں ہوں اور ایک خیر ہو ایک اچھائی ہو تو اسے خیر سے بھلائی سے یاد کرنے کی نصیحت گرانقدر اور بے نظیر ہے۔ حضرت محویؔ کی پاکیزہ زندگی اس کا جیتا جاگتا نمونہ بنی ہوئی تھی، آپ نے کبھی کسی کی برائی نہیں کی، دشمن کو بھی بھلائی اور نیکی سے سرفراز فرمایا:

''ریاض سیر'' میں جیسا کہ قبل ازیں کہا گیا انیس (۱۹) مقالے (باب یا

فصل) ہیں جن میں سے پہلا مقالہ نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان وتشریح میں ہے۔ حضرت حسرتؔ نے اس ضمن میں حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کا سراپا بڑے ہی معنی آفریں اور عمدہ وشستہ پیرائے میں تحریر کیا ہے، چند شعر ملاحظہ ہوں:

”کیا حکم ارواح کو پس یہ رب — کہ دیکھیں وہ نور مقدس کو سب
سب اس وقت بے خود ہوئے شوق سے — لگے نور احمد کے تیں دیکھنے
پڑی سرا پر اس کے جس کی نگاہ — ہوا ہے جہاں بیچ وہ بادشاہ
پڑی اس کے آنکھوں پہ جس کی نظر — ہوا حفظ قرآن سے وہ بہرہ ور
نظر جبہ پر اس کے جس نے کیا — جہاں بیچ وہ شاہ عادل ہوا
بھوؤں پر کیا اس کے جس نے نظر — ہوا بس وہ نقاش صاحب ہنر
جو کان اس کے دیکھا وہ مقبل ہوا — جو رخسار دیکھا سو عاقل ہوا
نظر ناک پر اس کے جس کی پڑی — ہوا وہ طبیب اور عطار بھی
جو کوئی کہ دیکھا لب لعل فام — وزیری میں اس نے کیا خوب نام
دہن پر نظر اس کے جس نے کیا — ہوا روزہ دار اور روزہ رکھا
جو دانتوں کو دیکھا وہ خوش رو بنا — زباں جو کہ دیکھا سو درباں ہوا
جو حلق اس کا دیکھا سو واعظ ہوا — مؤذن بھی اس نے ہوا برملا
جو داڑی کو دیکھا مجاہد ہوا — دل و جاں سے راہ محاسن لیا
بھی دیکھا جو وہ گردنِ زیب دار — تجارت کا پیشہ کیا اختیار
جو بازو کو دیکھا سو ہے لشکری — ہے گردن کشاں پر اسے سروری“ ۳۰

حضرت حسرتؔ نے ”ریاض سیر“ کے آخری انیسویں مقالے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرمانے کا واقعہ تفصیل سے بیان کرتے ہوئے اختتام کے اشعار میں اپنی فنّی چابک دستی اور فکری بوقلمونی کا اظہار کیا ہے۔ ابیات ملاحظہ ہوں:

”گیا شاہ مولود کی بارویں — یہ دنیا سے باغ ارم کی تئیں
تن اس کا جو تھا مثل جاں بر زمیں — زمیں جی اٹھی جب گیا در زمیں
زمیں پائی جب رتبہ ایسا بڑا — ہوا غم سے قد آسماں کا دوتا
ہوا گنج وہ جب زمیں میں نہال — کیا کنج غم اختیار آسماں

لیا جب سے وہ جاز میں قرار   فلک ہورہا ہے زمیں پر نثار''۳۱

حضرت حسرتؔ کو اپنی تخلیقی صلاحیتوں پر مکمل اعتماد تھا، آپ نے ''معجز مصطفیٰ'' کا ترجمہ ہی نہیں بلکہ ترجمانی بھی کی، اپنے طور سے اضافے کئے، سلاست وروانی کا خاص خیال رکھا، صنائع وبدائع کا جابجا بھرپور استعمال کیا، تشبیہوں اور استعاروں سے مثنوی کا دامن بھر دیا، اس طرح ''ریاض سیر'' کو تخلیقی درجہ عطا کیا، اسی لئے مثنوی کے اختتام پر اس کی خوبیوں اور اس کے لفظی ومعنوی محاسن کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

''بحمد اللہ یہ نامہ با احترام   بخوبی لیا صورت اختتام
نہیں نامہ یہ بلکہ ہے باغ نور   جسے دیکھ جنت بڑی در قصور
عبارات ہیں اس کے سب دل ربا   اشارات ہیں اس کے بس جانفزا
سواد سطور اس کے نوروں سے پُر   بظاہر شبہ اور باطن میں ڈر
جو حضر اس کے حرفوں کو دیکھا نجھا   لیا اس کی ظلمت سے آبِ بقا
خطوط اس کے سب رشک مشک خطا   نہ آہو کو اس دو دماں میں جگا''۳۲

آپ نے اس مثنوی میں معنی آفرینی اور دلکشی پیدا کرنے کے لئے بڑی جدوجہد کی، خوان دل کو جلایا، بحر فکر میں غوطہ زنی کی، بیان سیرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے باغات کو سرسبز وشاداب رکھنے اور اس کی خوبصورتی ودل آویزی کو دوبالا کرنے کے لئے خوب محنت ومشقت کی، اگر کہیں اصل عبارت کا مفہوم کھل نہ سکا، ''معجز مصطفیٰ'' کے مصنف حضرت ذوقی علیہ الرحمہ سے روحانی مدد مانگی جس سے شرح صدر ہوتا گیا، اس طرح یہ مثنوی ''ریاض سیر'' اسم بامسمی ثابت ہوئی۔ اس تعلق سے کہے گئے ابیات ملاحظہ ہوں:

''بہت فکر کی بحر میں ڈوب کر   نکالا ہوں میں ایسے روشن گہر
جو میں دل کو اپنے خوں کیا   تو یہ لعل پارے بنے بے بہا
نہیں صرف الفاظ ہیں یہ شکرف   مرا لخت دل ہے ہر ایک اس کا حرف
جو سرسبز یہ باغ رنگیں ہوا   مرے خون دل سے ہی پالا گیا
لکھا ہوں جو میں یہ مقدس کتاب   اٹھایا ہوں محنت بہت بے حساب
نہ تھی یہ لیاقت مجھے بالیقیں   کروں ترجمہ نظم کو ایسے میں
نہ ہوتی مصنف کی تائید گر   تو یہ کام تھا مجھ سے دشوار تر
جب اس نظم کے ترجمہ کے لئے   کسی جا میں دشوار ہوتا مجھے

تو چھپتا مصنف سے تائید میں پس آسان ہوتا وہ میرے تئیں
خدا کا وہ جب خاص تھا بے گماں کرے کیوں نہ امداد بے چارگاں
ز ہے زوقیؔ قطب روشن ضمیر سپہر ولایت کا مہر منیر
وہ تھا تاجور ملک تصنیف کا مصنف ہو ایسا کہاں دوسرا
اگرچہ نہ تھی عمر اس کی زیاد دیا پر تصانیف میں اس نے داد
یک و نیم مہہ میں جو عالی جناب لکھا ''معجز مصطفیٰ'' سی کتاب''[۳۳]

حاصل کلام یہ کہ حضرت حسرتؔ نے ''ریاض سیر'' تخلیق کر کے نہ صرف منظوم سیرت نگاروں میں اپنا مقام و مرتبہ بلند کیا ہے بلکہ لسانی اعتبار سے بھی اپنی مثنوی کو شہرت دوام عطا کیا ہے۔[۳۴] نقادان سخن کو اس مثنوی کی مزید محاسن و مزایا کی توجہ مبذول کرنے کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

ماٰخذ و حواشی:

(۱) راہی فدائی ڈاکٹر ''استشہاد'' کرناٹک اردو اکادمی، بنگلور مطبوعہ ۲۰۱۲ء ص: ۶۹
(۲) محمد علی اثر ڈاکٹر ''عادل شاہی دور میں اردو غزل'' کرناٹک اردو اکادمی بنگلور، تاریخ اشاعت ندارد، ص: ۸
(۳) محمد علی اثر ڈاکٹر ''قدیم اردو غزل'' نشاط پبلی کیشنز، محبوب چوک، حیدرآباد مطبوعہ ۲۰۱۱ء ص ۱۷
(۴) ایضاً ''قصص الانبیاء'' مخطوطہ مخزانۂ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد
(۵) ''ریاض مسعود'' غوثی ارکاٹی کی مثنوی قصص الانبیاء کا تاریخی نام ہے۔
(۶) راہی فدائی ڈاکٹر ''خانقاہ اقطاب ویلور کے علمی آثار'' مطبوعہ الانصار پبلی کیشنز، حیدرآباد ۲۰۱۶ء ص ۱۲۶
(۷) ایضاً ۹۵
(۸) محمد غوث خان بہادر نواب والا جاہ، ''تذکرۂ گلزار اعظم'' مطبع سرکاری، مدراس، ۱۲۷۲ھ ص ۱۹۲
(۹) محمد یوسف کوکن افضل العلماء، عربک اینڈ پرشین ان کرناٹک (Arabic and Persian in Carnatic 1710 - 1960) مطبوعہ امیر اینڈ کو مدراس ۱۹۷۴ء ص ۱۴۴
(۱۰) افضل الدین اقبال ڈاکٹر، ''مضمون حاجی غلام محمود مہاجر حسرتؔ، حضرت ذوقیؔ کی فارسی مثنوی کا اردو مترجم'' مشتملہ سالنامہ ''اللطیف'' دارالعلوم لطیفیہ، حضرت مکان، ویلور، مطبوعہ ۱۴۱۵ اص ۹۲
(۱۱) محمد یوسف کوکن افضل العلماء ص ۱۴۷
(۱۲) محمود مہاجر حاجی حسرتؔ ''ریاض سیر'' مطبوعہ مطبع شرفیہ مدراس ۱۲۷۰ھ ص ۴۳۶

(۱۳) افضل الدین اقبال ڈاکٹر، سالنامہ اللطیف ص۹۲
(۱۴) محمد یوسف کوکن افضل العلماء عربک اینڈ پرشین ان کرناٹک ص ۱۴۷
(۱۵) افضل الدین اقبال ڈاکٹر، سالنامہ اللطیف ص۹۳
(۱۶) ''ریاض سیر'' ص۲۰
(۱۷) ایضاً ص۲۳
(۱۸) ایضاً ص۳۲
(۱۹) ایضاً ص۳۳
(۲۰) عزیز جنگ نواب بہادر، ''تاریخ النوائط'' مطبوعہ عزیز المطابع ۱۳۲۲ھ ص ۴۰۳
(۲۱) ایضاً ص 215
(۲۲) ''خانقاہ ویلور کے علمی آثار'' ص ۲۴۳
(۲۳) ''ریاض میر'' ص۲
(۲۴) ایضاً ص ۸-۹-۱۰-۱۱
(۲۵) ایضاً ص ۱۱
(۲۶) ایضاً ص ۱۶-۱۸
(۲۷) ''ریاض سیر'' ص ۲۶-۲۷
(۲۸) ''خانقاہ اقطاب ویلور کے علمی آثار'' ص ۱۸۰-۱۸۱
(۲۹) ''ریاض سیر'' ص۲۹
(۳۰) ایضاً ص ۳۶-۳۷
(۳۱) ایضاً ص ۴۳۲
(۳۲) ایضاً ص ۴۳۳
(۳۳) ایضاً ص ۴۳۴-۴۳۵
(۳۴) ''ریاض سیر'' پر مضمون قلم بلند کرتے ہوئے جن اسفار کا حوالہ مطبوعہ کتاب سے دیا گیا ہے، اس میں رسم الخط دوسو سالہ قدیم نہج پر تھا، راقم نے بعض مقامات پر اس کی تسہیل کر دی ہے مثلاً اوس اور ایس کی بجائے اُس اور اِس کی تبدیلی قارئین و ناظرین کی سہولت کے لئے کی گئی ہے۔ دراصل اردو کے قدیم رسم الخط میں اعراب بالحروف کی عادت تھی، موجودہ دور میں اعراب بالحرکات کو اپنایا گیا ہے جس سے نظم کی قرأت میں تکلف کا شائبہ نہیں رہتا اور ساتھ ہی سلاست و روانی بھی آ جاتی ہے۔

☆☆☆

ڈاکٹر عقیل ہاشمی (حیدرآباد)

حضرت مولانا امام احمد رضا خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور نعت گوئی

قرآن مجید میں حق تعالیٰ سبحانہٗ نے جس والہانہ انداز محبت میں مدحِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اظہار فرمایا ہے اس بارے میں کلام کرنے کی مجال کیا، یہ صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ دیگر انبیائے کرام کو جن نعمتوں سے نوازا وہ بہرصورت عظیم ہیں لیکن سرورِ کائنات آقائے نامدار احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو جن قابل رشک انعامات، اعزازات و نوازشات سے سرفراز کیا، اُن میں جو انفرادیت اور امتیازات کی شان رکھی وہ افتخار و مرتبت کا اعلیٰ ترین معیار ہے، خصوصیت سے (1) کلمۂ شہادت میں اپنے نام کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی کو شریک کرنا۔ (2) محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو اپنی محبت قرار دینا۔ (3) سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو اپنی اطاعت تسلیم کرنا۔ (4) اور پھر درود و سلام کی نعمت عظمیٰ کا اعلان فرمانا کہ **"ان اللّٰہ و ملئکتہ یصلون علی النبی یأیھا الذین آمنوا صلوا علیہ و سلموا تسلیما۔"** (سورۃ احزاب:56)

(بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو تم بھی اُن پر درود و سلام بھیجو)۔

قرآن حکیم کا یہ حکم سردار دوجہاں کے اعزاز و اکرام کے بیش بہا خزانے رکھتا ہے درود و سلام کی فضیلتوں کی بابت بے شمار احادیث و اقوال ملتے ہیں۔ یہ وہ نعمت الٰہی ہے جس کے بارے میں خود ارشاد حق تعالیٰ ہوتا ہے۔ **"وان تعدوا نعمۃ اللّٰہ لا تحصوھا"** (اگر تم اللہ کی نعمتوں کا احاطہ بیان میں لانا چاہو گے تو نہ لاسکو گے) کیونکہ نعمت اللہ، رسول اکرم صلی اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات پاک اور آپ کا نام مبارک ہے۔ عارف باللہ الشیخ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تصنیف منیف **"لواقح الانوار"** میں تشویق عاشقان نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر کچھ صلاۃ والسلام کے فضائل و

فوائد بیان کئے ہیں، انہی میں کہا کہ نعمت الٰہی کا شکر بجالانے کا واحد طریقہ نعمتہائے خداوندی کا سبب ''نعمت وجود محمدی صلی اللہ علیہ وسلم'' ہے۔ جس طرح نور اللہ اور ذکر اللہ ذات محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم شریف ہے اسی طرح نعمت اللہ بھی اسم پاک محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ حضرت ابن عباس ذیل کی آیت شریفہ کی تفسیر فرماتے ہیں:

الم ترا الی الذین بدّلوا نعمت الله کفراً (کیا تم نے ان کی حالتوں پر غور نہیں کیا جو نعمت اللہ کے عوض میں نافرمانیاں اختیار کیں۔ کفر کا مرتکب خصوصاً ابوجہل اور عموماً کفار قریش ہیں اور نعمت اللہ محبوب خدائے عزوجل ہے۔ حضرت سہیل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں قولہٗ تعالیٰ **و ان تعدوا نعمة اللّٰه لاتحصوها** میں نعمت الٰہی سے مراد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں، چنانچہ مدح النبوی صلی اللہ علیہ وسلم یا نعت گوئی کے معاملہ میں عاشقان محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید ہی کے حسن خطابت سے خود کو مربوط ووابستہ کیا، اکتساب، استفادہ کیا۔ اس زمرۂ مقبولین میں خود کو شامل کرلیا جنہیں تلامذۂ رحمٰن کہا جاتا ہے:

واحسن منك لم ترقط عینی   **واجمل منك لم تلدالنساء**
(حسان ابن ثابت رضی اللہ عنہ)

یا رب صل و سلم دائماً ابداً   **علیٰ حبیبك خیرالخلق کلهم**
(امام شرف الدین بوصیری رحمۃ اللہ علیہ)

سلام گویم و صلوات بر تونفسے   قبول کن بہ کرم ایں سلام و صلواتم
(حضرت شیخ عبدالقادر محی الدین جیلانی)

بلغ العلیٰ بکماله   **کشف الدجیٰ بجماله**
حسنت جمیع خصاله   **صلوا علیه و آله**
(حضرت مصلح الدین سعدی رحمۃ اللہ علیہ)

یا صاحب الجمال و یا سید البشر   **من وجهك المنیر لقد نورالقمر**
لایمکن الثناء کما کان حقهٗ   بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر
(حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی)

مرحبا سید مکی مدنی العربی   دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی
(حضرت قدسی رحمۃ اللہ علیہ)

لم یات نظیرك فی نظر مثل تو نہ شد پیدا جانا
جگ راج کو تاج تورے سر سو ہے تجھ کو شہہ دوسرا جانا
(حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ)

کس کس نے، نہ جانے کتنے پہلو، کتنے زاویئے، رنگ و آہنگ سے مدح سرائی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی محبت و مودت نیز زندگانی کا عنوان بنالیا۔ اس منزل پر ایک اور بات گوش گذار کردوں کہ ایسی آیات جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت کے ساتھ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی تاکید فرمائی یا پھر اپنی ناراضگی کے ہمراہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی کی نحوستوں کا ذکر کیا ہے ان آیات کا تو شمار مشکل ہے مگر ایسی آیات کثرت سے مل جاتی ہیں جن میں اللہ جل شانہٗ نے اپنی ذات کے حوالے کے بغیر سرکار دوجہاں (روحی فداک) کی نعت فرمائی ہے۔ آپ سے بات کرنے کے آداب سکھائے، انتباہ دیا، آپ کی بزرگی برتری کا بیان فرمایا یہاں تک کہ میدان حشر میں جب جزاء و سزا، حساب و کتاب کا معاملہ درپیش ہوگا کسی کو بارگاہ رب العزت جل جلالہٗ میں لب کشائی کی جرأت نہ ہوگی ارشاد ہے۔ **یوم یقوم الروح والملٰئکة صفاً لا یتکلمون الا من اذن له الرحمن و قال صواباً۔** (سورہ انبیاء) (جس دن جبرئیل علیہ السلام جیسے مقرب فرشتے اور باقی تمام ملائکہ خدا کی بارگاہ میں صف بستہ خاموش کھڑے ہوں گے کوئی بول بھی نہ سکے گا ہاں وہ ذات جسے اللہ تعالیٰ اجازت دیں یعنی سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث شریف میں آیا ہے۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "میں اللہ پاک کے قہر وجلال کو کم کرنے کے لئے سجدہ ریز ہوکر اس کی کبریائی بیان کروں گا اس وقت حق تعالیٰ کا ارشاد ہوگا۔ **اِرْفَعْ یَا مُحَمَّدُ رَأسَكَ اِشْفَعْ تَشْفَعْ** (اے محمد! اپنا سر اقدس اٹھایئے آپ جو سفارش کریں گے قبول کی جائے گی) بقول شاعر:

ترے کرم سے کرم بنے گا عذاب اور حساب تیرا
پڑھوں گا حضرت کا وہ قصیدہ کہ ہنس پڑے گا عتاب تیرا

نعت شریف کے باب میں ایک بہت ہی باعظمت باکرامت قابل احترام و تعظیم نام امام اہلسنّت حضرت مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی کا اپنی پوری آب و تاب سے رخشندہ و تابندہ نظر آتا ہے جن کی اعلیٰ ترین شخصیت کے تعارف میں ڈاکٹر مسعود احمد دہلوی نے بہت واضح الفاظ میں لکھا ہے:

"امام احمد رضا خاں اسی عالمی جماعت کے قائد و رہبر تھے جو والہانہ و جاں نثارانہ اس کی محبت اور رسول اکرم کی رسالت و خاتمیت پر یقین رکھتی ہے

جس کو حضور انور سے والہانہ و جان نثارانہ محبت ہے، جس کو اہلبیت سے محبت ہے، ازواج مطہرات سے محبت ہے، صحابہ سے محبت ہے، تابعین سے محبت ہے اور تبع تابعین سے محبت ہے۔ ائمہ اربعہ سے محبت ہے، محدثین وفقہاء سے محبت ہے۔ اولیائے امت سے محبت ہے، صلحائے امت سے محبت ہے اور ہر عاشق رسول سے محبت ہے۔ یہ جماعت صرف محبت کی بات کرتی ہے اور محبت نہ کرنے والوں سے نفرت کرتی ہے جو ساری امت کو محبت رسول کے نکتہ پر جمع کرتی ہے بیشک یہ جماعت عالمی جماعت ہے اسی کو سواد اعظم اہلسنّت کہا جاتا ہے اور امام احمد رضا خاں اس عالمی جماعت کے رہبر و رہنما تھے اور وہی رہبر و رہنما ہیں۔'' (مضمون تعلیمات اجماع امت اور امام احمد رضا خاں مطبوعہ رہنمائے دکن مورخہ 24.07.1995)

اس اقتباس کی روشنی میں ہمیں صرف ایک ہی بات سمجھ میں آتی ہے اور وہ ہے ''محبت''، یعنی عشق اور وہ بھی خدائے برتر و بزرگ اور اس کے حبیب رسول اکرم پیغمبر آخرالزماں نبی برحق صلی اللہ علیہ وسلم سے بلکہ ان سے وابستگان سے بھی، واضح رہے کہ یہ عشق یا محبت ہی ہے جو تکوین عالم کا باعث بنی کنت کنز مخفیاً الخ کی حدیث قدسی اس پر دال ہے بھلا اس محبت سے کون ہوگا جو انکار کرے گا مگر یہ توفیق من اللہ ہے، اسی عشق کا اظہار بطرز شاعری خصوصاً مدیح النبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت سے بعثت سرکار سے قبل اور اس کے بعد تا قیام قیامت ہوتا رہے گا جو یقیناً خدائے عزوجل کے ہاں بھی قابل توجہ انعام و مغفرت ہے۔ یاد رہے کہ عشق یا محبت ایک فطری جذبہ ہے ودیعتِ الٰہی ہے جس کا ظہور مختلف صورتوں اور مختلف حالات میں مختلف کیفیات کے ساتھ ہوتا ہے۔ بعض محبتیں طبعی اور بعض ارادی و اکتسابی ہوتی ہیں، اس کائنات کی تکوین میں اسی محبت ہی کی کارفرمائی ہے حدیث قدسی میں ہے۔ "کنت فاحببت ان الحرف مخلقت الخق" اس کی روشنی میں دنیا کی کوئی شے ایسی نہیں جو محبت کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی نہ ہو، ذرہ ذرہ میں محبت کے آثار ہیں کہیں پوشیدہ و پنہاں اور کہیں ظاہر و نمایاں، عشق کا یہ میدان بڑا وسیع و عریض ہے اہل اللہ نے اس عشق کو اخلاق، علم النفس اور تصوف کے تحت کئی ایک مدارج و مراتب میں تقسیم کیا ہے۔ قاضی محمد سلیمان منصوری نے اپنی کتاب ''رحمۃ للعالمین''، میں حدیث شریف ''والحب اساسی'' کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ سے محبت کے بیان کے لئے ایک لفظ ''عبودیت'' کفایت

کرتا ہے اس لئے کہ محبت ہی سے انابت الی اللہ کی صفت پیدا ہوتی ہے۔ صبر، زہد، حیا، فقر سب محبت کے بغیر بے معنی ہیں۔ محبت ہی قوت قلب ہے محبت ہی غذائے روح ہے محبت ہی قرۃ عین ہے محبت ہی حیات الابدان دل کی زندگی، زندگی کی کامیابی، کامیابی کو دوام و بقا بخشنے والی، غرض محبت ہی سب کچھ ہے۔''

(ص:13، جلد:3)

اسی عشق و محبت سے متعلق دنیا بھر کے واقعات تاریخی صفحات پر بکھر پڑے ہیں۔ اسی محبت کی پاکیزگی رفعت و کمال کا ایک قرینہ وسلیقہ مدیح النبوی صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں سرکار دوعالم کی محبت اور آپ کی فضیلتوں کے بارے میں آیات مبارکہ کا اظہار کیا ہے اس سے راست اکتساب کرتے ہوئے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جن کا ایک ایک لمحہ ایک ایک ساعت عشق محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے عبارت ہے۔ مدح وثناء سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کو مفتخر وممتاز بنالیا، حق تعالیٰ کے مقرب ہوئے اس کے فضل وانعام سے سرفراز ہوئے ان میں شعرائے کرام بھی ہیں، ارمغانِ نعت کے حوالے سے کہا جاسکتا ہے کہ عہد رسالت میں کوئی 22 / حضرات کے اشعار نعت بحوالہ روایت مل جاتے ہیں۔ ان سب شعراء نے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت و سیرت، اسوۂ حسنہ خلق عظیم مثالی کردار نورٌ علی نور سے کامل مودت ومحبت اور عقیدت رکھتے ہیں۔ آپ کی مدح و ثناء کو ایمان وایقان کی نعمت عظمیٰ سمجھتے ہیں نیز اوصاف وشمائل رسول کے بیان سے خود کو مالا مال کرتے ہیں۔ ویسے بھی آپ کے اوصاف حمیدہ، اخلاق جمیلہ وکمالات ومعجزات کے بیان سے انسانی فکر وقلم عاجز ہے یہ حیطۂ انسانی میں نہیں آسکتا۔ اس لئے کہ یہاں ذرا سی بھی لغزش افراط وتفریط کی مستلزم ہوتی ہے۔ قرآن مجید کے اعلان **لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی** کے بعد اس میں کس درجہ احتیاط کی ضرورت ہوگی وہ بقول عرفی شیرازی:

عرفی مشتاب ایں رہ نعت است نہ صحرا آہستہ کہ رہ بسر دم تیغ است قلم را

مرزا غالب کے الفاظ میں:

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گذاشتیم کاں ذات پاک مرتبہ دان محمد است

اس طرح عربی و فارسی زبان میں نعت شریف کہنے کی سعادت حاصل کرنے والوں کی خاصی تعداد ہماری ادبی تاریخ کا حصہ ہوگی۔ اب تو دنیا بھر میں مسلمان شعراء اپنی اپنی زبانوں میں بھی نعتیہ کلام لکھ رہے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر اور ان کی رفعت شان کا بیان کرنا شاعری کا

معراج کمال ہے اور خود شاعر کے لئے وسیلۂ نجات و مغفرت۔

اعلیٰ حضرت مولانا امام احمد رضا خاں کی شخصیت اور نعت گوئی کی اعلیٰ ترین کیفیات کا احاطہ کرتے ہوئے پروفیسر مسعود احمد نے اپنی کتاب ''محدث بریلوی'' میں بحوالہ ڈاکٹر بار برابر کلے یونیورسٹی لکھا کہ محبت رسول، محبت اولیاء اور محبت مشائخ فاضل بریلوی کا طرّہ امتیاز تھا، وہ خود لکھتے ہیں:

> ''میرے دل کے دو ٹکڑے کئے جائیں تو ایک پر لا الہ الا اللہ اور دوسرے پر محمد رسول اللہ لکھا ہوگا۔'' (ص:68)

چنانچہ ''حدائق بخشش'' اسی محبت کا حسین و مقدس گلدستہ ہے جس میں بدرجۂ اتم عشق ہی کا ظہور ہوگا۔ ڈاکٹر الٰہی بخش اختر اعوان (پشاور یونیورسٹی) ''عرفانِ رضا'' میں رقمطراز ہیں:

> ''نعت گوئی کی تاریخ میں حضرت رضا رحمۃ اللہ علیہ ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں اس میدان میں ان کی آواز سب سے نمایاں اور ممتاز ہے ان کی نعتوں کی دلکشی، حسن اور سوز سب سے الگ ہے، ان کے ہاں داخلیت کی ایسی روایت ملتی ہے جو اس سے پہلے کسی دوسرے نعت گو کے ہاں موجود نہیں، داخلی کیفیات، ذاتی احساسات، جذباتی واقعات اور قلبی واردات کا اچھوتا انداز ان کے ہاں پایا جاتا ہے چونکہ ان تمام تجربات کا منبع و سرچشمہ مرکز و محور ان کی اپنی ذات ہے جو عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی یکتائی میں گم ہو چکی ہے اور ان کی کائنات ان کے دل کی دنیا ہے جس میں عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جوہرِ بے مثال ولا زوال ضوفشاں ہے انہوں نے جو کچھ کہا وہ اسی کائنات دل میں ڈوب کر کہا۔ علوم و فنون کا بے بہاء ذخیرہ اور اس پر عشق حبیب خدا کی دولتِ بیکراں بس ایک نعت گو شاعر کو اور کیا چاہئے۔'' (ص:35)

طوبیٰ میں جو سب سے اونچی نازک سیدھی نکلی شاخ
مانگوں نعتِ نبی لکھنے کو روح القدس سے ایسی شاخ

بقول مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی:

> ''حضرت امام احمد رضا خاں جہاں ایک باریک بیں و نکتہ داں، محقق اور دور رس مدبّر تھے وہیں نازک خیال شاعر بھی، آپ نے اردو ہندی فارسی اور عربی چاروں زبانوں میں اشعار کہے ہیں۔''

حضرت امام احمد رضا خاں نے عربی میں دو قصائد محامد فضل رسول اور حمائد فضل رسول جو

قصیدتان رائستعان کے عنوان سے شائع ہو چکے ہیں اس کے علاوہ عربی کے بہت سے اشعار، منظومات وقطعات کے قطع نظر بعض عربی قصائد کی اصلاح بھی فرمائی۔ واضح رہے کہ شاعری میں نعت گوئی اگرچہ موضوعی ہے لیکن اکثر نے اسے صنف سخن قرار دیا ہے اور ایسے شاعر قال قال ہی نظر آتے ہیں جنہوں نے محض نعت گوئی کو اپنا مطمح نظر بنائے رکھا اس اختصاص کے ساتھ اپنے آپ کو نعت آقائے نامدار سے وابستہ کرلیا۔ عربی وفارسی شعراء کے بعد اردو میں حضرت امیر مینائی، محسن کاکوروی، غلام امام شہید، کرامت علی شہیدی بیدم وارثی، اکبر میرٹھی، ضیاء القادری، حمید صدیقی، بہزاد لکھنوی، حضرت شائق حیدرآبادی، مولانا کامل شطاری، خواجہ عبدالعلی صدیقی، حضرت امجد حیدرآبادی وغیرہ کے علاوہ مولانا حالی، مولانا شبلی، علامہ اقبال، حفیظ جالندھری، عبدالعزیز خالد کے نام امتیازی حیثیت رکھتے ہیں جب کہ دوسرے اچھے اور ممتاز شعراء کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ محض نام ہی گنائے جائیں تو کئی صفحات ہو جائیں، مگر ان میں بھی حضرت امام احمد رضا خاں کی نعت گوئی مہتم بالشان اور قابل قدر ایمان افروز ہوگی کیونکہ حضرت اس عشق رسول سے سرشار مست الست تھے اس سرشاریٔ محبت میں بھی وہ ہمیشہ اس کا اہتمام کرتے کہ بقول حضرت عزت بخاری رحمۃ اللہ:

ادب گاہیت زیر آسماں از عرش نازک تر — نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید اینجا

گر بخواہی معرفت وقرب ذات کردگار — باخدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار

اور اسی ہزم واحتیاط وادب اور مرتبت کو ذہن نشین رکھتے ہوئے نعت شریف کا التزام برقرار رکھا، کمال تن کی یکتائی مزاج ومحبت کی انفرادیت کے ہمراہ صرف اور صرف حمد وثنا کو حرز جاں بنالیا اور ایسی ایسی نعتیں لکھیں جو فکر وفن اظہار وابلاغ جذب وشوق تاثیر وتاثر کے لحاظ سے ہی نہیں بلکہ شریعت کی روشنی میں ایمانی وایقانی تقاضوں کو باحسن وجوہ پورا کرتی ہیں۔ حدائق بخشش (حصہ اوّل ودوم) کا مطالعہ اس بات کا ثبوت فراہم کرتا ہے کہ اس کا ایک شعر بھی ایسا نہیں جو کتاب وسنت سے متصادم اور احکام شریعت سے مزاحم ہو، اور محامد ومحاسن رسول کی شرح وبسط کے کسی مرحلہ پر بھی حد وادب ہی کیا حسن کا لازوال اور عشق بے مثال کے اعلیٰ معیارات کا اعتبار قائم رکھا۔ زبان وبیان مضمون آفرینی کے باب میں کسی کسی قرینے وسلیقے کا جائزہ لیا جائے تاہم شعر ونغمہ شدت جذبات اضطرار واضطراب روح کی کیفیات کے ساتھ ساتھ عشق کی حضوری، حبیب ومحبوب کے درمیانی ربط وتعلق کے ہفت خوانی کی تفصیلات کے لئے ''کلام رضا'' ایمانی حرارت ایقانی دولت کی دولت سے جدا نہیں اس ضمن میں اصغر حسین خاں نظیر نے بجا طور پر اعلیٰ حضرت کے کلام کا علمی وفنی جائزہ لیا ہے جس میں شاعری کی تمام

اصناف اور جہتوں کو مدنظر رکھا گیا جب کہ عشق خدا عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریح بھی ہے جس میں قرآن مجید اور احادیث کے حوالے صاف دکھائی دیتے ہیں:

وہ نامی کہ نام خدا، نام تیرا رؤف و رحیم و علیم و علی ہے
جو تری جان کے دشمن تھے وہ بھی کہتے ہیں امین تو ہے صداقت کی آبرو تو ہے
محمد مظہر کامل ہے حق کی شان عزت کا نظر آتا ہے اس کثرت میں کچھ انداز وحدت کا
ان کی مہک نے دل کے غنچے کھلا دیے ہیں جس راہ چل گئے ہیں کوچے بسا دیئے ہیں
ان کے نثار کوئی کیسے ہی رنج میں ہو جب یاد آ گئے ہیں سب غم بھلا دیئے ہیں

عبارت مختصر! امام اہلسنّت اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں فاضل بریلوی کی نعت گوئی دراصل عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ایسا گلدستہ ہے جس کا ہر پھول اپنے رنگ اپنی خوشبو میں منفرد وممتاز، ایمان نواز، باعث مغفرت ہے۔ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں لکھتے ہیں:

''اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں علیہ الرحمہ اپنے دور کے بے مثل علماء میں شمار ہوتے ہیں۔ان کے فضل وکمال ذہانت وفطانت، طبّاعی ودرّاکی کے سامنے بڑے بڑے علماء وفضلاء یونیورسٹیوں کے اساتذہ، محققین اور مستشرقین نظروں میں نہیں جچتے، مختصر یہ کہ وہ کون سا علم ہے جو انہیں نہیں آتا تھا اور وہ کون سا فن ہے جس سے وہ واقف نہ تھے۔شعر وادب میں بھی ان کا لوہا ماننا پڑتا ہے اگر صرف محاورات مصطلحات ضرب الامثال اور بیان وبدیع سے متعلق تمام الفاظ ان کی جملہ تصانیف سے یکجا کر لئے جائیں تو ایک ضخیم لغت تیار ہو سکتی ہے۔''(ص:5،کلام رضا رحمۃ اللہ علیہ)

ذہن میں مختلف عنوانات کے تحت چند اشعار درج کرنے کی سعادت حاصل کی جاتی ہے جس سے ایک طرف اعلیٰ حضرت کا تبحر علمی، عشق صادق کا اندازہ ہوگا تو دوسری سمت قاری یا سامع کی ایمانی کیفیات میں اضافہ کا باعث بھی۔

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت وصداقت کا اعتراف:

جو تری جان کے دشمن تھے وہ بھی کہتے تھے امیں تو ہے صداقت کی آبرو تو ہے

وہ خدا نے مرتبہ تجھ کو دیا نہ کسی کو ملے نہ کسی کو ملا
کہ کلام مجید نے کھائی شہا ترے شہر وکلام وبقا کی قسم

محمد مظہر کامل ہے حق کی شانِ عزت کا نظر آتا ہے اس کثرت میں کچھ انداز وحدت کا
وہ نامی کہ نام خدا، نام ترا رؤف و رحیم علیم وعلی ہے
گنہگاروں کو ہاتف سے نوید خوش مآلی ہے مبارک ہو شفاعت کے لئے احمد سا والی ہے
فریاد امتی جو کرے حال زار میں ممکن نہیں کہ خیر بشر کو خبر نہ ہو
لیں شفاعت نے قیامت میں بلائیں کیا کیا عرقِ شرم میں ڈوبا جو گنہگار آیا

گویا اعلیٰ حضرت کی نعتیہ شاعری ایک مینارۂ نور سے جدا نہیں جس کی ضیاء پاشی نے ایک عالم کو تابناک بنا دیا ہے ہنوز یہ سلسلہ جاری ہے آپ کا ایک قصیدہ نوریہ بڑا مقبول ہوا جس کا مطلع ہے:

صبح طیبہ میں ہوئی بٹتا ہے باڑا نور کا صدقے لینے نور کا آیا ہے تارا نور کا

اعلیٰ حضرت کا سلام بھی بے حد مشہور رہوا میلاد شریف کی کوئی محفل ہوگی دینی جلسوں کی کوئی مجلس ہوگی جہاں یہ سلام نہ پڑھا جاتا ہو اس کے کل 170 اشعار ہیں:

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام شمع بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام
مہر چرخ نبوت پہ روشن درود گلِ باغ رسالت پہ لاکھوں سلام
فتح باب نبوت پہ بے حد درود ختم دور رسالت پہ لاکھوں سلام
شہریار ارم تاجدارِ حرم نوبہار شفاعت پہ لاکھوں سلام
جاں نثاران بدر و احد پر درود حق گذارانِ بیعت پہ لاکھوں سلام
مجھ سے خدمت کے قدسی کہیں ہاں رضاؔ مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام

اپنی اس گفتگو کو حضرت ہی کے اس شعر پر ختم کرتا ہوں:

خدا کی رضاؔ چاہتے ہیں دوعالم
خدا چاہتا ہے رضائے محمد

☆☆☆

پروفیسر محمد شریف سیالوی (سیالکوٹ، پاکستان)

اندلسی شاعری میں روایت مدح رسول ﷺ

عربی شعر و ادب میں اسلامی اندلس کا بہت بڑا حصہ ہے۔ بایں ہمہ یہ ایک حقیقت ہے کہ شعرو شاعری میں ان کا امتیاز نظم بدیع، توشیح اول زجل ہیں جو صرف اہل اندلس کی اختراع ہیں۔ ان جدید اصناف سخن اور روایت شعری کے ناطے سے ابن المعتز ابن زمرک اور ابن قزمان کے نام تاریخ ادب اندلس میں بہت نمایاں ہیں۔ طائرانہ نظر سے ہی یہ بات واضح ہے کہ شعر و ادب نیز دیگر علوم وفنون بہر نوع مشرقی علوم (مشرقی بلاد اسلام) کی توسیعی شکل ہیں۔ تاریخ نے عبدالواحد المراکشی، ابوالولید الباجی، ابوبکر بن العربی، ابن العربی الشیخ الاکبر اور ان جیسے سیکڑوں علماء، فقہاء، صوفیاء اور ادباء کے اسماء گرامی محفوظ کئے ہیں جنہوں نے مشرق میں واقع اسلامی ممالک کا رخ کیا، اور علوم وفنون کے خزانے اندلس منتقل کئے۔ سچ یہ ہے کہ مغرب یعنی یورپ کی علمی بیداری میں اہم ترین کردار بھی اسلامی اندلس کا ہے۔

موضوع زیر بحث اندلسی شاعری کے جملہ اصناف نہیں بلکہ صرف نعتیہ شاعری ہے۔ بالخصوص پانچویں اور چھٹی صدی ہجری میں۔ اس صنف میں اندلسی شعراء اور ان کے کلام کا باختصار تعارف مقصود ہے۔ نعتیہ شاعری کے حوالے سے سب سے بڑا محرک تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا ہے۔ بتقاضائے ایمان رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور اتباع ناگزیر امر ہے۔ یوں جسے دولت ایمان میسر آجاتی ہے۔ وہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور قلب ونگاہ فرش راہ کر دیتا ہے اور جسے زبان و بیان پر قدرت حاصل ہو وہ اپنے آقا کے حضور ہدیہ عقیدت پیش کرتا ہے۔ فکر قلم اور زبان کو پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے وقف کر دیتا ہے۔ انہیں پاکیزہ جذبات اور قدرت زبان و بیان سے شعر کی ''صنف مدح'' میں ایک اور روایت جنم لیتی ہے۔ جو ریاء سے پاک، لالچ اور حرص سے منزہ ہے، ممدوح بھی مخصوص ہوتا ہے جسے ''نعتیہ شاعری'' اور ''مدیح الرسول'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ موضوع کے

اعتبار سے اس شعری روایت کا سلسلہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ البتہ اسالیب کے اعتبار سے اندلسی شعراء نے جدت طرازی بھی کی۔ اندلس کے فقہاء وصوفیاء نے نعتیہ شاعری کو محبت وعقیدت کے ساتھ ساتھ علم کا پیرایہ بھی مہیا کیا۔ صرف فقہاء وصوفیاء اور ادباء ہی نہیں تھے جنہوں نے یادرسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پھول سجا کر قلب ونظر کی تازگی کا اہتمام کیا بلکہ اس کارخیر میں حکام، امراء اور سلاطین بھی برابر کے شریک رہے۔ احمد المقری نے نعتیہ شاعری کی ان پروقار محافل کا ذکر بڑی تفصیل سے کیا ہے۔

اندلسی نعتیہ شاعری میں اصناف واسالیب کے لحاظ سے بڑا تنوع ملتا ہے۔ تشبیب سے قصیدے کا آغاز حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی روایت کا تسلسل دکھائی دیتا ہے۔ کہیں واردات قلبی کا بیان نمایاں ہے تو کہیں سراپا قدسی کی توصیف وثناء ہے۔ معجزات اور کمالات مصطفوی کا تذکرہ بڑی عقیدت سے ہے۔ عروض وقوافی کی مناسبت سے قصیدہ ''بانت سعاد'' کی تضمین اور وزن پر متعدد قصیدے نظم ہوئے، موشحات، مخمسات اور مسدسات میں نعتیں لکھی گئیں، نظم بدیع میں ایسے قصائد ہیں جن میں قافیہ حروف تہجی کی ترتیب سے آتا ہے، بعض قصیدوں کے ہر بیت کے اوّل وآخر میں خاص حروف تہجی کی ترتیب کا انتظام کیا گیا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں درود وسلام اور شفاعت کی درخواست کا مضمون بکثرت ملتا ہے۔ نیز خلفاےء راشدین، صحابۂ کرام اور اہل بیت علیہم الرضوان کے ساتھ تعلق خاطر اور اس کا اظہار نعتیہ کلام کا حصہ سمجھا جاتا تھا۔

ابوزکریا یحییٰ بن محمد بن خلدون کا نعت گوئی میں ایک خاص مقام تھا۔ وہ دیار حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرتے ہیں اور ہجر وفراق کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی کیفیات کے ذکر سے قصیدے کا آغاز کرتے ہیں ملاحظہ ہو:

ما علی القلب فی الھویٰ من جناح ان بری حلف عبرۃ و افتضاح
و اذا ما المحب حبل اصطبارا کیف یصفی الی نصیحۃ لاحی

اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہر عاشق محبت کے نتیجہ میں رسوائی اور بہتے آنسو دیکھتا ہے۔ عاشق کا پیمانہ صبر جب لبریز ہوجاتا ہے تو وہ کسی ملامت کرنے والے کی نصیحت پر کان دھرنے کے لئے آمادہ نہیں ہوتا۔

اس قصیدہ میں حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عظمت میں گلہائے عقیدت پیش کرنے کے بعد اس قلبی تعلق کو اخروی بخشش کے لئے بطور وسیلہ پیش کرتے ہیں:

و اخساری یوم القیامته ان لم مفر فر اله زلّی و اجتراحی
لم اقدّم وسیلة منه الّا حب خیر الوریٰ الشفیع الماحی

اگر بروز قیامت اللہ میری لغزش اور گناہ کو نہ بخشے تو یہ بہت بڑا خسارہ ہے اس لئے میں اس کی بارگاہ میں سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم، شفیع اور ماحی ذات کی محبت کے اور کوئی وسیلہ پیش نہیں کر سکتا۔

واردات قلبی اور جذبات محبت کی ایسی حسین تصویر عبدالعزیز بن علی غرناطی کے ہاں ملتی ہے:

القلب عشق والمدامع تنطق برح الخفاء قل عضو منطق
ان کنت اکتم ما اکن من الجویٰ فتحوب لونی فی الغرام مصدق
فلکم سرّت عن الوجود محبّیٰ والد مع یفصح ما یسر المنطق
فمتی نظرت فانت موضع نظرتی و متی نطقت فما بغیرك انطق
یا سائلی عن بعض کنه صفاته کل اللسان و کل عنه المنطق

دل محبت کناں ہے اور آنسو بول رہے ہیں، حجاب اٹھ گیا تو ہر عضو بولنے لگ گیا، اگر میں اپنی پنہاں محبت کو چھپاتا ہوں تو عشق میں رنگت کی تبدیلی اس امر کی تصدیق کر دیتی ہے۔ کتنی بار میں نے اپنی محبت کو چھپایا لیکن آنسو اس کا اظہار کر دیتے ہیں، جسے زبان چھپاتی ہے۔ میں جب بھی بولنا چاہتا ہوں تو آپ کے علاوہ کسی اور کے بارے میں کہہ نہیں سکتا، اے وہ شخص کہ آپ کے بعض صفات کی حقیقت کے بارے میں سوال کرتا ہے حق یہ ہے کہ اس بارے میں تو زبان وکلام کی ساری قوتیں کند ہوگئی ہیں۔

امام اثیرالدین محمد بن حیان کا ایک مشہور نعتیہ قصیدہ جو ''بانت سعادُ'' کی بحر میں ہے۔ اس میں حضور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد معجزات کا تذکرہ نہایت دل نشین انداز میں کرتے ہیں:

و کم له معجزا غیر القران الیّ فیه تضافر منقول و معقول
فالرسول اشقاق البدر نشهده کما لموسیٰ انفلاق البحر منقول
و نبع ماء فرات من انامله کالعین ثرت فما الهتان ما الفیل
وروّی الخمیس و هم زهاء سبعئی مع الرکاب فمشروب و محمول
و رد عین بکف جاء یحملها فتادة و له شکوی و تعویل

قرآن کے علاوہ بھی آپ کے بہت سے معجزے ہیں اس بارے میں عقلی اور نقلی روایات بکثرت ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے چاند کے دوٹکڑے ہو جانے کا معجزہ کچھ ایسے ہی ہے

جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے سمندر کے پھٹ جانے کا معجزہ منقول ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگشت مبارک سے زوردار چشمہ کی طرح فرات کا پانی بہہ نکلا، ہتان اور نیل کی حیثیت ہی کیا ہے۔ سات سو افراد سے زائد لشکر بمع سواریوں کے سیراب ہوا، پانی پیا بھی گیا اور ضرورت کے لئے ساتھ اٹھالیا گیا۔ حضرت قتادہؓ ہتھیلی پر اپنی آنکھ رکھ کر لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنی جگہ لوٹا دیا، کیونکہ ان کی فریاد اور بھروسہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر تھا۔

اندلسی شاعری میں معجزات کے موضوع پر بہت سے قصیدے نظم ہوئے، البتہ بحور وقوافی کے اعتبار سے تنوع ہے۔ ابوبکر احمد بن جزی اندلسی کا ایک قصیدہ ہے جس میں ہر بیت کا دوسرا مصرع جاہلی دور کے مشہور شاعر امرء القیس کے قصیدے سے ماخوذ ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

الم تر انّ الطبية استشفعث به — تميل عليه هوفته غير مجفال
وقال لها عودى فقالت له نعم — ولو قطعوا رألى لديك او صالى
واضحى ابن جحش بالصيب مقاتلا — وليس بذى رمح وليس نهال
وحسبك من سوط الطفيل اضائة — كمصباح زيت فى قناديل ذهال

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ ہرنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سفارش کی درخواست کرتی ہے۔ وہ بلاخوف وخطر بڑے سکون سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مائل ہو جاتی ہے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوٹ کر آ جانا تو اس نے جواب میں کہا ''ہاں'' خواہ وہ اس کا سر اور اعضاء کاٹ ہی ڈالیں۔ ابن جحش رضی اللہ عنہ کھجور کی شاخ کے ساتھ لڑنے لگے اس وقت نہ تو وہ نیزے والے تھے اور تیرانداز، طفیل رضی اللہ عنہ کی لاٹھی جو یوں روشنی دیتی ہے جیسے قندیل میں رکھا ہوا زیتون کے تیل سے روشن بتی والا چراغ ہو، بیان معجزہ کے لئے کافی ہے۔

مدح الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صنف شاعری میں کلیدی کردار لسان الدین ابن الخطیب کا ہے۔ وہ اسلامی اندلس کے نامور ادیب، مورخ اور شاعر تھے۔ کثیر التصانیف ہونے کے ساتھ ساتھ وزارت اور قضاء کے عہدوں پر فائز رہے۔ ان کے عہد میں بالخصوص سلاطین اور امراء کے ہاں محافل میلاد کی تقریبات کا انعقاد ہوتا۔ ہر سال میلاد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت بڑا اجتماع ہوتا جس میں گونا گوں کھانوں کے دسترخوان بچھا دیئے جاتے اور نعتیہ قصائد پڑھے جاتے۔ وقت کے حکمران بھی اس میں شریک ہوتے۔ احمد المقری صاحب فتح الطیب نے متعدد سالوں کی اس پروقار تقریب میں پڑھے جانے والے نعتیہ قصائد کا ذکر کیا ہے۔ لسان الدین بن الخطیب کے ان تقریبات کی نسبت سے

قصیدے بڑی خصوصیت کے حامل ہیں۔ سال 763ھ کی محفل میلاد کے قصیدے کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

نشدتك يا ركب الحجاز تضائلت لك الارض فهما استغرض السهل و امتدا
اذا انت شافضت الديار بطيبة وجئت بها القبر المقدس و للحدا
وأنست نورا من جناب محمد يجلى القلوب الخلق والاعين الرمدا

اے حجاز کے راہی! زمین کے میدان طویل ہوں یا عریض تیرے لئے آسمان ہو جائیں۔ جب تو مدینہ طیبہ کے دیار دیکھے تو وہاں اس قبر مقدس پر حاضر ہونا اور بارگاہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے مانوس ہو جانا کیونکہ وہ نور تاریک دلوں کو جلا بخشتا ہے اور آشوب زدہ آنکھوں کو روشنی دیتا ہے۔

لسان الدین ابن الخطیب کا امتیاز اس لحاظ سے بھی ہے کہ ان کے مشائخ اور اساتذہ میں بھی نعت گوئی کا ذوق بدرجہ کمال تھا۔ ابوالقاسم بن جزمی بارگاہ نبوی میں اپنے عجز کا اعتراف کرتے ہیں کہ ثنائے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ادا کرنا کسی کے بس میں نہیں، نعت گو شعراء کے ہاں اس مضمون پر کلام بکثرت ملتا ہے۔ شیخ ابوالقاسم بن خبری نے اس مضمون کو کتنی خوبصورتی سے پیش کیا۔ فرمایا:

اردم امتداح المصطفى فيردنى قصورى عن ادراك تلك المناقب
و من لى مجر البحر والبحر زاخر و من لى باحصاء الحصا والكواكب
ولو ان اعضائى غدت السانا عابلغت فى المدح بعض المارب
و لو ان كل العارفين تابوا على مدحه لم يبلغوا بعض واجب

جب میں مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مدح سرائی کا ارادہ کرتا ہوں تو ان عظیم مناقب کے ادراک میں میری طبعی کمزوری مجھے اس سے باز رکھتی ہے۔ آخر کون ہے جو بحر زخار کا احاطہ کر سکے اور ان بے شمار سنگریزوں اور ستاروں کو گن سکے، اگر میرے سارے اعضاء زبان بن جائیں تو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح کے بعض مقاصد کو بھی نہیں پہنچ سکتا اور اگر تمام عارفین اکٹھے ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح کرنا چاہیں تو وہ اس واجب کا بعض بھی ادا نہ کر سکیں۔

لسان الدین ابن الخطیب بلاشبہ نعتیہ شاعری کی روایت کے سب سے بڑے مبلغ تھے۔ ان کے تلامذہ اور اولاد و امجاد نے اس صنف سخن میں وقیع خدمات سرانجام دیں، ان قصائد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل، محاسن، شمائل اور معجزات و کرامات کا دل نشین اور ایمان افروز اظہار ہے۔ چونکہ یہ لوگ محض شاعر ہی نہ تھے بلکہ وہ علوم شریعت کے ماہر بھی تھے اس لئے ان قصائد میں قرآن و

سنت اور آثار و تواریخ اور سیر کے کئی حوالے اور اشارے ملتے ہیں۔ اندلس میں قاضی عیاض رضی اللہ عنہ کی کتاب ''الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ'' بڑی مقبول تھی۔ ہر خاص و عام اس کتاب کا مطالعہ بڑے شوق سے کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نعتیہ قصائد کے مضامین کا ایک بڑا ماخذ یہی کتاب رہی ہے یہ قصائد فنی اعتبار سے نظم بدیع اور فصاحت و بلاغت میں بھی شاعری کی کسی دوسری صنف سے ہرگز کم نہیں۔ میلادِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر لسان الدین ابن الخطیب کے اشعار ملاحظہ ہوں:

لمولدك اهتزّ الوجود فاشرقت　قصور ببصری ضائت الهضب والوحدا

و من رعبه الا و ثان خرت مهابته　و من هوله ایوان کسری قد انهدا

رعی اللّٰه منه لیلة اطلع الهدیٰ　علیٰ الارض من آفاقها القمر السعدا

آپ کی ولادت سے کائنات جھوم اٹھی، بصرہ کے محلات روشن ہو گئے، بلندی و پستی چمک اٹھی، آپ کے رعب سے بت اوندھے منھ گر پڑے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دبدبہ سے ایوان کسریٰ لرز گیا۔ اللہ کی طرف سے اس رات کی خیر ہو جس میں زمین پر آفاق سے ہدایت کا سعادت مند چاند طلوع ہوا۔ بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی مدحت و ثناء میں اپنی عاجزی اور درماندگی کا یوں اعتراف کرتی ہیں:

یا مصطفی من قبل نشاة آدم　والکون لم تنسح له اغلاق

ایردم مخلوق ثنائك بعد ما　اتی علی اخلاقك الخلاق

اے وہ ذات جسے تخلیق آدم علیہ السلام سے پہلے چن لیا گیا اور جب کائنات کو عدم سے وجود کی طرف نہیں لایا گیا تھا۔ کیا مخلوق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ثناء کا حق ادا کر سکتی ہے جب کہ خود خلاق کائنات نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کی تعریف فرمائی ہے۔

نعتیہ شاعری کے لئے ''مخمسات'' کا قالب بہت پسند کیا گیا، بالعموم تذکار حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور محافل درود و سلام میں انہیں بڑے ذوق و شوق سے پڑھا جاتا تھا۔ ابن الجیان کا کلام ملاحظہ ہو:

دنت النجوم الزهر یوم ولادة　ورات حلیمة ایته لسیادة

وتحدثت سعد بذکر سعادة　فنقاء لو انعم الیتیم یتیما

صلوا علیه و سلموا تسلیما　لما تر عرع جاء الملاکان

بالطست فیها حکمة الرحمن　فاستخرجا القلب العظیم الشان

منـه و طهـر لـم عـاد سليمـا صـلـوا عـليه و سلموا تسليما

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے وقت روشن ستارے قریب آئے تو حلیمہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیادت کی نشانی دیکھ لی، سعدیہ نے آپ کی نیک بختی کے بارے میں اہل خانہ کو بتایا تو انہوں نے اسے نیک شگون قرار دیا اور کہا کہ یہ یتیم بھی خوب ہے۔ جب آپ پروان چڑھے تو دو فرشتے طشتری میں حکمت ربانی بھر کر لائے۔ انہوں نے اس قلب ذی شان کو باہر نکالا، اسے پاک کیا اور صحیح وسلامت لوٹا دیا۔

ابواسحاق ابراہیم بن سہیل الاشبیلی پہلے یہودی تھے اور پھر اسلام قبول کر کے اولیاء اللہ کی صحبت اختیار کی اور کمال حاصل کیا۔ اپنے بارے میں کہتے ہیں:

تـركـت حدىٰ موسى لحب محمد ولو لا حدىٰ الرحمن ما كنت اهتدى

ومـا عـن قلى مني تركت وائنماں شـريـعـت مـوسـىٰ عـمـلـت بحمد

ان کے نعتیہ قصائد مخمیس میں سے ایک قطعہ ملاحظہ فرمائیے:

ابـدى جبيـن ابيـه شـاهد نوره سـجـعـت بـه الكهان قبل ظهوره

كـالـطيـر غـرد معـربـا بصفيره عـن وجـه اصبـاح يسطل فيمـا

صـلـوٰ عـليـه و سـلـمـوا تسليمـا

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدمحترم کی پیشانی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نور ظاہر ہوا، کاہنوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے قبل ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گن گائے جیسے پرندہ اپنی آواز سے چہچہا کر طلوع صبح کا اعلان کرتا ہے اور بادِ نسیم کی طرح جھانک رہا ہوتا ہے۔ ماہ ربیع الاول اور محفل نعت کی مناسبت سے ادریس بن موسیٰ قرطبی یوں مخاطب ہیں:

اهلا بـكـم يـا اهل هـذا الغـادى اهـل اعتـقـاد الـوعـد والـميـعـاد

احـدوا الـصلوٰة الى النبى الهادى وصـلـوا السـلام كـمـع الاتبـاد

يـنـدى نسيـمـا مـذكـرا تنسيمـا ذاك الـمـقـام الا شهـر الـمحمود

هـو الـنـبـى مـحـمـد مـوعـود فيـه الشـفـا عـنـه ذخرها موجود

ورك الـمـرادو خـوضـه المورود فـضـل الـكـليـم بـه و ابـراهيمـا

مخمسات میں ایک اور جدت یہ بھی کی گئی کہ ہر بند کو خاص حرف تہجی سے شروع کیا جاتا ہے۔ بیت کا اوّل وآخر اسی حروف تہجی پر مشتمل ہوتا ہے اور یوں پورا قصیدہ حروف ہجاء کی ترتیب سے موزون

کیا جاتا، مالک بن المرحل مالقی کے قصیدہ کا قطعہ الف اور قطعہ قاف ملاحظہ ہو:

الف اجــل الانبيــــاء نبــى بـضيـائيـه شـمس النهار تضيئى
و بـه يـؤمـل مـحسن و مسيئى فـضـلا من الـلـه الـعظيم عظيما
صـلــوا عـليـــه و سـلــموا تسليمـا
قـاف، قـوافى النظم عنه تنضيق أيـطـقـه الانســان ليــس يطيق
فـالـخـلق فى التقصير عنه خليق دلـو انهـم مـلـوء الـفضـاء رقومـا
صـلــوا عـليـــه و سـلــموا تسليمـا

الف، انبیاء میں سے عظیم تر نبی صلی اللہ علیہ وسلم جس کی روشنی سے دن کا سورج چمکتا ہے۔ نیک و بد ہر ایک آپ کے کرم کا امیدوار ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا فضل عظیم ہیں۔ قاف، قوافی شعر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں تنگ ہو جاتے ہیں، کیا کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدحت کی طاقت رکھتا ہے؟ نہیں۔ پس مخلوق اپنی عاجزی کا اظہار کرتی ہے تو وہ اسی لائق ہے اگر چہ وہ صفحہ کائنات کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصف وثناء سے پر ہی کر دیں۔ صوفیائے اندلس میں سے الشیخ الاکبر محی الدین ابن العربی کا نام قابل ذکر ہے۔ اپنی شہرۂ آفاق علوم ومعارف کی بے مثال تصنیف ''الفتوحات المکیۃ'' میں ہزاروں اشعار مدحت مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء میں وقف کرتے ہیں۔ نمونۂ کلام پیش خدمت ہے:

الا بــابـى مـن كــان ملكـا و سيدا و آدم بيـن الـمــاء والـطين واقف
فـذاك الـرسـول الا بطحى محمد لـه فـى الـعـلا مـجد تليد و طارف
اذا رام امــرا لا يـكــون خـلافـه فـليس لذاك الامر جى الكون صارف

میرا باپ قربان ہو اس ذات پر جسے سروری وسیادت زیبا ہے اور جو اس وقت بھی تھا جب کہ آدم علیہ السلام پانی اور مٹی میں تھے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم وادی بطحا کے مکین وہ رسول ہیں جن کی بزرگی قدیم موروثی بھی ہے اور نئی بھی۔ جب وہ کسی معاملہ کے بارے میں فیصلہ فرما لیتے ہیں تو اس کے خلاف ہو نہیں سکتا اور نہ کائنات کی کوئی قوت آپ کو اس کام سے باز رکھ سکتی ہے:

يا حبذا المسجد من مسجد وحبذا له الروضته من مشهد
وحبـذا الـطيبــة مـن بـلـدة فيها ضريح المصطفى احمد
صـلـى عـليـه الله من سيده لـولـده لـم نـفـخ و لـم نهتـد

قد قرن اللّٰہ بہ ذکرہ فی کل یوم فاعتبر ترشد

سجدہ گاہوں میں سے سجدہ گاہ مدینہ خوب ہے، زیارت گاہوں میں سے روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم خوب ہے، شہروں میں سے طیبہ خوب ہے جس میں احمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک ہے، اس سید وسردار پر اللہ کی طرف سے درود ہو کیونکہ وہ نہ ہوتے تو ہم نہ فلاح پاتے اور نہ ہدایت۔ ہر روز (اذان ونماز میں) اللہ نے ذکر حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ساتھ ملا دیا اس سے نصیحت حاصل کر ہدایت پائے گا۔ المقری نے اپنی کتاب ''فتح المتعال'' میں اندلسی شعراء کے ایسے قصائد نقل کئے ہیں جن میں نقش نعل مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی لائق تعظیم اور ذریعہ برکت گردانا گیا۔ اس بارے میں ایک اندلسی خاتون کے اشعار ملاحظہ ہوں:

سالثم التّمثال اذا لم اجد للثم نعل المصطفی من سبیل
لعلنی اخطی بتقبیلہ فی جنۃ الفردوس اسنی مقبل

اگر نعل پاک مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم چہرے پر رکھنے کی کوئی صورت نہ نکلی تو میں اس کے نقش پاک ہی کو اپنے چہرے پر رکھ لوں گی تاکہ مجھے اس کے چومنے کی برکت سے جنت الفردوس میں بلند ٹھکانہ مل جائے۔

اندلس میں روایت نعت کا دلچسپ پہلو یہ ہے کہ عربی زبان سے مورسکی اور اسپانوی زبانوں میں بھی یہ صنف شاعری منتقل ہوئی۔ عیسیٰ بن جابر کو ان زبانوں میں قصائد نظم کرنے کا اعزاز حاصل ہوا نمونہ کلام کا عربی ترجمہ ملاحظہ ہو:

يا ربنا صل عليه
واشملنا بحبك معه
جى رحاب محمد
يا حبيبى يا محمد
والصلاة على محمد
ومن يرد حسن المال
و بلوغ المقام العالى
فليكثر فى ظلام الليالى
من الصلاة على محمد

یا حبیبی یا محمد

والصلاۃ علی محمد

اس مقالہ میں بغرض اختصار چند شعرا کا کلام بطور نمونہ پیش کیا گیا۔ اندلس میں نعت گوئی کے ارتقائے عوام ومحرکات اور اسالیب وموضوعات کے علاوہ تنقیدی مطالعہ کی خاصی گنجائش ہے۔ آخر میں ابن العریف کی کتاب ''مطالع الانوار ومنابع الاسرار'' کے آخری اشعار پیش کئے جاتے ہیں جو ان کی نعت گوئی اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اظہار کا نمونہ کمال ہیں:

صلی الا لہ علی النبی الھادی　　ما لاذت الارواح بالاجساد
صلی علیہ اللّٰہ ما ھمع الحیا　　فسقی البلاد برالح اوغادی
صلی علی خیر الانام محمد　　من خصہ بالنور و الارشاد
صلی الا لہ علی رسول خاتم　　ختم النبوۃ بالکتاب الھادی

☆☆☆

ڈاکٹر عزیز احسن (کراچی)

نعت کے اہم رجحانات!

نعت، اردو کی ابتداء میں مثنویوں، قصائد اور دیگر شعری تخلیقات میں، بطور تبرک، شامل رہی ہے۔ ابتداء سے الطاف حسین حالی تک شعراء کی توجہ زیادہ تر حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جمالِ صوری، آپ سے اپنی قلبی وابستگی، شیفتگی کے اظہار اور شفاعت طلبی کے مضامین تک محدود رہی۔ حالی نے حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرتِ مبارکہ کا ذکر کیا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عملی زندگی کا نقشہ کھینچ کر نعت کو اتباعِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ترغیب کا آہنگ بھی دیا۔ اسلامی دنیا کی زبوں پر انھوں نے اپنی قلبی کیفیات کے شعری نقوش بھی بنائے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دربار میں استغاثہ بھی پیش کیا۔

اے خاصۂ خاصانِ رُسُل وقتِ دعا ہے

......حالی کا استغاثہ آج تک زبان زدِ خاص و عام ہے۔

جہاں تک شعریات (Poetics) اور شعری جمالیات کا تعلق ہے، تو قدماء نے نعتیہ شاعری کرتے ہوئے اس طرف بہت کم دھیان دیا۔ لہٰذا اس خلا کو پُر کرنے کے لیے محسن کاکوروی نے اپنی تخلیقات میں بھرپور طریقے سے فنی کمال اور تخلیقی جمال پیدا کیا۔ ان کی نعتیہ مثنویاں اور قصائد تقدیسی حوالے سے معتبر بھی ہیں اور تخلیقی حُسن کا شاہکار بھی۔

برِصغیر میں، آزادی کے بعد کی فضا نعتیہ شاعری کے لیے کچھ زیادہ سازگار نہیں تھی۔ کیوں کہ ترقی پسند شعراء نے اس مقدس صنف کو نہ صرف نظر انداز کیا بل کہ اس کی آبیاری کرنے والے شعراء کو ادبی دائرے سے ہمیشہ باہر رکھنے کی کوشش کی۔ حالاں کہ ترقی پسند شعرا کا نظریۂ مساواتِ انسانی، اسلامی تعلیمات سے متصادم نہیں تھا۔ اس کے باوجود یہ حقیقت ہے کہ شروع شروع میں ترقی پسندوں کے لیے نعتیہ شاعری شجرِ ممنوعہ رہی۔ تاہم اس ادبی فضا میں بھی کچھ شعراء حمد و نعت کی تخلیقی سرگرمیوں میں مصروف رہے۔ جن میں حفیظ جالندھری، ماہر القادری، بہزاد لکھنوی، منوّر بدایونی وغیرہم کے نام

نمایاں ہیں۔

بعد کے شعراء میں حافظ مظہرالدین، سرو سہارنپوری، عبدالعزیز خالد، حفیظ تائب، حافظ لدھیانوی، فدا خالدی قمر رعینی، بشیر حسین ناظم، حافظ لدھیانوی، محشر رسول نگری، محشر بدایونی، اعجاز رحمانی، قمر وارثی۔ ریاض مجید، جمیل نقوی، نے نعتیہ شعری ادب میں خوبصورت اضافے کیے۔آزادی کے بعد کی شاعری میں ہیئتی اصناف کی توسیعی شکلیں بھی نظر آئیں۔نعتیہ شاعری کی روایت میں غزل بطور، نعت لکھنے کا رواج عام تھا اور یہ روایت آج بھی زندہ اور توانا ہے۔لیکن آزادی کے بعد پاکستان اور بھارت کے شعراء کو، اصنافِ شاعری کے ہیئتی پیکر بدلنے سے خیال وفکر کو نئی روشنی بھی ملی اور اظہار کی آزادی بھی مُیسر آئی۔اس طرح تخلیقی دانش کو جِلا ملتی گئی اور نعتیہ متون کے نئے پیکر جدت کی نئی ہیئت اور مافیہ (Content) کی نفاست، سلاست، لطافت اور گہرائی و گیرائی کے مرقعے بھی بنتے گئے۔ یوں دیکھتے ہی دیکھتے آزاد نظم، ہائکو، نثری نظم، یک مصرعی نظم، واکا، ثلاثی، سہ مصرعی، دوہا، ماہیہ، کجری، سی حرفی اور نظمِ معریٰ، سانیٹ، گیت جیسی ہیئتی اصناف میں بھی نعتیہ متن کی جلوہ گری ہونے لگی۔کلاسیکی اور روایتی اصناف میں بھی متون (Texts) کے نئے زاویئے نظر آنے لگے۔

غالب نے غزل کے اظہاریے کو محدود جان کر ہی کہا تھا:

بقدرِ شوق نہیں ظرفِ تنگ نائے غزل　　کچھ اور چاہیے وسعت مرے بیاں کیلئے

غالب کے اس احساس نے وسعت پا کر تخلیقی اذہان میں جستجو کے نئے چراغ روشن کیے اور اردو شاعری کی بزم میں تصدق حسین خالد نے آزاد نظم کی داغ بیل ڈالی۔پھر اس نئی صنف کی توسیع کے لیے ن۔م۔راشد اور میراجی سامنے آئے۔بحر و قافیہ کی آزادی سے آزاد نظم لکھنے والے شعراء کے لیے فکری نِکات کو فنی گرفت میں لینے کی سہولت پیدا ہوئی۔اس تخلیقی تجربے نے نعت میں تازہ کاری کو راہ دی اور آزاد نظم کے ذریعے عصری حسیت نعتیہ شاعری میں بھی جھلکنے لگی۔نعت چوں کہ موضوعاتی صنفِ سخن ہے، یہ کسی ایک صنفی پیکر میں مقید نہیں۔اس لیے اس کے لیے ہیئتی اصناف کے تمام ہی قالب اپنائے گئے اور اپنائے جا رہے ہیں۔

ادبی اظہار کی صورت میں، نعتیہ شعری دنیا میں دو طرح کی جدت کا ظہور ہوا۔ ہیئتی (Formative) اور متنی (Textual) اور دونوں رجحانات کے نقوش بڑے واضح رہے۔ میں اپنی سہولت کے لیے چند عنوانات قائم کرتا ہوں تا کہ ہر موضوع کا ایک اجمالی خاکہ سا بن سکے۔

ہیئتی (Formative) جدت:

اس ذیل میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ قدما نے زیادہ تر روایتی اصنافِ سخن کا ہیئتی پیکر اپنایا تھا۔لیکن جیسے جیسے دنیائے شاعری میں جدید ہیئتی اصناف کا اضافہ ہوتا گیا۔نعتیہ شاعری میں بھی ان اصناف کے تخلیقی نقوش بننے لگے۔مثلاً آزاد نظم، نثری نظم، نظمِ معریٰ، ہائیکو، واکا، سی حرفی، ثلاثی، یک مصرعی نظم، نعتیہ دوہے، سانیٹ، کجریاں، ماہیے اور نعتیہ گیت وغیرہ کے ہیئتی ظرف میں نعتیہ متون کے معنوی عکس اتارے جانے لگے۔

متنی (Textual) تنوع:

یوں دیکھا جائے تو بیشتر نعتیہ شاعری بین متنیت (Inter-Textuality) کا منظر پیش کر رہی ہے۔کیوں کہ نعتیہ شاعری کا محبوب (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) واحد اور یکتا ہے اس لیے اس محبوب (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے حوالے سے جو کچھ بھی ماضی میں کہا گیا اس کو اسلوب کی طرفگی اور احساس کی زمانی لہروں کے رنگ و آہنگ کی صورت میں پیش کیا جاتا رہا۔موضوعات میں کچھ جدت بھی پیدا کی گئی لیکن روایتی موضوعات اور متون (Texts) بھی نئے اظہارات کی تشکیلی شان سے اس طرح پیش کیے گئے یا کیے جارہے ہیں......کہ پہچانی ہوئی صورت بھی پہچانی نہیں جاتی۔

رومانیت کی فکر، طرزِ احساس اور جذبہ ءتاریخ شناسی میں شوکتِ پاستاں کا منظرنامہ، نعتیہ شاعری میں بھی نمایاں ہوا۔متنی (Textual) حوالے سے نعتیہ شاعری میں در آنے والے رجحانات میں نعتیہ سلام، نعتیہ قصائد، نعتیہ تضامین، رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اہانت کرنے والوں کو شعری زبان میں جواب دینا، احادیث کے مفاہیم کو شعری پیکر دینا، ختم نبوت کے مضامین کو نعتیہ شاعری کے لہجوں میں ڈھالنا، حالاتِ حاضرہ کی بے چینی کا اظہار بشکل ''استغاثہ'' کرنا، رزمیہ مضامین کو شعری پیکر دینا، دیگر زبانوں کی نعتیہ شاعری کو اردو نظم کے سانچوں میں ڈھالنا، ردیفوں کے واحد یا مرکب الفاظ پر بحر و قافیہ کی انفرادیت کے ساتھ شاعری کے نمونے پیش کرنا (دبستانِ وارثیہ، کراچی کی ردیفی تحریک)۔خود شناسی کے احساسات کو نعتیہ آہنگ دینا، غالبؔ کی غزلوں پر نعتیہ غزلیں کہنا۔مدینہ منورہ پہنچنے کی آرزو کے متون کی نیرگی اور وہاں پہنچ کر تحیر کا اظہار کرنا، معاشرتی رویوں اور خود نعتیہ شاعری کے حوالے سے تنقیدی آراء کا تخلیقی اظہار، نعتیہ شاعری کی نزاکتوں کا خیال کرتے ہوئے اس کی تخلیق میں اپنی بے بضاعتی اور عجز کا اظہار کرنا، پابند نظموں میں اظہار کی طرفگی کا اہتمام کرنا اور سب سے اہم بات یہ کہ

صرف جمالِ صوری نہیں بل کہ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرتِ مبارکہ کے خدو خال ابھارنا...... جیسے متنوع متنی وہیئتی پیکر نظر آتے ہیں۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ہے، ترقی پسند شعراء، شروع شروع میں، مذہبی اور تقدیسی شاعری سے گریزاں رہے، لیکن، انھوں نے بھی آخرکار بقول حمایت علی شاعر، اپنی کوتاہی کا خیال کرتے ہوئے کہا:

اک عمر سے ہے جہل پہ اپنے گمانِ علم   سوچا تو ہم ہیں کب سے اساطیر کے اسیر

چناں چہ ہم دیکھتے ہیں کہ احمد ندیم قاسمی، عارف عبدالمتین، حمایت علی شاعر، سرشار صدیقی اور جمیل ملک جیسے شعراء کے تو نعتیہ مجموعے بھی منظرِ عام پر آ گئے اور دیگر ترقی پسند شعراء نے نعتیہ شاعری میں بڑے خوبصورت اضافے کیے۔ فیض احمد فیض نے بقول انہی کے اپنی غزلوں میں جا بجا نعتیہ متون تخلیق کیے تھے اور آخری عمر میں فارسی میں ایک شاہکار نعت لکھ کر امر ہو گئے۔ فراقؔ گورکھپوری، بیدل حیدری، عرشؔ صدیقی، فارغؔ بخاری، احمد فرازؔ، سبط علی صباؔ، سحرؔ انصاری، جوشؔ ملیح آبادی اور ظہور نظرؔ نے بھی نعتیہ متون سے اپنے اپنے شعری نگارخانے کو رونق دی۔

اب ہماری کوشش ہوگی کہ ہر تخلیقی کاوش کو علاحدہ علاحدہ عنوانات دے کر چند نمونے پیش کر دیں تا کہ ہمارے مقدمے کے اجمال کی، ایک واضح تصویر بن سکے۔

آزاد نظم کے ظرف میں نعتیہ متن:

نعتیہ شاعری کو ادبی صنف سخن بنانے میں آزاد شاعری لکھنے والوں کا بڑا حصہ (Contribution) ہے۔ غالبؔ نے غزل کی تنگ نائے سے اکتا کر جس ''کچھ اور'' کی آرزو کی تھی۔ بعد کے ادوار میں تجربہ پسند شعراء نے اس آرزو کی تسکین کی غرض سے نظمِ معرا اور آزاد نظموں میں اپنے فکری متون کو شعری پیکر دیئے۔ آلِ احمد سرور لکھتے ہیں:

> ''ڈی۔ایچ۔ لارنس نے کہا ہے کہ آزاد نظم، پابند نظم سے زیادہ مشکل ہے اور مکمل طور پر آزاد بھی نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں ارتکازِ خیال کی وجہ سے زبان میں بھرتی کے لفظوں کی گنجائش نہیں ہے۔ اسی وجہ سے فن کار کو اونگھنے کا موقع نہیں اور ہر وقت ذہنی طور پر بیدار رہنا اس کے لیے اشد ضروری ہے۔ آزاد نظم میں ہر لفظ کا جواز ہونا چاہیے۔''
>
> (پروفیسر آلِ احمد سرور، پیش لفظ، اُردو میں نظمِ معرا اور آزاد نظم، ڈاکٹر حنیف کیفی، الوقار پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۵ء، ص۱۴)

آزاد نظم کے ابتدائی نقوش تو تصدق حسین خالد کی تخلیقات میں ملتے ہیں، لیکن اس ہیئتی صنف کو رواج دینے میں ن۔م۔راشد اور میرا جی کے نام نمایاں ہیں۔ڈاکٹر حنیف کیفی لکھتے ہیں:

''انگریزی شاعری میں "Verse Libre" یا اس کے لفظی ترجمہ "Free Verse" کا اطلاق نظم کی اس قسم پر کیا جاتا ہے جس کی تشکیل عروض کے قدیم اصولوں کو نظر انداز کرتے ہوئے ایسے غیر مساوی مصرعوں سے کی جاتی ہے جن میں یا تو مختلف اوزان کا امتزاج پایا جاتا ہے یا جو وزن و بحر سے یکسر عاری ہوتے ہیں اور یہ مصرعے عموماً بے قافیہ ہوتے ہیں''۔

(اُردو میں نظمِ معرا اور آزاد نظم، ڈاکٹر حنیف کیفی، الوقار پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۵ء، ص ۱۶۹)

آزاد نظموں میں خیال کی ترسیل میں فلسفیانہ آہنگ، احساسات کی شدت، تخلیقی جذبات کا وفور اور بیان کا رواں دواں اسلوب دل کو موہ لیتا ہے۔ یہاں نعتیہ متن شعری آمد کے بہاؤ میں، لفظوں کے پیکر بناتا ہوا، خیال کا ایک ہالہ بناتا ہے اور تخلیقی صورت گری کے ساتھ مکمل ہوتا ہے۔ وقت کی تنگ دامنی کے باعث میں یہاں آزاد نظم میں نعتیہ متون کے صرف چند نمونے پیش کر سکتا ہوں:

ملاحظہ ہو عبدالعزیز خالد نے آزاد نظم کے پیکر میں کس خوبی سے نعتیہ مضمون منعکس کیا ہے:

تو کہ موضوعِ مزامیرِ زَبور
تری توصیف کا کس ابنِ بشر کو مقدور؟
عجزِ اظہار و بیاں کا کرے اقرار زباں
جو تری شان کے شایاں ہوں وہ الفاظ کہاں؟
تری تصویر کشی سے معذور
فانی انسان کا فن
اے خداوندِ سخن!
ہو ادا جس سے ترا زمزمہ وہ ساز کہاں؟
طلع البدر علینا کی وہ آواز کہاں؟
کعب و حسان کا وہ سرمدی انداز کہاں؟
نطق کا قافیہ سر منزلِ معنی میں ہے تنگ

کوئی محرومی سی محرومی ہے؟
ترے دربار میں دارائی بھی محکومی ہے
آستانے پہ ترے خاک بسر، برہنہ تن
کجکلاہانِ اقالیم وسلاطینِ زمن
اس سراپردہء وحشت میں مرا کیا مذکور؟
میں مدائن تو مدینہ، میں خرابہ تو چمن
میں اندھیرا تو اجالا، تو امیں، میں ایمن
میں تشکک تو تیقن، تو موحد، میں شمن
تو طمانیت وتسکیں، میں مباہات ومحن
تو مبین و متبسم میں عبوس واَلکن
مرا افلاسِ تخیل، مری ناداریء فن
ترے دربار میں کس منہ سے کرے عرضِ سخن؟
یہ مرے دل کی لگن یہ مرے سینے کی امنگ
اترے کیسے مرے نغمے میں ترا لحنِ قشنگ
ترے کردار کی خوشبو، تری گفتار کا رنگ؟
بم وزیر اس کا ہے کاذب، غلط اس کا آہنگ
ترے اوصاف وشمائل کے تنوع پہ ہوں دنگ
جو مرے دل میں ہے کیوں کر ہو بیاں؟
پیکرِ حرف میں کس طور ڈھلے جذبِ نہاں؟

....

اب بتائے گی تجھے صبحِ ابد ہی تنہا
اے حبیبِ دلجو!
کتنا محبوب ہے تو
کی گئی تیری ستائش، تری مدحت کتنی
آیتِ گلبدنی

اے رسولِ مدنی صلی اللہ علیہ وسلم!

عبدالعزیز خالد نے اس طویل نظم میں آزاد اور پابند مصرعوں کی کہکشاں سجا کر خیال وفکر کو تخلیقی اسلوب میں نظمانے کا قابلِ تحسین تجربہ کیا ہے۔ نظم کا طربیہ آہنگ ہے، نعت میں سرشاری کی کیفیت ہے۔ نعتیہ نظم میں آزاد اور پابند مصرعوں کا یہ تال میل، منفرد اور انوکھا ہے۔ اس نظم میں حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت کے اظہار کے ساتھ ساتھ شاعر کی کم مائیگی کا احساس، جس تخلیقی قوت کے ساتھ رقم ہوا ہے وہ نعتیہ ادب کی تاریخ میں نیا ہے۔

''استغاثہ''، پابند شاعری میں بھی لکھا جا رہا تھا لیکن ظہور نظرؔ نے آزاد نظم میں استغاثے کا جو آہنگ اختیار کیا وہ تخلیقی ندرت کا آئینہ ہے:

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
بزرگ و برتر خدا سے کہیے
کہ ہم جو اُس کی فضیلتوں کو، بشارتوں کو بھلا چکے ہیں
محبتوں کو، عنایتوں کو، نوازشوں کو لُٹا چکے ہیں
ہمیں پھر اپنی فضیلتیں دے، بشارتیں دے
محبتیں دے، عنایتیں دے
نہیں تو ہم غفلتوں کے جس تیرہ غار میں محوِ خواب ہیں
بے ضمیری و بے حسی کی جس بے پناہ گہرائی میں پڑے ہیں
ابد کے دن بھی وہیں سے ہم کو اُٹھائے گا وہ!!
رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
ہمیں یقیں ہے
ہمارا ایمان ہے کہ اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات مانتا ہے
تمام دنیاؤں، سب جہانوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کے
کوئی پیارا نہیں خدا کا
کوئی دلارا نہیں خدا کا

خدا سے کہیے!
خدارا، اپنے بزرگ و برتر خدا سے کہیے!
کہ ہم کو اپنی عنایتِ خاص سے نوازے
کرم کرے ہم پہ
اور ہمیں پھر سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیں پہ
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش پا پہ چلنے کی استقامت دے
استقامت دے
حوصلہ دے!! (رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم)

شبنم رومانی کی درجِ ذیل نظم ملاحظہ ہو۔ اس میں شعریت بھی ہے اور تاریخی حقائق، احساس کی شدت کے ساتھ اشاروں کنایوں میں جزوِ اظہار بنے ہیں:

اُن کی دہلیز چھو کر
جو پتھر تھا، پل بھر میں پارَس ہوا
اُن کے ہاتھوں سے جو ہاتھ بھی مَس ہوا
چاند تاروں نے اُس ہاتھ پر بیعتِ شوق کی
اس زمیں پر وہی ہاتھ سایہ رہا
یہ فلک بھی اُسی کا کنایہ رہا
جس نے دیکھا انہیں صلی اللہ علیہ وسلم
اس کی بینائی کے واہمے ڈھل گئے
اس پہ آفاق کے سب ورق کھل گئے
جس نے مانا انہیں
اپنے پیکر میں شہرِ یقیں ہو گیا
جس نے جانا انہیں صلی اللہ علیہ وسلم
جہل بھی اس کا علم آفریں ہو گیا
جس نے ڈھونڈا اُنھیں
وہ سلیماں قدم،

عالمِ راز کا سیر بیں ہوگیا
جس نے پایا اُنھیں صلی اللہ علیہ وسلم
وہ فقیرِ حرم
معرفت کے حرا میں مکیں ہوگیا
جس نے سوچا اُنھیں صلی اللہ علیہ وسلم
وہ خدا کی قسم!
ماورائے زمان وزمیں ہوگیا
جس نے لکھّا اُنھیں صلی اللہ علیہ وسلم
اس کا معجز قلم
شہپرِ جبرئیلِ امیں ہوگیا
جس نے چاہا انہیں صلی اللہ علیہ وسلم
اس کی چاہت بقا کی نگارش ہوئی
اس پہ دن رات پھولوں کی بارش ہوئی
جس نے چاہا اُنھیں صلی اللہ علیہ وسلم
اس کو چاہا گیا
اس کی دہلیز تک ہر دوراہا گیا

(حرف نسبت)

جاذب قریشی نے کس خوبصورتی سے فیضانِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا منظرنامہ تخلیق کیا ہے۔

تیرے سب حرف............
اُجلے ستاروں کی تحریر بن کر چمکتے رہے
شب نگاروں پہ کرنوں کے طائر جھپٹتے رہے
تیری گویائی............
تازہ گلابوں کی خوشبو بنی
اور شعورِ سماعت سے
پتھر کا سینہ دھڑکنے لگا

تیری آواز تھی روشنی کا سفر
برف پگھلی تو سورج چمکنے لگا
تو نے صحرا کی اڑتی ہوئی ریت کے درمیاں
بے چراغاں زمینوں پہ گھر رکھ دیئے
عکس جلتی ہوئی دھوپ میں بھی چمکتے رہے
تو نے بے رنگ مٹی میں ایسے ہنر رکھ دیے
تیری چھاؤں میں زخمی بدن آ گئے
تو نے دریا میں پیاسے شجر رکھ دیئے

(لوحِ جاں)

نثری نظم میں نعتیہ آہنگ:

قمر جمیل اپنے مضمون ''پروز پوئم کا معیار'' میں لکھتے ہیں:

''پروز پوئم کسی فنکار پر تخلیق کا کوئی آسان دروازہ نہیں کھولتی بل کہ اس صنف کے جوہر کے جتنے جمالیاتی تقاضے ہیں، ان کی تکمیل کے بغیر کوئی پروز پوئم، شعری قدر حاصل نہیں کر سکتی............ہم میں سے ہر شخص کو اس بات پر اتفاق ہے کہ پروز پوئم میں ذاتی آہنگ ہوتا ہے۔ یہ ذاتی آہنگ شاعر کے اپنے احساس اور جذبے کی رفتار کا سچّا مظہر ہوتا ہے اور شاعر ہی کے جذبے اور احساس سے پیدا ہوتا ہے۔ آہنگ دراصل آوازوں کی مخصوص ترتیب اور اس کے باقاعدہ وقفے سے پیدا ہوتا ہے۔ آج میں پروز پوئم کے ایک اور پہلو کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہوں......نثری نظم ذاتی آہنگ کے علاوہ ایک طرح کی موسیقیت بھی رکھتی ہے، جسے ہم سُریلا پن کہتے ہیں۔''

(قمر جمیل، جدید ادب کی سرحدیں، جلد اول، مکتبہء دریافت، کراچی، فروری ۲۰۰۰ء، ص ۲۳۴)

عزیز حامد مدنی لکھتے ہیں:

''نثری نظم، بیشتر ایک رپورتاژ کی نثر یا واقعاتی بیان کی نثر سے الگ ایک اپنی خود احتسابی کا نظام رکھتی ہے۔ اس کی تیز رفتاری واقعاتی بیان سے الگ موسیقی کے (NOTATIONS) کی طرح ہوتی

ہے..............نثری نظم ایجاز سے کام لیتے ہوئے بڑی قوت سے ایک خیال کو ایک شبیہ (پیکر تراشی) میں ڈھالنے کے مترادف ہوتی ہے۔ کچھ نثری نظم کی ہیئت میں اپنے پورے تجربات کا اظہار کرنے والے شعرا ایک اندرونی آہنگ، ایک بحر، عروضی حساب کا سا تموج پیدا کر دیتے ہیں۔"

(عزیز حامد مدنی، جدید اردو شاعری، انجمن ترقی اردو پاکستان، ۱۹۹۴ء، حصہ دوم، ص ۴۱۰)

راقم الحروف نے نثری نظم کے حوالے سے لکھا تھا:

"نثری تحریر میں تخلیقی دانش کا ایسا استعمال کہ جس کی قراءت سے نثر پر بھی نظم کا گمان ہو نثری شاعری یا نثری نظم ہوتی ہے۔ یہ شاعری اپنے شاعرانہ عنصر (Poetic element) کے باعث نثری صورت میں لکھے جانے اور وزن کی قید سے آزاد ہونے کے باوجود شاعری کی ایک صنف کہلا سکتی ہے۔ حالیؔ نے اپنے مقدمے میں لکھا ہے:

"انگریزی میں دو لفظ استعمال میں آتے ہیں، ایک شعر اور دوسرا نظم، اور جس طرح ان کے ہاں وزن کی شرط پوئٹری (Poetry) کے لیے نہیں، بلکہ ورس (Verse) کے لیے ہے۔ اسی طرح ہمارے ہاں بھی یہ شرط شعر میں نہیں بلکہ نظم میں معتبر ہے......قدیم عرب کے لوگ یقیناً شعر کے یہی معنی سمجھتے تھے۔ جو شخص معمولی آدمیوں سے بڑھ کر کوئی مؤثر اور دلکش تقریر کرتا تھا، اسی کو شاعر جانتے تھے۔"

(ڈاکٹر عزیز احسن اور اردو کا ادبی تناظر، مرتبہ: ڈاکٹر شمع افروز، بزمِ یوسفی، کراچی، رجب المرجب 1441ھ/مارچ 2020ء، ص 24)

قدیم عرب، صرف خوبصورت بات کو شعر قرار دیتے تھے۔ مشہور ہے کہ حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹے کو کسی کیڑے نے کاٹ لیا۔ اس کا نام وہ نہیں جانتے تھے۔ چناں چہ انھوں نے اس کا نقشہ یوں کھینچا......وہ ایسا لگ رہا تھا جیسے کہ وہ حیرہ کی دو چادروں میں لپٹا ہو......**'کانہ ملتف فی بردی حیرہ'**...... حیرہ کی چادریں نقش و نگار اور خوبصورتی میں بہت مشہور تھیں۔ موقع و محل کے لحاظ سے یہ اندازِ بیاں اتنا خوبصورت اور دلنشین تھا کہ حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بے ساختہ کہہ اٹھے "رب کعبہ کی قسم یہ تو شعر ہے۔" **شعر ورب الکعبہ۔**"

حضرتِ حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اپنے بیٹے کو شاعر قرار دینا، اس بات کا بین ثبوت ہے کہ کسی

خیال کا دل نشین انداز میں اظہار ہی شاعری ہے۔

ویسے تو Prose Poem کا رواج فرانس میں انیسویں صدی عیسوی میں چارلس بادلیئر اور آرتھر رامبو کے ہاتھوں ہو چکا تھا۔ لیکن اس سے بہت پہلے بائبل میں مزامیرِ داؤد علیہ السلام کی ہیئت میں وہ لطافت پوشیدہ تھی جسے ''نثری نظم'' کا اعلیٰ نمونہ قرار دیا جا سکتا ہے۔

علاوہ ازیں ایک عیسائی فلسفی شاعر جبران خلیل جبران (پیدائش ۶/جنوری ۱۸۸۳ء......وفات، ۱۰/اپریل ۱۹۳۱ء) نے نثری نظمیں لکھ کر عربی ادب کو متاثر کیا۔ اسی کی نظموں کے اثر سے، عربی ادب میں، کلاسیکی دبستاں شکنی کا رجحان پیدا ہوا اور نثری نظم کو فروغ ملا۔ قمر جمیل نے مولانا ابوالکلام آزاد کی کتاب ''غبارِ خاطر'' کو نثری نظموں کا مجموعہ تسلیم کیا ہے۔

نثری نظم کے حوالے سے قمر جمیل اور عزیز حامد مدنی کے انکشافات اور اس صنف کی تاریخی جھلکیوں کی روشنی میں احمد ہمیش کی نعتیہ نثری نظم کی ابتدائی سطور پیش کرتی ہیں۔ اس نظم میں احمد ہمیش نے اپنی زندگی کے عروج و زوال کا نقشہ کھینچتے ہوئے مسلمانوں کے اجتماعی احساس کے رنگ بھر دیئے ہیں۔ شدتِ احساس نے اس نظم کو ایک شاہکار (Magnum Opus) کا روپ دیدیا۔ اس نظم سے واضح ہو جاتا ہے کہ نثری نظم کا آہنگ ذاتی بھی ہے، سُر یلا بھی اور نعتیہ متن کے حوالے سے بالکل original بھی۔ یہ نعتیہ نثری نظم بعنوان ''رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضور میں'' ملاحظہ ہو:

ابھی میں نے اپنی گھڑی موت کی گھڑی سے ملائی ہے
یارسول اللہ!
مجھے، میری موت سے پہلے میرے جسم کی گندی مٹی سے پاک کر دیجیے یا اُسے معاف کر دیجیے
صرف چند سال زندہ رہنے کے لالچ کے اوپر میری روح کو کسی مضبوط رسی سے باندھ دیجیے
اور پھر میرے جسم کی سمتوں کو اس تلوار سے کاٹ دیجیے، جو اللہ نے آپ کو سونپی تھی
اور شیطان کے گنجان بالوں سے ڈھکے ہوئے میرے خمیر کو جلا کر خاک کر دیجیے
اور خاک کو ان ہواؤں میں اُڑا دیجیے جو آپ کے قدموں میں چلتی ہیں

طویل نظم کی یہ چند سطور ہیں۔ اس میں شدتِ احساس اور عصری حسیت کوٹ کوٹ کے بھری ہوئی ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد ابوالخیر کشفی اور افتخار امام کی نثری نظمیں بھی لائقِ توجہ ہیں لیکن یہاں نمونے نہیں دیئے جا سکتے۔

ہائیکو کے نعتیہ انداز:

جاپانی صنف سخن ہائیکو تین مصرعوں پر مشتمل مختصر نظم ہوتی ہے۔ جاپانی شعرا، اس میں فضاؤں کی رنگینی اور پھل، پھول وغیرہ کا ذکر لازمی سمجھتے ہیں۔ عموماً تین مصرعے 5-7-5 کی ترتیب سے کہے جاتے ہیں لیکن بعض شعراء نے اس ترتیب سے انحراف کرتے ہوئے کم یا زیادہ اوزان کو بھی برتا ہے۔ نعتیہ متن کو ایک نئی صنفِ سخن کے پیکر میں ڈھالنے کے لیے شعرا نے بھرپور تخلیقی دانش کا اظہار کیا ہے۔ شبنم رومانی، سہیل غازی پوری، سرشار صدیقی، اقبال حیدر، صبیح رحمانی، شفیق الدین شارق، انجم اعظمی، ابوالخیر کشفی، محسن بھوپالی، وضاحت نسیم، رونق حیات، معراج حسن عامر، آفتاب مضطر، رضی الدین رضی، سلیم کوثر، اختر شمار، مقبول نقش، سید قمر ہاشمی، مظفر وارثی، اکرم کلیم، اقبال نجمی، آفتاب کریمی اور طاہر سلطانی وغیرہم نے نعتیہ ہائیکو کہے۔ ہائیکو میں نعتیہ متون (Texts) کے چند نمونے پیشِ خدمت ہیں:

ہو محمد یا، احمد و محمود میری مشکل کے یہ ستارے ہیں آپ ﷺ کے نام کتنے پیارے ہیں
(محمد اقبال نجمی)

طائران تیرگی سب اڑ گئے جس طرف سے بھی ہوا ان ﷺ کا گزر راستے منزل کی جانب مڑ گئے
(مظفر وارثی)

ترے قدموں کی آہٹ اک عنوان بلاغت کا اک خطبہ ہے ہدایت کا
(سید ابوالخیر کشفی)

آپ ﷺ کا دست مبارک اٹھا شہر و صحرا میں بہت دور تلک چرچا تھا چاند دو ٹکڑے ہوا
(انجم اعظمی)

کاش ہو یوں انجام دل میں ان ﷺ کی یاد بسی ہو لب پر ان ﷺ کا نام
(سرشار صدیقی)

یا محمد ﷺ ترے فقیروں کی شان و شوکت عجیب دیکھی ان کی ٹھوکر میں بادشاہی ہے
(اکرم کلیم)

ان کی تعریف میں کروں کیسے نعت لکھوں تو کس طرح لکھوں مجھ کو الفاظ ہی نہیں ملتے
(رضی الدین رضی)

زیست کیسے شکست کھائے گی موت مجھ کو سلام کرتی ہے میں محمد ﷺ کا امتی ٹھہرا
(اختر شمار)

اس ﷺ کا نام لکھوں جس کے نام کی برکت ہی زندہ رکھتی ہے
(سلیمؔ کوثر)

یہی وسیلہ ہے صل علیٰ محمد ﷺ میرا وظیفہ ہے (مقبولؔ نقش)

صرف مدینے میں اور کہا ں پر اُگتے ہیں سورج سینے میں (صبیحؔ رحمانی)

ہر ذرہ تارہ کاہکشاں سے بڑھ کر ہے طیبہ کا رستہ (محسنؔ بھوپالی)

سنور گیا جیون روضۂ اقدس کے صدقے بھیگ گیا دامن
(اقبالؔ حیدر)

یہ بھی ہے عظمت سارے عالم پر پھیلا دامانِ رحمت
(سہیلؔ غازی پوری)

پھیلی ہریالی آں حضرت کے کاندھوں پر کملی ہے کالی
(رونقؔ حیات)

زخمی ہو کر بھی ان کے ہراک موسم نے خوشبو ہی لکھی
(معراج حسن عامرؔ)

حسن مکمل ہے حسن محمد صلی اللہ کامل واکمل ہے (آفتابؔ مضطر)

سینے چمکائے آپ نے نورِ ایماں سے چہرے دمکائے (شفیق الدین شارقؔ)

روشن رخشندہ گہری کالی راتوں میں اُس کا نام ''دیا''
(احمد صغیر صدیقی، نعت رنگ، شمارہ ۱۱، مارچ ۲۰۰۱ء، ص ۳۴۸)

نعتیہ قطعات:

ابوالاعجاز حفیظ صدیقی نے ''کشاف تنقیدی اصطلاحات'' میں لکھا ہے:

''قطعہ کے لغوی معنی ٹکڑے کے ہیں اور اصطلاحی معنوں میں یہ ایک صنفِ شعر ہے جس میں قوافی کی ترتیب قصیدے یا غزل کے مطابق ہوتی ہے۔ یعنی تمام اشعار کے مصرع ہائے ثانی ہم قافیہ ہوتے ہیں لیکن غزل اور قصیدے کے برعکس قطعے میں مطلع نہیں ہوتا اور مقطع ضروری نہیں۔ قطعہ کے لیے کم از کم دو شعروں کا ہونا ضروری ہے زیادہ اشعار کی کوئی قید نہیں۔ البتہ غزل کی طرح قطعے کا طول بھی دس بارہ شعروں تک ہی مناسب سمجھا جاتا ہے۔''

(ابوالاعجاز حفیظ صدیقی نے ''کشاف تنقیدی اصطلاحات''، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۵ء، ص ۱۴۳)

فی الحال ہم شاہد الوری کا ایک نعتیہ قطعہ درج کر رہے ہیں۔ یہ قطعہ غالبؔ کے مصرعوں سے ہم آہنگ ہے، جس میں اختتام پر غالبؔ کے مصرعے پر گرہ لگا کر ''تضمیں'' نگاری کا ہنر بھی دکھایا گیا ہے:

ہر اعتبار سے ممدوحِ خلق و خالق ہے — وہ ذاتِ پاک جو رحمت ہے دو جہاں کیلئے
اُسی کے حسنِ توجہ سے پار اُترے ہیں — ترس رہے تھے سفینے جو بادباں کے لیے
اُسی کا نام وظیفہ قرارِ جاں کے لیے — ہر ایک وصف ہے عنوانِ صد ہزار اوصاف
کہاں سے لائے گا طاقت کوئی بیاں کیلئے — تمام دولتِ عرفاں ہے معرفت اس کی
بڑا نشاں ہے وہی ایک بے نشاں کے لیے — اُسی کی ذاتِ گرامی ہے فخرِ موجودات
شرف اُسی کی غلامی ہے، اِنس و جاں کیلئے — بغیرِ فضلِ خدا نعت ہو نہیں سکتی

''سفینہ چاہیے اس بحرِ بے کراں کے لیے''

(شاہد الوری، نعت رنگ، شمارہ ۳۰، نومبر ۲۰۲۰ء، ص ۵۸۱)

سہ مصرعی نعت:

سہ مصرعی نعت حنیف اسعدی نے لکھی:

محمد صلی اللہ علیہ وسلم

مان کا چھتر، دیا کی چھاؤں — دھرتی کیا آکاش پہ پاؤں — حمد کی جان محمد ﷺ ناؤں

آقا صلی اللہ علیہ وسلم

دھیرج، ٹھنڈک، سکھ، آرام — سارے نام انہیں کے نام — اُن پہ دُرود اور اُن پہ سلام

(حنیف اسعدی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم، اقلیمِ نعت، کراچی، جنوری ۱۹۹۶ء، ص ۱۳۹)

سی حرفی:

پنجابی کی ایک صنف ہے 'سی حرفی' جس کا ہر بند الف سے یا تک کے حروفِ تہجی کی پابندی سے لکھا جاتا ہے۔ حفیظ تائبؔ نے ''سی حرفی زمزمہء درود'' بڑے اہتمام سے لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو:

نامِ خدا سے سلسلا — زمزمۂ درود کا — منزلِ ذات کا پتا — نور و ظہورِ مصطفیٰ ﷺ
روح و رواں کی ہے صدا — صلِّ علیٰ نبینا — صلِّ علیٰ محمدٍ
جلوۂ روئے آں جناب ﷺ — ارض و سما کی آب و تاب — مطلعِ حق کا آفتاب
آپ ﷺ کی شرعِ مستطاب — قدر گر و جہت نما — صلِّ علیٰ نبینا — صلِّ علیٰ محمدٍ

مقصدِ کُن فکاں ہیں آپ ﷺ قائدِ مُرسلاں ہیں آپ ﷺ نیّرِ لامکاں ہیں آپ ﷺ
رہبرِ ہر زماں ہیں آپ ﷺ آپ ﷺ کا شوقِ دل کُشا صلِّ علیٰ نبینا صلِّ علیٰ محمدٍ

آپ ﷺ ہیں جوہرِ حیات نورِ نگاہِ کائنات پیکرِ جرأت وثبات موجبِ راحت ونجات
فکر و نظر کا منتہا صلِّ علیٰ نبینا صلِّ علیٰ محمدِ

نوعِ ذکور کے غیاث محسنِ طبقہء اناث خلقِ خدا کے مستغاث آپ ﷺ کا عزم وانبعاث
مردہ دلوں کا حوصلا صلِّ علیٰ نبینا صلِّ علیٰ محمدِ

عدل کا ان کے سر پہ تاج عقل وخرد پہ ان کا راج حق نے کہا انھیں سراج
تاابد ان کی احتیاج ان پہ ہیں دہ جہاں فدا صلِّ علیٰ نبینا صلِّ علیٰ محمدِ

آپ ﷺ ہیں ضامنِ فلاح شاہدِ اوج، انشراح آپ ﷺ نگاہ کی صباح
آپ ﷺ سے ہی دلوں کی راح آپ ﷺ کا ذکر جاں فزا صلِّ علیٰ نبینا صلِّ علیٰ محمدِ

زیست کی راہِ سنگلاخ ان کے کرم سے ہے فراخ بارور ان سے شاخ شاخ
مہکے ہیں ان سے کنج وکاخ نور ہے ان کا جا بہ جا صلِّ علیٰ نبینا صلِّ علیٰ محمدِ

آپ ﷺ کی دل نواز یاد کرتی ہے جسم وجاں کو شاد دیتی ہے مدح گر کو داد
بھرتی ہے دامنِ مراد آ ہیں معدنِ عطا صلِّ علیٰ نبینا صلِّ علیٰ محمدِ

جن کے سبب طلب لذیذ زیست کی تاب وتب لذیذ تلخیِ روز و شب لذیذ
علم و فن و ادب لذیذ جن سے قدم قدم ہدیٰ صلِّ علیٰ نبینا صلِّ علیٰ محمدِ

مُرسَلِ خوش خبر حضور ﷺ خسروِ خشک وتر حضور ﷺ دہر کے چارہ گر حضور ﷺ
حُسن ہیں سر بہ سر حضور ﷺ رحمتِ حق کی انتہا صلِّ علیٰ نبینا صلِّ علیٰ محمدِ

میرِ عجم، شہِ حجاز جن پہ کھلا ہر ایک راز جن کے غلام سرفراز جن پہ ہے سروری کو ناز
والیِ کشورِ بقا صلِّ علیٰ نبینا صلِّ علیٰ محمدِ

جسم پہ صبر کا لباس ہاتھ میں پرچمِ سپاس شُکر طراز وحق شناس قصرِ وجود کی اساس
مہرِ سپہرِ ارتقا صلِّ علیٰ نبینا صلِّ علیٰ محمدِ

آپ ﷺ بہارِ عرش وفرش عزّ و وقارِ عرش و فرش تاب وقرارِ عرش وفرش
دارو مدارِ عرش و فرش دیدہ ودل کا مدّعا صلِّ علیٰ نبینا صلِّ علیٰ محمدِ

آپ ﷺ کا ہے پیام خاص خلقِ خدا کے نام خاص آپ ﷺ کی بزمِ عام، خاص

عظمت و احترام خاص آپ ﷺ کا مرتبہ جدا صلِ علیٰ نبینا صلِ علیٰ محمدٍ
پھیلا ہوا ہے خوانِ فیض آتے ہیں طالبانِ فیض پاتے ہیں ارمغانِ فیض
کہتے ہیں داستانِ فیض لب پہ ہے سب کے مرحبا صلِ علیٰ نبینا صلِ علیٰ محمدٍ
رُوح کا ان سے ارتباط باعثِ فرحت و نشاط قلب ہے آپ ﷺ کی رباط
کم ہے کوئی یہ انبساط میرے لبوں پہ ہے سدا صلِ علیٰ نبینا صلِ علیٰ محمدٍ
عجزِ طبیعتِ حفیظ رنگِ محبتِ حفیظ شوق و عقیدتِ حفیظ
عزت و شہرتِ حفیظ صدقہ ہے اُس جناب کا صلِ علیٰ نبینا صلِ علیٰ محمدٍ
سرورِ دیں کا اتباع ضامنِ اوج و ارتفاع یورشِ کرب کا دفاع
میری گراں بہا متاع عشقِ حبیبِ کبریا صلِ علیٰ نبینا صلِ علیٰ محمدٍ
کُنجِ مزار کا چراغ عشقِ نبی ﷺ کا داغ داغ قلب نہ کیوں ہو باغ باغ
پائے حرم کا جب سراغ آئے نہ لب پہ کیوں صدا صلِ علیٰ نبینا صلِ علیٰ محمدٍ
خیر سے ان کا اتصاف شانِ کرم کا اعتراف قدرتِ حق کا انکشاف
آئینہ دل کا ہو جو صاف دیکھیے ان کا برملا صلِ علیٰ نبینا صلِ علیٰ محمدٍ
دہر میں آپ ﷺ سا رفیق آپ ﷺ سا محسنِ شفیق کوئی معلمِ خلیق کوئی بھی صاحبِ طریق
آیا ہے اور نہ آئے گا صلِ علیٰ نبینا صلِ علیٰ محمدٍ
دُرِّ یتیم کی دَمک پھیلی زمیں سے تا فلک آپ ﷺ کے دور کی دھنک
جلوہ فشاں ہے آج تک زمزمہ پاش ہے ہوا صلِ علیٰ نبینا صلِ علیٰ محمدٍ
مدح سرا ہے انگ انگ بجتا ہے دل کا جل ترنگ ناچ اٹھے فضا میں رنگ
تازہ بہ تازہ ہے اُمنگ قافلہ یاد کا چلا صلِ علیٰ نبینا صلِ علیٰ محمدٍ
آپ ﷺ کا فیض لازوال آپ ﷺ کے حُسن میں کمال آپ ﷺ کے رعب میں جمال
لاؤں کہاں سے میں مثال کوئی نہیں ہے آپ ﷺ سا صلِ علیٰ نبینا صلِ علیٰ محمدٍ
آپ ﷺ ہیں تابشِ حرم آپ ﷺ ہیں نازشِ حرم کم تو نہیں یہی کرم
رہروِ حق ہیں تازہ دم زیرِ لوائے مصطفیٰ ﷺ صلِ علیٰ نبینا صلِ علیٰ محمدٍ
ذکرِ رسول ﷺ رات دن رکھتا ہے دل کو مطمئن جس پہ فدا ہیں انس و جن
جس کی طلب میں سال و سن کون ہے آپ ﷺ کے سوا صلِ علیٰ نبینا صلِ علیٰ محمدٍ

آپ ﷺ کی دھوم کو بہ کو　آپ ﷺ کی دھاک سو بہ سو　اہلِ زمیں کی آبرو
آپ ﷺ ہیں جانِ آرزو　آپ ﷺ ہیں روحِ التجا　صلِّ علیٰ نبینا　صلِّ علیٰ محمدٍ
شاہِ امم، جہاں پناہ　جن و بش کے خیر خواہ　جھکتے جہاں ہیں مہرو ماہ
ہے وہ انھی کی بارگاہ　شاہ بھی ہیں جہاں گدا　صلِّ علیٰ نبینا　صلِّ علیٰ محمدٍ
پائے حضور ﷺ چھو کے ہی　زندگی زندگی ہوئی　ان کی زکاتِ آگہی
قلب و نظر کی روشنی　اُسوۂ سید الوریٰ ﷺ　صلِّ علیٰ نبینا　صلِّ علیٰ محمدٍ

اس سی حرفی کو یہاں مکمل نقل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ سی حرفی کی تیکنیک بھی معلوم ہو جائے اور حفیظ تائبؔ کی قادرالکلامی کے ساتھ ساتھ ان کے تخلیقی مزاج کا دھیما پن اور ندرتِ اظہار بھی ظاہر ہو جائے۔

دیگر شعراء نے بھی سی حرفی کی ہیئت میں نعتیہ مضامین کی کہکشاں سجائی ہے۔لیکن ان سب کا تذکرہ طولِ کلام کا باعث بنے گا اس لیے حذف کیا جاتا ہے۔

نعتیہ دوہے:

جمیلؔ عظیم آبادی نے نعتیہ دوہے تسلسل کے ساتھ لکھے تھے۔ایک نمونہ حاضر ہے:

پاک محمد نام ہے ان کا اللہ کے ہیں میت　ان کے رستے جو چل نکلا اس کی ہوگی جیت
ان کے جیسا کوئی نہیں ہے کوئی نہیں ودوان　سب نبیوں میں اتم وہ ہیں اتم ہے استھان
شہرِ مدینہ جنت میری قبلہ میرا کعبا　جگمگ جس سے نین کٹورے جھلمل جس سے ماتھا
میرے نبی کے گُن مت پوچھو،ان کی انوکھی بات　ان کے کہک سے پتھر بولے،بولے ڈالی پات
میرے نبی کے جگمگ درپن،جگمگ ان کی ساکھ　ان کے آگے مدھم سورج،ابھرے سورج لاکھ
دونوں جگ کا کون ہے داتا ہم سب تھے انجان　میرے نبی نے کروائی ہے اللہ کی پہچان
طیبہ کے دن رات برابر چاروں اور اجیارا　جس کے سندرتا پر لوٹے سورج چاند ستارا

(جمیل عظیم آبادی،نعت رنگ،شمارہ ا،اپریل 1995ء،ص256)

نعتیہ کجریاں:

کجری گیت کی ایک قسم ہے جو عموماً ہولی میں گاتے ہیں۔ظافر علی خاں تشنہ کی نعتیہ کجری ملاحظہ ہو:

وجہہِ کائنات:

آپ کی چاہت میں تو پیدا ہوئی کونین　آپ کی باتیں ہی پھیلی ہیں طرفین
آپ کے نعلین عرش نے چومے ہیں

گنبدِ خضرا:

اس گنبد کی بات کیا جس کا سبز ہے رنگ قدس میں یہ آفاق بھی ہے جس کے پاسنگ
جب ہو جگ سے تنگ اس کی جانب دیکھ لے

واقعۂ طائف:

دونوں جہانوں کو دیں رونق جس کے پاؤں جس کی کملی میں ہے کون و مکاں کی چھاؤں
طائف کے گاؤں میں وہ زخموں سے تھا چور

معراج:

رات انوکھی تھی کہ سوتا رہا سنسار جم سی گئی ہر چیز بند ہوئے سب کار
دنیا کے اس پار اترا رہا براق
(ظافر علی خاں تشنہ، نعت رنگ، شمارہ ۳، ستمبر ۱۹۹۶ء، ص ۳۲۴)

نعتیہ واکا:

واکا ایک جاپانی صنفِ سخن ہے، جس میں پانچ مصرعے ہوتے ہیں۔ جاپانی کلاسیکی شاعری کا بڑا حصہ واکا پر مشتمل ہے۔ نعتیہ واکا کی بھی ایک جھلک دیکھتے چلیے:

ترا اسمِ گرامی جب مرے ہونٹوں پہ آتا ہے ندامت مجھ کو ہوتی ہے
لب و رخسار کے نغمے ابھی تک رقص کرتے ہیں
مرے ہونٹوں کی سرحد پر
(ابوالخیر کشفی، نعت رنگ، شمارہ ۳، ستمبر ۱۹۹۶ء، ص ۲۷۵)

یک مصرعی نظم (سخنِ مختصر):

یک مصرعی نظم (سخنِ مختصر) کی اختراع کا سہرا، ابوالخیر کشفی کے سر رہا، لیکن تا حال کسی اور نے یہ تجربہ نہیں کیا:

حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم
"تخلیقِ کائنات کا منشا وہی تو ہے"
حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا
"رفاقت کو نیا مفہوم اس کی ذات نے بخشا"

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا

''گُلِ گل زارِ محمد ﷺ پہ سلام اور درود''

حضرت ابوبکر صدیق

''تاریخ وفا حضرتِ صدیق پہ نازاں''

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

''اُ س کا وجود کلمۂ حق ہے، اذان ہے''

حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ

''خونِ رگِ عثمان سے سرخی ہے شفق کی''

حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ

''علی کے عدل سے روشن چراغِ خانۂ کعبہ''

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ

''اس کی تلوار نے باطل کا جگر کاٹ دیا''

کعبۃ اللہ

''خالِ رُخِ ایام یہی بیت ِ خدا ہے''

مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

''دیباچۂ نشاطِ ابد اس کی ہر گلی''

نعتیہ سانیٹ:

سانیٹ کی ہیئت میں عارف منصور اور تنویر پھول نے نعتیہ متون کے پھول کھلائے ہیں لیکن ان کے نمونے یہاں پیش کرنا دشوار ہے۔

نعتیہ گیت:

ریاض حسین چودھری نے غزل اور نظم کی ہیئت کے ساتھ ساتھ گیتوں کی ہیئت میں بھی نعتیں لکھی ہیں:

شہرِ طیبہ کو جاتی ہواؤ! میرے سینے سے بھی لگ کے جانا
پیش کر کے سلاموں کی ڈالی، میرا سب حال ان کو سنانا
یہ بھی کہنا کہ رو رو کے کوئی، داستاں درد کی کہہ رہا ہے
شب کے جنگل میں مدت سے آقا ﷺ، ہجر کی سختیاں سہہ رہا ہے

بن کے اشکوں کا گہرا سمندر، اپنے الفاظ میں بہہ رہا ہے
وہ ریاضؔ آپ کا جو ہے شاعر، اپنے در پر اُسے بھی بلانا
(ریاض حسین چودھری، نعت رنگ ۵، فروری ۱۹۹۸ء)

نعتیہ ماہیے:

ماہیے کی ہیئت میں بھی نعتیہ متن کی بنت سامنے آتی رہی ہے۔ افضال احمد انور کے نعتیہ ماہیے ملاحظہ ہوں:

روشن ہیں نگینے سے
گو شہر ہیں سب سوہنے، پر کم ہیں مدینے سے
واللہ زمانے سب
سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کے گاتے ہیں ترانے سب
مولا کی عطائیں ہیں
کیسے نہ ملے جنت، آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں ہیں
سرکار صلی اللہ علیہ وسلم! خبر لیجے
گھیرا ہے مصائب نے، للہ! کرم کیجے
(افضال احمد انورؔ، نعت رنگ، شمارہ ۵، فروری ۱۹۹۸ء، ص ۳۲۲)

نعتیہ مسدس، نعتیہ مثنوی، نعتیہ غزل، نعتیہ قصیدہ اور دیگر روایتی ہیئتوں میں نعتیہ متون کے نقوش تو اس قدر لکھے گئے ہیں کہ ان کا شمار کرنا ممکن ہی نہیں، لہٰذا ان ہیئتی اصناف کے شعری نمونے پیش کرنا بھی دشوار ہے۔

نعتیہ شعری تخلیقات میں ''متنی'' (Textual) تنوع:

نعتیہ متون کی ہیئتی بنت کا اجمالی جائزہ لینے کے بعد جب ہم شعری تخلیقات میں ''متنی'' (Textual) یعنی نفسِ مضمون یا مافیہ، کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس ضمن میں ہمیں، نعتیہ تخلیقات پر متنوع قسم کے رجحانات......مثلاً ''سلام''، ''ختمِ نبوت''، استغاثہ، تضامین کی صورت میں نعتیہ اظہارات کی توسیع، غالبؔ کی زمینوں میں نعتیہ دواوین مرتب کرنے کا رجحان، عصری حسیت کا پرتو، خود شناسی کا ادراک، رزمیہ آہنگ، معاشرتی رویوں پر تنقید، اظہارِ عجز اور نسائی احساسِ محرومی جیسے

مضامین کی دھنک نظر آتی ہے۔ میں یہاں صرف رزمیہ آہنگ، عجز کا انوکھا انداز اور نسائی احساسِ محرومی کے تخلیقی اظہار کا نمونہ پیش کر کے رخصت چاہوں گا۔

رزمیہ نعت کا رجحان:

اردو کی نعتیہ شاعری میں غزوات کا ذکر تو حفیظؔ جالندھری، لالہؔ صحرائی اور دیگر چند شعرا کے ہاں ملتا ہے۔لیکن رحمانؔ کیانی کے علاوہ کوئی شاعر، رزمیہ آہنگ میں نعت پیش نہیں کر سکا۔رحمانؔ کیانی کا لہجہ سپاہیانہ، الفاظ تیغِ بُرّاں، پڑھنے کا انداز مبارز طلبی جیسا تھا۔انھوں نے نعت کو جو رزمیہ لہجہ دیا وہ لہجہ نہ تو ان سے قبل اور نہ ان کے بعد کسی شاعر کو میسر آیا۔اس فن کے وہ آپ ہی موجد اور شاید آپ ہی خاتم ثابت ہوئے۔ان کی شاعری کا ایک نمونہ ملاحظہ ہو:

لوگو سنو! جنابِ رسالت مآب میں — شانِ رسولﷺ صاحبِ سیف وکتاب میں
ماحی لقب نبیء ملاحم کے باب میں — کرتا ہوں فکرِ مدح، تو جوشِ خطاب میں
مصرع زباں پہ آتا ہے زورِ کلام سے — تلوار کی طرح سے نکل کر نیام سے
نعتِ رسولﷺ کا یہ طریقہ عجب نہیں — سمجھیں عوام، داخلِ حدِّ ادب نہیں
لیکن یہ طرزِ خاص مرا بے سبب نہیں — شیوہ سپاہیوں کا نوائے طرب نہیں
رائج ہزار ڈھنگ ہیں، ذکرِ حبیب کے — شاہیں سے مانگئے نہ چلن عندلیب ہے
جب بھی سپاہیوں سے پیمبر کو پوچھیے — خندق کا ذکر کیجیے، خیبر کو پوچھیے
بدر و اُحد کے قائدِ لشکر کو پوچھیے — یا غزوۂ تبوک کے سرور کو پوچھیے
ہم کو حنین ومکہ و موتہ بھی یاد ہیں — ہم اُمَّتیِ بانیِ رسمِ جہاد ہیں
رسمِ جہادِ حق کی اِقامت کے واسطے — کمزور و ناتواں کی حمایت کے واسطے
خیر و فلاح و امن و عدالت کے واسطے — خیر الممات مرگِ شہادت کے واسطے
لڑتے ہیں جس کے شوق میں ہم، جھوم جھوم کر — پیتے ہیں جامِ مرگ کو بھی، چوم چوم کر
ایسے یقیں نہ آئے تو پیرانِ خانقاہ — با خِرقہء و کُلاہ و مریدانِ بارگاہ
اک دن ہمارے ساتھ چلو سوئے رزم گاہ — تم کو دکھائیں طرفہ تماشہ، خدا گواہ
دیتے ہیں کیسے جان، کٹاتے ہیں کیسے سر — پڑھتے ہوئے دُرود محمدﷺ کے نام پر

(اذان۔ نبی الملاحم، ص ۲۸)

نعتیہ شاعری میں عجزِ بیاں:

نعتیہ شاعری میں عجزِ بیاں کے بے شمار اشعار ملتے ہیں۔تقریباً ہر شاعر نے نعت کہنے میں اپنی بے بضاعتی کا اظہار کیا ہے۔لیکن عاصؔی کرنالی نے ایک جدا انداز اور منفرد آہنگ میں اپنی بے بضاعتی کو فکری اور تخلیقی سطح پر اجاگر کیا ہے۔اردو نعتیہ شعری سرمائے میں اس سے بہتر عجزِ بیاں کی مثال ملنا مشکل ہے۔وہ کہتے ہیں:

ثنائے خواجہ میں اے ذہن! کوئی مضموں سوچ
جناب! وادیٔ حیرت میں گم ہوں، کیا سوچوں!
زبان! مرحلۂ مدح پیش ہے، کچھ بول
مجالِ حرف زدن ہی نہیں ہے کیا بولوں؟
قلم! بیاضِ عقیدت میں کوئی مصرع لکھ
بجا کہا، سرِ تسلیم خم ہے کیا لکھوں؟
شعور! ان کے مقامِ پیمبری کو سمجھ
میں قیدِ حد میں ہوں وہ بے کراں میں کیا سمجھوں؟
خرد! بقدرِ رسائی تو ان کے علم کو جان
میں نا رسائی کا نقطہ ہوں ان کو کیا جانوں؟
خیال! گنبدِ خضریٰ کی سمت اُڑ پر کھول
یہ میں ہوں اور یہ مرے بال و پر ہیں، کیا کھولوں؟
طلب مدینے چلیں نیکیوں کے دفتر باندھ
یہاں یہ رختِ سفر ہی نہیں ہے کیا باندھوں؟
نگاہ دیکھ! کہ ہے روبرو دیارِ جمال
ہے ذرہ ذرہ یہاں آفتاب، کیا دیکھوں؟
دل! ان سے حرفِ دعا، شیوۂ تمنا مانگ
بِلا سوال وہ دامن بھریں تو کیا مانگوں؟
حضور ﷺ! عجزِ بیاں کو بیاں سمجھ لیجے
تہی ہے دامنِ فن، آستاں پہ کیا لاؤں؟

(ڈاکٹر عاصی کرنالی)

خالد احمد نے،نعت کے ہر شعر میں اپنی حیرت زدگی کا اظہار کرتے ہوئے حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے اپنی عرض داشت پیش کی ہے۔انھوں نے،مدحِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نزاکت کے پیشِ نظر،سخن گوئی کے مرحلے پر،خود کو عاجز پایا تو اپنی بے مایگی کا بار بار ذکر کیا:

کس رُخ سے تیری مدح ترے مدح جُو کریں
کس تار سے حروف کے دامن رَفُو کریں
تاجِ نمود کے لیے سر تن پہ چاہیے
ہم سر بہ جیب کیا ہوسِ رنگ و بو کریں
پُرسانِ حال کون ہے اپنا ترے سوا
ہم لوگ کس کے نام پہ کسبِ نمو کریں
اے احتیاط، بات کس انداز سے کہیں
کس طور احتیاج رقم ہوبہو کریں
کس دید کے حریص ہیں اے شہرِ علم ،ہم
کس دھج سے کیا پکار ترے روبرو کریں

کس طور، کس طریق تری گفتگو کریں کس رنگ میں رنگیں کہ یہ لب پھول بن سکیں
کس نم مہک سے تیرے ثنا خواں وضو کریں خالد نمازِ مدح ادا کس طرح سے ہو

(خالد احمد، مشمولہ: نعت کائنات، مرتبہ: راجا رشید محمود، جنگ پبلشرز، لاہور، اکتوبر 1993ء، ص 181)

نسائی احساسِ محرومی:

روضہء رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر حاضری، لیکن مواجہہ تک رسائی سے محرومی کا نسائی اظہار اپنی نوعیت کا پہلا اور منفرد اظہاریہ، حمیرا راحت کی دو نظموں میں ملتا ہے۔ ان کی نظموں میں نسائی احساس کی انتہائی مؤثر عکاسی ہوئی ہے۔ حمیرا راحت نے اپنے تلخ تجربے کو ڈرامائیت اور مکالمے کی صورت میں لکھ کر روضہء رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر حاضر ہونے والی لاکھوں خواتین کے احساسات کی ترجمانی کا حق ادا کر دیا ہے۔ ذرا ''مکالمہ'' ملاحظہ ہو:

وہ عورت جس کے چہرے پر ''تمہاری حد یہیں تک ہے''
بہت مغرور لہجے میں مجھے سمجھا رہی تھی فقط آنکھیں ہی دکھتی تھیں

اس کے بعد جب اس بظاہر مغرور لہجے میں بات کرنے والی عورت نے بتایا کہ وہ بھی اس حد کو پار نہیں کر سکتی ہے تو شاعرہ کی بیچارگی کا احساس اس کے احساسِ محرومی کا حصہ بن کر دو آتشہ ہو گیا......

اس کی سنہری سبز آنکھوں میں میں شرطی ہوں مگر...... میں بھی نہیں
عجب غم ناک سی گہری نمی جاگی

اور نظم کی آخری لائنوں میں تو ساری مسلم عورتوں کا کربِ بیچارگی سمٹ آتا ہے۔

جو میرے سامنے دیوار تھی
میں اس پہ اپنے ہاتھ رکھ کر رو پڑی
آقا صلی اللہ علیہ وسلم...... مرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم
میں عورت ہوں
مگر اس میں مری اپنی خطا کیا ہے؟

ان لائنوں میں عورت کے جذبات کی اتنی بھرپور عکاسی ہوئی ہے کہ احساسات کو لفظوں میں قید کرنے کی صلاحیت کی داد دینی پڑتی ہے۔ پڑھنے والا مبہوت ہو جاتا ہے۔ ایک سوالیہ ہے جس میں ہر زائر عورت کا شکوہ بڑے سلیقے سے رقم ہو گیا ہے۔ تاثیرِ کلام کو مواجہہ شریف کے قریب پہنچنے اور اس کی زیارت سے محروم کر دیئے جانے والی عورت کے دل کی آہ کے تناظر میں دیکھیے!...... زائرینِ روضہء

رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ خواتین کو مواجہہ شریف تک آنے کی اجازت نہیں ہوتی ہے۔

عام شاعری میں نئے موضوعات کم کم ہی سامنے آتے ہیں۔نعتیہ ادب میں تو موضوع کی وحدت، جذبات کی یکسانیت اور خیال کی جہت نمائی کے باعث،موضوعات کم اور احساسات زیادہ رقم ہوتے ہیں۔لیکن شاعر تو کائنات کے ذرے ذرے سے مکالمہ کرنے کا فن جانتا ہے۔''سڑک'' کے زیرِ عنوان جو نظم رقم ہوئی ہے وہ نعتیہ ادب میں خاصے کی چیز ہے۔حمیرا راحت نے سڑک کا دکھ بھی محسوس کیا ہے جو حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دربارِ اقدس تک لوگوں کو پہنچانے کا ذریعہ بنتی ہے لیکن خود وہ سڑک' درِ اقدس تک پہنچنے سے پہلے ہی معدوم ہوجاتی ہے۔ یہ نظم نعتیہ تقدیسی ادب میں اضافہ بھی ہے اور تخلیقی دانش کا قابلِ قدر مرقع بھی...... چند لائنیں ملاحظہ ہوں:

پھر اک دن یوں ہوا
میں سوچ میں گم تھی
مجھے ایسا لگا جیسے
کہ اس سیدھی سڑک کی دونوں آنکھیں
آنسوؤں سے بھر گئی ہوں
وہ اک نادیدہ غم سے ہو کے بوجھل کہہ رہی ہو
''میں کہاں خوش بخت ہوں بی بی''
مرے دکھ کو کسی نے آج تک جانا نہیں
میں کیسے سمجھاؤں
کہ میں تو سب کو لے جاتی ہوں اُن کے در پہ
لیکن خود کبھی در تک نہیں پہنچی

اس نظم کی علامت سڑک ہے لیکن یہ بھی نسائی دکھ کا حوالہ بن کر معانی کے پرت کھول رہی ہے۔ عورت نہ جانے کتنے زائرین کی ماں بن کر ان کو اس قابل بناتی ہے کہ وہ روضہء اقدس کی زیارت کو جائیں لیکن خود اس کے لیے حدود مقرر ہیں!

نعتیہ شعری تخلیقات کے تراجم:

پاکستان کے معرضِ وجود میں آنے کے بعد جب نعتیہ شاعری کا رجحان بڑھا، تو طبع زاد نعتوں کے

ساتھ ساتھ، عربی، فارسی، انگریزی اور دیگر زبانوں کے تراجم بھی کیے جانے لگے۔ منظوم تراجم کرنے والوں میں شان الحق حقی (گوئٹے کی نظم نغمۂ محمدی کا ترجمہ)، پروفیسر سحر انصاری (مظہر جانِ جاناں کی فارسی نعت کا منظوم ترجمہ) پروفیسر سید محمد ابوالخیر کشفی (ہشام علی حافظ کی نعت کا ترجمہ)، آفتاب کریمی (Camilla Badr کی انگریزی نعت کا منظوم ترجمہ)، صبا اکبر آبادی (قصیدۂ نعمان کا منظوم ترجمہ)، بشیر حسین ناظم (سلامِ رضا کا انگریزی ترجمہ)......شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اور ورقہ بن نوفل کی نعتیہ تخلیقات کا منظوم ترجمہ کرنے کی کوشش راقم الحروف نے بھی کی ہے۔ صبیح رحمانی کی دو کتابوں کے انگریزی تراجم بھی ہوئے ہیں۔ Jada-e-i-Rahmat کا ترجمہ جسٹس (ریٹائرڈ) ڈاکٹر منیر احمد مغل نے کیا ہے اور ان کی دوسری کتاب سرکار کے قدموں میں کا ترجمہ بعنوان Feet Reverence unto His(S.A.W)، سارہ کاظمی نے کیا ہے۔ امام بصیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قصدۂ بردہ کا انگریزی میں ترجمہ کرنے کی سعادت احمد محمود الزماں نے حاصل کی ہے اور انھوں نے انگریزی میں بھی نعتیہ کتاب لکھی ہے۔

Muhammad A Balm For Sore Eyes

جمیل نقوی کی اردو میں بھی نعتیہ کتاب آ چکی تھی انھوں نے ایک کتاب انگریزی میں بھی لکھی Lyric Homage To the Last Propet Hadrat Muhammad صلی اللہ علیہ وسلم۔ سید احمد وارثی کی نعتیہ تخلیق Marathon Achievements of a Desert Orphan بھی منصۂ شہود پر آئی ہے۔ میجر جنرل محمد ارشد چودھری کی کتاب Moments of Reverence بھی نعتیہ متن کی حامل ہے۔ شفیق بریلوی کی کتاب ''ارمغانِ نعت'' میں شامل کچھ نعتوں کے انگریزی تراجم بھی Eulogies on Holy Prophet Muhammad(S.A.W.) بھی شائع ہو چکی ہے۔

راقم الحروف نے نعتیہ ادب میں تنقیدی جہت کے تعارف کے طور پر کتاب پیش کی ہے:

"Excellence of Na'at: Conditions and Standards"

اس مقالے میں، زیادہ تر پاکستانی شعراء کے حوالے دیئے گئے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان شعراء میں سے اکثر کا کلام میں نے پڑھ لیا ہے۔ یہاں بھارت کے شعراء کا ذکر کم کم آیا ہے، کیوں کہ ان کا کلام بہت کم دیکھا ہے۔ میں وہاں کے صرف چند شعراء کے ناموں سے واقف ہوں مثلاً ابرار کرتپوری، مصور لکھنوی، وسیم بریلوی، والی آسی، افتخار امام، بیکل اتساہی، ساحر شیوی، حلیم حاذق، وقار

مانوی، اشفاق انجم، ظفؔر مرادآبادی، جگن ناتھ آزؔاد، مظفر حنفی، عنوانؔ چشتی، انوؔر مینائی، قمؔر سنبھلی، تسنیم فاروقی، ندیؔم صدیقی، بارؔق پرتوروی، اظہؔر عنایتی، طلحہ برؔق رضوی، ناوکؔ حمزہ پوری، رئیؔس احمد نعمانی، محمد علی اثؔر، مناظؔر عاشق ہرگانوی، ظہیؔر غازی پوری، محمد قاسؔم حبیبی برکاتی، منتخب احمد خان ثقلینی، آر پی شرما مہرؔش، شاہ محمد خاتم رضوی، سید شمیم احمد گوہؔر، محمد علی صدیقی شیدؔا بستوی، فراؔغ روہوی، شیو بہادر سنگھ دلبؔر، راجندر نرائن سکسینہ، مظہؔر صدیقی، ایس ایم عقیؔل، نعیم بازید پوری، شمس الرحمان فاروقی، عنبؔر بہرائچی، سلیم شہزاد، فاضؔل میسوری...... میں نے سوائے ایک دو شاعروں کے، کسی کے کلام کا بالاستیعاب مطالعہ نہیں کیا ہے۔ امید کرتا ہوں کہ کوئی نقاد، بھارت کے شعراء کے کاموں کا تفصیلی مطالعہ کر کے، ادبی دنیا میں نعتیہ شاعری کے ہیئتی اور متنی تنوعات کی کہکشاں سجا دے گا!

☆☆☆

ڈاکٹر سید جمیل الدین جمیلؔ راٹھوی (راٹھ، یوپی)

اردو نعتیہ شاعری میں موضوعِ خُلق محمد صلی اللہ علیہ وسلم

ایک جائزہ

خُلق کے معنی و مفہوم پر امام غزالی رحمت اللہ علیہ کے خیالات اہمیت کے حامل ہیں۔ وہ فرماتے ہیں۔

''خُلق اور خَلق قریب المعنیٰ الفاظ ہیں جو اکثر ساتھ ساتھ استعمال کئے جاتے ہیں مثلاً کہتے ہیں کہ فلاں شخص کا خَلق اور خُلق دونوں ہی اچھے ہیں یعنی اسکا ظاہر بھی اچھا ہے اور باطن بھی۔'' (الغزالی۔ص ۶۳)

''انسان حقیقت میں دو چیزوں کا نام ہے' ا۔ جسم ۲۔ روح' اور جس طرح جسم کی ایک خاص صورت اور شکل ہے' روح کی بھی ہے' پھر جس طرح جسم کی صورت اچھی یا بری ہوتی ہے روح کی بھی ہوتی ہے' اور جس طرح ظاہری صوت کے لحاظ سے انسان کو خوبصورت یا بدصورت کہتے ہیں' روحانی صورت کے لحاظ سے اسکو خوش اخلاق یا بداخلاق کہا جاتا ہے۔'' (الغزالی۔ص ۶۳)

''منطق کے اصول کے موافق خلق کی یہ تعریف ہے' روح میں ایسے ملکۂ راسخہ کا پایا جانا جس کی وجہ سے انسان سے اچھے یا برے افعال بلاتکلف آپ سے آپ سرزد ہوں۔'' (الغزالی۔ص ۶۳)

''اس تعریف میں تین قیدیں ہیں ا۔ ملکہ' ۲۔ راسخہ' ۳۔ افعال کا بلاتکلف سرزد ہونا' پہلی قید کا یہ فائدہ ہے کہ اگر کسی شخص کی طبیعت فطرۃً سخی واقع ہو لیکن افلاس یا کسی اور مجبوری کی وجہ سے فیاضی کا اظہار نہ کرسکتا ہو تو اس کی سخاوت میں فرق نہیں آسکتا۔'' (الغزالی۔ص ۶۳)

''غرض خُلق کے وجود کیلئے افعال کا صادر ہونا شرط نہیں صرف یہ شرط ہے کہ طبیعت میں اس قسم کی کیفیت موجود ہو کہ اگر کام کرنے کا سامان اور موقع ہاتھ آئے تو بلاتکلف وہ کام ظہور میں آئے۔''

(الغزالی۔ص ۶۳)

''دوسری قید کا یہ نتیجہ ہے کہ اگر کسی شخص کو کبھی کبھی اتفاقیہ کسی کام کی طرف رغبت ہو تو وہ خُلق میں داخل نہیں' کیوں کہ اس کو ملکۂ راسخہ نہیں کہہ سکتے۔'' (الغزالی۔ص ۶۳)

''تیسری قید کا یہ فائدہ ہے کہ کوئی شخص اگر اپنی طبیعت پر زور ڈال کر اپنے غصہ کو تھامتا ہے تو اس کو حلیم نہیں کہہ سکتے کیونکہ یہ فعل اس سے بے تکلف ظہور میں نہیں آیا۔'' (الغزالی۔ص ۶۳)

خُلقِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور خلقِ عام میں فرق:۔خُلقِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں خُلق کے تمام اوصاف یکجا ہیں اور وہ اپنے درجۂ کمال پر فائز ہیں اور خُلقِ عام میں کچھ اوصاف کسی میں ہو سکتے ہیں پر تعداد اور معیار خُلقِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر نہیں ہوتے۔

قرآن پاک میں اللہ رب العزت نے فرمایا: **وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْم** — اور بیشک تو بہت بڑے (عمدہ) اخلاق پر ہے۔

حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دریافت کیا گیا تو آپنے فرمایا کہ سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا خُلق قرآن ہے حدیث شریف میں ہے سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے مکارمِ اخلاق ومحاسن افعال کی تکمیل و تتمیم کے لئے مبعوث فرمایا۔''
(تفسیر۔خُلقِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم' کنزالایمان)

خُلقِ عظیم: ''حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق بے مثل اخلاق''

خلقِ عظیم (خُلقِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم) سے مراد اسلام' دین یا قرآن ہے مطلب ہے کہ تو اس خُلق پر ہے جس کا حکم اللہ نے تجھے قرآن میں یا دینِ اسلام میں دیا ہے۔اس سے مراد وہ تہذیب وشائستگی' نرمی اور شفقت' امانت وصداقت' حلم وکرم اور دیگر اخلاقی خوبیاں ہیں' جس میں آپ نبوت سے پہلے بھی ممتاز تھے اور نبوت کے بعد ان میں مزید بلندی اور وسعت آئی۔اسی لئے جب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے بابت سوال کیا گیا تو فرمایا: **کَانَا خُلُقُہٗ الْقُرآن**۔
(صحیح مسلم، قرآن کریم مع اردو ترجمہ وتفسیر صفحہ ۱۶۱۱)

خوش خُلق سے لبریز ہے رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ: تعمیرِ کعبہ کے وقت جب حجر اسود کو نصب کرنے کا موقع آیا تو ہر قبیلہ حجر اسود کو نصب کرنے کا شرف حاصل کرنے پر آمادہ ہو گیا، مختصر یہ کہ تمام قبائل کی رائے سے رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حصہ میں یہ شرف آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سماجی اتحاد و اتفاق کا نمونہ پیش کر کے عظیم ذہانت کا ثبوت دیا اور ایک چادر بچھا کر اس کے بیچ میں حجر اسود کو رکھ کر تمام قبائل کے سرداروں سے مل کر چاروں کونوں کو پکڑ کر اٹھانے کو کہا اور جب حجر اسود نصب کرنے کی جگہ کی اونچائی کے برابر آ گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلمنے اسے اٹھا کر مقامِ نصب پر رکھ دیا اور یہ تنازع ختم ہو گیا۔

۲۵ سال کی عمر تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حسن اخلاق کے ساتھ متعدد سماجی خدمات انجام دے چکے تھے آگے چل کر تجارتی کاروبار کے ذریعہ لوگوں سے ربط وضبط کی بنا پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسنِ سلوک، حسنِ معاملہ، صدق ودیانت، راست بازی اور حسنِ اخلاق کی شہرت مکّہ سے باہر اطراف میں بھی ہو چکی تھی اور لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو امین کے لقب سے پُکارنے لگے تھے:

چالیس برس خلقِ حسیں طرزِ نبی ہے　　تب جا کے کہیں دین کی بنیاد پڑی ہے

(مضمون نگار)

اخلاقِ حسنہ سیرتِ طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم سے:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کپڑے خود ہی سی لیتے اور جب کوئی آپ سے ملنے آتا تو اس کا احترام کرتے یہاں تک کہ بعض اوقات اپنی چادرِ مبارک اس کے لئے بچھا دیتے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی سے ملتے تو پہلے سلام کرتے جب مصافہ کرتے تو اپنا ہاتھ نہ ہٹاتے جب تک کہ دوسرا شخص نہ ہٹاتا اور اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا روئے مبارک نہ پھیرتے یہاں تک کے وہ پھیر لیتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے زانو اپنے ہم نشیں سے آگے بڑھا کر نہیں بیٹھتے۔''

(تواضع وحسنِ معاشرت' کائنات' رحمت للعامین نمبر کراچی، صفحہ۔ ۲۰۶)

مہمان نوازی: -عدی بن حاتم یوں بیان کرتے ہیں: ''جب میں مدینہ پہنچا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف رکھتے تھے، میں نے سلام عرض کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ تم کون ہو میں نے عرض کیا کہ میں عدی بن حاتم طائی ہوں۔ یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو گئے اور مجھے اپنے گھر لے چلے، ناگاہ ایک مسکین بُڑھیا کسی حاجت کیلئے حاضرِ خدمت ہوئی، وہ کہنے لگی ٹھہریئے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلمٹھہر گئے اور وہ مسکین بڑھیا دیر تک کچھ عرض کرتی رہی یہ دیکھ کر میں نے اپنے دل میں کہا یہ بادشاہ نہیں ہیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اپنے گھر لے گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تکیہ کھجور کی چھال سے بھرا میری طرف بڑھا کر فرمایا بیٹھ جاؤ، میں نے کہا نہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر تشریف رکھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم ہی اس پر بیٹھو' چنانچہ حسب الارشاد میں اس پر بیٹھ گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم زمین پر بیٹھ گئے۔''

(تواضع وحسنِ معاشرت' کائنات' رحمت للعامین نمبر کراچی، صفحہ۔ ۲۰۶)

بداخلاقی ومظالم کے نقصانات:

حقیقی مفلس۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا تم جانتے ہو کہ دیوالیہ اور مفلس کون ہے۔''

لوگوں نے کہا کہ ''مفلس ہمارے یہاں وہ شخص کہلاتا ہے جس کے پاس نہ تو درہم ہو اور نہ کوئی اور سامان''۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''میری امت کا مفلس اور دیوالیہ وہ ہے جو قیامت کے دن اپنی نماز، روزہ اور زکوٰۃ کے ساتھ اللہ کے حضور حاضر ہوگا۔......اور اسی کے ساتھ ساتھ اسنے دنیا میں کسی کو گالی دی ہوگی اور کسی پر تہمت لگائی ہوگی کسی کا مال مار کھایا ہوگا، کسی کو قتل کیا ہوگا۔ کسی کو ناحق مارا ہوگا۔......تو ان تمام مظلوموں میں اس کی نیکیاں بانٹ دی جائیں گی پھر اس کی نیکیاں ختم ہوگئیں اور مظلوموں کے حقوق باقی رہے تو ان کی غلطیاں اس کے حساب میں ڈال دی جائیں گی۔

(فرامین رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم، کائنات، رحمت للعالمین نمبر کراچی، صفحہ ۱۷ر۲۶)

حضرت معاذ رضی اللہ تعاعنہ فرماتے ہیں: کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یمن بھیجتے وقت جو آخری وصیّت رکاب پر پاؤں رکھتے وقت فرمائی وہ یہ تھی: ''لوگوں کے ساتھ بہتر اخلاق سے پیش آنا۔'' (فرامین رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم، کائنات رسول نمبر، ص ۲۵۹)

''میزانِ عمل میں جتنی چیزیں رکھی جائیں گی ان میں حسن خُلق زیادہ وزنی ہوگا اور اچھے خُلق کا مالک اپنے حسنِ خُلق کے باعث نماز پڑھنے والے، روزہ رکھنے والے کے مرتبہ کو پالیتا ہے۔'' (ضیاء القرآن)

معلوم ہوا کہ خلقِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم دینِ اسلام کی روح ہے۔ بچپن سے لیکر نزولِ وحی تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ حسنہ سے مکّہ کے لوگوں کو اس قدر اپنا گرویدہ بنالیا تھا کہ عام لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو امین و صادق کے لقب سے پکارنے لگے تھے اعلانِ نبوّت کے بعد جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی وحدانیت کا اعلان کیا تو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن ہو گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر طرح طرح کے ظلم و جبر کے پہاڑ توڑنے لگے۔ کسی نے راہ میں کانٹے بچھائے، کسی نے برائی کی اور اتنا ہی نہیں شہر مکّہ کے لوگوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، ان کے اہلِ خانہ اور حامیوں کا سوشل بائیکاٹ کر کے تقریباً تین سال تک شعب ابی طالب میں محصور کر کے رکھا اور اس کے بعد طائف میں اوباشوں نے پتھر برسا کر لہولہان کیا۔ مخالفین جب جان لینے پر آمادہ ہوگئے تو خدا کے حکم پر مکّہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلے گئے کفارِ مکّہ نے مدینہ پر بھی حملے کیئے بہت سے صحابہ شہید ہوئے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی جنگِ احد میں شدید طور سے زخمی ہوئے کئی جنگوں کے بعد جب فتح مکّہ کے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت للعالمینی اور خُلقِ عظیم کا ایسا مظاہرہ ہوا جس کی مثال تاریخ عالم میں آج تک نہیں ہے وہ یوں کہ تمام ظالم و جابر بڑے بڑے مجرم رحمت للعالمین صلی اللہ

علیہ وسلم کے سامنے خوف سے سر جھکائے کھڑے سزا کے منتظر تھے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین کو چھوڑ کر تمام اہلِ مکّہ کو معاف فرما دیا دنیا کی تاریخ میں کسی فاتح نے ظلم کرنے والے' اتنے بڑے بڑے مجرموں پر نرم دلی نہیں دکھائی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خُلقِ عظیم کی طاقت سے اسی وقت بہت سارے لوگ داخلے اسلام ہو گئے۔ طائف کے ان لوگوں کو بھی معاف کر دیا جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پتھر برسا کر لہولوہان کر دیا تھا۔ اسی لئے اللہ رب العزت نے خلقِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خلقِ عظیم کا درجہ عطا کیا:

ایمان کا نشان تو خُلقِ نبی سے ہے　　دونوں جہاں کی شان تو خُلقِ نبی سے ہے
قرآن نے عظیم کہا ان کے خُلق کو　　انسانیت کی جان تو خُلقِ نبی سے ہے
(مضمون نگار)

ڈاکٹر ظفر اقبال نے ''فنِ نعت گوئی کا مختصر جائزہ'' کے مضمون میں نعت گوئی کے موضوعات کو کچھ اس طرح درج کیا ہے:

> ''نعت میں شعراء کرام نے سیرتِ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر ہر پہلو کو قلم بند کیا ہے۔ اس کے موضوعات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور سیرت کے توسط سے انسان کے سارے ثقافتی و تہذیبی پہلو اور سماجی و سیاسی مباحث ورآئے ہیں یہ ایک الگ بات ہے کہ اردو فارسی شعراء نے عموماً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ اقدس، واقعہ معراج اور معجزات ہی کو اپنی توجہ کا مرکز بنایا ہے، لیکن نعت کے موضوع کا دائرہ اس سے بہت وسیع ہے۔'' اس میں شمائل و فضائل کے ساتھ معمولاتِ نبوی، غزواتِ نبوی، عباداتِ نبوی آدابِ مجالسِ نبوی، پیغاماتِ نبوی، اور اخلاقِ نبوی کے بے شمار پہلو شامل ہیں۔ حسنِ عمل، حسنِ سلوک، حسنِ بیان اور حسنِ معاملہ سے لیکر عدل و انصاف، جود وسخا' ایثار و احسان، سادگی و بے تکلفی' شرم و حیا' شجاعت و دیانت، عزم و استقلال، مساوات و تواضع، مہمان نوازی و ایفائے عہد، زہد و قناعت، عفو و حلم، رحم و مروت، شفقت و محبت، عیادت و تعزیت، رقیق القلبی و جاں گدازی، رحمت و مکرمت، لطفِ طبع و لطفِ سخن اور انسانی ہمدردی و غم خواری تک تمدنی زندگی کا کون سا پہلو اور کون سا رخ ہے جس کی ترغیب و ترویج و تزئین و تطہیر کا سامان نعت کے موضوع کے اندر موجود نہیں''۔
>
> (کائنات' رحمت للعالمین نمبر کراچی، صفحہ ۴۵۶)

ڈاکٹر ظفر اقبال کے مطابق اردو نعتیہ شاعری کے موضوعات دو حصوں میں تقسیم ہیں۔

(۱) پہلے حصہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور ان سے والہانہ عقیدت کا اظہار ہوتا ہے جو ایک مومن کے لئے فخر و مسرّت اور سکونِ دل کا سامان مہیا کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ اردو نعتیہ شعراء و سامعین و قارئین سبھی انہیں موضوعات پر لکھنا، سننا اور پڑھنا زیادہ پسند کرتے ہیں۔

(۲) دوسرے حصہ میں ایسے موضوعات ہیں جن میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ اعمال و افعال بھی ہیں جن پر عمل ضروری ہے۔ اعلانِ نبوت کے پہلے سے لیکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال تک جن اعمال و افعال پر اسلام کی بنیاد رکھی ہے انہیں رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فروغ دیا ان کا محور و مرکز خُلقِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہے جس کے دائرۂ وسعت میں نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال و افعال کی طویل فہرست ہے۔

رحم و مروت کا موضوع: طائف میں شر پسندوں نے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لہولہان کر دیا اور زید ابن حارث نے ان ظالموں کو سزا کیلئے اللہ سے دعا کرنے کو کہا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”میں دنیا میں قہر و غضب بن کر نہیں آیا۔“

نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصافِ حمیدہ آسان زبان میں: نیکی کرنے والے، رہنمائی کرنے والے، والے، مدد کرنے والے، دوستانہ مزاج رکھنے والے، عدل و انصاف کرنے والے، ایمانداری کرنے والے، نصیحت کرنے والے، امانت داری کرنے والے، نرم دلی رکھنے والے، رحم کرنے والے، عمدہ گفتگو کرنے والے، مہمان نوازی کرنے والے، عیادت کرنے والے، سب سے برابری کا سلوک کرنے والے وغیرہ میں نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مراتب اور اخلاقِ حسنہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مفاہیم شامل ہیں۔

”مجھے مکارمِ اخلاق و محاسن افعال کی تکمیل و تتمیم کیلئے مبعوث فرمایا“ (رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول کہ انھیں اخلاق کی عمدہ خوبیو کے ساتھ اعمال کی مکمل طور سے ادائیگی کے لئے بھیجا گیا ہے)

دنیا کے ساتھ ساتھ یہ عقبیٰ سنوار دے ایمان کی بہار تو خلقِ نبی سے ہے
روزہ نماز ہوگئے محفوظ سب جمیلؔ محشر کا یہ دیار تو خلقِ نبی سے ہے

(مضمون نگار)

سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ارشادات

(۴) ”اوپر والا یعنی دینے والا ہاتھ، نیچے والا یعنی لینے والے ہاتھ سے بہتر ہے اور تم سب سے

پہلے اس کو دو جس کی تم پر ذمہ داری (کفالت) ہے‘‘ (۹) ’’آپس کی خصومت اور دشمنی سے گریز کرو کیوں کہ اس سے خوبیاں فنا ہو جاتی ہیں اور عیوب زندہ ہو جاتے ہیں‘‘ (۱۶) ’’ہم میں سے نہیں ہے وہ شخص جو بڑوں کی عزت نہ کرے، چھوٹوں پر شفقت نہ کرے، اچھے کاموں کا حکم نہ دے اور برے کاموں سے نہ روکے‘‘ (۱۸) ’’دورُخا (ظاہر کچھ باطن کچھ) اللہ کے حضور معزز نہیں ہو سکتا‘‘ (۱۹) ’’ہر نیکی ایک صدقہ ہے‘‘ (۲۳) ’’وہی مومن ایمان میں کامل ہے جو اپنے اَخلاق میں سب سے بہتر ہے‘‘ (۳۳) ’’خوشامد مومن کے اخلاق سے نہیں ہے، سوائے طلبِ علم کے لئے‘‘ (۴۶) لوگوں کو تم اپنی دولت سے اپنا گرویدہ نہیں بنا سکتے ان کو اپنے اخلاق سے گرویدہ کرو‘‘ (۴۸) ’’بھلائی تو بہت ہے مگر بھلائی کرنے والے بہت کم ہیں‘‘ (۴۹) ’’بیہودہ گوئی اور لفّاظی نفاق کے دو شعبے ہیں اور حیا اور کم گوئی ایمان کے دو شعبے ہیں۔‘‘

(سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت، سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ارشادات، حضرت شمس بریلوی۔ صفحہ ۲۴۰ سے ۲۵۰ کے درمیان، اشاعت ۱۹۸۸ء عظیم پبلیشرز جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵)

عربی نعت گوئی میں خلقِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ضوعات پر چند اشعار کا اردو ترجمہ:۔

حضرت ابو طالب کے ایک شعر کا مفہوم:

’’وہ روشن تابناک چہرے والے، جن کے وسیلہ میں بادلوں سے پانی
مانگا جاتا ہے یتیموں کے والی اور بیواؤں کی پناہ گاہ ہیں۔‘‘

(نعتیہ شاعری کا ارتقاء۔ صفحہ ۱۲۵۔ ڈاکٹر محمد اسمٰعیل فتحپوری)

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اشعار کا اردو ترجمہ:

۱۔ میری روح اس پر قربان جس کے اخلاق اس بات کے گواہ ہیں کہ وہ خیر البشر ہیں۔

۲۔ میں نے غور کر کے آپ کے اندر بھلائی دیکھ لی جسے میں پہچانتا ہوں اور خدا جانتا ہے کہ میری آنکھوں نے مجھ سے خیانت نہیں کی۔

(۱،۲۔ صحابہ کرام کا عشق رسول، صفحہ ۱۶۷، ترتیب صوفی محمد اکرم رضوی، پاک پبلی کیشن، کراچی اشاعت دوم ۱۹۸۶ء)

۳۔ آج ہم آپ کی بخشی ہوئی روشنی میں زندگی گزار رہے ہیں، اور وہی نور ہے اور ہدایت کے کھلے ہوئے تمام راستے ہیں، جن کو ہم طے کر رہے ہیں۔

(۳۔ عربی میں نعتیہ کلام صفحہ ۷۹ عبداللہ عباس ندوی، مکتبۂ اسلام گوئن روڈ لکھنؤ۔ ۱۹۷۵)

اردو نعتیہ شاعری میں خلق محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا موضوع

مولانا محمد باقر آگاہ:

مولانا محمد باقر آگاہ کی پیدائش سنہ ۱۱۵۸ھ میں ویلور میں ہوئی آپ نے بچپن ہی میں دینی تعلیم حاصل کر لی تھی اور پندرہ سال کی عمر میں نظم ونثر لکھنے میں مہارت حاصل کر لی تھی۔ آگاہ کی تصانیف کی تعداد وضخامت حیرت انگیز ہے۔

(آرام دل: اخلاق وشمائل نبوی تصنیف ۱۱۸۵ھ۔ ابیات ۱۲۵۲، صفحہ ۱۷۵، نقوش رسول نمبر، اشاعت ۱۹۸۳، پاکستان)

بابِ اول میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل کا بیان ہے، بابِ دوم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کا ذکر ہے اور بابِ سوم میں عاداتِ شریفہ کا، ابتدا میں حمد کے بعد نعت کا مضمون ہے۔......

کچھ نعتیہ اشعار موضوعِ اخلاق صلی اللہ علیہ وسلم پر:

سب اخلاق اوسکے بے قال و قیل — کمالات روحی اوپر تھے دلیل

(اردو میں نعتیہ شاعری، صفحہ ۲۰۳، ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق)

۱- خوش آواز تھا وہ شہ نامدار — لے جاتا تھا خاطر سوں صبر وقرار
۲- سخن اوسکا جب پڑتا تھا کان میں — نکلتے تھے ارواح ابدان میں
۳- کہی عائشہ اوس کو اے ہوشیار — ہے تفصیل اوس کی نہایت سو بہار
۴- و لیکن میں کہتی ہوں اب مختصر — کہ خلق اس کا قرآن تھا سر بسر
۵- میں رحمت کا اوسکی کروں کیا بیاں — سراہا ہے اوسکوں خدا اور قرآن
۶- رکھا رحمت العالمین اوسکا کا نام — روفٌ رحیمٌ بھی اے شاد کام

(اردو میں نعتیہ شاعری صفحہ ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶۔ ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق)

مولانا الطاف حسین حالیؔ:۔ آپ کی ولادت پانی پت میں ۱۸۳۷ء میں ہوئی۔

مولانا حالی کی مشہور نظم مسدس میں خلق محمد ﷺ کے موضوعات اور زبان کی سادگی نے اس نظم کو خاص وعام میں مقبول کر دیا ہے:

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا — مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا — وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا
فقیروں کا ملجا ضعیفوں کا ماویٰ — یتیموں کا والی غلاموں مولیٰ

خطا کار سے درگزر کرنے والا — بد اندیش کے دل میں گھر کرنے والا
مفاسد کا زیرو زبر کرنے والا — قبائل کو شیرو شکر کرنے والا
اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا — اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا
مِس خام کو جس نے کندن بنایا — کھرا اور کھوٹا الگ کر دکھایا
عرب جس پہ قرنوں سے تھا جہل چھایا — پلٹ دی بس اک آن میں اس کی کایا
رہا ڈر نہ بیڑے کو موجِ بلا کا — اِدھر سے اُدھر ہوگیا رخ ہوا کا

(مقدمہ مسدس حالؔی صدی ایڈیشن صفہ ۱۹، بحوالہ اردو میں نعتیہ شاعری۔ صفحہ ۳۶۶، رفیع الدین اشفاق)

اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں بریلوی:

آپ کی ولادت ۱۸۵۶ء میں بریلی میں ہوئی اردو نعتیہ شاعری میں سب سے زیادہ مقبولیت اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں بریلوی کو حاصل ہے انہیں عاشقِ رسول کے خطاب سے بھی نوازا جاتا ہے۔ آپ نے خلقِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نہایت سادہ الفاظ میں بد اخلاقی کے بدلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوش اخلاقی کو پیش کیا ہے:

بد کریں ہر دم برائی — تم کہو ان کا بھلا ہو
ہم وہی نا شستہ رُو ہیں — تم وہی بحر عطا ہو
ہم وہی شایانِ رد ہیں — تم وہی شانِ سخا ہو
ہم وہی بے شرم و بد ہیں — تم وہی کانِ حیا ہو
ہم وہی ننگِ جفا ہیں — تم وہی جانِ وفا ہو
ہم وہی قابل سزا کے — تم وہی رحمِ خدا ہو

(حدائقِ بخشش حصہ دوم، صفحہ ۱۶۳، مکتبہ اعلیٰ حضرت۔ محلّہ سوداگران بریلی، اشاعت ۱۳۲۵ھ)

سید علی حیدر نظم طباطبائی:

پیدائش ۱۸۵۳ء لکھنؤ، تعلیم کے بعد نظام کالج میں پروفیسر تقریباً تیس برس اس عہدہ پر رہے، عثمانیہ یونیوسٹی کے قیام کے بعد دارالترجمہ سے جڑ گئے، انتقال ۱۹۳۳ء میں ہوا:

یہ کس رستے سے تو اے رہنما ہوتا ہوا آیا — ہزاروں ہی برس عالم کو تو نے راہ دکھلائی
نہ ہوتے معجزے بھی گر تو کیا شک تھا رسالت میں — شریعت تیری ہے فطری نبوت تیری آبائی

ترا اعجاز قرآنِ مبیں ہے سامنے جس کے فصیحانِ عرب سے آج تک ہے سلب گویائی

(اردو میں نعتیہ شاعری۔ ص ۳۹۸)

محمد الیاس برنیؔ:

آپ کا وطن بلند شہر، پیدائش ۱۸۸۲ء کی ہے، ۱۹۳۵ء میں دارالترجمہ کے ناظم بنائے گئے:

خلق ان کا خلق ہے کونین میں خلق عظیم ان کی سیرت ہے کتاب اللہ سے ملتی ہوئی

خلق کے حق میں سراپا رحمت للعالمیں شان رحمت ہے رسول اللہ سے ملتی ہوئی

(اردو میں نعتیہ شاعری۔ ص ۵۵۱۔۵۵۲' ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق)

حفیظ جالندھری:

حفیظ جالندھر 1900ء جالندھر میں پیدا ہوئے۔ حفیظ جالندھری نے منظّم شاہ نامہ اسلام لکھنے کا عظیم کارنامہ انجام دیا ہے۔ ان کے تمام اشعار بحر ہزج سالم میں نظر آتے ہیں۔ واقعہ نگاری، منظر نگاری، جذبات نگاری اور زبان کی سادگی نے انہیں امتیازی حیثیت کا مالک بنا دیا ہے:

قریشی عورتیں کانٹے بیابانوں سے لاتی تھیں گزرگاہِ گلِ گلزارِ وحدت میں بچھاتی تھیں

مگر وہ منبع علم و صفا خاموش رہتا تھا دعائے خیر کرتا تھا جفا و ظلم سہتا تھا

(شاہ نامہ اسلام جلد، اول، صفحہ ۱۸۵، بحوالہ اردو میں نعتیہ شاعری صفحہ ۵۸۳، رفیع الدین اشفاق)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب کے چند اشعار کا اردو منظوم ترجمہ حفیظ جالندھری کے اشعار میں:

وہ دامن جو یتیموں کو پناہیں دینے والا ہے جو اندھوں کو بصیرت کی نگاہیں دینے والا ہے

وہ جس نے، اجڑی بچھڑی آدمیت کو سنوارا ہے جو بے یاروں کا یارا بے سہاروں کا سہارا ہے

محمد ابر رحمت بن کے بے جانوں کو جاں بخشے چمن کو رنگ بخشے اور بلبل کو زباں بخشے

محمد نوع انساں کو غلامی سے رہائی دے محمد پنجۂ مرگِ دوامی سے رہائی دے

(شاہ نامہ اسلام جلد اول صفہ ۲۰۸، بحوالہ اردو میں نعتیہ شاعری۔ صفحہ ۵۸۴، رفیع الدین اشفاق)

پتھروں کی بارش بھی دیکھئے اور دعائے خیر بھی سنیے:

بڑھے انبوہ در انبوہ پتھر لے کے دیوانے لگے بارانِ سنگ اس رحمتِ عالم پہ برسانے

وہ ابرِ لطف جس کے سائے کو گلشن ترستے تھے پیا پۓ آنے والے پتھروں کی چوٹ ہنستے تھے

وہ بازو جو غریبوں کو سہارا دیتے رہتے تھے
پیاپے آنے والے پتھروں کی چوٹ سہتے تھے
فرشتے جن پہ آ آ کر جبینِ شوق رکھتے تھے
وہ پائے نازنیں زخموں کی لذت آج چکھتے تھے
غلامِ باوفا زید ابن حارث ڈھونڈتا آیا
مطائے نور کو طائف سے کندھو پر اٹھا لایا
کہا سرکاران لوگوں کے حق میں بددعا کی جے
شکایت اس جفا و جور کی پیشِ خدا کی جے
جنابِ رحمت لعالمیں نے سُن کے فرمایا
کہ میں اس دہر میں قہر وغضب بن کر نہیں آیا
یہ فرما کر نبی نے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی
خدا کا فضل مانگا خوئے تسلیم و رضا مانگی
دعا مانگی خدایا قوم کو چشمِ بسیرت دے
الٰہی رحم کر ان پر انھیں نورِ ہدایت دے
فراخی الٰہی فضل کر کہسار طائف کے مکینوں پر
کنارے پر لگا دے ڈوبنے والے سفینوں کو
ہمتوں کو، روشنی دے ان کے سینوں کو
الٰہی پھول برسا پتھروں والی زمینوں پر

(شاہ نامہ اسلام جلد اول صفحہ ۲۱۴، بحوالہ اردو میں نعتیہ شاعری صفحہ ۵۸۳۔۵۸۴، رفیع الدین اشفاق)

حیاتِ نو میسر تھی چمن کو اپنے مالی سے
امیدیں پھوٹتی تھیں پتّے پتّے ڈالی ڈالی سے

(شاہ نامہ اسلام جلد چہارم صفحہ ۱۵۶۔۱۵۷ شائع کردہ سلطان بک ڈپو حیدر آباد)

مچا تھا جن دنوں اندھیر دنیا کے سفینے میں
وجود اہل حق موجود تھا بس اک مدینے میں
محمد کا مدینہ ہی جہاں میں ایک بستی تھی
جہاں رحمت کا سایہ تھا جہاں رحمت برستی تھی
مساوات واخوت کی یہاں تعلیم ہوتی تھی
بشر کو دولتِ انسانیت تقسیم ہوتی تھی

(شاہ نامہ اسلام جلد چہارم صفحہ ۱۵۶، بحوالہ اردو میں نعتیہ شاعری۔۵۹۰، ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق)

نوشابہ خاتون: پیدائش حیدر آباد، تقریباً ۱۳۲۰ھ میں، ابتدائی تعلیم گھریلو طور پر ہوئی ۱۹۲۴ء میں جامعہ عثمانیہ حیدر آباد سے بی۔اے کی ڈگری حاصل کی، نوشابہ خاتون کے کلام کا مجموعہ ''موج تخیل'' کے نام سے موسوم ہے:

دلوں سے زنگِ کدورت چھڑا دیا جس نے
وہ ذات نقش عداوت مٹا دیا جس نے
وہ ذات ذکر خصُومت بھلا دیا جس نے
وہ جام بادۂ الفت پلا دیا جس نے

حبیب خالق اکبر پہ ہو درود و سلام
ہزار بار پیمبر پہ ہو درود و سلام

وہ جس نے ظلم کا بدلہ سدا دعا سے دیا
عوض ستم کا تلَطُّف سے اور کرم سے دیا
جو راہ حق سے کبھی اک قدم نہ پیچھے ہٹا
ہزار جور اٹھائے نہ آیا لب پہ گلا

حبیب خالق اکبر پہ ہو درود و سلام
ہزار بار پیمبر پہ ہو درود و سلام

غلام و بندہ برابر ہیں جس کی ہے تعلیم　　نہیں ہے رومی و تازی میں رنگ کی تقسیم
خدا کی ذات ہے بس ایک واجب التعظیم　　جھکے نہ خلق کے آگے کبھی سر تکریم

حبیب خالق اکبر پہ ہو درود و سلام
ہزار بار پیمبر پہ ہو درود و سلام

شہ حجاز و عرب جس کا ٹاٹ بستر تھا　　بایں ہمہ جسے گنج شہی میسر تھا
ردائے کہنہ میں ملفوف جسم اطہر تھا　　عبائے شاہی تھی تن پر نہ تاج و افسر تھا

حبیب خالق اکبر پہ ہو درود و سلام
ہزار بار پیمبر پہ ہو درود و سلام

(موج تخیل: بحوالہ اردو میں نعتیہ شاعری ۶۵۵۔۶۵۶، رفیع الدین اشفاق)

ابوالمجاہد زاہد

وہ سلطانِ دیں تاجدارِ رسالت　　وہ جس کی محبت خدا کی محبت
وہ جس نے عداوت کی زنجیر توڑی　　وہ جس نے جہالت کی گردن مروڑی
وہ بندوں کو جس نے خدا سے ملایا　　وہ کانٹوں کو جس نے گلستاں بنایا
وہ ذرّوں کو دی رونق طور جس نے　　اندھیرے پہ کی بارش نور جس نے
فضاؤں کو جس نے منور بنایا　　ہواؤں کو جس نے معطر بنایا
وہی ہے وہی غایت ہر دو عالم　　وہی ہے وہی رحمتِ ہر دو عالم

(ارمغان نعت۔صفحہ ۱۷۸)

جوش ملیح آبادی:

آپ انقلابی شاعر کی حیثیت سے دنیائے شعر و ادب میں مخصوص مقام رکھتے ہیں:

اے کہ ترے بیان میں نغمۂ صلح و آشتی　　اے کہ ترے سکوت میں خندۂ بندہ پروری
تیری پیمبری کی یہ سب سے بڑی دلیل ہے　　بخشا گدائے راہ کو تو نے شکوہِ قیصری

(ارمغانِ نعت صفحہ ۱۹۰ ساجد صدیقی و والی آسی۔ مکتبہ دین و ادب، لکھنؤ، اشاعت ۱۹۸۲)

جگنّا تھ آزاد

سلام اس ذاتِ اقدس پر، سلام اس فخرِ دوراں پر ہزاروں جس کے احسانات ہیں دنیائے امکاں پر
سلام اس پر کہ آیا رحمت للعالمیں بن کر پیامِ اُنس لے کر صادق الوعد و امیں بن کر
سلام اس پر جلائی شمعِ عرفاں جس نے سینوں میں کیا حق کے لئے بیتاب سجدوں کو جبینوں میں
سلام اس پر بنایا جس نے دیوانوں کو فرزانہ مئے حکمت کا چھلکایا جہاں میں جسنے پیمانہ
بڑے چھوٹے میں جسنے اک اخوت کی بنا ڈالی زمانے سے تمیزِ بندہ و آقا مٹا ڈالی
سلام اس پر فقیری میں نہاں تھی جس کی سلطانی رہا زیرِ قدم جس کے شکوہ و فرِّ خاقانی
سلام اس ذاتِ اقدس پر حیات جاودانی کا سلام آزاد کا آزاد کی رنگیں بیانی کا

(ارمغانِ نعت صفحہ ۱۹۳۔ ساجد صدیقی و والی آسی۔ مکتبہ دین و ادب، لکھنؤ، اشاعت ۱۹۸۲)

(مضمون نگار) مسدس

تقسیم ہوئے کاز کے مربوط نشانو بے فکر ہوئی قوم کے حسّاس جوانو
ہر موڑ پہ تذلیل کے اسباب بھی جانو پھر عظم جواں لیکے اٹھو خلق کی ٹھانو

☆

جو خلق کے آداب سے واقف نہیں ہوتے وہ لوگ کبھی قوم کے عاطف نہیں ہوتے

مسدس

اک سمت تو سامان لئے فوج بڑی تھی اک سمت فقط عزم لئے قوم کھڑی تھی
وہ بدر کے میدان کی پر عزم کڑی تھی اللہ کے محبوب نے جب جنگ لڑی تھی

☆

انسان کی قدروں کو نیا مول دیا تھا دشمن کیلئے آبِ گراں کھول دیا تھا

قطعات

تخریب کے ماحول میں تعمیر محمد ہر ظلم کی زنجیر پہ شمشیر محمد
انصاف یہودی کو مسلماں کے مقابل ہیں عدل کے معیار کی تنویر محمد
اگر خُلقِ نبی کا وصف یوں بوتا تو کیا ہوتا ضعیفوں کا اٹھا کر بوجھ تو ڈھوتا تو کیا ہوتا

نبی کا درس بھولا ہے جمیلؔ اپنے مفادوں میں
جگر کی اس کسافت کو اگر دھوتا تو کیا ہوتا

متفرق اشعار

دشمن کو کروں زیر میں کس طور خدا اب
اخلاص کی تحریک پہ فتوے کی چھڑی ہے

کھاؤ اگر حلال تو روح میں آئے گی جلا
نسخے بڑے مفید ہیں روحی فدا طبیب کے

صنف ابرِ حروف میں خُلقِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا موضوع

فلسفہ ' حکمت و علمِ قدیم اور
علمِ جدید کے بھی سردار آپ ہیں

عدل و وفائے حسیں حلم وخلوص و یقیں
صبرو رضا کے جواں کردار آپ ہیں

جبرو جفا کے لئے ظلم و دغا کیلئے
رب کا پیام لئے تلوار آپ ہیں

نسواں کے حق لئے غربا کو سب لئے
امن ِ جہاں کی دو ا سرکار آپ ہیں

گھر کے بڑوں کا رکھو، دل سے خیال سدا
دین کی صدا ہے یہی، اسی میں نجات ہے

غربا یتیم رکھو، دل کے قریب ذرا
درسِ وفا ہے یہی، اسی میں نجات ہے

پڑھتے درود رہو، نبی پہ ہمیشہ سنو
حکمِ خدا ہے یہی، اسی میں نجات ہے

وصفِ نبی کا بیاں، کرلو جمیلؔ یہاں
دل کی دوا ہے یہی، اسی میں نجات ہے

رب کی نمازیں ہوں کہ،روزے رمضان کے ہوں
ان کے وسیلے ہی سے، کل مَضُمُون ہے

ڈر بھی خدا کا لئے، فکرِ نجات لئے
دل کی فضا جو تیری، ہوئی محزون ہے

غربا و نسواں پے، رحم و کرم کرو
یہی ہے طریقہ سہی، یہی مسنون ہے

خلقِ علا ہے پونجی، سب سے عظیم یہاں
اس کو بچا کے رکھو، دینی یہ ستون ہے

کتابیات:

(۱) ''کنز الایمان ترجمہ قرآن کریم'' امام اہل سنت شاہ محمد احمد رضا، مع تفسیر مولوی سید محمد نعیم الدین مراد آبادی، تاج کمپنی، ایم شفیق اینڈ سنز، ۱۴۳۸ھ (۲) ''قرآن کریم مع اردو ترجمہ وتفسیر'' شاہ فہد قرآن کریم پرنٹنگ کمپلیکس (۳) ''الغزالی'' علامہ شبلی نعمانی، معارف پریس اعظم گڈھ اتر پردیش، انڈیا، اشاعت اگست ۱۹۵۶ء (۴) ''ارمغانِ نعت'' ساجد صدیقی، والی آسی، مکتبہ دین و ادب، لکھنؤ، اشاعت ۱۹۸۲ء (۵) ''اردو میں نعتیہ شاعری'' پروفیسر ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق، باب

الاسلام، پرنٹنگ پریس کراچی، اشاعت ۱۹۸۶ء (۶) ''حدائق بخشش'' مکتبہ اعلیٰ حضرت، سوداگران، بریلی، ۱۳۲۵ھ (۷) ''سرورِ کونین ﷺ کی فصاحت'' حضرت شمس بریلوی، عظیم پبلشرز جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵، اشاعت ۱۹۸۸ء (۸) ''صحابہ کرام کا عشق رسول'' صوفی محمد اکرم رضوی، حنفیہ پاک پبلیکیشنز کراچی، اشاعت ۱۹۸۶ء (۹) ''عربی میں نعتیہ کلام'' عبداللہ عباس ندوی، مکتبہ اسلام گوئن روڈ لکھنؤ ۱۹۷۵ء (۱۰) کائنات' رحمت للعامین نمبر، وفاقی گورنمنٹ اردو سائنس کالج کراچی، اشاعت ۱۹۸۳ء (۱۱) ''نعتیہ شاعری کا ارتقا'' عربی و فارسی کے خصوصی مطالعہ کے ساتھ، ڈاکٹر محمد اسمٰعیل آزاد فتحپوری، اشاعت ۱۹۸۸ء

☆☆☆

ڈاکٹر مولوی بشیر الحق قادری آل قریش (ویلور، ٹمل ناڈو)

بارہویں صدی ہجری کی ایک مایہ ناز منظوم سیرت طیبہ ''معجز مصطفیٰ'' کا ایک علمی و تجزیاتی مطالعہ

خانوادۂ نبوت کے ایک صوفی منش، صاحب علم و عرفان، فرد فرید حضرت العلام سید اسمٰعیل اصفہانی الاصل والمولود۔ آپ نویں صدی ہجری میں اپنے والد ماجد حضرت علامہ سید برہان الدین کے ہمراہ ہندوستان تشریف لائے اور احمد آباد گجرات میں مستقل بود و باش اختیار کی۔ (تذکرۂ اولیائے دکن، ص ۲۷ مطبوعہ ۱۳۳۲ھ) ویلور کے 'حضرت مکان' میں تین صدیوں سے آباد ''خانوادۂ اقطاب ویلور'' ان ہی کی نسل سے ہے۔ مولانا حکیم سید عبدالحی لکھنوی نے یاد ایام (تاریخ گجرات، مطبوعہ، علیگڈھ ۱۹۱۹ھ) میں خانوادۂ اقطاب ویلور کو حضرت سید عبدالفتاح عسکری احمد آبادی کی نسل بتلایا ہے، جو حضرت قاضی سید اسماعیل اصفہانی کے فرزند اور حضرت سید برہان الدین کے حقیقی پوتے ہیں۔ مولانا حکیم سید عبدالحی لکھنوی حضرت سید عبدالفتاح عسکری کے تذکرے میں رقم طراز ہیں:

> ''شیخ عبدالفتاح شارح مثنوی معنوی بھی اسی سلسلہ (قادریہ) کے ایک مشہور و معروف بزرگ ہیں، جو احمد آباد میں رہتے تھے، ان ہی کی نسل سے ویلور علاقۂ مدراس کا متبرک خاندان ہے، جو اب تک اپنے علم و مشیخت کی وجہ سے ممتاز ہے۔''

(تاریخ گجرات، مطبوعہ، علی گڈھ ۱۹۱۹ھ ص ۵۵)

حضرت سید اسمٰعیل اصفہانی کا مختصر تعارف مولانا سید شاہ محمد قادری، خواہر زادہ و داماد حضرت قطب ویلور نے ''جواہر السلوک'' فارسی کتاب کے ضمیمہ میں پیش کیا ہے، جس کا اردو ترجمہ پیش ہے:

> ''حضرت قاضی سید اسماعیل اصفہانی، گجرات کے عظیم اولیاء میں سے ایک ہیں۔ آپ تمام فضائل و محاسن اور کمالات کے معدن ہیں۔ آپ نے

حضرت شاہ عالم گجراتی (متوفی ۸۸۵ھ) سے خرقۂ خلافت زیب تن فرمایا۔
آپ کو علوم ظاہری و باطنی میں کمال اور تبحر حاصل تھا اور آپ جلیل القدر عرفانی
مقامات اور روحانی درجات پر فائز تھے اور آپ سے عظیم کرامات اور خرق
عادت امور کا صدور ہوا۔''

(ص ۲۵۹، مطبوعہ مدراس ۱۲۸۳ھ)

محمد عبد الجبار ملکاپوری رقم طراز ہیں:

''حضرت قاضی سید اسماعیل جامع فضائل و کمالات تھے۔ تحریر و تقریر میں بے نظیر، پاکیزہ طینت و روشن ضمیر تھے، درس و تدریس کے فریضہ اور ہدایت و تلقین کے آشفتہ تھے۔ رات دن اسی میں مشغول رہتے تھے۔ فقہ و اصول فقہ میں فرید عصر اور کلام معقول میں وحید دہر تھے۔ بادشاہ (سلطان محمد بیگڑا) نے آپ کو باصرار تمام بھروچ کے قضا پر مامور کیا۔ اہل شہر و رعایا آپ سے راضی تھے۔''

چند روز بعد سلطان محمود بیگڑا نے حضرت شاہ عالم کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ قاضی صاحب کو حکم کریں کہ احمد آباد کی قضاوۃ قبول کریں، ورنہ شہر ویران و تباہ ہو جائے گا۔ حضرت شاہ عالم نے قاضی صاحب سے فرمایا مصلحتاً قبول کیجئے، قاضی صاحب نے معافی چاہی اور فرمایا:

لذت دیوان گاہ رادیدم		بعد شرمم بازاگر عاقل شوم

حضرت نے تاکیداً فرمائی کہ آپ کو قبول کرنا چاہئے۔ قاضی صاحب مجبور ہو گئے اور عرض کیا کہ میں اس شرط پر قبول کرتا ہوں کہ خدائے تعالیٰ مجھ کو موت سے قبل یہی حالت جو، اب ہے عنایت کرے۔ حضرت نے ایک ساعت مراقبہ کر کے فرمایا کہ میں نے آپ کے لئے درخواست کی، خدا نے منظور کر لیا۔ آپ کو دوبارہ فقراء کے ساتھ قیامت میں محشور کرے گا۔''

(تذکرۂ اولیاء دکن، مطبوعہ حیدر آباد ۱۳۳۲ھ، ص ۷۴)

۸۶۵ھ میں حضرت قاضی اسماعیل دنیا سے رخصت ہوئے، آپ کے فرزند حضرت سید عبد الفتاح عسکری نمونۂ پدر ثابت ہوئے۔ آپ کا شمار گجرات کے مشاہیر علما و صوفیہ میں ہوتا ہے۔ آپ کی ذات گرامی علوم ظاہری اور باطنی کی جامع تھی۔ آپ صاحب تصنیف عالم دین تھے۔ آپ کی نوک قلم سے کئی کتابیں وجود میں آئیں، ان میں شرح جام جہاں نما، شرح مثنوی مولانا روم مشہور و معروف تصانیف ہیں۔ چنانچہ آپ کا تعارف ضمیمہ ''جواہر السلوک'' میں بایں الفاظ میں مذکور ہے:

''حضرت سید عبدالفتاح رحمۃ اللہ علیہ از مشاہیر اولیائے گجرات ست،
جامع علوم ظاہری وباطنی بود، شرح مثنوی مولوی، وشرح جام جہاں نماوغیرہ
ازمصنفات وے است۔''(۲۶)

حضرت عبدالفتاح عسکری کی تین پشت اورنسل احمد آباد گجرات میں گذریں۔آپ کے فرزند حضرت العلامہ سید قطب الدین، اوران کے فرزند حضرت العلامہ سید عبدالخالق اوران کے فرزند حضرت العلامہ سید محمد ہیں۔مذکورہ تینوں حضرات کرام کے صرف نام اوران کا مدفن احمد آباد میں ہونے کی صراحت ضمیمہ''جواہر السلوک'' میں ہے۔حضرت عبدالفتاح کی چوتھی پشت میں حضرت سید شاہ عبداللطیف (اوّل) باپو جی واقع ہیں۔آپ گجرات کے ممتاز وجید عالم دین،صوفی صافی اورصاحب کرامات وتصرف تھے اورحسن صورت وسیرت کے مالک تھے نیز آپ کی شخصیت نہایت مؤثر ودل فریب اورفیض رساں تھی۔احمد آباد کے عوام وخواص آپ سے مانوس اورمربوط تھے، بالخصوص مرہٹہ، راجپوت اوردیگر اقوام ہنود ہر صبح آپ کے دیدار وزیارت وملاقات کوموجب برکت تصور کرتی تھیں۔ حضرت عبداللطیف باپو جی نے اپنے وطن گجرات میں جب سیاسی انتشار،سرکاری خلفشار اور بدامنی دیکھی تورخت سفر باندھا اورمع اہل وعیال بیجاپور آ گئے۔یہ ابراہیم عادل شاہ ثانی (۱۵۸۰ء۔۱۶۲۶ء) کا زریں دور تھا۔ڈاکٹر سید محی الدین قادری زورحیدر آبادی نے''دکنی ادب کی تاریخ''میں آپ کے بیجاپور آنے کے بارے میں تحریر کرتے ہیں:

''سلطان ابراہیم عادل شاہ ثانی نہ صرف علم دوست اورعالموں وصوفیوں کا قدرداں تھا بلکہ خود بھی ایک بہت بڑا صاحب کمال تھا۔اس کے عہد میں جب مغلوں نے گجرات اوراحمد نگر کی سلطنتوں کوتباہ کرنا شروع کیا تو اس نے وہاں کے تمام باکمالوں کو بیجاپور آنے کی دعوت دی۔''

(ص۲۸مطبوعہ ۱۹۸۹ء)

سلطان مذکور کی خوش خلقی، فیاضی،علم نوازی اورادب پروری کے باعث بہت سارے اصحاب کمال کشاں کشاں بیجاپور پہنچے جن میں حضرت عبداللطیف باپو جی گجراتی اوران کا خاندان بھی تھا۔ بیجاپور میں حضرت عبداللطیف کی بڑی پذیرائی ہوئی۔علماء وصوفیہ کے حلقے میں بھی غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوئی۔وقت کے سلطان محمد عادل پاشاہ کی جانب سے چہار ہوں،(اس دور میں برٹش روپیہ کے چار ساڑھے چار روپیے کے مساوی یہ سکہ سمجھا جاتا تھا۔ڈاکٹر سید منیر قادری دارالعلوم لطیفیہ کی علمی

وادبی خدمات، مطبوعہ ۲۰۰۸ء، ص ۸۶)

روزانہ وظیفہ مقرر کیا گیا اور چار قریئے انعام میں دیئے گئے، بقول حضرت مولانا سید شاہ محمد قادری صاحب ضمیمہ ''جواہر السلوک''۔

''حضرت سید عبداللطیف عرف باپو جی درعلم ومعرفت ، وصورت وسیرت یگانۂ وقت بود، وراج پوت ودیگر اقوام ہنود ہر صبح دیدار اورا موجت برکت می پنداشتند ، اورا باپو جی می خوانند، از گجرات بہ بیجاپور رسید (۱) موضع مسوتّی من پرگنہ موزور ، (۲) وموضع نرسلگی (۳) وموضع ناگورو (۴) وموضع ملنور پرباگواری ، وچہار ہون یومیہ از خزانہ بسند محمد عادل خان بادشاہ بیجاپور، دروجہ مدد معاش وے مقرر گردید۔'' (ص ۲۶۰)

حضرت عبداللطیف باپو جی گجراتی نے بیجاپور میں آخری سانس لی اور وہیں آسودۂ زیر زمین ہیں۔ آپ کی وفات سے بیجاپور کی علمی دنیا میں خلا پیدا ہو گیا۔ آپ کے باتوفیق ذی علم وعرفان صاحب زادے حضرت میراں سید ولی اللہ نے جانشینی کا حق ادا فرمایا۔ حضرت ولی اللہ **اَلْـوَلَـدُ سِـر لِاَبِیَـہ** (بیٹا، باپ کی صفات کا مظہر ہوتا ہے۔) کا عکس جمیل ثابت ہوے اور آپ اپنے معاصر علماء اور صوفیہ میں حسن سیرت وکردار اور علم ومعرفت میں بے نظیر وبے مثیل تھے۔ وقت کی حکومت کی جانب سے آپ کو بھی والد محترم کی طرح چہار مواضع جاگیر اور چار ہون وظیفہ جاری رہا۔ آپ کی رحلت ۱۰۹۹ھ میں محاصرہ بیجاپور کے دوران ہوئی اور اسی فصیل شہر میں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔

جیسا کہ ضمیمہ ''جواہر السلوک'' کے مصنف نے لکھا ہے:

''حضرت میراں سید ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ درسیرت وصورت وعلم ومعرفت درہمسراں نظیر نمی داشت، پس از وفات بزرگوار خود جانشین وے شد، وہر چہار موضع مذکور وچہار ہون دروجہ مدد معاش وے جاری گردید، وفات ۱۰۹۹ھ پس از تسخیر بیجاپور، مدفن بیجاپور۔'' (ص ۲۶۰)

حضرت میراں سید والی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد آپ کے فرزند سعید وخلیفہ رشید حضرت سید شاہ عبداللطیف دوم بیجاپوری (ولادت ۱۰۶۷ھ) مسند خلافت وسجادگی پر متمکن ہوے۔ آپ کی علمی وروحانی شخصیت یگانۂ روزگار تھی۔ آپ علم ظاہر وباطن کے عالم اور عقل ونقل کے جامع تھے۔ اصحاب علم وفن کے درمیان سند ودلیل اور تصوف وسلوک میں حجت کا درجہ رکھتے تھے بقول

صاحب مطلع النور علامہ عبدالحی واعظ بنگلوری خلیفۂ حضرت قطب ویلور:

مسند اہل علم و فن کلام　　حجت صوفیہ بلند مقام
اور تھا یونہی علوم میں فاخر　　عالم علم باطن و ظاہر
اور تھا عقل و نقل کا جامع　　نور ہر علم اس کا تھا لامع
(ص ۵)

حضرت عبداللطیف نے اپنے والد ماجد حضرت سید ولی اللہ سے راہ سلوک طے کیا، بیعت وخلافت سے شرف یاب ہوئے، علاوہ ازیں آپ کو اپنے نانا محترم حضرت سید شاہ ابوالحسن بیجاپوری سے ایک سو اکانوے سلسلوں میں اجازت وخلافت کی نعمت حاصل تھی۔ یہ تمام سلاسل ''مخزن السلاسل'' نامی کتاب میں نقل ہیں، جس کی تالیف خود حضرت سید شاہ ابوالحسن نے کی ہے۔ "**فيقول الفقير ابو الحسن ابن السيد عبدالقادر، ان هذاالكتاب المبارك المسمّى به "مخزن السلاسل، فى الباس خرق فرق المشائخ الصوفيه مشتمل على ماء واحدى وتسعين سلسل فاذاوصلت اليّ بحمده اللّٰه وهذه النعم المتعددة المذكورة من جانب آبائى واجدادى ومن بعض المشائخ معنعنه وسلسلة الى النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم۔**

یہ متعدد نعمت مذکورہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات قدسی صفات سلسلہ وار بعض مشائخ صوفیہ سے میرے آبا و اجداد کی جانب سے مجھ تک پہنچتی ہیں۔

حضرت عبداللطیف بیجاپوری کا دور سیاسی پہلو سے حیرت انگیز تغیر وانقلاب کا شکار رہا ہے۔ ۱۰۹۹ھ مطابق ۱۶۸۶ء میں مغل حکمران شہنشاہ اورنگ زیب عالم گیر نے بیجاپور کی عادل شاہی سلطنت کا خاتمہ کیا اور قدیم کرناٹک علاقہ کا صوبہ دار نواب ذوالفقار علی خان کو بنایا۔ اسی نے آرکاٹ شہر کی تعمیر کی۔ ۱۱۱۳ھ مطابق ۱۷۰۱ء میں نواب ذوالفقار نے نواب داؤد خان کو اپنا نائب مقرر کیا۔ ۱۱۲۱ھ ۱۷۱۰ء میں نواب داؤد خان کے دہلی چلے جانے پر ان کے دیوان صاحب، سعادت اللہ خان کرناٹک کے نواب مقرر ہوئے۔ اسی زمانے میں حضرت عبداللطیف کو اپنے اہل وعیال اور اپنے چار سالہ طفل سعید حضرت ابوالحسن قربی قادری کے ساتھ ۱۱۲۲ھ میں بیجاپور سے ہجرت کرنی پڑی اور آپ شاہ نور، سرا، اور آرکاٹ میں ٹھہرتے ہوئے ۱۱۳۸ھ میں بوقت شب سرزمین ویلور پر قدم رکھا اور قلعۂ ویلور کی شمالی سمت وسیع وعریض میدان میں فروکش ہوئے۔ اسی رات خواب میں آپ کو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی اور یہ ہدایت اور بشارت ملی۔ ''اے نورالعین! تم اسی جگہ قیام کرو، یہاں مسجد، مدرسہ اور خانقاہ تعمیر ہوگی۔ تمہاری اولاد و امجاد سے ہمیشہ اہل عالم کو نفع پہنچے گا۔''

(انوار اقطاب ویلور۔ مولانا محمد طیب شرفی، مونگیری بہار، مطبوعہ ۱۹۶۳ء، ص ۱۳)

صبح ہوئی تو آپ نے منامی ارشاد نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مطابق رخت سفر کھول دیا اور اسی جگہ مستقل قیام پذیر ہو گئے اور آج بھی یہ جگہ ''حضرت مکان'' کے نام سے موسوم اور مشہور ہے جس میں آپ کا خاندان آباد ہے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق آپ نے اسی جگہ پر درس و تدریس، تعلیم و تزکیہ اور رشد و ہدایت اور نماز پنج گانہ کا آغاز فرمایا نیز ۱۱۵۰ھ میں سفر آخرت پر روانہ ہو گئے۔ آپ کے خلف الصدق حضرت سید شاہ ابوالحسن قربؔی علیہ الرحمہ نے اس چمنستان علم و ادب کی آبیاری فرمائی اور ۱۱۷۹ھ میں خانقاہ کی عمارت بنائی، جو صوفیانہ سلوک کی صرف تربیت گاہ نہ تھی بلکہ قرآن و حدیث کی درسگاہ، علوم و فنون کا دارالعلوم، مصالح عوام و فقہی مسائل کے لئے دارالافتاء، دعوت و تبلیغ کے لئے افراد سازی کا قلعہ اور شعر و سخن کی بزم تھی۔ حضرت قربؔی کے نامور شاگرد و خلیفہ حضرت علامہ باقر آگاہ ویلوری نے خانقاہ سے متعلق ایک خوبصورت تاریخی رباعی کہی ہے:

اے خانقاہ نوکہ دہد شرح صدور — دل تازہ کند برنگ کعبہ زسرور
گفتند مَلک بہ چرخ کایں قبۂ نور — والطّور سنین و البیت المعمور

۱۱۷۹ھ

حضرت قربؔی کی ذات گرامی سے ویلور میں ایک فقہی و عرفانی مکتبۂ فکر و عمل اور دبستان سخن وجود میں آیا، جس سے ہزاروں افراد وابستہ اور بہرہ ور ہوئے۔ جنوبی ہند کے اندر فارسی زبان و ادب کی ترویج و ترقی اور شاعری کے حوالے سے علامہ باقر آگاہ نے ''تحفۂ احسن'' میں لکھا ہے:

''اکثر مردماں تدریس نسخ متداولہ، فارسیہ از حضرت ایشاں حظ کامل ونفع شامل گرفتہ اند، ودریں ملک ہرکہ ہست ازشاگرد ان ایشاں ،یاشاگردِشاگردان ایشاں اند۔''

جنوبی ہند میں اکثر افراد نے آپ ہی سے فارسی کی عظیم و متداولہ کتابوں کو پڑھا ہے، اس علاقے میں جو بھی فاضل ہے، وہ یا تو براہ راست آپ کا شاگرد ہے، یا بالواسطہ آپ کا شاگرد ہے۔ شاگرد شاگرداں۔

حضرت قربؔی کا علمی فیضان فارسی زبان اور شعر و سخن تک ہی نہیں رہا، اسلامیات اور دراسات کو بھی اپنے احاطہ میں لیے ہوئے ہے۔ عقائد، فقہ اور تصوف وغیرہ میں کئی معرکۃ الآراء کتابیں آپ کے

قلم سے نکلی ہیں، مولانا حکیم سید عبدالحی لکھنوی لکھتے ہیں:

"وكان شاعرا يتقلب بقربي وله مصنفات ايضًا في الفقه والعقائد والتصوف وابيات رائقة بالفارسية ۔"

(نزھۃ الخواطر ج ٦)

حضرت قربیؔ علوم نبوت اور علوم ولایت میں یگانۂ روزگار تھے۔آپ نے اپنے والد ماجد حضرت عبداللطیف بیجاپوری، اپنے عم محترم حضرت سید علی قادری، حضرت شیخ فخرالدین مہکری نائطی، حضرت شاہ عبدالحق محمد مخدوم ساوی، حضرت خواجہ رحمت اللہ نائب رسول اللہ رحمت آبادی اور دیگر مشائخ کرام سے اکتساب فیض کیا۔آپ کے ہاتھوں پر ہزاروں، لاکھوں آدمیوں نے بیعت کی اور کئی اہل علم وقلم نے خرقۂ خلافت زیب تن فرمایا۔

حضرت قربیؔ نے ١١٨٢ھ میں دنیا کو الوداع کہا تو آپ کے فرزند سعید حضرت عبداللطیف (سوم) ذوقیؔ نے مسند سجادگی کو زینت بخشی۔حضرت ذوقیؔ یہی ہمارے اس مقالہ کی کلیدی اور اساسی شخصیت ہیں۔

الغرض سیاق میں حضرت العلام قاضی محمد اسماعیل اصبہانی ثم ہندوستانی اور ان کی اولاد وامجاد کے علمی وعرفانی مرتبہ ومقام کی خفیف سی جھلک اس حقیقت کی عکاس اور غماز ہے کہ قاضی صاحب اور ان کی نسل میں خاندان اور خون کے اثرات وکیفیات اور آباء واجداد کی صفات وعادات، پشت در پشت منتقل ہورہی ہیں اور جدید دور میں علم التشریح سے بھی اسکی توثیق اور تصویب ہورہی ہے، اس جہت سے حضرت ذوقیؔ بھی خاندانی وطبعی خصوصیات اور علمی وراثت سے بہرہ ور ہیں جس کا اندازہ حضرت ذوقیؔ کے اس مختصر تعارف سے بخوبی ہوسکتا ہے، قیاس کن گلستان من بہار مرا۔

حضرت ذوقیؔ، حضرت قربیؔ کے صاحب زادے ہیں، آپ کی ولادت حضرت مکان ویلور میں ہوئی۔آپ کا سال پیدائش ١١٥١ھ ''رخشاں'' سے برآمد ہوتا ہے۔نام غلام محی الدین سید عبداللطیف (سوم) اور ذوقیؔ تخلص ہے۔حضرت ذوقیؔ کی سوانح عمری خود ان کی زبانی، ان کی تین کتابوں عشق نامہ، انشائے لطف الٰہی اور معجز مصطفیٰ میں مختصراً منقول ہے۔حضرت ذوقیؔ کے اوّلین سوانح نگار حضرت علامہ عبدالحی واعظ بنگلوری نے کسی قدر تفصیل کے ساتھ مثنوی ''مطلع النور'' میں بیان کیا ہے۔

حضرت ذوقیؔ کی خود نوشت سوانح حیات کے مطالعے سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ آپ کو متاع علم وادب منجانب اللہ حاصل ہوئی تھی اور بلاشبہ یہ علم عطائی اور وہبی ہے جو آپ کے قلب مبارک

پر القاء اور الہام کیا گیا تھا۔ ایسے علم کی توثیق وتصویب حضرات صوفیہ نے فرمائی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ علم ایک نور ہے جو بندے کے دل میں پہنچتا ہے۔ العلم نور یقذف فی القلب۔ اور وہ اسی علم نورانی کی بدولت مستور حقائق اور اشیاء کی حقیقت سے مطلع ہوتا ہے، **یتجلّی به الامر الواقعی۔**

امام زرقانی علیہ الرحمہ نے اس علمی رخ کو مزید روشن اور وسیع کر دیا کہ اولیائ و راصفیاء کی ارواح فرشتوں کی جماعت ملاء اعلیٰ سے رابطہ قائم کر لیتی ہیں، جس کے بعد ان کے لئے علم وآگہی اور اطلاع والہام میں کسی طرح کا ستر وحجاب باقی نہیں رہتا اور یہ صالحین وعارفین اور کاملین غیبی حقائق اور مستور اشیاء کا مشاہدہ کر لیتے ہیں، **واتصلت بالملاء الاعلیٰ ولم یبق لھا حجاب فتری الکّل کالمشاھدۃ۔**

حضرت ذوقیؔ اقطاب وابدال کی نسل سے تھے اور خود بھی مقام قطبیت وغوثیت پر فائز تھے۔ اسی مرتبۂ بلند کے باعث وہ علم وادب اور طریقت ومعرفت کے حوالے سے بے نظیر اور بے مثیل تھے اور آپ کی علمی وادبی خدمات، خرق عادت اور کرامت کے طور پر ظہور پذیر ہوئیں۔ آپ نے صرف ۴۴ر چوالیس سال کی عمر پائی۔ ولادت ۱۱۵۱ھ ہے وفات ۱۱۹۴ھ ہے۔ آپ کی عمر کے ابتدائی سات سال تحصیل علم کے بغیر بیت گئے اور تعلیم کے زمانے میں پانچ سال تک حصول علم کا سلسلہ پوری طرح منقطع رہا۔ آپ مسلسل ۳ر تین سال بیمار رہے جس میں لوح وقلم سے بالکل دور ہو گئے۔ اس طرح آپ کو صرف انیس سال کی قلیل ترین مدت علمی، ادبی اور دینی واصلاحی کام کے لئے حاصل ہوئی۔

حضرت ذوقیؔ نے خود اپنی زندگی کے حالات اپنی فارسی کتاب ''انشائے لطف اللٰہی'' میں بیان کئے ہیں۔ اس کتاب کا ترجمہ راقم الحروف کے قلم سے بنامِ ''گہر ہائے صدف'' ۱۹۸۹ء میں شائع ہو چکا ہے۔

آپ فرماتے ہیں:

''فقیر اپنی عمر کے ۶ر چھ سال تک حرف آشنا نہ تھا، میری تعلیم کی ابتداء عمر کے ۹ نویں سال سے ہوئی اور میں نے اسی زمانے میں شعر کہنا شروع کیا۔

فقیر کی زبان سے اوّلین مصرعہ جو صادر ہوا، وہ یہ تھا:

در کعبۂ دل صاحب مقبول درآمد

والد ماجد نے یہ ثانی مصرعہ موزوں فرمایا:

صد شکر کہ آن دولت ماموں درآمد

اورغزل تیار ہوگئی، جومیری پہلی غزل تھی ۔ فقیر کو اسی زمانے میں بے حساب اشعار یاد ہوگئے ۔ بیت گوئی میں دس دس شعراء بھی مل کرفقیر کو مات نہیں کر سکتے تھے۔ اسی سال فقیراور والد ماجد اورفقیر کے برادرمحترم سید علی محمد، حضرت ناصر صاحب کی ملاقات کے لئے ''رانی پیٹ'' گئے اور آپ نے مجھے اپنے روبروسینہ کے مقابل بٹھالیا۔ فقیر نے دعا کی درخواست کی، کہ یہ کم ترین علم کی زیادتی کا امیدوار اور طالب ہے۔ ارشاد فرمایا آپ علم وادب میں تمام معاصرین سے فائق اور سر بلند ہو جائیں گے، حالاں کہ اس وقت فقیر کو علم وفن سے کوئی تعلق اور لگاؤ نہ تھا اور میرے رفقاء مختلف علوم وفنون کی کتب متداول ختم کر چکے تھے اور جب میری عمر ۱۵؍ پندرہ سال ہوئی تو میں کُشتی اور تیراندازی کے فنون سیکھنے میں مشغول ہوگیا اور یہ پورا سال اسی شوق وذوق کی نذر ہوگیا۔ جب سترھواں سال شروع ہوا تو مولانا حافظ غلام حسین کی خدمت میں جا پہنچا اور آپ سے عربی زبان کی تعلیم شروع کی اور آپ کے پاس میری تعلیم مصباح تک ہوسکی، پھر درس وتدریس کا سلسلہ منقطع ہوگیا اور اس کے بعد فارسی ادب کی کتابیں پڑھنے کا ذوق وشوق دل میں ابھرا۔ انہی دنوں ایک شب خواب میں دیکھا کوئی صاحب فقیر سے کہہ رہے ہیں کہ حضرت شیخ نظامی گنجوی سے ملاقات کیجئے، فقیر نے کہا شیخ کہاں ہیں؟ کہا، فلاں خیمہ میں تشریف فرما ہیں۔ فقیر خیمہ کی طرف چل پڑا اور اندر داخل ہوا تو شیخ کو موجود پایا، قدم بوسی کا شرف حاصل کرتے ہوئے آپ کے روبرو بیٹھ گیا۔ آپ میری جانب دیکھ کر مسکرانے لگے، تو اچانک میرے دل میں خیال آیا کہ کیوں نہ آپ ہی سے ''شرف نامہ'' کا درس لیا جائے اور دقیق ومشکل اشعار کی تشریح پوچھی جائے، اسی اثناء میں میری آنکھیں کھل گئیں۔ صبح ہونے کے بعد میں نے اپنے والد ماجد سے یہ خواب بیان کیا، تو فرمایا، تم شرف نامہ پڑھنا شروع کردو۔ چنانچہ اس کے بعد فقیر والد ماجد سے شرف نامہ پڑھنا شروع کردیا اور شیخ نظامی کے روحانی تصرف اور علمی اعانت کی برکت سے ہر روز ایک سو اشعار سے زیادہ سبق لیا کرتا تھا۔

اس کے بعد والد ماجد سے چند ہی دنوں کے اندر ''سکندرنامہ'' خسرو شیرین ''مخزن الاسرار'' قِران السعدین'' تحفۃ العراقین' قصائد خاقانی پڑھ لیا اور بفضلہٖ تعالیٰ ایک سال میں فارسی ادب کی کتب متداولہ پر مکمل عبور حاصل کرلیا۔ نیز اس کے بعد دوبارہ عربی زبان وادب اور دیگر علوم وفنون کی تحصیل کی جانب مشغول ہوا اور استاذ محترم حضرت مولانا محمد عظیم الدین کے پاس نحو میں ''شرح ملا جامی، اور منطق میں ''قطبی'' تک تعلیم ہوئی اور تعلیم وتدریس کا یہ سلسلہ بس اسی قدر اور اسی حد تک رہا، لیکن آپ کی صحبت کے باعث عربی زبان وادب پر غیر معمولی ملکہ حاصل ہوگیا۔ فارسی اور عربی

ادب اور دیگر علوم وفنون کی تحصیل وتکمیل ۲۲؍ بائیس سال کی عمر میں ہوگئی، اسی زمانے میں فقیر کے قلم سے چار کتابیں ''خمسہ'' (پانچ مثنویاں) معرض وجود میں آئیں۔

فقیر کو علم وفن کی دولت اور فضل وکمال کی نعمت، استدلال واستنباط کی صلاحیت اور تحریر کی قوت منجانب اللہ عنایت ہوئی۔ **الحمد للّٰہ علی ماانعمہ وعلمہ البیان مالم یعلم والصلوٰۃعلی نبیہ خیر الانام وعلی اٰلہ وصحبہ۔**

اسی زمانہ میں فقیر کو ''فصوص الحکم'' دستیاب ہوئی اس کا مطالعہ کیا تو مجھ پر اس کے معانی ومطالب اور دقائق ومعارف واضح نہ ہوسکے، اسی دوران خواب میں شیخ محی الدین ابن عربی کو دیکھا اس خواب کے بعد پھر سے فصوص الحکم کا مطالعہ کرنے لگا تو تمام اشکالات ومشکلات اور غوامص خود بخود حل ہونے لگے، **الحمد للّٰہ علی ذلك۔**

حضرت ذوقیؔ نے اس بات کی صراحت فرمائی ہے کہ آپ کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی اور حضرت شیخ نظامی گنجوی سے فیض روحانی حاصل ہو۔ حضرت قطب ویلور نے اپنے مکتوبات میں لکھا ہے کہ حضرت ذوقیؔ نے مولانا جلال الدین رومی علیہ الرحمہ سے روحانی فیض پایا ہے۔ چنانچہ مثنوی معنوی وغیرہ کے اشعار سمجھنے کے لئے آپ حضرت رومی کی روح پرفتوح کی جانب متوجہ فرماتے اس کے بعد فرماتے کہ مولانا روم نے مجھے ان اشعار کا یہ مفہوم بتلایا ہے۔

جدی محی الملۃ والدین حضرت سید عبداللطیف قادری ویلوری چوں از ابیات مثنوی وغیرہ مسئول شدے، سر بجیب رفتی، وفرمودی کہ مصنف معنی آن چنیں فرمودہ۔

حضرت ذوقیؔ نے اپنے والد ماجد کے علاوہ دیگر مشائخ سے مختلف سلاسل میں بیعت وخلافت کا شرف حاصل کیا۔ آپ کے خلافت نامہ میں رفاعیہ، نقشبندیہ، قادریہ، چشتیہ مخزن السلاسل کے ایک سو اکانوے سلاسل کی اجازت وخلافت کا ذکر ہے۔

حضرت ذوقیؔ نے تمام اصناف شاعری طبع آزمائی کی اور ہر صنف میں کافی ذخیرہ چھوڑا ہے۔ آپ کے باقیات میں تین لاکھ سے زائد اشعار اور ساٹھ تصنیفات ہیں۔ نواب غلام غوث خان اعظم اپنی کتاب ''تذکرہ گلزار اعظم'' میں لکھتے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے:

> ''حضرت ذوقی کو قادر الکلامی اس درجہ حاصل تھی کہ ایک مرتبہ شعر لکھنے بیٹھتے تو سات سو اشعار ایک ہی نشست میں لکھ دیتے تھے اور کبھی ایک ہزار اشعار تحریر فرماتے اور اکثر ایسا ہوا کرتا تھا، آپ کے اشعار کی تعداد تین لاکھ

ہے اوران کی زود فکری گفتگو سے خارج ہے اور یہ ان کی کرامات وخوارق عادات میں سے ایک ہے ورنہ اتنا بڑا علمی وادبی ذخیرہ چھوڑنا بشری عادت وطاقت اور عقل وقیاس کی حد سے باہر ہے۔''

(ص ۱۹۲،۲،۱۲۷ھ سال نامہ اللطیف سلور جوبلی ۱۴۰۴ھ، ص ۵۵)

حضرت ذوقیؔ کا عقد حضرت سکینہ بی بی بنت حضرت عبدالعلی بیجاپوری سے ہوا جن کے بطن سے حضرت سید شاہ ابوالحسن محویؔ کی ولادت ہوئی۔ حضرت ذوقیؔ نے ۱۱۹۴ھ میں وفات پائی۔ مولوی محمد امین بیجاپوری نے درج ذیل قطعۂ تاریخ وفات کہی ہے جو درگاہ شریف کے باہر دیوار پر کندہ ہے:

سرافراد محی الدین ذوقیؔ — کہ فیض است بر ابدال و اوتاد
چو واصل شد بحق سال وصالش — امین گفتا ''غاب قطب الامجاد''

۱۱۹۴ھ

حضرت ذوقیؔ اور ان کے آباواجداد کی مختصر سوانح عمری اور علمی خدمات کے قدرے تعارف کے بعد ہمارا روئے سخن حضرت ذوقیؔ کی معرکۃ الاراء مثنوی ''معجز مصطفیٰ'' کی جانب ہے۔ مثنوی صنف کے حوالہ سے یہ پہلو قابل ذکر ہے کہ دبستان حضرت قربیؔ سے وابستہ شعراء وادباء نے تاریخی، ادبی اور مذہبی مثنویات لکھی ہیں جو فارسی اور اردو ادب میں ایک وقیع اضافہ ہے۔

حضرت قربیؔ (متوفی ۱۱۸۳ھ) کے شاگرد علامہ باقر آگاہ ویلوری (متوفی ۱۲۲۰ھ) نے دینی واصلاحی نقطۂ نظر سے ''ریاض الجنان'' ہشت بہشت'' تحفہ النساء'' عقائد نامہ جیسی ضروری اور مفید مثنویات لکھیں اور حضرت محویؔ (متوفی ۱۲۴۳ھ ۱۸۲۷ء) کے شاگرد خلیفہ حضرت حاجی غلام محمود مسرتؔ (تاریخ وفات دستیاب نہ ہوسکی) نے ''ریاض سیر'' کے نام سے مبسوط مثنوی لکھی ہے اور یہ حضرت ذوقیؔ کی فارسی مثنوی ''معجز مصطفیٰ'' کا اردو قالب ہے۔ حضرت قطب ویلور (متوفی ۱۲۸۹ھ) کے شاگرد رشید وخلیفہ سعید حضرت علامہ عبدالحی واعظ بنگلوری (متوفی ۱۳۰۱ھ) نے اردو زبان میں ''جنان السیر فی احوال سید البشر'' کے نام سے ایک مبسوط مثنوی لکھی ہے، یہ مثنوی اس قدر مقبول ہوئی کہ جنوبی ہند کے اکثر شہروں میں ربیع الاول میں گھر گھر، مسجد مسجد پڑھی سنی جاتی رہی، موجودہ دور میں یہ موافق شرع شریف عادت، بدعت کے حوالے سے ختم کردی گئی۔

حضرت ذوقیؔ کی منثور تصنیفات تفسیر، حدیث، فقہ، اصول، عقائد، منطق، معانی، بدیع، نحو،

صرف اور عروض پر مشتمل ہیں اور منظوم تصانیف شاعری کی تمام اصناف پر محیط ہیں ان میں مثنویات کی بھی خاصی تعداد ہے اور یہ معرکتہ الاراء مثنویات ادبی، تاریخی اور مذہبی موضوعات کا احاطہ کئے ہوئے ہیں اور ہزاروں صفحات پر پھیلی ہوئی ہیں۔ ان میں سے چند کے نام یہ ہیں معجز مصطفیٰ چہار فصل، عشق نامہ، چمن محبت، نجیب نامہ، دُرِ بے بہا، تادیب الخلّان، خمسہ (پانچ مثنیوں کا مجموعہ) اوّل الذکر مثنوی کا ایک سرسری مطالعہ و جائزہ پیش ہے۔

''معجز مصطفیٰ'' حضرت ذوقیؔ کی معرکتہ الاراء طویل اور ضخیم مثنوی ہے جو سات ہزار دو سو اشعار پر پھیلی ہوئی ہے، جس میں انہوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی معجزانہ زندگی از ابتدا تا انتہا نظم کی ہے اور صرف ڈیڑھ ماہ کی مدت میں مکمل کر لی ہے۔ اس کی تصنیف و تحریر کے وقت حضرت ذوقیؔ کی عمر کی ۳۰ رتیسویں بہار سے لطف اندوز ہو رہے تھے، اور یہ وضاحت خود حضرت ذوقیؔ نے اپنے اشعار میں کی ہے:

متمم شد ایں نامۂ رنج کاہ بتائید حق دریک ونیم ماہ
در آں وقت کایں نامہ رخ برکشود فزوں ترزسی سال عمرم بنود
ہمہ بیت اش اے مرد نیکو صفات ز آلاف ہفت و دواز ماست
تمامی پذیر فت بازیب وزین ز ہجرت بفا و بقاف وبہ غین
(ص ۴۹۰)

یہ کتاب فل اسکپ ۴۹۶ رصفحات پر مشتمل ہے، جس میں ایک طویل مقدمہ ہے، جو ۴۲ رصفحات پر محیط ہے اور ۱۹ رمقالات دراصل ابواب ہیں۔ خاتمۃ الطبع کے تحت حضرت مصنف علیہ الرحمہ کی خود نوشت سوانح حیات درج ہے کتاب کے آخری صفحہ پر قطعہ تاریخ طبع کتاب ہے، جس سے واضح ہے کہ یہ کتاب جناب غلام رسول قریشی نے شائع کی ہے؛

چوں قریشی کہ آن غلام رسول گشت برطبع ایں کتاب رجوع
آخریں کتاب خود گفتہ معجزات الرسول شد مطبوع

یہ کتاب حضرت مصنف کی زندگی میں شائع تھی۔ ۱۱۸۰ھ میں مکمل ہوئی اور اس کے ایک سال بعد ۱۱۸۱ھ میں طبع ہوئی۔

حضرت ذوقیؔ نے کتاب کے اختتام پر آخری انیسویں مقالہ میں حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی روح پر فتوح سے اکتساب فیض کا اعتراف کیا ہے اور آپ کی مظہر عجایب و غرائب شخصیت کے ساتھ

عشق ومحبت کا اظہار کیا ہے اور آپ کے دل میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ بے پناہ دینی وایمانی محبت کے ساتھ خاندانی اور خونی محبت کے اثرات وکیفیات شامل ہیں۔آپ بالواسطہ حضرت علی کی اولاد وامجاد سے ہیں۔ یہ والہانہ وفداکارانہ جذبات واحساسات آپ کی شاعری میں کئی جگہوں پر نظر آتے ہیں:

''معجز مصطفیٰ'' کا اختتام حبّ علی پر ہوا ہے،کنم نوش برنام پاک علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

چو از معجز مصطفا شد تمام | خرد معجز مصطفا کرد نام
بتاسیس ایں روضہ دل پذیر | نبود اعتمادے مرابر ضمیر
بتائید کرّار والا نژاد | ہمی داشتم روز و شب اعتماد
من از جان واز دل بدام ویم | غلام غلام غلام ویم
ثناگوی آن کامیابم بجان | تراب در بوترابم بجان
سرذوقیؔ خستہ برخاک اوست | دل وجان او بندفتراک اوست
بیا ساقیا ناتواں گشتہ ام | زبس جوش مے سرگراں گشتہ ام
بدہ جام مے تا بصد خوش دلے | کنم نوش برنام پاک علی

(ص۴۹۳)

''معجز مصطفیٰ'' صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شروعات حضرت ذوقیؔ نے حمد باری تعالیٰ سے کی ہے، ثنائے ذوالجلال کی روش محمود اور طریقہ مسنون آپ کی ہر تصنیف میں نظر آتا ہے۔حمد کے کل اشعار چون۵۴ ہیں۔(ص۱۔۵) سے ملاحظہ کیجئے:

جہاں داورا بادشاہی تراست | ہمہ خادم اند خدائی تراست
چہ جان و چہ دل بندہ فرمان تو | بجاں وبدل ماہمہ آن تو
ز توفیق تو یافت در وقت کار | تن ماتواں ودل ماقرار
درکاراست در راہ عرفان تو | کہ رہ می نماید بایوان تو
یکے آنکہ از خلق آیم بتو | بدین معرفت در کشایم بتو
دگر آنکہ چوں از تو دانا شوم | زر از خلائق شناسا شوم
کسے رانرہ سوے تحقیق تست | وگر ہست باری بتوفیق تست
دل وجان ذوقیؔ کہ درراہ تست | بجاں وبدل خاک درگاہ تست

حضرت ذوقؔی تحمید وتقدیس سے اپنی زبان وقلم کو سرشار کرنے کے بعد رب دوجہاں کے حضور اپنے ہاتھوں کو دعا کیلئے اٹھاتے نظر آتے ہیں۔ تضرع والتجا کی ذیلی سرخی یہ ہے **التضرع فی جناب العلمین الذی هو یطعمنی ویسقین واذامرضت فهو یشفین**۔ اس فصل میں پچاس ۵۰ شعر ہیں۔ (ص ۵۔۸) سے چند اشعار ملاحظہ کیجئے:

خدایا تو ئی بندگاں را معین | بریں بندہ ازچشم رحمت ببین
ز آلائش جسم پاک کن | تو این خاک را تاج افلاک کن
غریبم دریں عالم بے نصیب | وما انت الا انیس الغریب
نہادہ است غم در دل من بنا | وقد مسنی الضرّ یا ربّنا
بدرگاہ تو آمدم مستغیث | اغثنی ومن لی سواک مغیث
اگرچہ گناہے است بے حدمرا | تو آخر کریمے مکن رد مرا
اگرچہ بعصیاں سیہ شد ولم | تو آخر کریمے ومن سائلم
دریں عالم از عطا شاد دار | درآں عالم از غم آزاد دار
بہر جائے کہ خیر خواہم تو باش | چہ ایں جا چہ آں جا پناہم تو باش

حمد باری تعالیٰ اور نعت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا رشتہ آپس میں نہایت مضبوط ومستحکم ہے نیز نعت حمد کا، ایک غیر منفصل جز ہے، بلکہ نعت، مظہر حمد ہے۔ اس پہلو کی تصویب وتوثیق ایک حدیث قدسی سے ہوتی ہے۔ لولاک لما خلقت الافلاک۔ حضرت ذوقؔی نے یہی حدیث ''معجز مصطفیٰ'' کے سرورق پر رقم کی ہے۔ آپ نے اپنی نعت شریف کے لئے یہ عنوان دیا ہے۔ ''نعت دلیلے کہ بعث او موجب ہدایت است ومستوجب ذلیلے غوایت''۔ کل نعتیہ اشعار پنتالیس ۴۵ ہیں۔ (ص ۸۔۱۱) سے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں؛

امام رسل رہبر انس وجاں | امان زمیں و امین زماں
محمد کہ سلطان ابرار بود | کلید در گنج اسرار بود
کریمے کہ بخشید ما را نعیم | یتیمے کہ افشاند دریتیم
شفیع الخلائق بمحض الکریم | رفیع المراتب امام الامم
ز دریاوکان کوے سبقت ربود | دل او باحسان کف او بجود
دلش کان گوہر دہ کن فکاں | بدوکان گوہر چہ دارد مکاں

فلک آستاں بوس ایوان او — مَلک حلقہ درگوش فرمان او
ازو ہر حزینِ خاطر ے رافرح — فمن دق باب الکریم الفتح
ازانکہ کہ خاک او سودہ سر — بچرخ است ہموارہ شمس وقمر
قضاچوں بفرمان آں دین پناہ — بہر قلب زد سکہ لاالٰہ
زرقلب مردم زر نا ب شد — برنگ زر مہر پر تاب شد
بدیں ظلمت ازروے دنیابشست — سواد سوید ازدلہا بشست
زبس روشنی یافت روے جہاں — زر خسار آں محفل افروز جاں
ہمہ ظلمت وتیر گی دورشد — گراں تاگر اں نوردرنور شد
سرافگندہ خورشید باتاج او — فلک پے سپہر شد زمعراج او

سیرۃ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے واقعات میں واقعۂ معراج مادی اور روحانی اعتبار سے غیر معمولی اثرات وکیفیات اور انقلابات کا حامل ہے اور یہ واقعہ نعت کے حوالے سے بھی بڑی وقعت اور عظمت رکھتا ہے۔صوفی شعراء کے معراج ناموں نے فارسی اور اردو ادب کو صوفیانہ اسرار اور عارفانہ حقائق سے روشناس کرایا نیز اس علمی واخلاقی اثاثہ وترکہ کی افادیت اپنی جگہ مسلّم ہے۔معراج احمدی، نعت محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک لطیف مظہر ہے۔حضرت ذوقی نے بھی اپنی اس مثنوی میں واقعۂ معرج کو نمایاں جگہ دی ہے اور معراج کے موضوع پر ستر ۷۰ اشعار (ص ۱۲۔۱۷) تک قلم بند کئے ہیں۔آپ نے اس کے لیے نمایاں سرخی قائم کی ہے۔"ذکر عروج آں معراج مدارج معارج فلک سبز فام **سبحٰن الذی اسریٰ بعبدہ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی۔**

حضرت ذوقی نے معراج مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعض اہم قابل توجہ پہلوؤں کی جانب بھی اشارہ کیا ہے چنانچہ بعض اشعار میں یہ بات کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جمال خدا کے دیدار سے شرف یاب ہونے کے بعد لامکاں سے مکاں میں جلوہ افروز ہوئے تو آپ کے دائیں ہاتھ میں قدر اور بائیں ہاتھ میں قضا کا پروانہ تھا۔"فرود آمد ازآسماں برزمین قضا در یسار وقدر در یمین"۔قضاوقدر کے صرف دولفظوں میں جمیع حقائق ومغیبات کے انکشاف واطلاع کی جانب اشارہ ملتا ہے، واللہ اعلم بالصواب جس کی توثیق قرآن کریم سے ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں میں جس رسول کو چاہے غیب کے خزانوں پر مطلع فرماتا ہے، **عالم الغیب فلا یظھر علی غیبہ احداً الا من ارتضیٰ من رسول۔** (سورۃ الجن)

معراج کے اس غیبی ونورانی سفر سے خلفائے راشدین کی شخصیات بھی مستفیض ومستنیر نظر آتی ہیں چنانچہ بعض اشعار میں صراحت کے ساتھ مذکور ہے۔ ذیل میں چند منتخب شعر جن میں حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا چشم سر سے جمال خدا کا مشاہدہ کرنا اور آپ سے منسوب اشیاء کا بھی منور ہونا وغیرہ بھی واضح ہے، ملاحظہ فرمائیں:

زبس روشنی کا ندر وجلوہ گر ... تو گفتی بشب مہر بر کرد سر
ازاں روشنی محو شد در سپہر ... رخ مہر چوں ظلمت از نور مہر
زہر جانبے مشعل نور بود ... فراہم شدہ مشک و کافور بود
زبس نور ہا کان شب نور داشت ... کدورت زطبع جہاں دور داشت
تن او ز نور ستامش ز نور ... لجامش ز نور و ز مامش ز نور
زہر دیدنی دیدہ را واکشید ... جمال خدا را بدیں دیدہ دید
ازاں لامکاں درمکان روی ... ازاں جاں درجہاں روے گرد
فرود آمد از آسماں بر زمین ... قضا در یسار و قدر در یمین
ازاں در کہ حق ذر براوفشاند ... بمقدار ہر یک نصیبے رساند
چونورے ازاں شمع تحقیق یافت ... ازاں نور تابی بصدیق تافت
عمر نیز زاں شمع تابی گرفت ... بفاروقی دین خطابے گرفت
چوں عثماں ازاں بحر شد بہرہ مند ... باہل حیا نام او شد بلند
چوں حیدر ازاں دُرج دریافت دُر ... زدر کرد دامان آفاق پر
کرم گستر ذوقؔی ناتواں ... بساید ترا دیدہ برآستاں

حضرت ذوقؔی کی تصنیفات میں یہ تصریحات بھی ملتی ہیں کہ انہوں نے اولیائے کرام کی ارواح سے استفادہ فرمایا ہے اور آپ کی تربیت میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی روح پرفتوح کا کلیدی اثر کچھ زیادہ ہی رہا اور آپ کو حضرت شیخ جیلانی کے ساتھ غیر معمولی محبت والفت تھی۔ چنانچہ انہوں نے اپنی کئی تصانیف جن کا موضوع براہ راست شخصیت حضرت شیخ سے نہیں ہے ان میں بھی شان غوثیت بیان کی ہے اور توصیف وتعریف اور عظمت وفضیلت بیان کی ہے۔ اس کتاب میں بھی چند اشعار آپ کے نام نامی کے ساتھ بلند وبالا القاب والفاظ اور آپ کے فیوض وبرکات کے حصول کی تمنا وآرزو اور دعا کے ساتھ شامل کئے ہیں۔ جس میں ۵۳/اشعار ہیں، مدح سند الاماجد وسید الاکابر الشیخ محی الدین

عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ عنا ولاحرّ منا من برکاتہ آمین:

شہنشاہ دیں عبدقادر کہ ہست زبردست عالم بدوزیر دست
بزرگ مہین وامام مہان عرب راہ پناہ و عجم را امان
زہے غوث اعظم امام ھدیٰ کہ بنہاد پا برسر اولیاء
مشائخ زجودش مشائخ شدہ سر قطب واوتاد شاخ شدہ
در ابرار مانند اونیست کس در ابدال اوبے بدل بود وبس
شہ زندہ دل بود در ملک دین ازوزندہ گردید ہ دین متین
فلک چوں زمیں زیر پابش مدام زمان ہر زماں کر دہ اوراسلام

حضرت ذوقیؔ نے ''معجز مصطفیٰ'' میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے بیان میں صحابۂ کرام کی سیرت کو بھی بعض اشعار میں نمایاں کیا ہے۔ سیرت رسول اور سیرت صحابہ یہ دونوں اپنی جگہ جداگانہ سیرتیں ہیں تاہم سیرت صحابہ، سیرت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک غیر مفصل جز ہے اور صحابۂ کرام نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معجزات میں ایک عظیم ترین معجزہ ہے۔ صحابۂ کرام کے تعلق سے حضرت ذوقیؔ کا قابل ذکر اور لائق تقلید اقدام یہ ہے کہ انہوں نے حضرات صحابہ کے حوالہ سے ایک معتدل اور متوازن موقف پیش کیا ہے اور یہ موقف آپ کی اس منظوم کتاب ہی میں نہیں بلکہ منثور کتابوں میں بھی موجود ہے۔ چنانچہ اس جہت سے آپ کی معرکۃ الآراء نثری تصنیف ''انشائے عقائد ذوقی'' ہے اور یہ ایک ایسا فکر وعمل اور عقیدہ ومنہاج ہے جس کی موجودہ زمانہ میں سخت ضرورت ہے۔ یہ اہل سنت وجماعت کے چار مذاہب اور مسالک کا متفقہ تاریخی تسلسل وتواتر پر مبنی عقیدہ اور عمل ہے۔ اہل سنت کا اعتقاد اور عمل یہ ہے کہ حضرات صحابہ کا ذکر صرف اور صرف خیر کے ساتھ مسلمانوں کی زبانوں پر ہونا چاہئے اور ان صحابہ کے درمیان رونما ہونے والے اختلافی امور ومسائل بالخصوص لڑائیوں سے متعلق زبانوں کو بند رکھنا چاہئے۔ ان کا اختلاف اور ان کا جدال وقتال، ان کے اجتہاد میں صواب اور خطا کے زیر اثر، وقوع پذیر ہوا تھا۔ تلاش حق کے جذبات واحساسات کے تحت ہونے والے اجتہادات صحابہ میں خطا بھی یک گونہ اجر وثواب کی مستحق ہے اور صواب پر مبنی اجتہاد دو اجر کا باعث ہے۔ الغرض حضرت ذوقیؔ نے اپنے اشعار میں صحابہ کی عظمت وفضیلت اور امتیازات نیز خلفائے راشدین کی متعدد صفات وخصوصیات اور خلافت صدیقی کی شرعی حیثیت، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ذریعہ خلافت صدیقی کی تصویب وتوثیق اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ امت کے مولا قرار

پانے، حضرات صحابہ سے بغض وعناد اور لعن وطعن پر دنیا وآخرت کے نقصان وخسران وغیرہ متعدد اور مختلف پہلوؤں کو نمایاں کیا ہے۔ یہ اشعار سیرت محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعین ومختلف عناوین کے تحت موضوعِ سخن کی مناسبت سے شامل کئے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ صحابۂ کرام کی شان میں گستاخی وبے ادبی سے اجتناب واحتراز کرنے اور ان کی فکر وعمل کے صحیح ودرست ہونے کا عقیدہ رکھنے کی نصیحت وتاکید پر ایک مستقل فصل قائم ہے۔ "**فی کف اللسان بذکر الصحابة الا بخیر واثبات تصویبھم**۔" صحابہ دثار تو شد، صحابہ شعار تو شد، (ص ۴۶۸) چند اشعار ملاحظہ کیجئے:

زاصحاب کارے کہ یابد صدور ─ نباشد زائینِ تصویب دور
تو درکار ایشاں دلیری مکن ─ کہ از روبہی لاف شیرے مکن
تبیعت شان کمر چست دار ─ بجز کار شان خود مکن ہیچ کار
منہ پائے بیرون زحد ادب ─ کہ اُفتی بصد گونہ رنج وتعب
شنو گفتہ من کہ یابی فلاح ─ کہ این است اصل نجات ونجاح

شیر خدحضرت اعلی مرتضٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں رطب اللسان ہیں:

جزیت بخیر اذا ما جزیت ─ **رضی اللّٰہ عنك وانی رضیت**
(ص ۳۲۶)

بگفتا دلیری مکن باعلی ─ **فمن کنت مولاہ مولا علی**
(ص ۴۳۶)

کہ **من کنت مولاہ مولاعلی** ─ عنادے ندارد کسے باعلی
کسے کو علی رابدل داشت دوست ─ خدایاتو خود دوست دارش بپوست

مذکورہ شعر میں "**من کنت مولاہ**" کی حدیث سے کوئی سادہ لوح شخص مغالطہ کا شکار نہ ہوجائے، اس کا ازالہ بھی ایک شعر کے ذریعہ کیا گیا ہے:

درین لفظ کاصل کرامت بود ─ نہ تنصیص کار امامت بود
(ص ۴۵۰)

ملک کردہ مدح اش بالا علی ─ عمر گفتہ باوے کہ لولا علی
(ص ۴۳۶)

کہ راضی شو اے رب زعثمان من ─ کزوگشت راضی دل و جان من

ہماں بہ کہ صدیق امامت کند — نہ کس جزوی آں جا اقامت کند
(ص ۴۷۰)

نخواندی چہ فرمود شاہ زمن — کہ بوبکر قائم بود بعد من
(ص ۴۵۱)

ازیں جابگفت آں امیرحق — کہ صدیق بدور خلافت احق
نہ یکجا بر انداست حیدر ز سخن — کہ شیخین مستند افضل زمن
(ابوبکر فاروق رضی اللہ عنہما)

خطاہائے مادرعقابے کشد — خطا بش بسوے ثوابے کشد
بلے مجتہد مخطی است ومصیب — بروخطی از اجر واحد نصیب
مع القصہ چوں شد خطازاں مصیب — کہ شد بانصبے ازوبے نصیب
(ص ۳۹۰)

''معجز مصطفیٰ'' کے تحقیقی مطالعہ اور جائزہ سے راقم الحروف کو یہ علم وآگہی حاصل ہوی کہ حضرت ذوقیؔ کے دوسرے فرزند حضرت سید محمد غوث ہیں۔ خانوادہ اقطاب ویلور کے تذکروں میں صرف ایک ہی فرزند حضرت سید شاہ ابوالحسن محوی ویلوری کا ذکر ملتا ہے۔ حضرت ذوقیؔ نے اس کتاب میں اپنے دوسرے فرزند حضرت سید محمد غوث کے نام سے ایک مستقل فصل قائم کی ہے جس میں اپنے فرزند سعید سے بڑی امیدیں اور آرزوئیں باندھی ہیں اور ان کے حق میں نبی کریم، اہل بیت ابرار، اولیاء واصفیا اوراخیار صحابہ کے وسیلے سے دعا فرمائی ہے۔ اس دعا سے حضرت ذوقیؔ کے فکر واعتقاد کا علم بھی ہوتا ہے کہ آپ دعاؤں میں توسل کے قائل اور عامل ہیں۔ یہ فصل ۱۱۹/ (ایک سوانیس) اشعار پر مشتمل ہے۔ (ص ۲۸۔۳۷) میں اس فصل کی جلی سرخی یوں ہے۔

"ھذا ماسمح بہ خاطری لولدی فلذۃ کبدی سید محمد غوث جعلہ للہ قطبا علی فلک العلاء وادام طول حیاتہ مادام القطب وتدالسماء بحرمۃ سید الانبیاء والاولیاء وآلہ الابرار وصحبہ الاخیار۔"

حضرت ذوقیؔ نے اس مفصل فصل میں اپنے لخت جگر نور نظر حضرت سید محمد غوث کو ایسی انمول نصیحتیں، وصیتیں اور تاکیدیں فرمائی ہیں جو ہر باپ کو اپنے بیٹے کو کرنی چاہئے۔

''تمہارا نام نامی غوث ہے اور تمہارا نسب ابوالحسن حضرت علی، حضرت حسن، حضرت ابوالحسن محوی

سے ہے۔لہٰذا تمہارے اندر حضرت علی، حضرت حسن اور حضرت ابوالحسن محوی کا اسوہ رہنا چاہئے۔اپنے دل کو رذائل سے پاک رکھو اور اسے اپنے اجداد کا آئینہ بناؤ سیف وقلم تمہارے اجداد کے ہاتھوں میں رہے ہیں، یہ تیغ وقلم تمہارے اندر بھی رہنا چاہئے۔غم دنیا نہیں، غم آخرت کھائیں۔انے ظاہر اور باطن کو پاک رکھو اور جو شخص خود کو خدا سمجھ بیٹھے، اس سے دور رہو۔خودنما اور خودنمائی نہیں، خدا کا بندہ بن کر رہو۔خدائی اختیار نہ کرو، اپنی زبان پر گستاخ لوگوں کی باتیں نہ لاؤ۔رفض وشیعیت سے دور رہو۔حضرات صحابہ کی تنقیص وتوہین اور تکفیر کرنے والوں سے دور رہو۔گمراہ اور گمراہ کن بدکردار لوگوں کی صحبت میں نہ بیٹھو۔نیکی کرو اور نیکی پیشہ رہو۔نیکی سے بدی دور کرو۔خطا پوش اور عطا باش بنے رہو۔شر پسندوں پر رحم نہ کرو۔اللہ والوں سے دشمنی نہ کرو۔ہنر مند وصاحب کمال کی عیب جوئی نہ کرو۔اگر تم ان نصیحتوں پر عمل کرو گے تو رنج وغم اور تکلیف ومصیبت سے محفوظ رہو گے:

شنواے نورچشمان من　　مسرت دہ جان من جان من
چواز غوث نامی بود نام تو　　براں شیوہ کش غوث جوید بجو
چو باغوث داری درنسب راست　　بخواہ ازحسب آں چہ او باز جست
چواز ابوالحسن زادی وازحسن　　بکن آں چہ باشد بمعنی حسن
دل خویش را صیقل ازکینہ کن　　زآئین اجداد آئینہ کن
بہ تیغ وقلم باش پیوستہ چست　　کہ ایں ہردو در دست اجدادتست
مخور غم جہاں کر زغم کشت پر　　وگر میخوری غم، غم دیں بخور
ہمیں باش ز آلائش خبث دور　　بظاہر طہور وبباطن طہور
ازاں کس کہ خود را شمار دخدا　　جدا شوکہ ایں است راہ ہدیٰ
بجز بندگی خویش را خوش مکن　　خدارا خدارا فراموش مکن
چوں آں خودنما، خودنمائی مجوی　　خدابندہ باش و خدائی مجوی
سخن ہائے گستاخ گویاں مگوے　　دراصحاب گستاخ کارے مجوی
زقرب روافض حذر کن حذر　　مکن اندریں راہ، بے رہ گذر
بدی رانکوئی بپاداش باش　　خطا پوش باش و عطا پاش پاش
ترحم بحال شریراں مکن　　خصومت گری بافقیر اں مکن
بہ بد سیر تاں ہم نشینی مکن　　ہنرمند را عیب چینی مکن

گر ایں پند داری بخاطر تمام سلامت بمانی زغم والسلام

حضرت ذوقیؔ ایک عالم وفاضل، مصلح وداعی ولی کامل وصوفی صافی اورفطری شاعر تھے۔آپ کے مزاج میں شعروشاعری کامادہ طبعی طور پر بدرجہ اتم موجود تھا۔''معجز مصطفیٰ'' میں تعلیٰ پر مبنی اشعار بھی ملتے ہیں۔اس چیز کوشاعر کے زہدوتقویٰ کے منافی خیال نہیں کیا جاسکتا اور تعلیٰ بھی شاعری کے محاسن اور خصوصیات کے اظہار کا ایک رخ ہے۔یہ صاحبان علم وقلم کے نزدیک شاعر کا جائز حق ہے۔شعری تفنن طبع کے طور پر چند اشعار ملاحظہ کیجئے:

من آنم کہ شکر زبانی کنم بنوک قلم دُرفشانی کنم
منم شہر یار جہان سخن بلند اختر آسمان سخن
دُر افشاں چو داما بداماں ہند بگیتی ملقب بحسّان ہند
ہمہ بہر ہ مند از نوال من اند ہمہ ریزہ چیں مقال من اند
سخن پرورانی کہ بے ہم سراند مرا در سخن پروری چاکر اند
ولیکن نیارم بدیں علم وفن در افشاندن اندر بر در شکن
(ص۲۶)

تحریر ایں نامہ جان نواز کہ دارد دروں راز اندوہ باز
طلب می کنم یاری از حق مدام علیہ التوکل بہ الاعتصام
عبارات او مایۂ انبساط اشارات او دادۂ جاں را نشاط
سواد سطورش زا نوار پُر بصورت شبہ درحقیقت چودُر
خضر در سواد حروفش چودید ازاں ظلمتش آب حیواں چکید
نگاہے بکن اندریں بحر ژرف کہ ہر قطرہ اوست درشگرف
(ص۴۹۰)

حضرت ذوقیؔ کی شاعرانہ عظمت اور وقعت کا اظہار متعدد اہل علم وقلم نے کیا ہے۔مولانا عبدالحی نگلوری خلیفۂ حضرت قطب ویلور مثنوی ''مطلع النور'' میں فرماتے ہیں:

بس کہ اس فن میں وہ گرامی تھا ثانی جامی و نظامی تھا
دیکھ کیسے ہیں اس کی تصنیفات مثنوی، غزل اور رباعیات
(ص۱۴)

عصرِ حاضر کے محقق جنوب پروفیسر یوسف کوکن عمری رقم طراز ہیں:

''حضرت سید عبداللطیف ذوقؔی بیک وقت زبردست عالم وفاضل، عارف کامل، بے مثال شاعر اور نثر نگار تھے۔ زدنویس اور بدیہہ گوئی میں ان کا کوئی نظیر نہیں تھا۔ نظم بھی اسی تیزی سے لکھتے تھے جتنی نثر کی تھی۔ دونوں میں آمد تھی، آورد نہ تھی۔ ایک نشست میں سات سو سے زیادہ اشعار نظم کر دیتے تھے۔ مہینہ اور ڈیڑھ مہینے کے اندر ایک ضخیم مثنوی تیار ہو جاتی تھی۔ ان کی گوناگوں خصوصیات میں ان کا کوئی بڑے سے بڑا ہم عصر بھی مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔''

(سال نامہ اللطیف ۱۳۸۵ھ، ص ۱۰۱)

خانوادۂ مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی کے صاحب قلم چشم و چراغ ڈاکٹر سید وحید اشرف کچھوچھوی ، سابق پروفیسر شعبۂ فارسی، اردو اور عربی، مدراس یونیورسٹی، چنئی لکھتے ہیں:

''حضرت ذوقؔی ویلوری کی وفور گوئی، قادر الکلامی اور مختلف علوم وفنون میں درک، جس کا اظہار ان کی شاعری میں ہوتا ہے، قدماء کی یاد دلاتے ہیں۔ ان کے اکثر قصیدوں سے ان کی تخلیقی صلاحیت، مضمون آفرینی، جدت طبع اور تخیل کی بلندی آشکار ہے۔ انہوں نے اپنی قادر کلامی اور جدت طبع سے نئے نئے معانی پیدا کئے ہیں۔ حضرت ذوقؔی کا کلام، فارسی کے اساتذہ کے کلام کے ہم پایہ ہے۔ حضرت باقر آگاہ ویلوری نے حضرت ذوقؔی کو مثنوی میں نظامؔی گنجوی کا ہم پلہ قرار دیا ہے اور بجا کہا ہے۔ ان کے قصائد کے محاسن اور فنی کمالات ان کو فارسی کے صف اوّل کے قصیدہ گو شعراء میں لاکر کھڑا کر دیتے ہیں۔''

(مترجم قصائد ذوقؔی۔ ڈاکٹر وحید اشرف، اللطیف ۱۴۰۰ھ تا ۱۴۰۴ھ)

حضرت ذوقؔی کے علمی وفنی اور ادبی واخلاقی محاسن وکمالات کا ایک بہترین وجامع مرقع حضرت باقر آگاہ ویلوری نے کھینچا ہے۔ ان کے یہ اشعار اس وقت موزوں ہوئے جب ان کے کانوں نے یہ خبر سنی کہ ان کے ہم درس مخلص رفیق اور پیر بھائی حضرت ذوقؔی دنیا سے چل دیئے، اور پُرسوز مرثیہ حضرت باقر کے جذبات غم اور حضرت ذوقؔی کی اجمالی تصویر ہے، چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

ذوقؔی کہ از تراوش فیض زبان اُو   گلزار نظم ونثر بہ نشو و نما رسید

افراخت چوں قصائد خود را بہ اوج عرش | خاقانی وظہیر بہ تحت الثریٰ رسید
چوں نغمہ سنج شد بغزل طوطیان ہند | گفتند این نوائے غریب از کجا رسید
درمثنوی محیط لبش ریخت چوں گہر | گفتند ایں گنجہ کہ رشحے بہ ما رسید
درقطعہ و رباعی و ترجیع بندوفرد | فکرش بہ منتہائے خیال رسا رسید
چوں دید نثراو دل نشگفتند دبہار | گفتہ بہ غنچہ ہائے من اکنوں صبا رسید
درمنطق وبیان ومعانی زنطق او | آساں شدہ بجائے حروف ہجا رسید
ہرکس کہ بنگرد بہ تصوف تصرفش | گوید بہ بیر جام کہ صدر الورا رسید
درماندہ ام بہ درد دل خود زمین مپرس | اے داغ ہجرتش کہ بہ جانم چہا رسید
تاریخ رحلتش چوں طلب کردم از سروش | گو ہمدم حکیم نظامی ندا رسید

الغرض حضرت ذوقیؔ نے علم وفن کی دنیا میں اپنے گہرے اور نمایاں نقوش چھوڑے ہیں جو آپ کی بزرخی زندگی کے لئے باقیات صالحات ہیں۔ اسی باقیات میں ''معجز مصطفیٰ'' ہے اور یہ کتاب سیرۃ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حوالے سے ایک عظیم وضخیم علمی وادبی، تاریخی وسوانحی اور دینی شاہکار ہے۔ آپ نے اس مثنوی میں نورِ محمدی، تخلیق محمدی، ولادت محمدی، بعثت محمدی، دورِ مکی ومدنی تاوفات شریف محمدی ان تمام واقعات کو نہایت دلنشیں پیرایہ میں بیان کیا ہے۔ یہ کتاب زبان پہلوی اور شعری لبادہ اوڑھے رہنے کے باعث اس کے استفادہ سے فارسی ناآشنا طبقہ محروم رہا۔ حضرت سید شاہ ابوالحسن محویؔ ویلوری کے شاگرد رشید ومرید حضرت حاجی غلام محمود حسرت مدراسی نے ''معجز مصطفیٰ'' کو اردو قبا پہنائی تو اردو داں طبقہ کے لئے بھی استفادہ کی صورت نمودار ہوئی۔

مترجم موصوف کے احوال زندگی پردہ خفا میں ہیں۔ ان کی تاریخ ولادت ووفات بھی کہیں رقم نہیں ہے۔ قیاسی طور پر یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ ان کی وفات ۱۳۱۱ھ کے بعد ہوئی ہوگی کیونکہ مذکورہ سال ۱۳۱۱ھ میں دارالعلوم لطیفیہ حضرت مکان، ویلور کا جلسۂ بنائے مدرسہ لطیفیہ وتقسیم اسناد منعقد ہوا تھا، جس میں حضرت حسرت شریک اجلاس رہے اور جلسہ سے خطاب کیا تھا۔ آپ کا خطاب روداد بابت ۱۳۱۱ھ میں شامل ہے۔

حضرت مہاجر نے ''معجز مصطفیٰ'' کا ترجمہ ۱۲۴۷ھ مطابق ۱۸۳۱ء میں مکمل کیا ہے۔ چنانچہ ''ریاض سیر'' کے آخر میں نام ترجمہ اور سال ترجمہ کی وضاحت کی ہے:

ذہن بلبل طبع تجویز کر | رکھے نام اوس کا ریاض سیر

یہی ہے وہ تاریخ بس جاں فزا زہے معجز خاتم انبیاء ۱۲۴۷ھ

یہ کتاب ۱۸۵۳ء میں شرقیہ نامی پریس مدراس سے شائع ہوئی ہے۔اس کا ایک نسخہ دارالعلوم لطیفیہ حضرت مکان ویلور کے کتب خانہ میں موجود ہے۔اس نسخے میں ۴۳۶ رصفحات ہیں اور اشعار سات ہزار ہیں۔،مترجم نے ترجمہ کی غرض وغایت یہ بیان کی ہے کہ فارسی زبان سے نا آشنا عوام ''معجزہ مصطفیٰ'' پڑھیں گے تو میرے حق میں دعا کریں گے اور مجھے ثواب پہنچے گا جو میرے لیے خیر جاری ہوگا۔ذیل کے اشعار ملاحظہ ہوں جس میں وہ خود سے مخاطب ہیں:

تو ہندی میں کر ترجمہ اوس کے تئیں بشرطیکہ افہام سے ہو قریں
نہیں فارسی سے جو کوئی آشنا کرے گا تیرے حق میں پھر کیا دعا
جو حاصل کریں فائدہ سب عوام ثواب اوس کا پہنچے گا تجھ کو مدام
رہے گا جہاں بیچ اے دل فگار بھی خیر جاری تیرا یادگار

حضرت محمود نے حضرت ذوقیؔ کے فرزند ارجمند اور خلیفہ رشید حضرت سید شاہ ابوالحسن محویؔ کے آگے زانوے تلمذ تہہ کیا اوران کی صحبت وتربیت میں رہے اور انہیں سے مرید ہوے۔چنانچہ اپنے مرشد روحانی حضرت محویؔ کی مدح وتوصیف میں رطب اللسان ہیں:

مجھے مرے دل کو قید غم سے چھڑا خوشی کی مجھے راہ دکھلادیا
سکھایا ہمیں علم عرفان کا بہت راز پنہاں دلوں میں بھرا
مجھے عالم مکر وفن سے چھڑا شہہ ابوالحسن پاس پہنچادیا
زہے ابوالحسن بحر جود و نوال عطامیں حسن، بوالحسن در خصال

(منقبت غوث اعظم بحوالہ جنوب کے اصحاب کمال۔ڈاکٹر راہی فدائی، ج ا،ص ۳۴۴ مطبوعہ ۲۰۱۹ء)

ڈاکٹر افضل الدین اقبال حیدرآبادی سابق اردو پروفیسر جامعہ عثمانیہ حیدرآباد نے اپنے مضمون ''حضرت ذوقیؔ کی فارسی مثنوی کے اردو مترجم حضرت حسرت مدراسی'' میں لکھا ہے:

حضرت حسرت نے حضرت محوی کے صاحب زادہ والاعرفان حضرت قطب ویلور سے علمی وروحانی فیض حاصل کیا۔چنانچہ حضرت قطب ویلور کی مدح میں رقمطراز ہیں:

جہاں میں ہے عبداللطیف اوس کا نام ہے بھی محی دین سے شہ انام
بلاشک ہے وہ رکن ہن متین بلاریب خورشید اوج یقین
مجھے بھی کرم سے تو اپنی خُدا نہ کر اوس کے قدموں سے ایک دم جدا

جہاں تک جب تک جیتا رہوں دل وجاں کو اوس پر قربان کروں

(سال نامہ اللطیف، ویلور ۱۴۱۵ھ، ص ۹۳/۹۴)

حضرت حسرت نہایت خوش نصیب وخوش بخت اور سعید رہے کہ آپ کو حضرت سید شاہ ابوالحسن محوی اوران کے صاحبزادے حضرت شاہ محی الدین سید عبداللطیف المعروف قطب ویلور اوران کے صاحب زادے حضرت شاہ رکن الدین سید محمد قادری ، تین سجادگان خانقاہ اقطاب کی صحبت اور استفادے کا موقع نصیب ہوا۔...... **ذالك فضل اللّٰه يؤتيه من يشآء۔ وآخر دعونا ان الحمد للّٰه ربّ العالمين۔**

☆☆☆

مولانا نثار احمد فدائی باقوی (بنگلور)

جنوبی ہند کے فرد فرید علامہ فدوی باقوی کی مایہ ناز حمدیہ نظم ’’ثنائے ذوالجلال‘‘ کا ایک عالمانہ جائزہ

تعارف!

حمدیہ نظم ’’ثنائے ذوالجلال‘‘ کے خالق، ماہر عروض، فن شاعری کے اسرار و رموز کے واقف کار بیسویں صدی کے استاذِ سخن، مشہور و معروف شاعر و ادیب اور بے نظیر محقق حضرت علامہ مولانا فدوی باقوی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی ہے۔ آپ کا پورا نام نثار احمد عرف انور پاشا، مقام ولادت ویلور، سال ولادت 1347ھ مطابق 1928ء ہے۔ شہر ویلور کے مشہور و معروف علمی و تاریخ ساز خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔ خاندنی پس منظر نہایت شاندار ہے، آپ کے جد امجد حضرت مولانا شاہ شرف الدین آلوری، ہندوستان کی اوّلین جامعہ اسلامی درسگاہ باقیات صالحات، ویلور کے بانی اعلیٰ حضرت مولانا شاہ عبدالوہاب قادری ویلوری رحمۃ اللہ علیہ کے علاتی بڑے بھائی ہیں جن کے ذریعہ پانچویں واسطہ میں آپ (حضرت وفدی) کا سلسلۂ نسب بانی جامعہ باقیات صالحات سے متصل ہوجاتا ہے جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

استاذی حضرت مولانا نثار احمد عرف انور پاشا متخلص و بہ تشہیر فدوی باقوی بن حضرت مولانا ابوالکمال مفتی محمد حبیب اللہ باقوی بن حضرت مولانا علامہ استاذ ابوالجلال شاہ محمد غلام محی الدین استاذ باقیات، بن حضرت مولانا شاہ شرف الدین آلوری بن حضرت مولانا حافظ شاہ عبدالقادر (ثانی) آلوری (والد ماجد حضرت مولانا شاہ عبدالوہاب قادری ویلوری بانی جامعہ باقیات صالحات ویلور) خلیفہ ولی کامل، صوفی دوراں، عارف باللہ سید شاہ ابوالحسن قادری محوی ویلوری، حضرت فدوی کے والد محترم حضرت مولانا ابوالکمال محمد حبیب اللہ باقوی ندوی، سابق استاذ مدرسہ فرنگی محل لکھنؤ، خود ایک باکمال ادیب و شاعر، جید عالم دین، علوم اسلامیہ کے ماہر شمار کئے جاتے تھے۔ اردو، فارسی اور عربی کے

ماہر اور تینوں زبانوں کے مقرر تھے۔ استاذی حضرت فدوی باقوی کی ولادت کی مسرت وخوشی میں انھوں نے ایک گلدستۂ تہنیت تحریر فرما کر شائع کیا تھا جوان کی علمی صلاحیتوں کا مظہر جمیل ہے۔ جس میں تینوں زبانوں میں تاریخی قطعات و دیگر مبارکبادی کے جذبات، امتنان وتشکر پر مشتمل منظومات شامل ہیں، سعادت آثار فرزند دلبند کے حق میں بلندیٔ مراتب کے آرزومند عالم و فاضل باپ کی زبان سے اظہار محبت کے پیرایۂ کلام میں مبارکبادی پر مشتمل منظومات شامل ہیں۔ صرف ایک فارسی مصرعہ ملاحظہ ہو، جس سے ہجری وعیسوی دونوں تاریخوں کا اخراج ہوتا ہے:

اختر قوم چراغ خاندان آبادی ست

1247ھ 1928ء

نظم سے متعلق تمہید:

خالق کائنات اللہ جل جلالہ وعم نوالہ کی ذات عالی کی شان بے نیاز میں کائنات رنگ بو کا ذرّہ ذرّہ نغمہ ریز ونغمہ سنج ہے۔ اس کی قدرت مظاہر قدرت سے ظاہر ہے، اس کی یکتائی اور کبریائی عالم کو محیط ہے، وہ ایسا بصیر وخبیر ہے کہ کائنات کا کوئی گوشہ اس سے پوشیدہ نہیں، انتہائی مربوط نظم کائنات کی ہر ہر حرکت سے وہ باخبر ہے، وہ ایسا علیم کہ بعد حشر نظم ہستی کا کیا ہوگا اس کے سوا کون جانتا ہے۔ علیم بذات الصدور اس کے سوا کون ہے، انسانی احساسات ابھی الفاظ کا جامہ نہیں پہنے، ابھی زبان پر نہیں آئے وہ ان سب سے آگاہ ہے، وہ ان کی رسمیت، سمیت منفعت ومضرت سب سے آگاہ ہے، وہ جانتا ہے کہ عالم بے خودی واضطراب میں حضرت ہاجرہ نے صفا ومروہ کی کتنی مرتبہ چڑھائی کیں اور ان کے درمیان کس کس کیفیت سے سعی فرمائیں، وہ ایسا سمیع کہ حضرت یونس علیہ السلام کی تسبیح وتحمید واستغفار کو رات کی تاریکی، سمندر کی گہرائی اور مچھلی کے پیٹ کی بندش کے باوجود برابر سنتا رہا۔ ان میں سے کوئی چیز اس کی سماعت میں مخل نہیں ہو پائی، وہ ارحم الراحمین ہے لیکن اس کا قہر وغضب اور انتقام بھی ویسا ہی سخت اور ناقابل تحمل ہے، وہ ذو عقاب، ذو انتقام ہے، اس شہنشاہ بے نظیر و بے مثل، بے ہمتا و بے ہمسر وحدہ لاشریک لہ کی بارگاہ عالی میں گلدستۂ حمد وثنا پیش کرتے ہوئے، انسانی فکر وخیال کی بلندیاں کپکپانے لگتی ہیں، جذبات واحساسات کی عکس بندی کرنے والے الفاظ کا خالی پن کھلنے لگتا ہے، لیکن جب رعنائی خیال کا اچھوتا پن اظہار خیال کو دعوت دینے لگتا ہے تب زبان گنگنانے لگتی ہے، ایسا نغمہ جو دل کے تاروں کو چھو جائے، جس کے الفاظ اتنے سادہ وبھرپور کہ معنی آفرینی کی نئی نئی جہتیں روشن ہو جائیں،

چھوٹے چھوٹے اتنے رواں دواں مصرعے زبان پر پھسلنے لگیں اور آپس میں ایسے مربوط کہ پوری نظم میں کہیں ذرا سی جھول نہیں، نظم پڑھتے ہوئے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ محبوب سامنے ہے اور گفتگو روبرو ہورہی ہے۔ اور عاشق محوِ خیال یار میں ایسا گم ہے کہ اس کے دیدہ و دل میں اس کے (محبوب) کے سوا کوئی دوسرا نہیں۔

اس تمہید کہ بعد علامہ موصوف کی حمد یہ نظم ''ثنائے ذوالجلال'' ملاحظہ ہو: پوری نظم

مذکورہ حمد یہ نظم ''ثنائے ذوالجلال'' آپ نے بشوق ملاحظہ فرمایا، حضرت استاذی فدوی باقوی ویلوری نے یہ دلآویز نظم عنبر و گلاب میں معطر نظم، پہلی مرتبہ میل وشارم کے مشاعرے منعقدہ 1966ء میں سنائی تھی، جس کی صدارت حضرت علامہ محوی صدیقی بھوپالی نے فرمائی تھی، اس مشاعرے میں جنوب کے اکابر شعرائے کرام شریک تھے جیسے حضرت کمالی ویلوری، حضرت دانش فرازی، حضرت کاوش بدری، حضرت بدر جمالی، حضرت عشرت باقوی، اپنے چند ساتھی طلبہ کے ساتھ راقم الحروف بھی شریک تھا، حضرت استاذ نے بڑے ہی والہانہ انداز میں نظم سنائی تھی، سخن شناس احباب نے بہت داد دی تھی، راقم کو بھی شاعر کی زبان سے اس موقع پر نظم سماعت کا شرف حاصل ہے۔

نظم کی قرأت کے بعد آپ نے محسوس کیا ہوگا کہ نظم ''ثنائے ذوالجلال'' کی ابتداء بڑے دھیمے انداز سے ہوئی ہے، ایسا لگتا ہے کہ شاعر کے دل و دماغ ذات باری تعالیٰ کی طرف متوجہ ہیں، سکوت ہی سکوت ہے۔ ذاتِ الٰہی کی تجلیات کا ظہور ہے، عالم خیال میں محو پرواز قرب کی لذت سے ہمکنار ہیں، اس کی شان جلالیت کی سبب اور نور جمالیت کی چاندنی دل و دماغ پر بیک وقت اثر انداز ہورہی ہے، نورانی کیفیت کے جلوہ میں کسب نور کا سلسلہ جاری ہے، یہ وسیع و عریض کائنات، خالق و مولائے، کریم کے کمال قدرت کی مظہر و نشانی ہے اور ایک فرماں بردار صاحب بصیرت بندے کے لئے قادر مطلق کی جلوہ گاہ بھی ہے، اسی عالم محویت و وارفتگی میں شاعر کا قلب مدوجزر سے آشنا ہوتا ہے اور زبان گنگنانے لگتی ہے:

جلال جلال تو جمال تو، کمال لازوال تو صفات بے نظیر تو، ہے ذات بے مثال تو
سوال لاجواب تو، جواب ہر سوال تو کہاں کہیں یہاں نہیں بتا کہ تو کہاں نہیں

نظم کا یہ پہلا بند ہے، سادہ و سہل الفاظ نے معنی کی ترسیل کو آسان بنادیا ہے، برمحل و برجستہ تراکیب سے لطف زبان دوبالا ہوگیا ہے۔ اس پر مستزاد رواں دواں بحر ہزج مثمن مقبوض کی طراوٹ افزا جملوں کی شکل میں مصرعوں کی قطع و برید الفاظ کو فطری ڈھلاؤ پر ڈال دیتی ہے اور پتہ ہی نہیں چلتا کہ کب مصرعہ شعر میں ڈھل کر زبان سے بے ساختہ ادا ہوتے چلے جارہے ہیں۔ فکر انگیز تفاوت پیدا

کر دینا الفاظ کے برتنے میں شاعر کے کمال ہنر کے ساتھ خلاّقانہ ذہن اور فطری بانکپن کی طرف اشارہ کرتا ہے، تصویر صاف ہو جائے گی ایک مرتبہ پھر پہلا بند دہرا لیا جائے!

نظم میں شاعر براہ راست خالق کائنات پروردگار عالم کی ذات اعلیٰ واکبر سے مخاطب ہے، خطاب میں تمام آداب ملحوظ خاطر ہیں، دلربائی کے انداز نے والہانہ پن ضرور پیدا کر دیا ہے، ذوق سلیم کی رہنمائی اور علم وفن میں پختگی نے مصرعوں میں طراوٹ، الفاظ میں بے ساختگی، تراکیب میں لفظی و معنوی ربط اور اشعار میں بلند آہنگی کا حسن پیدا کر دیا ہے، دوسرا بند اپنی مثال آپ ہے:

نشان بے نشاں ہے تو، مکین لامکاں ہے تو عیاں نہیں، نہاں نہیں، نہاں ہے تو عیاں ہے تو
نہ ابتدا نہ انتہا، محیط بے کراں ہے تو کہاں کہیں یہاں نہیں، بتا کہ تو کہاں نہیں

یہاں بھی شاعر نے ایک ہی طرح کے الفاظ کے الٹ پھیر سے معانی کی نئی جہتیں پیدا کی ہیں، جو شاعر کی زبان و بیان پر گرفت اور قادر الکلامی کا ثبوت ہیں، یہاں استاذ محترم حضرت ناصؔر باقوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک پرلطف مزاح کا حامل شعر یاد آ رہا ہے:

صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں کیسا پردہ ہے کہ چلمن سے لگے بیٹھے ہیں

یہ خوبصورت، وسیع تر رنگارنگ کائنات مخلوق اور خالقِ کائنات کے درمیان پردہ بنی ہوئی ہے، "**لاتدركه الابصار وهو يدرك الابصار**" خود پروردگار عالم نے اس حقیقت کو اپنے ارشاد و فرمان کے ذریعہ عیاں فرما دیا۔ کائنات کا ذرّہ ذرّہ اس کے وجود اور ہونے پر دال ہے، لیکن انسانی بصارت اسے پانے سے قاصر ہے، شاعر حمد نے نشان بے نشاں اور مکین لامکاں کہہ کر اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے، وہ نہاں نہیں ہے لیکن عیاں بھی نہیں، وہ عیاں نہیں ہے لیکن نہاں بھی نہیں۔ نہ ابتدا ہے نہ انتہا ہے اس کی، وہ ہمیشہ سے ہے ہمیشہ رہے گا، ارض وسما سب کچھ اس کے احاطۂ قدرت میں ہے "**ولا يحيطون بشيي من علمه الا بماشاء**" اس کے علم واحاطہ سے کوئی شئی، کوئی ذرّہ باہر نہیں، شاعر نے بڑی خوبی وخوش اسلوبی سے اتنے بڑے مفہوم کو محض چند الفاظ میں ادا کر دیا ہے۔ شاعر نے بڑی خوبصورتی کے ساتھ آسان اور سہل الفاظ اور ان کے الٹ پھیر کے ذریعہ ایک وسیع تر معانی کی دنیا کو صحیح معنوں میں کوزہ میں بند کر دیا ہے، اب ایک بار پھر دوسرے بند کو دہرا لیں، لطف بھی دوبالا ہوگا اور سادہ الفاظ میں کتنی گہرائی اور گیرائی ہے اس کا بھی پتہ چل جائے گا۔

اب تک مخاطبت تھی، ہم کلامی نہیں تھی، تعریف، تحسین وتوصیف قربت کا ذریعہ تھیں، آپ ایسے ہیں ایسے ہیں کہتے کہتے لگاؤ بڑھانا مقصود تھا تاکہ اُدھر سے بھی کچھ نوازشات کا، تعلق خاطر کا اشارہ

ہو جائے تاکہ قربت کے لئے مزید کوشش وسعی کا دل کو حوصلہ ملے، اب جب دل کو امید بندھتی نظر آئی کہ شوق کی پذیرائی کے امکانات ہیں تو شوق نے بھی مزید پرواز کی ٹھان لی، شوق دید بھی دیدنی ہے ادھر اُدھر، تاک جھانک شروع ہوگئی، دریچہ وروزن در کی تلاش میں نگاہ وقف جستجو ہوگئی، لیکن معلوم ہے کہ نگاہ کی تلاش بے سود ہے، محدود نگاہ کی قید میں لامحدود محبوب کیسے آ سکتا ہے؟ لن ترانی کی تنبیہ پیش نظر ہے لیکن حوصلہ ٹوٹتا نہیں، آس تو لگی رہتی ہے۔ غالبؔ نے بھی ہار نہیں مانی تھی، اپنی آگہی کے شوق کو مہمیز کرتے ہوئے کہا تھا:

کیا یہ ضروری سب کو ملے ایک سا جواب		آ ؤ نا ہم بھی سیر کریں کوہ طور کی

حمد یہ نظم کے شاعر کو خیال آتا ہے کہ نگاہ وقف جستجو رہنے دیں اب ذرا شوق گفتگو تو پورا کریں، نگاہ کا جب موقع آئے گا تب دیکھیں گے:

زباں کو شوق گفتگو، جنونِ شوق کو بکو		سراپا دل ہے آرزو، نگاہ وقف جستجو
کہاں کہیں یہاں نہیں بتا کہ تو کہاں نہیں		کہاں ہے تو، کہاں ہے تو

شوق دید کی آنچ تیز ہوگئی ہے، زبان شوق گفتگو میں بیتاب ہے، ہم کلامی کا شرف پانا اس کے لئے چیلنج بنا ہوا ہے، ان سب آزمائشوں کے باوجود نہ شوق دید پورا ہوتا ہے نہ ہم کلامی کا شرف ہی حاصل ہو پاتا ہے، بس اب تڑپ تڑپ کر مرغ بسمل کی طرح دیوانہ وار قلب شاعر پکار اٹھتا ہے:

کہاں ہے تو، کہاں ہے تو		کہاں ہے تو، کہاں ہے تو

انتہائے گرم جوشی کے بعد نگاہ دھیمے دھیمے نیچے کی طرف آنے لگتی ہے، پھر نرم ولطیف لہجہ میں شاعر کے ہونٹ گنگنانے لگتے ہیں:

کہاں کہیں یہاں نہیں، بتا کہ تو کہاں نہیں

نظم کا تیسرا بند مکمل ہوا، چاہیں تو زیر لب آپ بھی گنگنا لیں، نگاہ شوق سے پڑھ کر شاعر محترم کو داد دیں کہ اتنے سارے جذبات سے بھرپور امنگوں کو مختصر مصرعوں میں کیسے سمو دیا ہے۔

جنون شوق نامعلوم کہاں لئے پھر رہا ہے، کہیں کوئی مدعا پورے ہونے کے آثار نظر نہیں آتے ہیں، چیخ و پکار سے بھی کام نہیں چل رہا ہے، تو شاعر کو فطرتاً فکر لاحق ہوتی ہے کہ ایسا کیوں ہے؟ تب کافی غور وفکر کے بعد شاعر اپنے اندرون کی طرف توجہ فرما ہوتا ہے۔ اپنے اندرون کو ٹٹول ٹٹول کر قلبی کیفیت کا اندازہ لگانے کی کوشش ہوتی ہے، دل کے تاروں کو چھیڑا جاتا ہے کہ دیکھیں کونسا ساز نکلتا ہے، اپنے قلب حزیں کو آقا و داتا کے حضور پیش کر دیتا ہے، مولیٰ ئے کریم تیرے بندۂ مومن کا کل

سرمایۂ حیات تیری بارگاہ عالی میں پیش ہے، دل کی ایک اک دھڑکن تجھے ہی پکارتی ہے تیری ہی یاد سے سرشا ہے:

تو کیف میں سرور میں، تو درد کے وفور میں — تو قلبِ ناصبور میں، تو قرب میں تو دور میں
حجاب میں ظہور میں، شعور و لاشعور میں — کہاں کہیں یہاں نہیں، بتا کہ تو کہاں نہیں

جتنی روانی سے آپ درج بالا حمدیہ نظم کے بند کو پڑھ سکتے ہیں پڑھیے، کہیں بھی آپ ٹھہراؤ یا الفاظ کی ادائیگی میں ہلکی سی رکاوٹ محسوس نہیں کریں گے۔ روانی ہی روانی ہے جیسے آبِ رواں تسلسل کے ساتھ بہتا چلا جا رہا ہے۔ مشکل الفاظ اور پیچیدہ تراکیب سے نظم کا دامن پاک وصاف ہے اردو شعر وادب سے عام شناسا فرد کے لئے نظم کی قرأت وتفہیم دونوں آسان ہیں، شاعر موصوف کے یہاں مشکل پسندی نہیں، اس کے باوجود نظم کے مطالعہ سے ایسا لگتا ہے کہ اس حمدیہ نظم کی تخلیق کے دوران نزاکت خیال کی آسان سے آسان تر تر سہل کی طرف شاعر کی توجہ رہی۔ ادائیگی بھی بھرپور ہو، لفظ و معنی میں ہم آہنگی، مصرعوں میں سلاست وروانی اور ہر لفظ اپنا بھرپور معنی دے رہا ہو کوئی لفظ نہ بھرتی کا ہو اور نہ معنی میں تنگی ہو اور پڑھتے ہوئے زبان چٹخارے لے اور ذوق نغمگی تسکین پائے، ذات باری تعالیٰ کی صفات جلالیہ و جمالیہ کے تذکرے سے روحانی مسرت کا احساس دل و دماغ میں جاگزیں ہو رہا ہو۔ کچھ ایسی ہی کیفیت سے اس حمدیہ نظم کا قاری دوچار ہوگا، مندرجہ بالا بند میں کیف، وفور، ناصبور، حجاب، ظہور اور شعور ولاشعور اکثر و بیشتر اردو شاعری میں مستعمل الفاظ ہیں، کیف، اک ایسی خاص کیفیت جس میں آدمی دوسری طرف متوجہ نہ ہو۔ وفور، جذبہ کی شدت، ناصبور، برداشت سے باہر ہونا۔ ناقابل تحمل، حجاب، پردہ، ظہور حجاب کی ضد، صاف ظاہر ہونا۔ شعور، عقل وفہم، لاشعور، عقل وفہم انسانی سے بالاتر، اس کے باوجود کہ مذکورہ الفاظ مشکل نہیں ہیں، معانی کی طرف ہلکا سا اشارہ غیر مفید بھی نہ ہوگا۔

خالق ومخلوق کے درمیان تعلق ''الملک للہ'' کا تصور اور انسانی زندگی پر اس کے بے پایاں احسانات، اس کی عظمت و کبریائی کا تصور شاعر کے احساسات کو کپکپا دیتا ہے، شاعر کی زبان حال بے اختیار کہہ اٹھتی ہے:

عرب ترا، عجم ترا، جہانِ کیف و کم ترا — یہ جاں تری، یہ دم ترا، زباں تری، قلم ترا
ہے لطف دم بدم ترا، نفس نفس کرم ترا — کہاں کہیں یہاں نہیں، بتا کہ تو کہاں نہیں

ہر گوشۂ حیات پروردگار عالم ہی سے روشن ہے، کسی پر کسی کا احسان نہیں، احسان جو کچھ بھی ہے

اسی کا ہے، تیرے احسان سے کوئی لمحہ خالی نہیں، یہ جان، یہ دم، یہ زبان یہ قلم اور اس کی تمام روشنائیاں بس ترے کرم ہی سے جاری وساری ہیں۔ جہاں کیف وکم کی تمامتر دلآویزیاں بس ترے ہی کرم کی مرہونِ منت ہیں، یہ دشت وجبل، یہ صحراوسمندر، ہر کھیت وکھلیان، یہ سبزہ زار، یہ چمن زار بہشت نظارہ، یہ آبشاروکوہسار، زمین کی گود میں بہتے ہوئے دریا، آب رواں کی دلربائی کے مناظر، نکہت گل سے معطر راحت جاں ہوائیں، مظاہر قدرت کی بے شمار رنگینیاں، چراغوں سے منور نیلگوں آسماں کے دلفریب نظارے، برسات کی رِم جھم، سرآسماں قوس قزح کی نظر فریب رنگینیاں، جہان کیف وکم کہہ کر شاعر نے کائنات کی تمام وسعتوں کو سمیٹ لیا ہے۔

اب آخر کا ایک بند ہے اس کے بعد نظم کا اختتام ہے، شاعر اب تحمید وتمجید تحسین وتوصیف سے بھرپور زمزم خوانی ومدح سرائی کے بعد حیات وکائنات کے رشتۂ ازلی کی گتھیوں کے سلجھانے، حیات و کائنات کے فلسفہ سے نبردآزما ہوتے ہوئے خالق ارض وسما سے پھر مخاطبت کے انداز میں محو گفتگو ہے:

تجھ ہی سے ہر وجود ہے، نظام شش جہات ہے حدود سے قیود سے، بلند تیری ذات ہے
عدم نہیں فنا نہیں، حیات ہی حیات ہے کہاں کہیں یہاں نہیں، بتا کہ تو کہاں نہیں

تیری ہی ذات اعلیٰ واکبر ہے جو قائم بالذات ہے، وجود مطلق ہے اصل جوہر حیات ہے، تمام موجودات عالم تجھ ہی سے وجود پائے ہیں، تجھ ہی سے کائنات عالم وجود لباس سے آشنا ہوئی ہے۔ **"لاموجود الّا اللہ"** بس تو ہی تو ہے۔ کائنات کن مکاں کی ہر ہر شئی اپنے وجود میں تیری ہی محتاج ہے، تیرا وجود بالذات ہے کسی کا محتاج نہیں، کائنات کی کوئی شئی اپنی مرضی سے قائم نہیں، ہر کسی کے لئے حدود وقیود ہیں کوئی اس سے باہر نہیں، سوداؔ نے کیا خوب کہا ہے:

لائی حیات آئے، قضا لے چلی چلے اپنی خوشی سے آئے نہ اپنی خوشی چلے
(سوداؔ)

حدود وقیود سے آزاد بس تیری ہی ذات اعلیٰ وارفع ہے جسے نہ فنا ہے نہ عدم، بس حیات ہی حیات ہے "**من فی السمٰوات والارض۔ کل یوم ھو فی شان**" اس کی خصوصیات میں سے ہے۔ اتنے وسیع تر مفہوم کو کس خوبی وسادگی کے ساتھ آسان وسہل الفاظ کا شعری پیکر عطا کیا ہے پھر اسی سے یہ سوال کہاں کہیں۔ کتنا لطف دے رہا ہے؟ درج بالا بند میں کوئی ترکیب مشکل ہے نہ کوئی گراں بار لفظ جگہ پاسکا ہے، بس ذرا ''نظام شش جہات'' پر غور کرلیں۔

نظم اپنے اختتام پر پہنچ رہی ہے، شاعر اپنی تمام تر قوت فکریہ، وسعت علم وفن واستعداد کے

باوجود بارگاہ عالی میں بصد عجز و نیاز، عقل و ہوش گم کئے ہوئے لا احصاء ثنائہ کی عملی تصویر بنے ہوئے اپنے ضعف و ناتوانی کا اظہار کس ادب وسلیقہ سے بارگاہ خداوندی میں پیش کرتا ہے لائق توجہ والتفات ہے، پیش ہے اختتامی بند ہے:

رسائی خیال کیا، مجال قیل و قال کیا　　یہاں ہیں عقل و ہوش گم، جواب کیا سوال کیا
زبان ناتواں سے ہو، ثنائے ذوالجلال کیا　　کہاں کہیں یہاں نہیں، بتا کہ تو کہاں نہیں

☆☆☆

تنویر پھولؔ (نیویارک)

نعت! بزبان قرآن حضور رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم

دیکھو! کس کی شان میں کہتا ہے قرآن مبیں و ما ارسلنك الا رحمت للعالمیں ﷺ

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اعلان نبوت سے پہلے بھی سراپا رحمت تھے، اس کے بعد بھی رحمت ہی رحمت اور آج بھی رحمت للعالمین ہیں۔ آپ کی حیات طیبہ پر بے شمار مصنّفین نے قلم اٹھانے کی جسارت کی ہے، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک کا اتنا صحیح اور جامع نقشہ کوئی نہیں پیش کر سکا جتنا کہ خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خالق اللہ تعالی نے ایک فقرے ''رحمت للعالمین'' میں کھینچ دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری زندگی صرف ایک لفظ ''رحمت'' کی تفسیر تھی۔ ممکن ہے کہ بعض اصحاب کو یہ بات قدرے گراں گزرے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مقدسہ کو صرف ایک لفظ ''رحمت'' تک کیوں محدود کیا جا رہا ہے حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کو پورے قرآن پاک کی عملی تفسیر ہونے کی حیثیت حاصل ہے۔ اس موقع پر یہ نکتہ سمجھ لینا چاہئے کہ اللہ تعالی نے سورۂ بنی اسرائیل کی بیاسیویں آیت میں قرآن پاک کو "رحمة للمومنین" یعنی مومنوں کے لئے رحمت قرار دیا ہے لیکن ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمت للعالمین فرمایا ہے اس طرح یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ قرآن پاک کا احاطۂ رحمت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے احاطۂ رحمت کا ایک جزو ہے اس لئے یہ کہنا بالکل بجا اور درست ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مقدسہ قرآن پاک کی عملی تفسیر ہے:

یعنی قرآن کی تفسیر ہے گفتار محمد ﷺ آئینۂ قرآن ہے کردار محمد ﷺ

اس نکتے کو بھی ملحوظ رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالی نے اپنے آپ کو ''رب العالمین'' کہا ہے تو ساتھ ہی ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ''رحمت للعالمین'' کے لقب سے سرفراز فرمایا ہے یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ کی ربوبیت تمام کائنات کے لئے ہے اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دائرۂ رحمت بھی ساری کائنات پر حاوی ہے، یہ ایک ایسا فخر و امتیاز ہے جو بلاشبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم ترین

شخصیت کے علاوہ مخلوقات عالم میں کسی بڑی سے بڑی ہستی کو بھی حاصل نہیں ہوا۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ رحمت کا حقیقی مفہوم اگر کہیں بہ تمام وکمال ادا ہوا ہے تو وہ رحمت مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک زندگی میں ہی ادا ہوا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا کوئی پہلو ایسا نہیں جس میں رحمت کا رنگ غالب نہ ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جس حال میں اور جہاں بھی رہے رحمت کی صفت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نمایاں صفت رہی ہے۔ مدینہ میں ایک شخص عباد بن شرجیل تھے ایک دفعہ قحط پڑا تو وہ بھوک کی شدت سے مغلوب ہوکر ایک باغ میں گھس گئے کچھ خوشے توڑ کر کھائے اور کچھ دامن میں رکھ لئے باغ کے مالک کو معلوم ہوا تو وہ بہت غضب ناک ہوا، اس نے ان کو مارا اور کپڑے اتروالئے، وہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شکایت لے کر آئے، باغ کا مالک بھی ساتھ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تمہیں اس پر ترس نہیں آتا، یہ بھوکا تھا تمہیں اس کو کھانا کھلانا تھا'' یہ کہہ کر کپڑے واپس دلوائے اور ساٹھ صاع غلہ اپنے پاس سے عنایت فرمایا۔

ایک دفعہ ایک بدو خدمت اقدس میں حاضر ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف رکھتے تھے، اس کو پیشاب کی حاجت محسوس ہوئی، آداب مسجد سے واقف نہ تھا وہیں کھڑے ہوکر پیشاب کرنے لگا، لوگ ہر طرف سے دوڑے تاکہ اس کو سزا دیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جانے دو اور پانی کا ایک ڈول لاکر بہادو، خدا نے تم لوگوں کو اذیت کے لئے نہیں بلکہ رحمت کے لئے بھیجا ہے'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ جو شخص دوسروں پر رحم نہیں کرتا وہ رحمت خداوندی کا مستحق نہیں ہے'':

کرو مہربانی تم اہل زمیں پر خدا مہرباں ہوگا عرش بریں پر

آپ صلی اللہ علیہ وسلم غلاموں کے ساتھ رحمت وشفقت کا برتاؤ رکھنے کی تاکید فرماتے تھے، ارشاد تھا کہ ''یہ تمہارے بھائی ہیں جو خود کھاتے ہو وہ ان کو کھلاؤ اور جو خود پہنتے ہو انہیں پہناؤ، ان کو اتنا کام نہ دو کہ وہ کر نہ سکیں زیادہ کام دو تو ان کی اعانت کرو'' غلاموں کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر خیال تھا کہ مرض الموت میں آخری وصیت میں فرمایا ''غلاموں کے معاملے میں خدا سے ڈرا کرو'' ایک دفعہ ایک شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں غلاموں کا قصور کتنی دفعہ معاف کروں؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے، اس نے دوبارہ عرض کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پھر بھی خاموش رہے، اس نے تیسری بار عرض کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''روزانہ ستر بار معاف کیا کرو'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے غلام زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن حارثہ کو آزاد فرما دیا تھا لیکن وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت سے علاحدہ ہوکر آغوش پدری

میں جانا پسند نہ کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ہی حاضر رہتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو منہ بولا بیٹا بنا لیا اور ان کا نکاح اپنی رشتے کی بہن حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت جحش کے ساتھ کیا، زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹے اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حد درجہ محبت تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم یتیموں، مسکینوں، غلاموں اور کمزوروں پر خاص شفقت فرماتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان رحمت سے متاثر ہو کر ہی شمس العلماء خواجہ الطاف حسین حالؔی بے ساختہ یہ کہنے پر مجبور ہوئے:

وہ ﷺ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا — مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا — وہ ﷺ اپنے پرائے کا غم کھانے والا
فقیروں کا ملجا، ضعیفوں کا ماوا — یتیموں کا والی، غلاموں کا مولا

ایام جہالت میں عورتوں کے ساتھ بہت برا سلوک کیا جاتا تھا یہاں تک کہ بعض قبائل اپنی بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صنف نازک کے ساتھ حسن سلوک کی ہدایت فرمائی اور عورتوں کے حقوق متعین کئے۔ ایک مرتبہ ایک صحابی اپنی جاہلیت کے زمانے کا ایک قصہ بیان کر رہے تھے کہ ''میری ایک چھوٹی لڑکی تھی، ہمارے قبیلے میں مار ڈالنے کا دستور تھا، میں نے بھی اپنی لڑکی کو زندہ زمین میں گاڑ دیا، وہ ''ابا! ابا!'' کہہ کر پکار رہی تھی اور میں اس پر مٹی کے ڈھیلے ڈال رہا تھا'' بے دردی کا یہ واقعہ سن کر رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے، فرمایا ''پھر کہو'' صحابی نے دردناک ماجرا دوبارہ بیان کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم بے اختیار روئے یہاں تک کہ روتے روتے ریش مبارک اور رخسار اقدس آنسوؤں سے تر ہو گئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانوں کو حیوانات پر نرمی کرنے اور ان پر رحم کرنے کی بار بار تاکید فرمائی ہے، زندہ جانوروں کے بدن کا گوشت کاٹ لینے، جانوروں کو لڑانے اور انہیں باندھ کر نشانہ بازی کرنے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سختی سے منع فرمایا ہے۔ ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی سفر میں جا رہے تھے، ایک مقام پر کسی چڑیا نے انڈا دیا تھا ایک شخص نے وہ انڈا اٹھا لیا، چڑیا بے قرار ہو کر تڑپنے لگی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ ''اس کا انڈا چھین کر کس نے اس کو تکلیف دی ہے؟'' انڈا اٹھانے والے نے کہا ''یہ قصور مجھ سے ہوا ہے'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''انڈا وہیں رکھ دو۔'' اسی طرح ایک دفعہ ایک صحابی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، چادر میں چھپے ہوئے کسی پرندے کے بچے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا تو عرض کیا کہ ''ایک جھاڑی سے آواز آ رہی تھی جا کر دیکھا تو یہ بچے تھے میں نے ان

کو نکال لیا جب ان بچوں کی ماں نے دیکھا تو میرے سر پر منڈلانے لگی'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جاؤ اور ان بچوں کو وہیں چھوڑ آؤ۔'' ایک بار راستے میں ایک اونٹ نظر سے گزرا جس کا پیٹ اور پیٹھ بھوک کے مارے ایک ہو گئے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ان بے زبانوں کے متعلق خدا سے ڈرو۔'' ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک انصاری کے باغ میں تشریف لے گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ ایک اونٹ بھوک کے مارے زمین پر پڑا ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر بلبلانے لگا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شفقت سے اس پر ہاتھ پھیرا پھر لوگوں سے اس کے مالک کا نام پوچھا، معلوم ہوا ایک انصاری ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا ''کیا تم اس کے معاملے میں خدا سے نہیں ڈرتے!''

انسان کے ذخیرۂ اخلاق میں سب سے زیادہ کمیاب اور نادر الوجود شے دشمنوں پر رحم اور ان سے عفو و درگزر ہے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس میں یہ خصوصیت بدرجۂ اتم تھی، سب اس بات پر متفق ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا۔ مکہ میں کفار قریش نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل خاندان کو تین سال تک شعب ابوطالب نام کی گھاٹی میں اس طرح محصور کر رکھا تھا کہ غذا کا ایک دانہ بھی اندر نہیں پہنچ سکتا تھا، جب کمسن بچے بھوک سے تڑپتے اور بلبلاتے تو یہ ظالم ان کی آوازیں سن کر ہنستے تھے لیکن رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بدلے میں قریش کے ساتھ جو سلوک کیا اس پر دنیا انگشت بدنداں ہے، مکہ میں غلہ یمامہ سے آتا تھا جہاں کے رئیس ثمامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن آثال تھے جب وہ مسلمان ہو کر حج کی غرض سے مکہ گئے تو قریش نے ان کو اپنے آباواجداد کا دین چھوڑنے پر طعنہ دیا، انہوں نے غصے میں کہا ''خدا کی قسم! اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر غلے کا ایک دانہ بھی نہ ملے گا'' ان کی اس بندش سے جب مکہ میں اناج کا قحط پڑ گیا تو آخر کار قریش پریشان ہو کر مدینہ آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے رجوع کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رحم آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بندش اٹھانے کا حکم دے دیا، چنانچہ پھر حسب دستور غلہ یمامہ سے مکہ جانے لگا، وحشی جس نے غزوۂ احد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عزیز چچا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دھوکے سے نیزہ مار کر شہید کر دیا تھا انتقام کے ڈر سے مارا مارا پھرتا تھا، اسی طرح ابوسفیان کی بیوی ہندہ نے انتقام بدر کے جوش میں حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سینہ چاک کر کے ان کے جگر کے ٹکڑے اپنے دانتوں سے چبائے تھے، یہ دونوں جب مختلف اوقات میں دربار نبوت میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کچھ باز پرس نہ کی، جنگ بدر میں جب حملہ آور ان مکہ قید کر لئے گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان قیدیوں کی تکلیف کا احساس کر کے نیند نہ آتی تھی، کرب و اضطراب میں کروٹیں بدل رہے تھے، بعض قیدیوں کے

کراہنے کی آواز سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت بے چین تھے، آخر کار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام قیدیوں کی مشکیں کھولنے کا حکم دیا، جب سب قیدی آرام سے سوئے تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چین آیا۔
مکی زندگی کے دوران قریش نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیں، مارنے کی دھمکی دی، راہ میں کانٹے بچھائے، حالت نماز میں جسم اطہر پر نجاستیں ڈالیں، گلے میں پھندا ڈال کر کھینچا، خون میں نہلایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخیاں کیں، آوازے کسے، سر پر کوڑا کرکٹ پھینکا، بدزبانی کی۔ غرض طرح طرح کی اذیتیں پہنچائیں یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ چھوڑ کر مدینہ کی طرف ہجرت کرنی پڑی لیکن اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ ان کے حق میں دعا فرماتے رہے، فتح مکہ کے موقع پر دشمنوں میں خوف و ہراس چھایا ہوا تھا، وہ ڈر رہے تھے کہ ہم نے بہت ستایا ہے آج ہم سے گن گن کر بدلہ لیا جائے گا لیکن اس کے باوجود زبان رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی شفقت کے لہجے میں ان سب کی معافی کا اعلان کیا ''آج تم سب آزاد ہو، تم پر کوئی الزام نہیں۔''

فاران کی پہاڑیاں آج بھی صدائے رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی شاہد ہیں، طائف میں ظالموں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اتنے پتھر برسائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لہولہان ہو گئے، جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے رخصت ہو رہے تھے اس وقت جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کی کیفیت تھی وہ بیان سے باہر ہے، نعلین مبارک خون سے تر ہو گئے تھے اور پائے اقدس زخموں سے چور ہو چکے تھے، طائف کے لوگ اس حالت میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پتھر برساتے رہے اور آوازے کس رہے تھے، آفتاب اس دردناک منظر کو دیکھ کر خون کے آنسو رو رہا تھا، ایک صحابی نے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے عرض کی ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! دشمنوں کے حق میں بددعا کیجیے'': یہ سن کر رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ اقدس سرخ ہو گیا، فرمایا ''میں دنیا کے لئے لعنت نہیں بلکہ رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں'' رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق عظیم کی یہ مثال اپنی نظیر آپ ہے۔

غزوۂ احد کے موقع پر کافروں نے پتھروں کی بوچھار کر دی، ایک پتھر لب اقدس پر لگا جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دندان مبارک شہید ہو گیا، رخسار منور اور پیشانی محترم پر بھی زخم آئے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''یا اللہ! میری قوم کا قصور معاف فرما دے، یہ نادان ہے'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پتھر لگتے ہیں، دانت ٹوٹ جاتے ہیں، لب سے خون بہنا شروع ہو جاتا ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ظرف دیکھئے کہ پھر بھی قوم کے حق میں دعائے خیر ہی فرماتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دعا کرنے والا کتنا عالی ظرف، کس قدر خلیق، کس درجہ حلیم و کریم اور کتنا بردبار ہے! غور کا مقام ہے کہ اس قدر ظلم و شقاوت

کے جواب میں اس قدر رحم و محبت! آخر کیوں صرف اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رحمت للعالمین ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوس میں ایک یہودی رہتا تھا، اس کا معمول تھا کہ روزانہ خوب شورو غل کرتا اور ڈھول پیٹتا تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت میں خلل پڑے، ایک مرتبہ وہ یہودی بیمار ہوا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شوروغل اور ڈھول کی آواز نہ سنی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے گھر تشریف لے گئے، اس کی عیادت کی اور صحت یابی کے لئے دعا فرمائی۔ رحم وکرم اور اخلاق کا یہ معجزہ دیکھ کر یہودی کی آنکھوں سے بے اختیار اشک رواں ہو گئے اور اس نے اسلام قبول کر لیا، بالکل اسی طرح ایک کافر عورت روزانہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر گھر کا کوڑا کرکٹ پھینک دیتی تھی ایک دن جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس راستے سے گزرے تو خلاف توقع آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی غلاظت نہیں پھینکی گئی کیونکہ وہ عورت بیمار تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے گھر تشریف لے گئے اور اس کی عیادت کی چنانچہ وہ عورت بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رحم وکرم سے حد درجہ متاثر ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہوئی۔

ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سواری پر تشریف لے جا رہے تھے، راہ میں ایک جلسہ تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ٹھہر گئے۔ عبداللہ بن ابی جو منافقوں کا سردار تھا، اس جلسے میں موجود تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کی گرد اڑی تو اس نے ناک پر چادر رکھ لی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا ''دیکھو! گرد نہ اڑاؤ'' جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم قریب پہنچے تو وہ پھر گستاخی سے بولا ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اپنا گدھا ہٹاؤ، تمہارے گدھے کی بدبو نے میرا دماغ پریشان کر دیا'' یہی رئیس المنافقین جب اس دنیا سے رخصت ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے کفن کے لئے اپنا پیراہن مبارک عنایت فرمایا اور اس کے جنازے کی نماز پڑھائی۔ دشمنوں پر اس قدر رحم دلی اور شفقت و عنایت کے واقعات سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے اوراق لبریز ہیں، بنی نوع انسان کا درد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اقدس میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، بلا تفریق مذہب وملت کسی کی تکلیف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گوارا نہ تھی دشمنوں کے حق میں بھی اسی قسم کی دعائیں کیں جس طرح اپنوں کے حق میں کیں اور انہیں بھی اسی طرح نوازا جس طرح اپنوں کو نوازا۔

ماہر القادری نے کیا خوب کہا ہے:

سلام اس پر کہ جس نے خوں کے پیاسوں کو قبائیں دیں
سلام اس پر کہ جس نے گالیاں سُن کر دعائیں دیں

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے بھی دنیا میں پیغمبر اور رسول آ چکے تھے لیکن وہ رحم وکرم اور شفقت و محبت کا وہ نمونہ پیش کرنے سے قاصر تھے جو رحمت مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کیا۔ حضرت نوح علیہ السلام کی بددعا، موسیٰ علیہ السلام کا غضب اور یونس علیہ السلام کا غصہ اسی دنیا نے دیکھا تھا مگر آں حضرت صلی اللہ

علیہ وسلم نے دشمنوں کے ساتھ بھی حسن سلوک سے پیش آ کر یہ ثابت کر دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم واقعی رحمت للعالمین ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بن ماں کے بچوں کو کلیجہ سے لگایا ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور ان کے رخساروں پر بوسے دیئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھوکوں کا پیٹ بھرا، دوسروں کے فاقے توڑے لیکن خود کئی کئی وقت کے فاقے کئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اندھوں کو سہارا دیا، اپاہجوں کی خدمت کی، غلاموں کے کام آئے، مسکینوں اور یتیموں کی دستگیری کی، حاجت مندوں کی حاجت روی کی لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رحم وکرم کا معاوضہ سر پھوڑ کر، دانت توڑ کر، زخمی اور لہولہان کر کے دیا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر غلاظتیں ڈالی گئیں، ببول کے کانٹے راہ میں بچھائے گئے، گوشت میں زہر ملا کر دیا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دشمنوں کو کوئی اذیت نہ دی، اپنے رحم وکرم اور عفو و درگزر سے ان کے دل فتح کر لئے اور ان کو انسان بنا کر ریگزار عرب کو گلزار ارم میں تبدیل کر دیا، یقیناً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کی مثال پیش کرنے سے ساری کائنات قاصر ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تمام عمر میں کسی کو اذیت نہیں دی، کسی کو برا نہیں کہا، کسی سے ترش روئی کے ساتھ پیش نہیں آئے اور کسی کو اپنی رحمت سے مایوس نہیں کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان رحمت کا پہلو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے ہر شعبے میں نمایاں نظر آتا ہے اور بلا شبہ قرآن پاک کا یہ دعویٰ حقیقت پر مبنی ہے۔ **وما ارسلناك الا رحمة للعالمين۔**

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان رحمت کا بیان کہاں تک کیا جائے! نہ قلم میں اتنا زور ہے اور نہ زبان میں تاب بیاں۔ بس اپنی ٹوٹی پھوٹی زبان میں بارگاہ رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ نذرانۂ عقیدت پیش کرتے ہوئے اس مضمون کو ختم کرتا ہوں:

وہ ﷺ آئے رحمت للعالمیں بن کر	وہ ﷺ آئے تاجدار مرسلیں بن کر
وہ ﷺ آئے مرہم قلب حزیں بن کر	وہ ﷺ آئے مالک خلد بریں بن کر

(تنویر پھول)

اللهم صل على سيدنا و مولانا محمد وعلى آله و اصحابه وبارك و سلم

(یہ مقالہ ۵۶ سال پہلے ساٹھ کی دہائی میں پاکستان انٹرنیشنل ایئر لائنز کارپوریشن کے جلسۂ عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں راقم الحروف نے پیش کیا)

☆☆☆

فیروز احمد سیفی (نیویارک)

مہاجر نعت گو شعرا کا ایک اجمالی جائزہ

اصناف ادب میں نعت گوئی سب سے نازک صنف سخن گردانی جاتی ہے۔اس کی عظمت ورفعت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ جس ذات اقدس (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) پر خود خالق کائنات اوراس کے فرشتے درود وسلام بھیجیں اس سے بڑھ کراور کوئی ذات نہیں۔ ہدیۂ درود وسلام کی دوسری شکل یا دوسرا نام ہی نعت گوئی ہے۔اسی لئے انسانوں اور جناّ توں کونعت گوئی کا حکم دیا گیا ہے۔ سیرت طیبہ کے مطالعے سے یہ بات بھی عیاں ہے کہ دونوں جہان کی کوئی بھی ایسی شے نہیں جو رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہِ عالی جاہ میں اپنے اپنے طور پر ہدیۂ درود وسلام نہ بھیجتی ہو۔

نعت گوئی کی اوّلین شرط سرورکونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت سے سرشار ہونا ہے، اگر ہمارے سینے محبت رسول سے تابندہ نہیں تو نعت گوئی کا حق ادانہیں ہوسکتا۔عربی کا ایک بڑا ہی مشہور کلیہ ہے **اِذاَ فَـاتَ الشَرطُ فَاتَ المَشرُوطُ**۔ یعنی جب شرط فوت ہوجاتی ہے تو مشروط خود بخود مفقود ہو جاتا ہے۔محبت رسول کی عظمت اُجاگر کرتے ہوئے علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

عشق کی منزل ہے وہ عشق کا حاصل ہے وہ حلقۂ آفاق میں گرمیٔ محفل ہے وہ

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعریف وتوصیف کے لیے خطۂ زمین پر بود و باش اختیار کرنے والے شعرائے کرام نے اپنے اپنے تجربات ومشاہدات کی روشنی میں مابعد کے لوگوں کے لیے محتاط رہنے کی تاکید کی ہے، چنانچہ۔فارسی کا مشہور مصرع ہے:

با خدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار

نعت گوئی ہی وہ صنف ادب ہے جو دنیا میں بولی جانے والی مختلف زبانوں نیز دنیا کے مختلف علاقوں میں بود باش اختیار کرنے والے عشاّق رسول، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ عالی جاہ میں اپنی عقیدتوں کا خراج پیش کر کے اپنے آپ کو سعادتوں سے بہرہ مند کرتے ہیں۔انہی نیک

بخت لوگوں میں مہاجرین نعت گوشعرا بھی ہیں۔ مہاجرین نعت گوشعرا نے معاش و معاد کے لیے اگرچہ اپنے ملک کو تو چھوڑ دیا مگر جو نہیں چھوڑی وہ تھی محبت رسول، وہ دنیا کے جس بھی ملک یا جس بھی خطے میں گئے اپنے دِلوں کو سرورکونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یاد سے معمور رکھا۔ ملاحظہ ہو مہاجر نعت گوشعرا کا مختصر تذکرہ۔

عزیزاولیاء سلیمانی

آپ کا اسم گرامی الحاج سید محمد یوسف علی اور لقب عزیز الملک سلیمانی تھا۔ افضل شاہ جعفری صوابی کے چشم و چراغ تھے۔ 14 مارچ 1889ء میں محمد آباد، ٹونک (راجستھان) میں پیدا ہوئے اور دس ماہ کی عمر میں یتیم ہو گئے۔ ان کے خالو نے گود لے لیا اور جے پور لے جا کر ان کی پرورش کی۔ نوسال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کرلیا۔ اردو فارسی گھر کے بزرگوں سے سیکھی۔ مزید تعلیم مہاراجہ کالج سے حاصل کی۔ 1909 تا 1950ء میں ریاستی فوج میں اکاؤنٹس، اس کے بعد صوبے دار میجر کے اعلیٰ عہدے پر فائز ہوئے۔ 1827ء سے 1950ء دیوانی صفوری میں ملازمت کر کے 1951ء میں ریٹائرڈ ہوئے اور کراچی میں رہائش اختیار کرلی۔ 1975ء میں 12 نومبر کو 86/سال کی عمر میں وفات پائی۔ ان کی ایک نعت پاک کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

جو دل دے آپ کو اللہ کا دلدار ہو جائے — حریم خاص کا اک محرمِ اسرار ہو جائے
اگر کچھ مدت آئینہ رخسار ہو جائے — یقیں ہے حسنِ مطلع مطلعِ انوار ہو جائے
زہے تبلیغ دیں شانِ ہدایت اس کو کہتے ہیں — کہ بدکردار آئے اور نیکوکار ہو جائے
مدینے جانے والا کیوں رکے کھٹکا ہی کیا اس کو — بلا سے سامنے ہر وادی پر خار ہو جائے

عاقل اکبرآبادی

آپ 1923ء میں آگرہ (اکبرآباد) (یوپی) میں پیدا ہوئے۔ پورا نام محمد اسماعیل خاں تخلص عاقل تھا، دہلی کے مشہور و معروف بزرگ شاہ ابوالخیر نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے۔ 1941ء میں آگرے سے ماہنامہ ''فیضان'' جاری کیا، جو تقسیم ہند تک جاری رہا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محافل نعت سجانا اُن کا معمول رہا۔ ہجرت کے بعد جب پاکستان پہونچے تو وہاں کراچی سے بھی ماہنامہ ''فیضان'' جون 1951ء میں جاری کیا۔

آپ نے اپنی نعتوں کا مجموعہ ''گل دستۂ نعت'' 1953ء میں شائع کیا۔ اس کا دوسرا ایڈیشن

1968ء اور تیسرا ایڈیشن اپریل 1986ء میں شائع ہوا۔ تصوف پر بھی آپ گہری نظر تھی اسی لیے اس موضوع پر بھی مضامین لکھے، آپ کی ایک نعت پاک بطور نمونۂ کلام پیش خدمت ہے:

مدینے میں جانے کو جی چاہتا ہے مقدر جگانے کو جی چاہتا ہے
پہنچ کر مدینے میں در پر نبی کے میرا سر جھکانے کو جی چاہتا ہے
خدا راس لائے مدینے کا جنگل وہیں خاک اُڑانے کو جی چاہتا ہے
درختوں پہ گلزار طیبہ کے جا کر نشیمن بنانے کو جی چاہتا ہے
پھر آگیا نام لب پر کسی کا پھر آنسو بہانے کو جی چاہتا ہے
زمانے کی نظروں سے ان کو بچا کر بس اپنا بنانے کو جی چاہتا ہے
چلیں ساتھ عاقل کے یاران محفل جو طیبہ میں جانے کو جی چاہتا ہے

ظہیر صدیقی

محمد بن تغلق نے 1340ء میں سہارنپور (یو پی) کا نام شاہ ہرن بدن چشتی رحمہ اللہ علیہ کی نسبت سے رکھا۔ جو اس ضلع کے معروف قصبہ دیو بند میں آرام فرما ہیں۔ یہ وہ قصبہ ہے جہاں نادر الوجود شخصیات پیدا ہوئیں۔ جن کی علمی و ادبی خدمات تاریخ کا روشن باب ہیں۔ اس علمی مرکز میں ظہیر احمد صدیقی صاحب 20/ اگست 1939ء کو شفیق احمد صاحب کے گھر پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد 13/ سال کی عمر میں ہجرت کی۔ اردو، فارسی میں ایم اے اور ایل ایل بی کیا۔ عبدالقادر بیدلؔ کی فارسی غزلوں کا منظوم ترجمہ دو جلدوں میں کر کے شائع کیا۔ ان کا نعتیہ مجموعہ ''محفل نعت'' 1983ء میں میں شائع ہوا:

لہراؤ بہر آن مدینے کی ہواؤ ہو زیست کا سامان مدینے کی ہواؤ
دل ہو کہ میری جان مدینے کی ہواؤ سب تم پہ ہیں قربان مدینے کی ہواؤ
آجاؤ بہت جلد کہ تاخیر نہیں ٹھیک اب جان ہے مہمان مدینے کی ہواؤ
پہنچا دو جو پیغام ظہیرؔ ان کے حرم تک بھولونگا نہ احسان مدینے کی ہواؤ

بے چین اجپوری

آپ کا اسم گرامی محمد حسین، تخلص بے چینؔ ہے۔ آپ کا تعلق یو پی کے مشہور شہر بدایوں کے قصبہ اجپور سے ہے۔ آپ 36/ سال کی عمر میں ہندوستان سے ہجرت کر کے لاہور آگئے اور یہیں مستقل

رہائش اختیار کی۔ پرنٹنگ کو ذریعہ معاش بنایا۔ فروغ علم کو ذریعہ معاش سے الگ رکھا۔ آپ نے تمام اصناف سخن میں طبع آزمائی کی۔ آپ کا نعتیہ مجموعہ ''سرِّ حرم'' جو محبت سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں ڈوبا ہوا ہے طبع ہو کر منظر عام پر آچکا ہے۔

قرآنی آیات کو نعتیہ پیرائے میں پیش کرنا، نادر تشبیہات و تراکیب اور جاندار استعارے آپ کی نعت گوئی کی خصوصیات ہیں جو ایک قادر الکلام شاعر ہونے کا بیّن ثبوت ہے۔ گوشہ نشیں ہونے کے باوجود بہت سارے نعت نگار آپ کے شاگرد اور گرویدہ تھے۔ 24/ مئی 2006ء میں آپ کا انتقال ہوا، ملاحظہ ہو نمونۂ کلام:

رہائی از غمِ صدمات گیہاں نعت کا نغمہ
ہے وجہ شادمانی دل و جاں نعت کا نغمہ

عطا کرتا ہے جو سر کو کیسی خوب سرمستی
مثال خوشبوئے سنبل و ریحاں نعت کا نغمہ

نظر آتا ہے نادیدہ جہاں جن کے اُجالے میں
ہے کرتا فکر کی شمعیں فروزاں نعت کا نغمہ

غم و آلام کی یورش کہ جب بھی مجھ پہ ہوتی ہے
دل پُر درد کا ہونا ہے درماں نعت کا نغمہ

بیاں ممکن نہیں ہے ورطۂ تحریر میں جس کا
عطا کرتا ہے وہ موج بہاراں نعت کا نغمہ

بشر کو جس سے ہوتا ہے کہ حاصل اوج روحانی
تعالیٰ اللہ! عین آب حیواں نعت کا نغمہ

خدا کا شکر اے بیچینؔ در حالات محرومی
ہے رکھتا، پرسکوں، شاداں و فرحاں نعت کا نغمہ

محمد اصطفا خان لکھنوی

آپ کا شمار لکھنؤ کے مشہور و معروف شعرا میں ہوتا ہے۔ بڑے شعرا اور ادبا سے دوستانہ مراسم تھے خاص کر جگر مرادآبادی سے تو بہت ہی قربت تھی۔ لکھنؤ میں تر.جی شعرا کے ایڈیٹر ہیں۔ صوم وصلوٰۃ کے پابند، تہجد گزار تھے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت میں غرق رہتے تھے۔ اصطفا منزل مدینہ منورہ سے محبت وعقیدت کی یادگار ہے۔ تاریخ گوئی سے بھی دلچسپی تھی۔ آپ کے کئی نعتیہ مجموعے شائع ہو چکے ہیں جس میں ''تنویر'' کافی مشہور ہے۔ 1943ء میں آپ نے اس دار فانی سے کوچ کیا:

جڑے ہوئے ہیں جو دل میں مرے نگینے سے
یہ داغِ ہجر ہیں لایا ہوں جو مدینے سے

نہ کیوں ہو نور مجسم وہ جسم بے سایہ
نکال دی گئی ظلمت ہو جس کے سینے سے

مہکتی رہتی ہیں جس سے مدینہ کی گلیاں
علاقہ کیا کسی خوشبو کو اس پسینے سے

نہ رہ سکے گا مدینہ میں بے ادب گستاخ
وہی رہے گا یہاں جو رہتے ہیں قرینے سے

سفر حجاز کا جب اصطفا ہو آخر بار
تو جان ساتھ ہی نکلے مری مدینے سے

سید حسین نذر زیدی

آپ سن 1917ء میں بجنور (یوپی) میں پیدا ہوئے۔ ''پاکستان کے اہل قلم'' نامی کتاب کے صفحہ 488/ پر آپ کی پیدائش مارچ 1915ء درج ہے۔ اس کتاب کے ۱۷/ صفحات آپ کے تعارف کے لیے مختص ہیں۔ ابتدائی تعلیم کے بعد ادیب فاضل کا امتحان پاس کیا۔ آپ کا شمار ان علمائے کرام میں ہوتا ہے جنہوں نے زندگی گزارنے کے لیے اپنی دنیا آپ پیدا کی۔ تاجورؔ نجیب آبادی کے شاگرد تھے۔

28/ سال کی عمر میں لاہور آ گئے۔ 1945ء میں اپنی عملی زندگی کا آغاز کیا۔ ہفتہ وار ''پارس'' کے نائب مدیر تھے۔ نہایت ہی سادہ مزاج طبیعت کے مالک تھے۔ تمام عمر اسی پیشے سے منسلک رہے۔ تحقیق سے کافی دلچسپی رہی۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ اور آسمان علم کے درخشندہ ستارے، ''پاکستان کے نامور مرد خدا'' اتاترک آپ کی تحقیق کا زندہ ثبوت ہیں۔ آپ کا نعتیہ مجموعہ ''نورعلی نور'' ہے۔ گورنمنٹ کالج، شاہدرہ، لاہور پاکستان سے شائع ہونے والے موقر جردے مجلّہ ''اوج'' جلد دوم کے صفحہ ۳۴۳/ پر آپ کے ایک نعتیہ مجموعے کا ذکر ''نوائے خامہ'' کے نام سے ملتا ہے جو 1960ء میں طبع ہوکر منظر عام پر آیا تھا:

پھولوں سے سج گیا دل خوشبو میں بس گیا دل
توصیف مصطفیٰ میں مصروف جب ہوا دل

یہ رحمتوں کی بارش یہ بے حجاب جلوے
کیا طور کی حقیقت ہے عرش کبریا دل

اس دل پہ ناز کیجیے جو ہو ریا سے خالی
ہے دو جہاں سے بڑھ کر قیمت میں بے ریا دل

بے چینیوں سے کہہ دو آئیں نہ پاس میرے
اب نعت مصطفیٰ میں مصروف ہے مرا دل

اس راستے کے کانٹے ہیں رشک صد گلستاں
زخموں سے چور ہوکر لگتا ہے بے بہا دل

میں کون ہوں کہاں ہوں سدھ بدھ نہیں کچھ اس کی
بطحا کی وادیوں میں ہے کھو گیا مرا دل

زیدیؔ اس آئینے میں دیکھا تھا ان کا جلوہ
اس دن سے بن گیا ہے جام جہاں نما دل

ظہیر احمد ظہیرؔ

رامپور جو علم و ادب کے حوالے سے کافی مشہور ہے۔ ظہیر احمد ظہیرؔ 15/ مئی 1948ء میں یہیں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد گرامی کا نام نذیر احمد ہے۔ تقسیم ہند کے بعد آپ کے والدین ہجرت کر کے داتا نگری لاہور میں بس گئے۔ ظہیر احمد ظہیرؔ بی۔اے کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد اپنے ذاتی کاروبار

سے عملی زندگی کا آغاز کیا۔ آپ کی نعتیہ شاعری عشق رسول کی آئینہ دار ہے۔ آپ کا نعتیہ مجموعہ ''ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم'' شائع ہو کر منظر عام پر آ چکا ہے جو ان کی محبت و عقیدت کا بین ثبوت ہے:

جو ذکر احمد مرسل میں صبح و شام رہا	قسم خدا کی خدا سے وہ ہم کلام رہا
رسول پاک کا جس کی زباں پہ نام رہا	وہ شخص کثرت غم بھی شاد کام رہا
جھکی رہیں میری نظریں دیار بطحا میں	مجھے جمال محمد کا احترام رہا
میں ایک ذرّہ تھا لیکن بہ فیضِ حبّ رسول	مہ و نجوم میں روشن مرا مقام رہا
نبی کی راہ عقیدت میں جو مٹا ہے ظہیرؔ	جبین وقت پر روشن اسی کا نام رہا

طورؔ نورانی

ناگپور صوبۂ مہاراشٹرا کا مشہور شہر ہے۔ یہ شہر اٹھارہویں صدی کے شروع میں آباد ہوا۔ ضلع کا یہ صدر مقام بھی ہے۔ سراج ابن طور نورانی 1935ء میں پیدا ہوئے۔ کم عمری میں پاکستان چلے آئے۔ میانہ گوندل میں قیام رہا۔ آپ دارالعلوم محمدیہ، غوثیہ، بھیرا شریف میں شعبۂ اردو فارسی کے سربراہ رہے۔ دینی تعلیم پر آپ کی گہری نظر رہی۔ یہاں کے ادبی اور دینی جرائد میں آپ کا کلام شائع ہوتا تھا۔ اردو اور فارسی میں شاعری کرتے رہے۔ آپ کا نعتیہ مجموعہ ''چراغِ طور'' 1988ء میں شائع ہوا۔ آپ کی غزلیہ شاعری کا مجموعہ ''فصیل غم'' بھی منظر عام پر آچکا ہے۔ پاکستان میں تخلیق ہونے والی نعتیہ شاعری مسلکی سحر سے دور نہیں مگر آپ کی نعتیہ شاعری مسلکی اختلاف سے آزاد ہے:

پھول مہتاب ستارے سارے	آپ کے رخ کے نظارے سارے
چشم نمناک سے کہنے والو	جانتے ہیں وہ اشارے سارے
دل میں گر جذب خلیلی ہو تو پھر	پھول بنتے ہیں شرارے سارے
ان کے سایہ میں اگر تم آجاؤ	دکھ بھی ہوں دور تمہارے سارے
آپ کے در پر سکوں پاتے ہیں	رنج و غم درد کے مارے سارے
طورؔ جب ساقی کوثر آیا	پھر گئے وقت کے دھارے سارے

سید نجم نعمانی سبزواری

سید محمد یاسین جو ادبی حلقوں میں نجم نعمانی سبزواری کے نام سے معروف ہیں۔ 1934ء میں مالیر کوٹلہ (پنجاب) میں پیدا ہوئے۔ 17 رسال کی عمر میں پاکستان چلے گئے وہیں انہوں نے اپنی

تعلیم مکمل کی۔ کافی عرصہ گورنمنٹ ہائی اسکول کے صدر مدرس رہے۔ 1950ء میں شعر و ادب کی محفلوں میں شرکت کی۔ اردو پنجابی زبانوں میں شاعری کرتے ہیں۔ 1991ء میں ان کا نعتیہ مجموعہ ''قندیل حرم'' شائع ہوا۔عربی ماہی، مدنی ماہی، حقائق اسلام آپ کی تصانیف ہیں۔ 26رمئی 1999ء میں آپ کا وصال ہوا:

مچلتا ہے دل ڈبڈباتی ہیں آنکھیں
خدا جانے کیا مقام آرہا ہے
ادب سے نگاہوں کو اپنی جھکاؤ
وہ دیکھو وہ باب السلام آرہا ہے
حبیب خدا پیشوائے زمانہ
وہ نورِ مجسم رسول ریگانہ
ملائک بھلا کیوں نہ دیں پھر سلامی
خدا کی طرف سے سلام آرہا ہے
نہ کیونکر ہوں پھر مشکلیں میری آساں
زباں پر محمد کا نام آرہا ہے
تو سب انبیا بھی کریں گے اشارے
وہ کل انبیا کا امام آرہا ہے

تنویر پھولؔ

آپ کا نام تنویرالدین صدیقی ہے۔آپ کی پیدائش مظفر پور، بہار (ہندوستان) میں 3رستمبر 1947ء میں ہوئی۔قسمت نے انہیں کراچی پہنچا دیا۔ تاریخ اسلام میں ایم.اے کیا۔ 1997ء میں حبیب بینک دولت کراچی سے اعلیٰ عہدے سے فارغ ہوگئے۔آپ ایک درویش صفت، سادگی پسند شخصیت کے مالک ہیں۔مختلف اصناف سخن میں آپ کے کئی مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔''انوارحرا'' حمد، نعت درود وسلام، قطعات و رباعیات اور ایک نظم بعنوان ''تمنا'' پر مشتمل ہے۔ڈاکٹر نجم الہدمرحوم نے ان کی نعتیہ شاعری کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار یوں کیا ہے، فرماتے ہیں:

''دبستان نعت'' کے عندلیب خوش نوا تنویر پھولؔ کی شاعری میں وسیع مطالعہ اور عمیق مشاہدہ کے اثر سے فکر و فلسفہ کی جو نگاہ پیدا ہوگئی ہے وہ اس دینی شاعری میں بار بار یہ احساس دلاتی ہے کہ ہمارا دین خدائے لم یزل کی تخیل کردہ بے کراں کائنات کے مطالعہ و مشاہدہ کی دعوت دیتا ہے اور غور و فکر کرنا سکھاتا ہے اور مزید یہ کہ شاعر نے زندگی کے تجربات اور علم و آگہی کی دولت سے استفادہ کر کے اپنی شاعری کے آب و تاب میں اضافہ کر دیا ہے۔ مختصر یہ کہ تنویر پھولؔ ''دبستان نعت'' کے اندلیب خوش نوا ہیں۔''

غم سے مجھے چھڑالو آقا مدینے والے
طیبہ میں ہی بسالو آقا مدینے والے

کب تک اسیر فرقت میں رہ سکوں گا مولا
اس قید سے نکالو آقا مدینے والے

دونوں جہاں میں اپنا سمجھا ہے تم کو میں نے
اپنا مجھے بنالو آقا مدینے والے

ہم عاصیانِ امّت محشر میں یوں کہیں گے
دامن میں اب چھپالو آقا مدینے والے

صد حیف راہ حق سے مسلم بھٹک گیا ہے
امت کو اب سنبھالو آقا مدینے والے

مسلم کا اب سفینہ ہے ڈوبنے ہی والا
آکر اسے بچالو آقا مدینے والے

مکہ سے آئے خالد کہنے لگے یوں آکر
مومن مجھے بنالو آقا مدینے والے

جب وقت نزع آئے سرہانے میرے آکر
کلمہ مجھے پڑھا لو آقا مدینے والے

پامال کردیا ہے دنیا نے مجھ کو مولا!
قدموں میں اب سلالو آقا مدینے والے

طیبہ سے دور ہوکر مضطر ہے پھولؔ بے حد
در پر اسے بلالو آقا مدینے والے

☆☆☆

فاروقؔ جائسی (کانپور)

شگفتہؔ جمال اجملی کا ’’میلادنامۂ اجملی‘‘ عصری معنویت کے تناظر میں

’’میلادنامۂ اجملی‘‘ نام ہے اس متبرک کتاب کا جس کی مصنفہ پروفیسر سراج اجملی (اے۔ ایم۔ یو، علی گڑھ) کی والدہ محترمہ سیدہ اجملیہ بانو بیگم اجملی، المتخلص بہ شگفتہؔ جمال اجملی ہیں۔ اس کتاب کی ترتیب ومقدمہ، مصنفہ کے قابل فرزند پروفیسر سراج اجملی کے قلم معجز بیان کا ثمرہ ہے۔ قابلِ مبارکباد ہیں محترمہ اجملیہ بانو بیگم اجملی، جنکی کتاب ’’میلادنامۂ اجملی‘‘ منصۂ شہود پر آئی۔ مصنفہ بذاتِ خود کہنہ مشق شاعرہ ہیں جنہوں نے عبادت وریاضت کے ساتھ ساتھ میلادشریف کی محفلوں کے انعقاد اور نعت شریف کہنے میں اپنی عمر عزیز کا بیشتر حصہ صرف کیا ہے۔ یہ کتاب منظوم ومنثور کلام پر مشتمل ہے۔ موصوفہ محترمہ کے اسلاف کے یہاں میلادشریف کی محفلیں کم وبیش سوسال سے تواتر کے ساتھ منعقد ہوتی رہی ہیں، اسی سے متاثر ہوکر محترمہ شگفتہؔ جمال اجملی نے بھی نظم ونثر میں اپنی تخلیقات کا سلسلہ شروع کیا جوان کے یہاں تواتر سے منعقد ہونے والی میلاد کی محافل میں پڑھے جاتے رہے ہیں، اب انہیں نظم ونثر کو ۲۰۲۳ء میں کتابی شکل میں شایع کردیا گیا ہے۔

متذکرہ کتاب کا انتساب مصنفہ کے اپنے اجداد کے نام کیا ہے۔ ان میں خصوصاً حضرت مولانا حافظ وقاری شاہ سید احمد اجملی رحمۃ اللہ علیہ، سابق سجادہ نشین دائرہ شاہ اجمل، الہ آباد، آستانۂ جنیدیہ غازی پور اور درگاہ حضرت شاہ ولی قادری سکندرپور (ضلع بلیا) مصنفہ کے والد اور ان اسلاف کے نام بھی معنون ہے جو دائرہ شاہ اجمل، الہ آباد، اور پکا کوٹ وسکندرپور، (ضلع بلیا) میں آسودۂ خاک ہیں۔ یعنی یہ کتاب پروفیسر سراج اجملی کے نانیہال ودادیہال کے ان بزرگوں کے نام معنون ہے جو مذہبی، ادبی اور سماجی خدمات کے لئے مشہور ومعروف ہیں۔

اس کتاب میں شاہ عین الحید رصاحب علوی، سجادہ نشین آستانۂ عالیہ کاظمیہ قلندریہ، کاکوری

شریف، لکھنؤ کا بہت مختصر مگر نہایت جامع مضمون بھی شامل اشاعت ہے۔ یہاں یہ بتا دینا قارئین کے لئے قلبی مسرت کا سبب ہوگا کہ محترمہ شگفتہ جمال اجملی صاحبہ اور شاہ عین الحید رصاحب رشتہ میں سمدھن سمدھی ہیں۔ اللہ ان دونوں کو صحت وسلامتی اور لمبی عمر سے نوازے اور ان کی دعائیں ہمارے لئے سایۂ عاطفت بنی رہیں۔

پروفیسر سراج اجملی ہر زاوئے سے مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انھوں نے نہ صرف اپنی والدہ ماجدہ کی تصنیف ''میلاد نامۂ اجملی'' کو مرتب کیا بلکہ اس پر ایک مبسوط مقدمہ بھی سپردِ قلم کیا ہے۔ یہ مقدمہ میلاد شریف کے انعقاد کا جواز اور مدلل ثبوت فراہم کرتا ہے کہ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ ہمارے مقتدر اسلاف ان محافل کے انعقاد کا التزام وانصرام زمانۂ قدیم سے کرتے آئے ہیں اور اس سے فیوض و برکات حاصل کرتے رہے ہیں۔ مقدمہ میں سراج اجملی نے میلاد شریف کی ان برکتوں کا ذکر کیا ہے جو خود ان کے والدین کو عطا ہوئی ہیں اور سراج اجملی جس کے معتبر گواہ ہیں۔ مختصراً کہا جا سکتا ہے کہ پروفیسر سراج اجملی کی آسودگیِ زندگی، ہر دل عزیزی، وقار ومرتبہ اور خوشحالی ان کے والدین کی دعاؤں اور ان کی میلاد کی محافل منعقد کرنے کا ہی نتیجہ اور خدا کا انعام خاص ہے۔

'میلاد نامۂ اجملی'' کی خاص بات یہ ہے کہ یہ ایک خاتون کی تصنیف ہے اور عورتوں کی محافل میں پڑھے جانے کے لئے تصنیف کی گئی ہے۔ اس کتاب کا مقدمہ بہت اہمیت کا حامل ہے۔ پروفیسر سراج اجملی نے کتاب کے مقدمہ میں اپنے نانیہال اور دادیہال کا شجرہ بھی اجمالی طور پر پیش کیا ہے، جن کے ارادت مندوں اور مریدوں کی کثیر تعداد موجود ہے۔ ان حضرات میں بیشتر حفاظ، شعراء، صاحبانِ تصنیف اور عالمِ دین ہیں۔ میں کہہ سکتا ہوں کہ ''ایں خانہ تمام آفتاب است'' جہاں کی مستورات بھی سخن سنج اور سخنور ہیں۔ ان مستورات کی خاص بات یہ ہے کہ انہوں نے کبھی کسی مدرسے یا درسگاہ کی شکل بھی نہیں دیکھی مگر ان کی سخن سنجی اور سخن فہمی کی قسمیں کھائی جا سکتی ہیں۔ مزید خاص بات یہ ہے کہ مصنفہ محترمہ شگفتہ جمال اجملی نے اردو ہی میں نہیں بلکہ بھوجپوری میں بھی نعتیں تخلیق کی ہیں۔ ان کے یہاں میلاد شریف میں شرکت کے لئے اچھی خاصی تعداد ان عورتوں کی بھی ہوتی ہے جو علاقائی زبان یعنی بھوجپوری زبان بولتی ہیں۔ اس لحاظ سے ان کی بھوجپوری نعتیں بھی زباں زد ہوگئی ہیں اور اصلاح معاشرہ میں معاون ہیں، ہر چند کہ مصنفہ کی زبان کوثر وتسنیم سے دھلی ہوئی فصیح وبلیغ اردو ہے۔ پروفیسر سراج اجملی کی صاف، شگفتہ اور موثر زبان ان کی والدہ ماجدہ کی آغوش تربیت ہی کا ثمرہ ہے۔

ہندوستان کے اردو بولنے والے خطے میں میلاد خوانی کی ایک لمبی اور مستند تاریخ موجود ہے۔

بقول پروفیسر سراج اجملی اس خطے میں میں ''میلادِ اکبر، مولود سعیدی اور مولود طیش صدیقی'' کو خاص مقبولیت حاصل ہے جس کی ابتدا ولادتِ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وقت سے عربی زبان میں ہوئی اور ہندوستان میں اسے اردو زبان کا پیراہن ملا۔ یہ ایک کلیہ ہے کہ میلاد ناموں یا ولادتِ سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے متعلق تحریروں کی ایک لمبی فہرست ہے جن میں سے چند اہم میلاد ناموں کی فہرست بھی پروفیسر سراج اجملی نے تحریر کر دی ہے۔ انہوں نے اردو کے اوّلین میلاد ناموں میں حضرت باقر آگاہ ویلوری کے دو میلاد ناموں، ''حقیقتِ نورِ محمدی'' اور ''ریاض السیر'' اور شیخ امام بخش ناسخ سے لے کر سیماب اکبرآبادی وغیرہ کے میلاد ناموں کا حوالہ دیا ہے۔

ان میلاد ناموں میں بیشتر میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آمد مبارک اور اس دوران رونما ہونے والے اہم واقعات کے بیان کو اوّلیت دی گئی ہے۔ فاضل مرتب نے اردو کے اہم ادیبوں اور شاعروں کے نثری اور منظوم میلاد ناموں کی مختصر فہرست بھی تحریر کر دی ہے تا کہ قارئین کو یہ اندازہ ہو جائے کہ کیسے کیسے ادیبوں اور شاعروں نے اس کارِ خیر میں حصہ لیا اور اپنے کو خدا اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نظروں میں اس حوالے سے سرخرو بنایا ہے۔

''میلاد نامۂ اجملی'' میں احمدِ مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت سے لیکر ان کی ظاہری زندگی کے آخری لمحات تک کا احاطہ کرنے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے۔ اس کتاب میں سیرت پاک کی تقریباً ساری اہم باتیں بہت تفصیل سے بیان کی گئی ہیں تا کہ ان مستورات کی سمجھ میں بھی سیرتِ پاک کی بنیادی باتیں آجائیں جو تعلیم یافتہ نہیں ہیں۔ اسی لئے اس کتاب کی زبان سلیس اور عام فہم رکھی گئی ہے خواہ وہ نظم کا حصہ ہو یا نثر کا۔ میلاد شریف کی اس کتاب میں بار بار جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کی تاکید کی جاتی رہی ہے۔

بہنیں پڑھیں درود محمد کے نام پر بھیجیں سلام سید و سرور کے نام پر

''میلاد نامۂ اجملی''، میں بھی وہی فضا برقرار رکھی گئی ہے جو میلاد شریف کا خاصّہ ہے یعنی نظم و نثر دونوں ہی سے سامعین کے دلوں کو منور و مجلیٰ کیا جاتا ہے۔ میلاد شریف کا نثری حصہ بیان سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس کتاب میں بھی حمد و مناجات اور نعت شریف ساتھ ساتھ چلتے رہتے ہیں جس سے محفل میں یکسانیت کی وجہ سے بے رغبتی نہ آپائے۔ اس کتاب میں محترمہ شگفتہ جمال اجملی کی تخلیق کردہ حمد و مناجات اور نعوت کا ایک ضخیم حصہ موجود ہے۔ حمد و نعت کے سارے اشعار روانی سادگی اور سلاست لئے ہوئے ہیں تا کہ حاضرینِ محفل کا ذہن شعر کے مطلب تک فوراً پہنچ جائے۔ حمد پاک کے

یہ اشعار ملاحظہ ہوں جو احساسِ بندگی، اور خدا کے آگے سربہ سجود ہونے کے جذبات سے لبریز ہیں:

تو ہے خدائے واحد ہے پاک نام تیرا ورِدِ زباں ہے ہر دم یارب کلام تیرا
شمس و قمر بنائے، ارض و سما بنایا کرتا ہے شکر ہر دم ہر خاص و عام تیرا
ہر چیز میں ہے جلوہ، ہر جا ہے تیری قدرت تو ہے کریم مولا اعلیٰ مقام تیرا
سردار دوجہاں کا تو نے عطیّہ بھیجا جن کے ذریعہ ہم نے جانا ہے نام تیرا
تو ہے ہمارار داتا رزّاق بھی تو ہی ہے دِینا بھی کام تیرا لینا بھی کام تیرا

میلاد شریف میں مناجات اور دعاؤں کا خاص اہتمام کیا جاتا ہے۔ اس کو مدنظر رکھتے ہوئے محترمہ شگفتہ جمال اجملی صاحبہ نے متعدد مناجات تخلیق کی ہیں۔ جن میں رقت اور تضرع کی کیفیت کا غلبہ ہے۔ اللہ کی ذات سے امید ہے کہ ان کو پڑھنے اور سننے والوں کو وہ اپنی رحمتوں اور برکتوں سے ضرور نوازتا رہے گا۔ مندرجہ ذیل مناجات میں یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ دعا کی مستجابی کے لئے اللہ کے خاص بندوں، خاص کر اس کے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، پنجتن پاک اور ان کی آل رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وسیلہ بہت کارآمد اور کامیاب ثابت ہوتا ہے، اسی لئے ہمارے اسلاف، دعا اور مناجات کے وقت ان حضرات کے وسیلے کا خاص اہتمام کرتے تھے۔ مندرجہ ذیل مناجات اسی طرز پر تخلیق کی گئی ہے:

رحم کر ربِّ جہاں شاہِ ہدیٰ کے واسطے رحمتِ عالم حبیبِ کبریا کے واسطے
حضرتِ حسنین کے صدقہ میں ہو میری نجات پیاری بی بی اور علی مشکل کشا کے واسطے
میری حالت پر کرم کر دے مرے پروردگار زینب و کلثوم با شرم و حیا کے واسطے
ساری امت کے لئے دروازۂ جنت کھلے اکبر و اصغر شہیدِ کربلا کے واسطے
مشکلیں آسان کر میری خدائے دو جہاں دور کر رنجِ دلی زین العبا کے واسطے
موسیِٰ کاظم کے صدقہ میں مجھے جنت ملے باقر و جعفر، تقی، موسیٰ، رضا کے واسطے
ہو شگفتہ کو زیارت خواب میں سرکار کی سید الثقلین ہادی رہنما کے واسطے

ایک دوسری حمد و مناجات کے چند اشعار ملاحظہ ہوں تا کہ محرمہ شگفتہ جمال اجملی صاحبہ کے تقدیسی اشعار میں تنوع کا انداز ہو سکے:

تو عظیم بندہ نواز ہے، تو رحیم بندہ نواز ہے ترا کام کرنا کرم سدا، تو کریم بندہ نواز ہے
مری بزم میں جو ہے روشنی، اسی نور کی اسی نور کی ہے شگفتہ کیسی نصیب ور کہ سجائی بزم حضور کی

متذکرہ کتاب کے نثری حصہ میں بیان کئے گئے واقعات کی ترتیب وہی رکھی گئی ہے جو مستند تاریخی کتابوں میں مذکور ہیں۔اس لئے حمد پاک کے بعد سب سے پہلے پیغمبرِ آخرالزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آمد کا تذکرہ کیا گیا ہے:

آؤ آؤ مرے آقا مرے رہبر آؤ میری قسمت کو جگانے مرے سرور آؤ
بارہویں آگئی بے چین ہے ساری دنیا دو جہاں نور سے کرنے کو منور آؤ
دل کی آواز ہے اے عرش کے تارے آجا آجا بی آمنہ کے راج دلارے آجا
آج ہے بارہویں تاریخِ ربیع الاول کرنے عالم کو منور اے ستارے آجا

یہ تو رہیں منظوم حصہ کے بارے میں چند اہم باتیں۔جب ہم روایات اور بیانات کے سلسلہ میں نثری حصے پر نظر ڈالتے ہیں تو یہ اندازہ ہوتا ہے کہ کہ موصوفہ نے پیارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادتِ مبارک سے لے کر آخر تک پوری اسلامی تاریخ کا احاطہ کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے، بیچ بیچ میں نعتوں کی ضیاء پاشی اور درود شریف کے ورد کی تلقین کا سلسلہ بھی قائم رکھا گیا ہے تاکہ محفل میں گرمی کا احساس ہوتا رہے اور لوگ ذہنی طور پر میلاد خواں کی طرف متوجہ رہیں:

پڑھو محبّو! نبی پر درود پاک پڑھو خدا کے پیارے نبی پر درودِ پاک پڑھو

کتاب میں نثری سلسلہ حضرتِ ابراہیم علیہ السلام سے شروع کیا گیا ہے۔حضرت سارہ اور بی بی ہاجرہ سلام اللہ علیہا کے بارے میں معلومات فراہم کی گئیں ہیں۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کا عرب کی ویران زمین پر اپنے پیارے شیر خوار بیٹے اور حضرت ہاجرہ کو چھوڑ جانا، پیاس کی شدت میں حضرتِ ہاجرہ کا پانی تلاش کرنا، آبِ زم زم کا جاری ہونا، قربانی کے لئے خدا کی راہ میں حضرتِ اسماعیل علیہ السلام کا پیش کیا جانا اور ان کی جگہ ایک دنبہ کا ذبح ہونا وغیرہ کا تذکرہ بہت ہی کم لفظوں میں کیا گیا ہے مگر نہ تو کہیں تسلسل ٹوٹتا ہے اور نہ ہی کہیں بیان میں تشنگی کا احساس ہوتا ہے بلکہ ما سابق کی طرح بیان کا سلسلہ چلتا رہتا ہے۔پھر رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت کے وقت بی بی آمنہ کی کیفیت، قحط کے بعد مکہ کی سرزمین کی سرسبزی و شادابی، حضرت عبداللہ کی وفات، دائی حلیمہ کا تذکرہ، ان کی کمزور اونٹنی کی تیز رفتاری کا بیان، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عہد طفلی، حضرتِ حلیمہ کی بیٹی حضرت شیمہ کی خوشیوں وغیرہ کا بیان، حضرتِ آمنہ کی وفات کا بیان روح کو وجد میں لانے کا سامان مہیا کرتا ہے۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حضرت عبدالمطلب اور اس کے بعد جناب ابوطالب کی کفالت میں رہنا، ان کا خدا کی عبادت میں رغبت رکھنا، غارحرا کا قیام، وحی کا نزول، حضرت خدیجہ سے آپ صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نکاح لوگوں کو خدائے واحد کی طرف راغب کرنا، پہلی وحی کا نزول، ورقہ بن نوفل کی پیشینگوئی، پوری قوم قریش کی آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دشمنی، سگے چچا ابولہب اور اس کی بیوی کی شقاوت، حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا وصال، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہجرت، مدینہ میں آپ کا استقبال، وہاں کافروں کا حملہ، جنگ بدر و جنگ احد اور جنگ خیبر اور فتح مکہ و دیگر سرایہ کا بیان بہت ہی موثر الفاظ میں کیا گیا ہے۔ بیانیہ بہت صاف اور آسان لفظوں میں ہے تاکہ عام عورتوں کے سمجھنے میں کوئی دقت نہ ہو۔

محترمہ شگفتہ جمال اجملی صاحبہ نے حضرت عبدالمطلب کے خاندانی حالات، بنی امیہ اور بنی ہاشم کا تذکرہ، حضرت عبدالمطلب کی منت، حضرت عبداللہ کی قربانی کے بدلے سو سرخ اونٹوں پر قرعہ نکلنا، حضرت خباب اور ان کی بہن وغیرہ کے ایمان لانے کی خبر عام ہونا، عمر ابن خطاب کے ایمان لانے کا واقعہ، شعب ابی طالب میں بنو ہاشم کا محاصرہ اور ان سے اہل مکہ کا قطع تعلق، حضرتِ ابوطالب اور حضرت خدیجہ کی وفات، حبشہ کی طرف مسلمانوں کی ہجرت، نجاشی بادشاہ کا ان کو پناہ دینا، حضرت اُمّ سلمیٰ کے شوہر اور ان کے بیٹے کا قتل، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ان سے نکاح، معراج کا قدرے تفصیلی بیان، معجزۂ شق القمر کا تذکرہ، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہجرت کا بیان، اس سے پہلے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مکہ والوں کی امانت کا سپرد کرنا اور شب ہجرت نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بستر پر ان کا سونا، غارِ ثور میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تین دن قیام، عبداللہ بن اریقط کی رہنمائی میں حضرت عامر بن فہیرہ، حضرت ابوبکر اور آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سفر مدینہ، سراقہ بن مالک کا ایمان لانا اور اہل مدینہ کا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا انتظار کرنے کے بہت ہی مختصر حالات درج کئے ہیں مگر اس اختصار کے صدقے جائیے کہ اس میں تفصیل کا سمندر موجود ہے۔ شاید ہی کوئی اہم بات رہ گئی ہو جسکا تذکرہ اس ''میلادنامۂ اجملی'' میں نہ کیا گیا ہو، خاص کر عمر بن خطاب، سراقہ بن مالک اور بریدہ اسلمی کے ایمان لانے کا واقعہ بہت ایمان افروز ہے۔ مندرجہ بالا جو واقعات جب جب پیش آئے ہیں ان کی قمری اور ہجری تاریخیں بھی درج کردی گئی ہیں۔ جیسا کہ میں اوپر عرض کرچکا ہوں بیچ بیچ میں نعت شریف کی تابانی بکھیر کر ان واقعات کو بہت واضح اور روشن کردیا گیا ہے:

صبح سے لے کے شام تک آپ کے انتظار میں   اہلِ مدینہ جوش میں بیکل و بیقرار ہیں

مدینہ پہنچنے کے بعد، حضرت ابوایوب انصاری کے مکان کے سامنے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اونٹنی کا بیٹھ جانا اور وہیں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قیام فرمانا، اذان کے الفاظ کا القاء اور حضرت

بلال کا موذن بنایا جانا، اصحاب صفہ کو درس وتدریس کا م تفویض کرنا، مہاجر وانصار میں بھائی چارہ قائم کرنا، مسلمانوں کو صف بندی اور فوجی تعلیم دینا، جنگ بدر، وغیرہ کا تفصیلی بیان، حضرتِ زید اور حضرت عائشہ کے سلسلے میں لوگوں کی غلط بیانیاں، حضرت علی اور حضرت فاطمہ کا نکاح، غزوۂ سویق، غزوۂ عطفان، کعب بن اشرف کا قتل، حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نکاح، جنگ احد حضرتِ طلحہ اور حضرت دجانہ رضی اللہ عنہم کی جواں مردی، حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی چوک سے مسلمانوں کا جانی نقصان، حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت، ہندہ جگر خوارہ کی شقاوت، مجاہدین کی تدفین، دیگر جنگی معرکوں کا بیان، جنگ خندق کے وقت حضرت سلمان فارسی کا خندق کھودنے کا مشورہ، عمرو بن عبد ود کا حضرت علی کے ہاتھوں مارا جانا، بیعت رضوان، صلح حدیبیہ، بغیر حج کے واپسی کے وقت سورۂ فتح کا نزول، قیصر وکسریٰ کے نام خطوط کی روانگی اوران کا ردعمل، فتح خیبر اور حضرت علی کی شجاعت، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عمرہ کے لئے روانگی، کافروں کا صلح کی شرائط کا پاس نہ رکھنا، مکہ پر مسلمانوں کی چڑھائی، حضرت عباس کے مشورہ پر ابوسفیان کا مسلمان ہونا، فتح مکہ کا بیان، کعبہ میں بتوں کو گرانا، روزہ وزکوٰۃ کے بارے میں وحی کا نزول، حضرت حلیمہ سعدیہ کا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں تشریف لانا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ان کی عزت وتوقیر فرمانا، کافروں سے حسن سلوک اور عام معافی، غزوۂ موتہ، مسجدِ ضرار کے انہدام کا واقعہ، کعبہ کی حرمت کے احکامات، مسیلمہ کذّاب اور عامر بن صعصعہ کی فتنہ انگیزی، قبائل کا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونا اور ایمان لانا، واقعۂ مباہلہ، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں مسیلمہ کذّاب اسود عنسی کا قتل اور طلحہ بن خویلد اسدی کا بھی فنا ہونا، سادات کے لئے صدقات، زکوٰۃ وخیرات کا ممنوع ہونا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حج کا بیان اوران کی نصیحتیں، حجتہ الوداع کے موقع پر مختلف ارکان دینیہ کے احکامات، ارکان حج کے بیانات، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مسلمانوں کو نصیحتیں واحکامات، کتاب وسنت کو پکڑے رہنے کی تلقین، اور آلِ رسول کا خیال رکھنے کی نصیحت، حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شکایت حضرتِ علی کے خلاف اور حضور صلی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمانا کہ ''جس کا میں مولا ہوں اس کے علی بھی مولا ہیں''، اس سلسلے میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سب سے پہلے حضرت علی کو مبارکباد دینا اور حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تاعمر نادم رہنا وغیرہ وغیرہ سارے معاملات بہت تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں تاکہ کسی معاملے میں مسلمان تذبذب کا شکار نہ ہوں۔

مندرجہ بالا معاملات میں بیانات و روایات کے بیچ بیچ میں نعت شریف کے اشعار اہل محفل کو متوجہ رکھنے کے لئے اور حصول ثواب کے لئے شامل کئے گئے ہیں جو بہت ہی کارآمد، معلومات سے پر، ایمان کو جلا بخشنے والے اور شعری لوازمات سے مملو ہیں۔ چند اشعار قارئین کی نذر ہیں:

اے مرے اچھے رسول اے مرے پیارے رسول　　مجھ سے کبھی ہو نہ بھول اے مرے پیارے رسول
میرے آقا مرے سلطان رسول عربی　　مجھ گدا پر رہے دامان رسول عربی
جب میں نہ رہوں گی تو مری نعت رہے گی　　اے ختم رسل آپ کی ہر بات رہے گی
خدائے پاک کا نور آپ کے جمال میں ہے　　جو شان آپ میں دیکھی وہی تو آل میں ہے
رسول خدا کا وقار اللہ اللہ　　ولادت کی شب پر بہار اللہ اللہ
آگئے خاتم المرسلیں آگئے　　کرنے سب کی مدد بالیقیں آگئے
تم ہی تو ہو میرا سہارا محمد　　نہ چھوڑوں گی دامن تمہارا محمد
آج دنیا میں حسن و جمال آگیا　　دیکھئے تحفۂ بے مثال آگیا
شفیع دوجہاں ماہِ معظم یا رسول اللہ　　شہنشاہِ جہاں نبیوں کے خاتم یا رسول اللہ

میں پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ محترمہ شگفتہ جمال اجملی کی علاقائی زبان بھوجپوری ہے۔ ان کی محفل میلاد میں کثیر تعداد ان کے گاؤں اور قصبات کی عورتوں کی ہوتی ہے، اس لحاظ سے انہوں نے بھوجپوری زبان میں بھی نعت کے اشعار قم کئے ہیں۔ ان اشعار اور اس بولی کی مٹھاس وہی سمجھ سکتے ہیں جو بھوجپوری زبان سے واقفیت رکھتے ہیں۔ جن کی سمجھ میں یہ زبان آجاتی ہے وہ داد و تحسین دئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ چند اشعار حاضر ہیں:

ہاتھ پسارے کھڑی بھکارن دوار پہ مانگے بھیک
دے دو داتا آپن صدقہ ایکو کرم کی بھیک

چلو چلو ری سکھی آپن شہ کی نگریا　　جنہواں پے بسے لن عربی سنوریا

طیبہ کے باسی پیارے نبی جی کبھوں آئے بسوٗ مورے نینن ما
سکھ چین نہیں موہے آٹھ پہر سکھ موہے ملی تورے چرنن ما

''میلادنامۂ اجملی'' کی زبان بہت صاف، شگفتہ، شیریں اور سہل ہے۔ کہیں پر ایسے جملے نہیں نظر آتے جن کی ترسیل میں قباحت یا مفاہیم میں ثقالت کا احساس ہوتا ہو۔ مصنفہ شگفتہ جمال اجملی صاحبہ کی نثر کے کچھ اقتباس حاضر کر رہا ہوں تاکہ ان کی نثر اور بیانیہ کی شگفتگی کا منظر نامہ قارئین کو نظر

آجائے۔ حجتہ الوداع کے موقع کا یہ بیان ملاحظہ فرمائیں۔

''حجتہ الوداع کے موقع پر سید عالم سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ میں شاید اس سال کے بعد اس جگہ تم لوگوں سے دوبارہ نہ مل سکوں گا۔ اور یہ فرمانا کہ اے لوگو گواہ رہیو کہ میں نے بات پہنچادی نیز یہ وصیت فرمانا کہ تمہارے درمیان کتاب وسنت چھوڑے جا رہا ہوں جب تک ان کا رشتہ تھامے رہوگے کبھی گمراہ نہیں ہوگے اور اس آیت پاک "**الیوم اکملت لکم دینکم** "کا نزل سب ایسے اشارات تھے جن سے ظاہر تھا کہ اللہ تعالیٰ کا محبوب، اس معبود حقیقی کا سفیر، دین حق کا نقیب، ملت اسلامیہ کا پیشوا، تاریخ انسانیت کا قافلۂ سالار، تہذیب کا معمار، ہم سب کا آقا و مولا، پیشوا اور رہنما پیغمبر آخر الزماں عنقریب جدا ہونے والا ہے۔

حجتہ الوداع سے واپس مدینہ منورہ آتے ہوئے غدیر خم کے مقام پر صاف فرمایا کہ میں بھی انسان ہوں، شاید پروردگار عالم کی طرف سے قاصد جلد آجائے اور مجھے قبول کرنا پڑے۔۔۔۔ میں تمہارے درمیان دو مرکز۔۔۔ چھوڑے جا رہا ہوں ایک اللہ کی کتاب جس میں ضابطۂ ہدایات، روشنی اور حکمت ہے، سو خدا کی کتاب کو تھام لو اسے مضبوطی سے پکڑ لو اور اسی سے رہنمائی حاصل کرو۔ پھر آپ نے (آگے)۔۔۔ ارشاد فرمایا اور دوسرے میرے اہلِ بیت، یعنی میرے گھر کے لوگ ہیں اپنے گھر کے لوگوں کے بارے میں میں تمہیں خدا ہی کی یاد دلاتا ہوں میں اہل بیت کے بارے میں سمجھاتا ہوں کہ رسول کی وصیت یاد رکھنا۔۔۔۔ پہلی وصیت کلام اللہ کو ضابطۂ حیات بنانے کے تھی اور دوسری وصیت یہ کہ میرے گھر والوں کا خیال رکھنا۔''

مندرجہ بالا اقتباس سے یہ بات بہت صاف ہو جاتی ہے کہ اللہ کے کلام اور احکامات کو ماننا فرض اور اس کے رسول کے اہل بیت کا خیال رکھنا مسلمانوں پر لازم ہے کیوں کہ اہل خاندان کو دولت سمیٹنے اور فائدہ اٹھانے کی ممانعت کر دی تھی۔ چند اور اقتباسات ملاحظہ ہوں جن سے ہمیں دین کی ضروری معلومات حاصل ہوتی ہیں:

''آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رمضان المبارک میں دس دن کا اعتکاف فرماتے تھے۔۔۔ ایک روز احد تشریف لے گئے، گنجِ شہیداں میں سربسجود ہو کر۔۔۔۔ ان کے لئے دعائیں کیں۔ جب آپ وہاں سے واپس آئے تو منبر نبوی پر جلوہ افروز ہوئے۔۔۔۔ خطبہ۔۔۔۔ فرمایا۔۔۔ میں تم سے آگے منزلِ آخرت کی طرف جا رہا ہوں تا کہ بارگاہِ ایزدی میں تمہاری شہادت دوں۔۔۔۔ اب مجھے یہ خوف نہیں ہے کہ میرے بعد تم مشرک ہو جاؤ گے، تم میرے بعد شرک کرو گے۔ میں صرف اس تصور

سے ڈرتا ہوں کہ دنیا میں مبتلا نہ ہو جاؤ۔''

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ''ایک بار۔۔جوش محبت میں آدھی رات کو اٹھ کر گورستان بقیع میں تشریف لے گئے۔اہل قبور کے لئے دعائے مغفرت بڑے سوز کے ساتھ فرمائی۔۔۔''

اس کے بعد جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آخری ایام کے واقعات، جن میں وصال کے قبل اور وصال کے بعد رونما ہونے والے سارے واقعات کو بہت سادہ الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔غسل اور تدفین میں کون کون سے صحابۂ کرام نے خدمات انجام دینے کی سعادتیں حاصل کیں،ان سب کا بیان ''میلادنامۂ اجملی'' میں موجود ہے اس میں تحریر کئے گئے یہ جملے بھی غور طلب اور نصیحت آموز ہیں کہ حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے آخری وقتوں میں ارشاد فرمایا:

''تم سے پہلے ایسے لوگ اور ایسی قومیں گزر چکی ہیں جنہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا تھا،تم ہرگز ایسا نہ کرنا۔۔۔پھر فرمایا میری قبر کو میرے بعد وہ قبر نہ بنا دینا کہ اس کی پرستش شروع ہو جائے۔صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حیات پاک سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں سترہ نمازیں پڑھائیں۔(دوسرے دن صبح) سارے غلاموں کو آزاد کیا۔یہ تعداد میں چالیس افراد تھے۔۔۔جو اثاثہ کاشانۂ نبوی میں تھا وہ صرف سات دینار تھا۔۔۔(یہ دینار اور) گھر کا جو کچھ سامان تھا سب تقسیم کر دیا گیا۔ہتھیار جو باقی رہ گئے تھے وہ بھی مسلمانوں کو ہبہ کر دیے گئے۔۔۔(آخری وقت میں سیدہ فاطمہ زہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بے قرار دیکھ کر فرمایا)۔۔۔میری پیاری بیٹی رو نہیں۔ میں رخصت ہو جاؤں تو تم **اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیہِ رَاجِعُون پڑھنا**۔نزع کے وقت حضرت سیدنا رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اُمّ المومنین کے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ہاتھ اٹھا کر **"اللھم الرفیق الا علیٰ با فی الرفیق الا اعلیٰ"** تین بار فرمایا۔حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی آغوش میں سر مبارک رکھے ہوئے۔بتاریخ ۱۲ ربیع الاول شریف بروز دوشنبہ وقت چاشت حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خدائے حی و قیوم سے جا ملے۔۔۔(اس دن) آپ کی عمر ۶۳ سال چار دن کی تھی۔۔۔**اِنّ لِلّٰہِ وَ اِنّا اِلَیہِ رَاجِعُون**"

صد حیف ہوا سید والا کا سفر آج   دنیا ہوئی تاریک چھپے شمس و قمر آج

''میلادنامۂ اجملی'' میں محترمہ شگفتہ جمال اجملی صاحبہ نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اصحاب کرام کی قلبی کیفیت کو بیان کیا ہے۔بتایا ہے کہ اس موقع پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کچھ دیر کے لئے اپنا ذہنی توازن ہی کھو بیٹھے تھے۔کئی صحابہ کرام تو بدحواسی میں جنگل کی طرف

بھاگ گئے تھے۔حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بہت صبر وتحمل کا مظاہرہ کیا۔آپ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک سے چادر ہٹائی زیارت کی، پیشانی مبارک کو بوسہ دیا۔لوگوں کی طرف آئے اور فرمایا کہ اچھی طرح سمجھ لو کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے سب کو موت آنی ہے۔اللہ نہ کبھی مرا ہے اور نہ کبھی مرے گا۔اور قرآن کریم کی آیت تلاوت فرمائی" **وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل** " جس کا مفہوم ہے کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو ایک رسول ہیں اور ان سے پہلے بہت سے رسول ہو چکے ہیں (یعنی وہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہی طرح وفات پا چکے ہیں)۔حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے غسل مبارک کی تفصیل میں بیان کیا ہے کہ:

''حضرت فضل بن عباس اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم نے (حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے) دروازے پر پہنچ کر آواز دی کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت کرنے آئے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے، وہ لوگ جو گھڑا بھر کر (پانی) لائے تھے، لے کر جسم مبارک پر ڈالا۔ حضرت عباس اور ان کے صاحبزادے جسم اطہر کی کروٹیں بدل رہے تھے۔حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ غسل دے رہے تھے اور فرما رہے تھے میرے مادر پدر قربان، آپ کی وفات سے وہ دولت گم ہوگئی جو کسی دوسرے کی موت سے نہیں ہوئی۔آج نبوت، اخبارِ غیب اور نزول وحی کا سلسلہ ختم ہو گیا۔حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے کے مطابق حجرۂ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں قبر کھودی گئی جہاں آپ آرام فرما تھے۔ جہاں پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انتقال فرمایا، تین سوتی کپڑوں میں کفن دیا گیا۔ چونکہ جنازۂ مبارک حجرے کے اندر تھا اس لئے باری باری جماعتیں اندر جاتی رہیں۔ پہلے خاندان والوں نے نماز جنازہ پڑھی پھر مہاجرین نے، اس کے بعد انصار نے۔جب مردوں نے نماز جنازی پڑھ لی تب عورتوں نے الگ پڑھی، پھر بچوں نے الگ۔ یہ سلسلہ تین دنوں تک چلتا رہا اس لئے تدفین مبارک رحلتِ پاک کے ۳۲ (بتیس) گھنٹہ بعد عمل میں آئی۔حضرت علی، فضل بن عباس، اسامہ بن زید، اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس اس عظیم پیغامبر و رہنما، عرش اعظم کے جگمگاتے ہوئے چاند کو قبر مبارک کی آغوش میں سلا کر دنیا کی نظروں سے اوجھل کر دیا۔''

میلادنامہ کے اختتام پر جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو تبرکات چھوڑے تھے ان کی تفصیل، اور وہ کن حضرات کو تفویض ہوئے، درج کر دی گئی ہے۔ جو حسب ذیل ہے:

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کوئی اثاثہ نہیں چھوڑا تھا۔لونڈی اور غلام اپنی حیات ہی میں آزاد فرما چکے تھے۔ چند درہم بھی غریبوں میں تقسیم کرا دیا تھا۔اپنا سفید خچر، ہتھیار اور کچھ زمین تھی جو عام مسلمانوں

میں (خود) تقسیم کر گئے تھے۔آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی استعمال شدہ کچھ چیزیں مختلف لوگوں کے پاس تھیں جوان ہی کے پاس بطور یادگار اور حصول برکت کے لئے رہیں، جس کی تفصیل یوں ہے:

☆ حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس موئے مبارک تھے۔

☆ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس موئے مبارک، نعلین پاک اور ایک لکڑی کا ٹوٹا پیالہ تھا۔

☆ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ذوالفقار تھی۔

☆ حضرت امام حسن اور امام حسی رضی اللہ عنہم کے پاس موئے مبارک اور دستارِ مبارک تھی۔

☆ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس وہ پیراہن مبارک تھے جو وصال کے وقت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے زیب تن کئے ہوئے تھے۔

☆ مہر نبوی اور عصائے مبارک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تفویض کئے گئے تھے۔

☆ اور دنیا جہان کی سب سے بڑی دولت قرآن پاک آپ ساری امت کو عطا فرما گئے تھے۔

''میلادنامۂ اجملی'' محترمہ شگفتہ بیگم اجملی کے جد مادری حضرت سید شاہ محمد بشیر الہ آبادی ثم سکندر پوری کے ان اشعار پر ختم ہوتا ہے:

سید ہوں میں اولادِ رسولِ عربی ہوں مکی مدنی ہاشمی و مطلبی ہوں
ہے فخر بشیر اور تکبر نہیں مجھ کو مداحِ شہ ہر دو جہان نورِ نبی ہوں
(بشیر الہ آبادی)

مجموعی طور پر متذکرہ کتاب ''میلادنامۂ اجملی'' ایک مذہبی، تاریخی، تقدیسی، تدریسی اور ادبی کارنامہ ہے جو محترمہ شگفتہ جمال اجملی کی بابرکت کاوشوں اور کوششوں کا نتیجہ ہے۔اس کتاب کے محاسن کا اندازہ وہی لوگ لگا سکتے ہیں جو اس کے بالاستیعاب مطالعہ کا شرف حاصل کریں۔میرا ذاتی خیال ہے کہ چونکہ یہ کتاب حالیہ دور میں تصنیف کی گئی ہے اسلئے گذشتہ میلادناموں سے اس لئے بہتر کہی جاسکتی ہے کہ پہلے کے میلادناموں میں جو باتیں دائرۂ تحریر میں آنے سے رہ گئی ہوں گی ان کو اس میں شامل کر لیا گیا ہوگا، ظاہر ہے کہ نقشِ ثانی، نقش اوّل سے بہتر ہوتا ہے۔میرے اس خیال کو اس بات سے بھی تقویت پہنچتی ہے کہ موجودہ دور میں مروجہ میلادناموں کا حوالہ اس کتاب کے فاضل مرتب پروفیسر سراج اجملی نے دیا ہے۔ظاہر ہے انہوں نے ان میلادناموں کا مطالعہ کیا ہوگا اور اس میں کسی قسم کے سقم کو راہ نہ دی ہوگی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ''میلادنامۂ اجملی'' کی مصنفہ شگفتہ جمال اجملی کی عمر دراز فرمائے اور ان کو جزائے خیر سے نوازے کہ ایسی بابرکت بیبیوں کی موجودگی معاشرہ کے لئے مشعلِ راہ ہوتی ہے۔ میری یہ بھی دعا ہے کہ کتاب کے مرتب پروفیسر سراج اجملی صاحب کی عمر میں بھی اللہ تعالیٰ برکت عطا فرمائے، ان کی تقریر وتحریر میں مزید تاثیر عطا فرمائے تاکہ تشنگانِ علم ان سے فیض حاصل کرتے رہیں۔ قارئین کے حق میں بھی دست دعا دراز کرتا ہوں کہ اللہ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ ہم سبھی کو رحمت للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب فرمائے۔

☆☆☆

پروفیسر ڈاکٹر محمد افتخار شفیع (ساہیوال، پاکستان)

آج میں لکھتا ہوں سراپا کس کا

(محسنؔ کاکوروی: جمال سید ہر دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منفرد زاویہ)

محمد حسن عسکری کہتے ہیں:

ایک زمانہ تھا اور وہ بھی کوئی دور کی بات نہیں۔ یہی آج سے بیس پچیس برس پہلے تک ہر معمولی پڑھے لکھے آدمی کو محسنؔ کاکوروی کا نام اور کم سے کم ان کا ایک مصرع سمت کاشی کے چلا جانب متھرا بادل ضرور یاد ہوتا تھا۔ اب حال یہ ہے کہ اول تو لوگ انھیں بھول چلے ہیں اور دوسرے اگر کسی کو ان کا خیال آتا بھی ہے تو ان کے اس نعتیہ قصیدے میں وہ کشش محسوس نہیں ہوتی جو پہلے ہوا کرتی تھی۔۔۔اردو کے نئے نقادوں کے یہاں میں نے صرف ایک جگہ محسنؔ کا ذکر دیکھا ہے اور ان صاحب نے بھی محسنؔ کی شاعری کو خلوص اور شدت سے عاری، خشک اور مصنوعی کہہ کر اڑا دیا ہے۔ چلیے جیسے ہم لوگ موہن جوڈارو اور ہڑپا کے کھنڈر دیکھنے جاتے ہیں، ایک نظر محسنؔ کے کلام پر سہی۔ پانچ ہزار سال پرانی تہذیب کی خیالی تشکیل میں جو مزہ ہے وہ تو اس میں نہیں ملے گا لیکن اپنی قوم کی ذہنی اور جذباتی تبدیلیوں سے واقفیت پیدا کرنے کا درد ضرور حاصل ہو جائے گا۔(۱)

حضرت محسنؔ کاکوروی (۱۹۰۵ء۔۱۸۲۵ء) کی نعتیہ شاعری کے بارے میں اوپر دی گئی رائے غیر اہم نہیں۔ عسکری مرحوم نے اپنے عہد کے چلن کو سامنے رکھتے ہوئے محسنؔ کے بارے میں اپنا زاویہ نگاہ بیان کیا ہے۔ اپنے مضمون میں انھوں نے لامحسوس طریقے سے محسنؔ کی وکالت بھی کی ہے۔ کہیں کہیں ہجو ملیح سے کام بھی لیا ہے۔ محسنؔ کا شمار بھلے آثار قدیمہ میں ہوتا ہو لیکن وہ نعت کی صدیوں پرانی روایت کی ایک الگ داستان تو کہتے ہیں۔ محسنؔ کی نعت صنائع بدائع کے آنکھوں کو خیرہ کر دینے والے شوخیانہ اظہار بیان کی حامل سہی لیکن کم از کم دو صدیوں تک ہندستان پر راج کرنے والے تمدن کی نمائندگی ضرور کرتی ہے۔ بلاشبہ آغاز میں انجام کی خوبیاں نہیں ہوتیں۔ ایک زمانہ وہ بھی تھا جب برصغیر

کی خانقاہوں میں گھی کے دونا بارونند ہمرے گھر آئے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے انداز میں مدحت سرکار ہردوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایت نے جنم لیا۔ اگر ان تاریخی کڑیوں کو یک سر فراموش کردیا جائے تو سوچئے کیا ہم الماری میں ہینگر پر لٹکے ہوئے اس اوورکوٹ کی طرح نہیں ہوجائیں گے (جسے کہرے کے ایام میں ایک دو ہفتوں کے لیے استعمال کیا جاتا ہے)۔ اگر کہنے والی ہر بات کہی جا چکی ہے تو حروف ومعانی کی دنیا سے وابستہ ہر شخصیت کے بطن میں چھپے اس امتیازی وصف کی تلاش کیوں نہیں کی جاتی۔ اسی سے موضوعہ شخصیت کی بازیافت کا عمل ممکن ہے۔

محسنؔ کاکوروی کی نعتیہ شاعری میں نمایاں ان کا شوخی وشنگی کے ساتھ بیان کردہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سراپا ہے۔ اس کا ایک سبب لکھنوی تہذیب کے زیر اثر شعر وسخن کے رجحانات کی مقبولیت ہے۔ محسن کی ذہن کی کوئی تحت الشعوری کیفیات بھی ایسی ہیں جو ان کی سراپا نگاری کے ساتھ ایک خاص وابستگی پیدا کرتی ہیں۔ محسنؔ کا تعلق لکھنو کے دبستان شاعری سے ہے۔ اس بات سے کیسے انکار ممکن ہے کہ اردو نعت کی موضوعاتی پیش بندی کرتے ہوئے ان کے سامنے غزل کی روایت رہی ہوگی۔ لکھنو کی غزل میں قدیم ہندوستان کی اساطیری فضا دیکھی جاسکتی ہے۔ اس معاشرے میں یوگیوں اور سنیاسیوں کو عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا، لوگوں نے بیراگیوں کی صحبت اختیار کررکھی تھی۔ مساجد میں عبادات کے ساتھ ساتھ مندروں میں ڈنڈوت بھی ملتے تھے۔ واضح طور پر دو ایسے فرقے مسلمانوں میں پائے جاتے تھے جن کے عقاید واطوار پر سنیاسیوں اور جوگیوں کے اثرات دیکھے جاسکتے ہیں، یہ مداریہ اور جلالیہ تھے۔ اسی کے زیر اثر سراپا نگاری میں کہیں کہیں ہندی کلچر کی جھلک بھی دیکھی جاسکتی ہے۔

محسنؔ کی نعتیہ سراپا نگاری پر یہ اعتراض کہ ان کی نعت میں مقامی تمدن کے اثر ونفوذ کے باعث ہندی لفاظی (متھرا، گوکل، کنہیا وغیرہ) بے محل ہے۔ ان اعتراضات کا سلسلہ اس قدر دراز ہوا کہ امیرؔ مینائی رحمتہ اللہ علیہ کو اس کا دفاع کرنا پڑا۔ ہر شاعر کا ایک انفرادی رنگ ہوتا ہے جو اسے ہم عصروں سے ممیز وممتاز کرتا ہے۔ محسنؔ نے اپنے طور پر نعتیہ روایت کو سامنے رکھ کر اس میں اجتہاد کی کامیاب کوشش کی۔ اس عمل کے دوران اگر مقامی ہندی معاشرت سے متعلقہ حوالہ جات آ گئے ہیں تو (اعتراض کے باوجود) ان کی نیت کی شفافیت اور صدق دل کا یقین کرنا چاہیے۔ اقبال صدیقی نے اس بارے میں درست کہا ہے کہ:

وہ برصغیر پاک وہند کے واحد نعت گو شاعر ہیں جنھوں نے قرآن وحدیث کی روشنی میں نعت

گوئی کو ایک اہم موڑ دیا، یہ موڑ تھا ہندستانی مزاج، ماحول اور جغرافیائی کیفیت کے ذریعہ اظہار عقیدت کا پاکیزہ طریقہ، انھوں نے دجلہ وفرات کی بجائے گنگا، جمنا اور کاشی بہ طور پس منظر کے استعمال کیے، اور اس طرح سیکڑوں ہندی اصطلاحوں کا شاید پہلی مرتبہ نعتیہ کلام میں استعمال کیا۔(۲)

محسنؔ کی پرورش جس ماحول میں ہوئی اس میں عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انسانی زندگی کا بنیادی عنصر تھا۔ والدین کی تربیت کے دوران علم ودانش کی وہ کون کون باریکیاں ہوں گی جن سے انھیں آگاہ نہیں کیا گیا ہوگا۔ معاشرے میں لکھنویت اپنے پورے جوبن کے ساتھ خیمہ ءنظارگی میں آن بیٹھی ہوگی۔ اس کے چتون قابل توجہ حد تک محسنؔ کے لیے بھی قابل کشش ہوں گے۔ اس ارضی نوعیت کی سوسائٹی میں لکھنو شہر دہلی کی بیوگی سے لاپروا نوآبادیات کی ان معطر گلابیوں سے آشنا ہو چکا تھا جو مسلسل کلکتہ کی فرنگی تہذیب سے چھن چھن کر آرہی تھیں۔ اس صورت حال میں محسنؔ کا کوروی کی سراپا نگاری ایک خاص انداز کی آرایش وزیبایش کے ساتھ متشکل ہوتی ہے۔ اس ماحول میں یہ کیا کم ہے کہ ان کی عقیدت بھری توجہات کا رخ اس ہستی کی طرف ہوا جو باعث تخلیق کائنات ہے۔ وہ عقیدت بھرے لفظوں کا ایک ایسا چمنستان آباد کرتے ہیں، جس کی سرمدی بہاروں کا فیضان اسم احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ سراپا نگاری صنف نعت میں جمال مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو موضوع بناتی ہے۔ کائناتوں اور زمانوں کی اس متوازن ترین ہستی کے جمال پرتمکیں کی عکس گری کا حق ادا کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ فارسی میں اسم سراپا کے بعد مصدر نگارفتن سے متشق صیغہ امر نگار لگا کر ''ی'' بہ طور لاحقہ کیفیت لگانے سے مرکب ''سراپا نگاری'' بنا ہے۔ اس کی مروجہ تعریفوں میں ایک یہ ہے:

> ''سر سے پاؤں تک بدن کی تعریف کرنا، بدن کے ہر عضو کی تعریف میں شعر کہنا، رس نچوڑنے کا انداز سراپا نگاری اور جمال پسندی اور زمین کے ساتھ وابستگی کے زاویے قدر مشترک کے طور پر نظر آتے ہیں۔''(۳)

محسنؔ کے لاشعور میں کہیں جمال سید لولاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اثر پذیری کی صورتیں دکھائی دیتی ہیں۔ بچپن کا ایک واقعہ ہے جب انھیں امام اولین وآخریں کی زیارت نصیب ہوئی، ایک کم سن دل پر عشق کی کیا کیا وارداتیں ٹوٹی ہوں گی۔ ان کیفیات کے اثرات واضح طور پر محسنؔ کے ہاں دیکھے جاسکتے ہیں۔ بہ قول شاعر:

شئہ خوبان کونین ست جانانی کہ من دارم ہمہ تصویر معشوق است دیوانی کہ من دارم

(شمس الاسلام)

یہ واقعہ خود محسن کاکوروی کی زبانی سنیے، محسنؔ بیان کرتے ہیں:

''شبے کہ صبح آں روز جمعہ تاریخ نہم ذیقعد ۱۲۵۱ھ بود بعمر نہ سالہ و چند ماہ در کنار جد بزرگوار خود بمقام اٹاوہ در خواب دیدم کہ بصحرائے ہمراہ جد بزرگوار خود دست گرفتہ بطرفے می روم۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف می آرند۔ بدست مبارک تسبیح ست کہ دانہائے کلاں وسیاہ دارد پس دست من وجد بزرگوار من گرفتہ بمکان پرتو رویا صفا بردند و رو بہ قبلہ نشانیدہ اول۔ جد بزرگوار را مرید کردند۔ بعدازاں مرا بہ مریدی گرفتند۔ متوجہ بسوئے رستم دست و پابش شستہ مسلمان کردند می خواستند کہ او را نیز مرید نمایند۔ فاما اتفاق نیفتا و بعدازاں بیدار شدم وخود را بکنار جد امجد خود یافتم وشکریہ ایں بشارت ادا کردم۔''(۴)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سراپا بیان کرنے اور اس موضوع پر منفرد انداز کے مضامین تلاش کرنے کی جستجو کے پس منظر میں اس مقدس خواب نے ضرور اپنا کردار ادا کیا ہوگا۔ مثنوی نے بہ طور صنف محسنؔ کی توجہ کو اپنی جانب منعطف کیا۔ ان کے ہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسن و جمال کی خوب صورت مرقع نگاری ملتی ہے۔ بعض لوگ اگر اس میں بھی ایک خاص انداز کا تنزیہی رنگ دیکھنا چاہتے ہیں تو محسنؔ کی معاشرت میں اس کا وجود کہیں دور دور تک دکھائی نہیں دیتا۔ محسنؔ کی ادبی سیادت کی توثیق کے لیے محض یہی کافی ہے کہ ان کی سراپا نگاری کی قبولیت عام کے چرچے اس بارگاہ میں ہوئے جہاں جنید و بایزید جیسی ہستیاں بھی ہمہ وقت سر جھکائے باریابی کی منتظر رہتی ہیں۔ یہاں ایک خواب کا تذکرہ کرنا برمحل ہوگا۔ مولوی عبدالحق کان پوری اپنے ایک مکتوب میں محسنؔ کاکوروی کو لکھتے ہیں:

''آپ کو ایک خوش خبری سناتا ہوں، کہ جب مدینہ طیبہ میں در اقدس پر حاضر تھا، اس زمانے میں میرے دوست مولوی مظفر الدین حیدر آبادی نے اپنا خواب بیان کیا، جس کو میں آپ کی خدمت میں عرض کرتا ہوں۔ ایک شب مجلس بابرکت میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں باریابی ہوئی تو دیکھا کہ شہیدیؔ اپنا قصیدہ سنا رہے ہیں۔ اس پر جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ محسنؔ کا سراپا سناؤ، وہ بہت اچھا ہے اور ہمارے یہاں مقبول (۵) محسنؔ کی قابل توجہ شاعری گلدستہ کلام رحمت، ابیات نعت، مدح خیرالمرسلین، نظم دل افروز، انیس آخرت۔ مثنویات، صبح تجلی، فغان محسن، چراغ کعبہ، نگارستان الفت، شفاعت ونجات، اسرار معنی در عشق، سراپا رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور

رباعیات محسنؔ، ۱۸۵۷ء کے دوران پر مشتمل ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دل پذیر صورت کی تعریف توصیف کے عمل میں محسنؔ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجود مسعود سر تا پا شاہد غیب کا سراپا دکھائی دیتا ہے۔وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقدس سراپا کو اپنے تئیں تشبیہات سے مرصع کرتے ہیں۔واضح ہو کہ لکھنو میں اسی مرصع سازی کا چلن تھا۔یہاں دیو قامت شاعر ڈھونڈے سے نہیں ملتے،اس لفظی مینا کاری کے تحت ابرو پر جبیں مہ کامل دکھائی دیتی ہے۔محسنؔ کے ان شعروں میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسن و جمال کو آیات قرآنی کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ظاہر ہے تشبیہ کی شرط لازم یہ ہے کہ اس میں مشبہ بہ کی خصوصیات بہ ہر صورت مشبہ سے زیادہ یا برابر ہوں۔اس موقع پر قرآنی آیات کا استعمال محسنؔ کی احتیاط پسندی کی دلیل ہے۔محسنؔ کے ''سراپا'' میں سے چند اشعار دیکھیں:

صورت کا وہ دل پذیر نقشا جس سے ہے ہر آئینے کو سکتا
حقا کہ وہ جسم سر سے تا پا ہے شاہد غیب کا سراپا
دیکھا ہے خدا نے اپنا عالم آئینہ بنا کے تاقد آدم
ابرو پہ جبیں مہ شمائل رکھی ہوئی ہے رحل پر حمائل
پیشانی ہے جزو مصحف رو اس پارے کے دو رکوع ابرو
واللیل کا ترجمہ ہے گیسو تفسیر اذا سجٰی ہے گیسو

☆

بیداری بخت چشم ایجاد سی پارہ رخ سورۂ صاد
اس گردن صاف کی بلندی تکبیر فریضۂ سحر کی
جوہر کا بھرا ہوا خزینہ آئینہ بے مثال سینہ
رعنائی قامت مناسب روزے میں اذان وقت مغرب
یوسف ہوئے جان ودل سے شیدا منہ دیکھتی رہ گئی زلیخا

آخری شعر میں ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہ کے معروف شعر کی طرف اشارہ ہے۔جس کا ترجمہ کچھ یوں ہے:

''زنان مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھا اوران کے حسن میں محو ہو کر بے ساختہ اپنی انگلیاں کاٹ لیں۔اگر وہ سرور انبیا صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم کا دیدار کرتیں تو خدا کی قسم اپنے اپنے دل چاک کر لیتیں (۶) محسنؔ کے ہاں نعتیہ سراپا نگاری کے عمل میں لفظوں کے شیش محل تعمیر ہوئے ہیں لیکن ان کے ہاں بے ساختہ رعایت لفظی اور بیان و بدیع کی کچھ صورتوں کے ساتھ خوب صورت تصویر آفرینی ملتی ہے۔ان کا ایک کمال یہ بھی ہے کہ مقامیت کے رنگ میں ہندستانی تہذیب و تمدن کے نقوش بھی دکھائی دیتے ہیں۔ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کی اس بات سے اتفاق کرنا پڑتا ہے کہ محسنؔ کے ہاں ''بندش کی چستی اور نظم کی روانی ایسی ہے کہ طبعیت اس پر رک کر نہیں رہ جاتی، تشبیہات میں شاعر کا اسلوب فرک، جدت کا اظہار، ندرت ادا اور مذاق شاعرانہ پایا جاتا ہے۔محسنؔ خالص ہندستانی فضا کے شاعر ہیں اور اپنے ماحول کی ترجمانی کرتے ہیں۔ان کے خیال، ان کی زبان، ان کی تشبیہات اور استعارات اسی ملک کی پیداوار ہیں اس لیے اس میں اثر بھی زیادہ ہے۔''(۷)

محسنؔ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ انھوں نے اپنی شاعری کی ابتدا نعت سے کی، اور یہ حقیقت ہے کہ اردو شاعری میں نعت گوئی کا حقیقی دور محسنؔ کا کوروی کی نعتیہ شاعری سے شروع ہوتا ہے۔وہ اپنے محبوب کے لب و رخسار، دندان مبارک، چشم و ابرو کی تعریف اس انداز سے کرتے ہیں کہ نعت میں غزل کی چاشنی کے ساتھ ساتھ شاعرانہ فن کاری اور صنائع بدائع کا استعمال بھی دیکھا جاسکتا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوش قامتی کا ذکر محسنؔ کے اشعار میں خاص طور پر ملتا ہے۔ان کی شاعری میں سے مثالیں دیکھیں:

برگ گل چاند کے ٹکڑے سے بھلا کیا کم ہے
سرو رعنا نہیں آئینہ قد آدم ہے

سایہ زیبا ہی نہ تھا آپ کی قامت کے لیے
روشنائی تھی یہی مہر نبوت کے لیے

قد کے اوصاف رکھو یاد نہ بھولو بخدا
سجدۂ سہو نہیں ایسی عبادت میں روا

بنایا خامہء مو کو ہمارے دست لاغر سے
تری کیا بات ہے اے شاہد پاک سخن واللہ

محمد مصطفیٰ پتلا ہے تو نور مجرد کا
بنایا رہ نما جب عالم ایجاد کا تجھ کو

خدا نے زیب و زینت کی جو بزم آفرینش کی
لگایا قدِ آدم آئینہ اس میں ترے قد کا

ابھی دیکھے ہی نہیں قامت رعنا والے
بہت اونچے نہ بڑھیں سدرہ و طوبیٰ والے

ممکن ہے اہل ادب کو ان اشعار میں لفظوں کا چناؤ ذرا عامیانہ لگے۔ مثال کے طور پر عہد رواں میں شاید کوئی بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نورِ مجسم وجود کو ''پتلا'' نہ کہے۔ الفاظ اپنا ایک سماجی پس منظر رکھتے ہیں۔ ان کے بھی خاندان ہوتے ہیں، انسانوں کی طرح ان کی بھی موت واقع ہوتی ہے، نئے سرے سے زندہ بھی ہو جاتے ہیں۔ ہمارے ہاں جمہوری دور کی برکتوں سے گذشتہ چند دہائیوں میں ہونے والے مظاہروں میں شخصیات کے اس قدر تواتر سے پتلے جلائے گئے ہیں کہ آج شاید یہ لفظ مثبت معانی میں برتے جانے کے لائق نہیں رہا۔ ناز و ادا کے ساتھ ساتھ چال اور قد کا ذکر بھی قابل توجہ ہو سکتا ہے کہ شاید اس میں نسوانیت در آئی ہے لیکن اس بات کی طرف شاید دھیان نہیں جائے گا کہ یہ اردو میں نعتیہ شاعری کی ابتدا ہے۔ ظاہر ہے ابتدا میں انتہا کی خوبیاں نہیں ہوتیں۔

محسن کے ہاں سراپائے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایسے اشعار بھی ملتے ہیں جن میں موضوع کے لحاظ سے نزاکت آفرینی اپنے عروج پر دکھائی دیتی ہے۔ انھوں نے سراپا نگاری کو اکہرے انداز میں موضوع نہیں بنایا بل کہ اکثر جگہوں پر اچھوتی تشبیہوں اور نادرہ کار استعاروں کی مدد سے انھیں خاصا وقیع بنا دیا ہے۔ چند اشعار بہ طور نمونہ پیش ہیں:

چشم مے کش میں گلابی ہے کہ پھولا ہے گلاب — پھول کیوڑے کا کھلا ہے کہ کھلی ہے بوتل
رخ انور کا ترے دھیان رہے بعد فنا — میرے ہمراہ چلے راہ عدم میں مشعل
رخ پرنور کا ہے کاکل شبگوں سے ظہور — دیکھ لو دامن موسیٰ کے تلے شعلہ طور
تلاش کرتے ہو کیوں حسن پاک کی تشبیہ — ہم پھرے کعبہ سے اے قبلہ رو ہندو ہو کر
وصف رخسار ادا کرنے کا مجھ پر حق ہے — رنگ رخسار سحر سامنے جس کے فق ہے
پڑا ہے طور کی چوٹی میں موباف زری بن کر — لکھا جو شعر وصف روئے تابان محمد کا
ترے عارض کو میں آئینہ نور خدا سمجھوں — کہ فہم سر وحدت ہے الف ایماں کی ابجد کا

محسنؔ کے نعتیہ قصائد میں منظر نگاری بھی قابل توجہ ہے۔ یہ اشعار بہ راہ راست نعتیہ سراپا نگاری کے نہیں ہیں لیکن قصیدے کا جزو ہونے کے سبب توجہ طلب ہیں۔ محسنؔ نے رات کی آمد کے ساتھ حسن و جمال کی کیا با کمال پیکر تراشی کی ہے، ملاحظہ ہو:

بھیگی ہوئی رات ابرو سے — داخل ہوئی کعبہ میں وضو سے
اوڑھے ہوئے لیلیٰ گل اندام — شبنم کی ردا بہ صد احرام
گویا کہ نہا کے آئی فی الحال — جھک جھک کے نچوڑتی ہوئی بال

کیا سعی صفا سے رنگ فق ہے　　سر سے پا تک عرق عرق ہے
خوشبو وہ کہ ہار یاسمن کے　　لپٹے ہوئے بالوں میں دلھن کے

محسنؔ کاکوروی نے اپنے نعتیہ کلام میں آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قامت زیبا کے عقیدت مندانہ تذکرے کے علاوہ ابرو، سر، زلف پلکوں، چشم، ناخن اور دیگر اعضائے بدن کی خوب صورتی کو عالمانہ انداز سے شعری شکل دی ہے۔ابرو ایک جنبش کا اشارہ ہے، جس سے کائنات کی الجھی گتھیاں آن واحد میں سلجھتی ہیں، سر جسم اطہر کا مرکزی مقام ہے، زلف کا تعلق خوشبو سے ہے جو طالب ومطلوب کے مابین موجود تعلق کو انقباض کا شکار کرتی ہے۔ جب یہ چہرے پہ بکھرتی ہے تو تعینات کا پردہ پڑ جاتا ہے۔ جیسے کوئی مہتاب روشن سیہ بادلوں کی اوٹ میں چھپ گیا ہو، ناخن عقدہ کشائی کرتے ہیں۔ محسنؔ کے ہاں عام طور پر سید ہر دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انھی اعضائے بدن کا سراپا ملتا ہے، جن کا تعلق صوفیا کے نزدیک روحانی دنیا سے ہے۔

ابرو:　نقشہ ابرو کا دکھائے جو عطارد لکھ کر　　مہ نو تیغ سے مریخ کے ہو دو پیکر
ایک رگ مخفی ہے مابین دو ابروئے سیاہ　　کہ نظر آتی ہے وقت غضب شاہنشاہ

توضیح: یہاں دیکھیے کتنی مہارت سے حالت جلال میں مخفی رگ کے واضح ہونے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

سر:　سر اقدس ہے حباب لب دریائے قدم　　درۃ التاج ہے اس بحر کا یہ قطرہ ءِ نم

توضیح:

زلف: جسم اطہر کا مرکزی مقام ہے اور اس کو درۃ التاج کہا گیا ہے۔

دن گنے جاتے ہیں کب روز شمار آئے نظر　　زلف مشکیں کو دکھا کر جو کہیں پیغمبر

توضیح: معطر زلف اہل عشق کے لیے روحانی بالیدگی کا سبب ہوتی ہے۔ یہ سب سے پہلے مطلوب ومقصود کی خبر لاتی ہے۔

چشم:　ایسی نرگس کہیں دیکھی ہے نہ بادام سیاہ　　چشم بددور عجب آنکھ ہے ماشاء اللہ

توضیح: بہ یک وقت چشم کے لیے نرگس اور بادام کا استعارہ فنی مہارتوں کی دلالت ہے۔

ناخن:　ناخن پا جو ذرا عقدہ کشائی پر آئے　　گرہِ ابروئے خوباں کی حقیقت کھل جائے

توضیح: ناخن پا کی عقدہ کشائی واضح ہے۔ یہ آن واحد میں ابروئے خوباں کی حقیقت کھول کر رکھ دیتے ہیں۔ محسنؔ کاکوروی کی نعتیہ شاعری کے متعدد زاویے ہیں۔ ان کے پسندیدہ موضوعات میں ایک

سراپا نگاری بھی ہے۔محسؔن نے اپنی نعت میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسن و جمال کی توصیف کے دوران میں حق عقیدت ادا کرنے کی کوشش کی ہے، یہ بات الگ ہے کہ آج تک کب کسی سے اس موضوع پر انصاف ہوسکا ہے۔محسؔن کی نعت میں سراپائے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مختلف پہلوابھی تک نگاہوں سے اوجھل ہیں۔اس مختصر سے مضمون میں اس کا مختصر سا جائزہ لیا گیا ہے۔

حوالہ جات

۱- حسن عسکری،محمد،''محسن کاکوروی'' مشمولہ،اردو نعت کی شعری روایت،مرتبہ،صبیح رحمانی،کراچی: اکادمی بازیافت،۲۰۱۶ء،ص ۲۷۷

۲-اقبال صدیقی،'' نعتیہ شاعری میں ہندی اصطلاحات کے بانی'،مشمولہ،مجلّہ فروغ اردو،الہ آباد:محسن کاکوروی نمبر،اپریل،مئی، جون ۱۹۷۰ء،ص ۱۰۷

۳- انورسدید،ڈاکٹر،اردوادب کی تحریکیں،کراچی:انجمن ترقی اردو،۱۹۹۴ء،ص ۱۷۹

۴- محسؔن کاکوروی،کلیات نعت محسن،مرتبہ،محمد نورالحسن،لکھنؤ:اترپردیش اکادمی،۱۹۸۱ء،ص ۶

۵- محسؔن کاکوروی،کلیات نعت محسن،ص ۳۱

۶- رشیداختر،ندوی،شمائل رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم،لاہور:فیروزسنز،۱۹۸۸ء،ص ۱۲

۷- ابواللیث صدیقی،ڈاکٹر،''محسؔن کاکوروی کی نعت''،مشمولہ،مجلّہ فروغ اردو،ص ۱۵۶

☆☆☆

انور بھدرکی (بنگلور)

اڈیشا میں نعت نگاری: ایک مختصر جائزہ

اڈیشا ایک چھوٹی ریاست ہونے کے باوجود اس کا اپنا تہذیبی وقار، لسانی اعتبار، ثقافتی اہمیت، تمدنی خصوصیت، سیاسی وجود اور ادبی درایت ہے جسے کسی بھی اعتبار سے جھٹلایا نہیں جا سکتا، جو آج بھی ایک منفرد انداز میں برقرار ہے۔ کئی معنوں میں اڈیشا دنیا بھر میں مشہور ہے اور دنیا کے الگ الگ خطوں سے لوگ اس چھوٹی سی ریاست کو قریب سے دیکھنے، جاننے اور سمجھنے کے لیے یہاں آتے ہیں۔ اس کی اپنی زبان ہے خاص کر اڈیا ادب کا ماضی نہایت تابناک رہا ہے۔

جہاں تک اردو کا سوال ہے پاکستان کے ماہر لسانیات ڈاکٹر سہیل بخاری نے اردو کی اڈیشا سے ابتداء اور اڑیا زبان سے مماثلت کی بات کہی ہے لیکن ان کی بات کتابوں میں دب کر رہ گئی۔ اس کی خاص وجہ یہ رہی کہ ہر صوبے کے ماہر لسانیات یہ ثابت کرنے میں کوشاں رہے کہ اردو انہیں کے صوبے سے پھلی پھولی۔ مجھے ڈاکٹر سہیل بخاری کی بات پر اس لیے اعتماد ہے کہ موصوف کا اڈیشا سے دور دور کا کوئی رشتہ نہیں تھا اس کے باوجود انہوں نے حقیقت کا اظہار کیا مگر افسوس اس بات پر ہے کہ آج تک کسی نے اس طرف دھیان نہیں دیا۔ اس کا دوسرا سبب یہ بھی رہا کہ اردو سے بیر کا ایک الگ سلسلہ رہا ہے۔ ایسے میں کس کو پڑی ہے کہ اس طرف دھیان مرکوز کرے اور سب سے اہم بات اڈیشا کا اردو دبستانوں سے دور ہونا بھی ہے۔ اردو زبان و ادب نے اگرچہ اپنے وجودی دور کا آغاز دہلی سے کیا ہو لیکن اس کے پھیلاؤ اور ارتقاء میں ہندوستان کے ہر حصے کی اشتراکیت سے انکار نہیں جا سکتا۔ خاص کر جس خطے میں مغلیہ حکومت کے سائے رہے وہاں اردو ادب کو خاص اوّلیت حاصل رہی۔ اس تعلق سے ڈاکٹر کرامت علی کرامت اپنی کتاب 'آبِ خضر' میں فرماتے ہیں:

> ''اڑیسہ میں ہمیشہ سے اردو فارسی کا کافی چرچا رہا۔ مغلیہ دورِ حکومت میں ایک عرصۂ دراز تک بنگال و اڑیسہ کے صوبہ دار یا نائب ناظم شاہان دہلی کے حکم پر شہر کٹک میں ہی رہا کرتے تھے اور اس طرح اڑیسہ کا تعلق باہر کے

ادیبوں سے بھی قائم تھا۔ چنانچہ بقول سلیمان ندوی ''عبدالقادر بیدلؔ کی سیاحت کا مشرقی نقطہ اڑیسہ کا شہر کٹک ہے۔'' جہاں اس زمانے میں مولانا یعقوب چرخی کے پوتے خان داران سید محمود صوبہ دار تھے۔

اب اس میں کوئی شک نہیں کہ اڑیسہ میں اردو فارسی میں شعر کہنے والے ایسے کئی ہوں گے جن کے متعلق ہمیں کچھ علم نہیں۔ لیکن جہاں تک ہمیں معلوم ہے یہاں کے سب سے پرانے صاحبِ دیوان شاعر شیخ امین اللہ چرخی ہیں جن کا مجموعہ کلام ان کے وفات کے بعد 'دیوان چرخی' کے نام سے ۱۹۰۷ میں شائع ہوا۔''[۱]

زمانۂ قدیم میں اڈیشا کئی معتبر راجاؤں اور بادشاہوں کے حکومت کا حصہ رہا۔ اس کو کئی ناموں سے بھی جانا جاتا رہا ہے۔ پرانے چوپائیوں اور سنسکرت ساہتیہ میں اڈیشا کے ''اوڈرا'' نام کا ذکر ملتا ہے۔ اس کا نام ''کلنگا'' بھی رہا۔ مہاراجہ اشوکا کی کلنگا لڑائی ایک تاریخی حیثیت رکھتی ہے۔ اڈیشا کو پہلے زمانے میں ''اتکل'' بھی کہا جاتا رہا ہے۔ آج کے اڈیشا کا جو وجود ہمارے سامنے ہے وہ آزادی کے بعد کا تشکیل شدہ ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ اڈیشا نے کئی سنہرے دور کا بھی نظارا کیا ہے۔ اڈیشا کے تعلق سے بات کرتے ہوئے ڈاکٹر حفیظ اللہ نیواپوری اپنی کتاب ''اڑیسہ میں اردو'' (دراصل یہ کتاب موصوف کا پی.ایچ.ڈی. کا مقالہ ہے) میں رقم طراز ہیں:

''اڑیسہ کا اوّلین تذکرہ ملک محمد جائسی کی 'پدماوت' میں پایا جاتا ہے۔ جائسی نے شیر شاہ کے دورِ حکومت میں 'پدماوت' لکھنے کا آغاز کیا تھا۔ جہانگیر کے زمانے میں شاعر عثمان غازی پوری نے اپنی نظم 'چتراولی' میں بھی اڑیسہ اور جگن ناتھ کا تذکرہ کیا ہے۔''[۲]

ایک مدت تک مغلوں اور افغان فوجیوں کے حملے کا مرکز بھی اڈیشا رہا۔ جب مغلوں نے اس علاقے کو فتح کیا، ان فاتحوں میں شامل ترک، مغل، افغانی، تاتاری، ایرانی فوجیوں سے بیشتر نے یہاں بودو باش اختیار کی۔ اسوقت کی سرکاری اور دفتری زبان فارسی تھی۔ فارسی کے مقابلے اردو آسان اور عوامی رابطہ کی زبان ہونے کے سبب لوگوں میں اردو زبان رواج پاتی چلی گئی۔ ایک بڑے عرصے تک مسلمانوں نے اڈیشا پر حکومت بھی کی جس کی وجہ سے یہاں اردو زبان کو پھلنے پھولنے کے مواقع ملے۔ ڈاکٹر حفیظ اللہ نیولپوری اپنی کتاب ''اڑیسہ میں اردو'' میں فرماتے ہیں:

''اڑیسہ میں اردو زبان کا آغاز چار صدیوں سے کچھ زیادہ عرصہ قبل یعنی ۱۵۱۰ء کے اطراف میں بنگال کے حکمراں حسین شاہ کے سپہ سالار اسمٰعیل غازی کے اڑیسہ پر حملہ سے ہوتا ہے۔ اس کے بعد متواتر افغان اور مغل فوجی اور صوفیائے کرام کا اڑیسہ میں ورود ہوتا رہا۔ اڑیسہ میں جو مسلمان آئے وہ ترک، مغل، تاتاری، افغانی، ماورأالنہری اور ایرانی قوم اور قبیلے سے متعلق تھے اور ان کی مشترکہ تہذیبی زبان فارسی تھی۔ فارسی سرکاری اور دفتری زبان کی حیثیت رکھتی تھی۔ اس لئے یہاں کی مقامی زبان اڑیا کو بھی متاثر کرتی رہی۔ جو لوگ فاتحوں کے ساتھ باہر سے اڑیسہ آئے ان میں سے اکثر نے اسے اپنا وطن بنالیا۔ اس لئے لسانی اور تہذیبی سمجھوتہ عمل میں آیا۔ فارسی اگرچہ سرکاری اور دفتری زبان تھی لیکن اردو ہی ایک ایسی زبان تھی جو فریقین کے درمیان رابطہ کی زبان بنی اور رفتہ رفتہ قومی تہذیب کی ترجمان بھی۔''۳

'نعت' عربی لفظ سے مستعار ہے جس کا لغوی معنی مدح، ثنا، تعریف وتوصیف کے ہیں۔ حمد، نعت اور منقبت ان تینوں اصناف کے الگ الگ مراتب اور شرعی حدود ہیں۔ صنف حمد میں خدائے پاک پرورد گار کی ذات وصفات، اللہ کی قدرت اور وحدانیت کی تعریف وتوصیف کی جاتی ہے، نعت میں حضور سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرتِ پاک، ذات گرامی کا بیان اور تعریف وتوصیف کی جاتی ہے، جبکہ منقبت میں خلفائے راشدین، نبی پاک حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خاندان اور اہل وعیال، صحابہ کرام، بزرگانِ دین، اولیائے کرام کی تعریف وتوصیف کی جاتی ہے۔ حمد، نعت، منقبت، سلام، مناجات، دعا وغیرہ تقدیسی شاعری ہیں۔ نعت گوئی دراصل اصنافِ شاعری میں سے قصیدہ کی ایک ذیلی صنف ہے، لیکن نعت گوئی کی معنوی اہمیت وافادیت، افضلیت، اکبریت، سرمدیت اور ابدیت کے پیش نظر ادب میں اس کو ایک مکمل صنف کے بطور درجہ دیا جاچکا ہے۔ نعت کے تعلق سے بات کرتے ہوئے جناب فاروق جائسی اپنے مضمون 'عروجِ احساس اور متعلقات نعت' میں فرماتے ہیں:

''نعت عربی لفظ ہے۔ جسے ہر اس معنی میں استعمال کیا جاتا ہے جس میں افضل البشر جناب محمد رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعریف وتوصیف بیان کی گئی ہو، خواہ وہ نظم کی صورت میں ہو یا نثر میں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے

'ورفعنالك ذكرك '(اے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں نے آپ کی خاطر آپ کے ذکر کو بلندی عطا فرمائی)۔ظاہر ہوا کہ جہاں بھی متعلقات نبوی کا تذکرہ ہوگا وہ سب کا سب نعت کے زمرے میں شمار کیا جائے گا۔حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان وعظمت کا ادراک سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کو ہوا ہے نہ ہوسکتا ہے۔ پھر بھی ان کے امتی اس میدان میں خراجِ عقیدت پیش کرنے کو باعثِ صد افتخار اور ذریعۂ نجات مانتا ہے۔'' [۴]

نعت گوئی کا میدان بہت احتیاط کا متقاضی ہے۔یہ ایک ایسی صنف ہے جس کی پاکیزگی اور طہارت بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ذرا سی لغزش نہ صرف رحمتِ الٰہی سے دوری کا سبب بن سکتی ہے بلکہ عقیدت وعاقبت اکارت اور ذرا بڑھا تو الوہیت اور کمی ہوئی تو تضحیک وتنقیص بکفر ایمان بھی گیا۔ جہاں تک نعت کی عظمت کا تعلق ہے تو خود باری تعالیٰ نے اپنے حبیب اور رسولِ خدا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعریفیں کی ہیں۔جس کی مثال جابجا قرآن کریم میں ہمارے سامنے موجود ہے۔

حضور سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات پاک کی تعریف وتوصیف آیاتِ قرآنی، احادیث نبوی اور ایمانی عقائد کی روشنی میں استدلال کے ساتھ موزوں کر کے پیش کرنے کو نعت کے زمرے میں رکھا جاتا ہے لیکن یہ اپنے آپ میں مستند ہے کہ حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی کی تعریف فرشتوں پر بھی لازم ہے۔خود اللہ پاک نے قران پاک میں جگہ جگہ حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعریف فرمایا ہے تو اس سے یہ ثابت ہے کہ انسانی صلاحیت اتنی ہو ہی نہیں سکتی جو اس مبارک ذات گرامی کی تعریف وتوصیف کو اپنی تحریر سے محیط کر سکے۔ یہ انسانی تاب وصلاحیت سے پرے کی چیز ہے۔خود اللہ پاک نے قرآن کریم میں اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں نعت خواں ہے تو یہ عقیدت واحترام کا سلسلۂ نعت گوئی تا قیامت اسی عقیدت مندی، شان وعظمت کے ساتھ چلتا رہے گا۔

جب سے اسلام وجود میں آیا تب سے آج تک چودہ سو سال سے زیادہ ہو گئے اس دوران حضور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعریف وتوصیف ہر دور میں ہوتی رہی ہے اور ہوتی رہے گی۔جتنی پابندی صنف نعت میں ہے وہ کسی اور صنف سخن میں نہیں ہے۔شاعری کی یہ صنف سخن ایک منفرد صنف کے طور پر اپنا لوہا منوا چکی ہے اس کی کوئی تعین شدہ ہیئت نہیں ہے یہ سبھی ہیئت ،غزل، قصیدہ، رباعی ،مثنوی، آزاد نظم وغیرہ کی ہیئت میں کہی گئی ہیں اور کہی جاتی رہیں گی۔اس سلسلے میں پدم شری بیکل اتساہی اپنے

مضمون میں فرماتے ہیں:

''نعتیہ شاعری کو محض عقیدت کی شاعری کہہ کر مذہبی کھاتے میں ڈال دینا سراسر ناانصافی ہے اور بدعقیدگی بھی۔ نعت شریف زندگی کو جلا بخشتی ہے اور انسانی اقدار کو اُجاگر کرتی ہے۔ فیضان وعرفان کی نوری منزل سے آشنا کراتی ہے اور اس مقام تک پہنچاتی ہے جو ایک صاحبِ ایمان کی معراج تصور کی جاتی ہے۔ اس میں پوری طرح شعری فن کاری کا اظہار ہوتا ہے اور ادبِ عالیہ کے بہترین نمونے سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نذر کیے جاتے ہیں۔''۵

انتہائی عقیدت میں کچھ شاعر حد سے آگے نکل جاتے ہیں جو ممنوع ہے۔ نعت گوئی میں ہمہ وقت حدِ ادب ملحوظ رکھنا چاہیے۔ یہ تلوار کے دھار پر چلنا ہے۔ تبھی تو صنف نعت گوئی بہت ہی ہوشیاری اور احتیاط کی متقاضی ہے۔ عقیدت اور جوش کے جذبے میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں حد سے تجاوز سے شرک کا فتویٰ صادر ہونے کا خوف رہتا ہے اور اگر عقیدت واحترام میں کمی واقع ہوگئی تو بے ادبی کے الزام عائد کیے جانے کا ڈر بھی رہتا ہے۔ نعت کہتے وقت اعتدال کا دامن مضبوطی سے تھامے رہنے سے ہی نعت کے اشعار میں عظمت وحرمت برقرار رکھی جا سکتی ہے۔

اڈیشا میں نعتیہ شاعری کے تعلق سے بات کرتے ہوئے ڈاکٹر کرامت علی کرامت فرماتے ہیں:

''عبدالمجید بھونیاں (ولادت: ۱۸۴۰) بالیسر کے مشہور بھونیاں خاندان سے تعلق رکھتے تھے جس کا ذکر ڈاکٹر ہرے کرشن مہتاب نے اپنی 'تاریخ اڑیسہ' میں بھی کیا ہے۔ اسی خاندان کے پوٹیشور بھٹ نامی ایک شخص کو راجہ پرشوتم دیو نے ۷/اپریل ۱۴۸۳ء کو کافی جاگیر عطا کی تھی۔ اس خاندان نے اورنگ زیب کے دورِ حکومت میں اسلام قبول کرلیا اور اڑیا کے بجائے اردو کو اپنا لیا۔ حتّٰی کہ عبدالمجید بھونیاں جیسے اردو کے نعت گو شاعر کو جنم دیا۔ آپ اڑیا اردو دونوں زبانوں میں ملی جلی شاعری بھی کرتے تھے۔ آپ کو ستار بجانے کا بہت شوق تھا۔ تخلص حیاؔ کرتے تھے۔ آپ کے نعتیہ کلام کا مجموعہ شائع ہو کر اڑیسہ کے عوام میں مقبول ہوا ہے۔''٦

اردو ادب کی تاریخ اس بات کو واضح کرتی ہے کہ اردو شاعری، فارسی ادبیات کی تقلید ہے۔ اردو

شاعری کی جتنی بھی قسمیں ہیں فارسی زبان سے اردو میں مستعار ہیں چونکہ ہندوستان میں فارسی زبان مدّت تک رائج رہی۔ سب سے پہلے نعت عربی زبان میں کہی گئی۔ عربی زبان سے فارسی اور ترکی زبان میں منتقل ہوئی اور رفتہ رفتہ دنیا کی تمام زبانوں میں آج نعتیں کہی جارہی ہیں۔ اردو میں نعت گوئی کا سلسہ ابتدائی دور کے صوفی شعراء کے یہاں سے ملتا ہے۔ اردو میں نعت گوئی کے تعلق سے بات کرتے ہوئے شکیل دسنوی فرماتے ہیں:

> ''حمد و نعت جذبۂ عبودیت کے اظہار کا راست وسیلہ ہے۔ جہاں حمد سورج سے تنویر چُرانے کا فن ہے وہیں نعت اکتسابِ نور کا ذریعہ ہے۔ نعت وہ واحد صنفِ سخن ہے جسے سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضور حسّان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر نعت گو صحابۂ کرام نے جب نعت گوئی کا اہتمام کیا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بڑی توجہ سے سنا اور اس طرح اس صنفِ سخن کو ایک منفرد مقام ملا اور اسے بے انتہا مقبولیت حاصل ہوئی۔'' ۷

شعری عذر سے پاک اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نیز اولیائے کرام کے مراتب کے حدود میں رہ کر نعت گوئی کی جانی چاہئے۔ نعت گوئی کا سلسلہ عصرِ قدیم سے عصرِ جدید تک قائم ہے جس میں صرف مسلم شعراء ہی نہیں کئی غیر مسلم شعراء نے بھی بڑی اچھی نعت گوئی کا مظاہرہ کیا ہے۔ پروفیسر کرامت علی کرامت نعت کے توسط سے فرماتے ہیں:

> ''میں اردو کے سرمایۂ نعت کو دو نقطۂ نظر سے دیکھتا ہوں۔ اوّل یہ کہ تشبیہات، استعارات، تلمیحات، علامات اور اعلیٰ شاعری کے دیگر لوازم کسی نعت میں موجود ہیں کہ نہیں۔ دوم یہ کہ اس میں مندرجہ بالا خصوصیات قابلِ لحاظ حد تک موجود نہیں ہیں تو ہمارے گیتوں کی ضروریات کو یہ کہاں تک پورا کرتی ہے۔ اوّل الذکر نعتوں کو میں 'ادبی نعتوں' کے نام سے اور ثانی الذکر نعتوں کو میں 'عوامی نعتوں' کے نام سے موسوم کرتا ہوں۔ دونوں طرح کے نعتوں کی اپنی اپنی اہمیت مسلّم ہے۔ جہاں ادبی نعتوں سے ہمارے ادب کو بے پناہ فائدہ پہنچتا ہے وہیں عوامی نعتوں سے ہمارے لوک گیت کے سرمایہ میں اضافہ ہوتا ہے۔'' ۸

بہر حال اڈیشا میں اردو نعتیہ شاعری کی روایت تقریباً تین سو سال سے زیادہ پرانی ہے۔ اس طویل عرصے کو کئی ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ اوّلین دور کے نعت گو شعراء میں ہردے رام

جودتؔ، مولوی محمد سلطان راجیؔ، شیخ امین اللہ چرخیؔ، عبدالمجید بھویاں حیاؔ: خاتمؔ بہراج پوری، ظہور الحق ظہوریؔ، فیض النساء بیگم تسخیرؔ کٹکی، شمس الحق شمسؔ، معلّم سنبلپوری، عبدالرحیم احسنؔ، جان محمد حازمؔ، محمد محسن محسنؔ، نور علی انورؔ، مولا بخش خاں مولاؔ وغیرہ شامل ہیں۔

ہردے رام جودت: اڈیشا میں اردو شعروشاعری کا آغاز ایک ایسے شخص سے ہوا جو ہندو تھے۔ ہردے رام جودتؔ کو اڈیشا میں اردو شاعری کا اوّلین شاعر سمجھا جاتا ہے۔ جن کا کوئی شعری اثاثہ (ایک رباعی جو عشقیؔ کے تذکرے میں ہے) کے علاوہ دستیاب نہیں ہے۔ حالانکہ ان کی پیدائش اڈیشا میں ہوئی لیکن عمر کا بڑا حصہ مرشد آباد میں گزرا۔ جودتؔ بنیادی طور پر فارسی کے شاعر تھے، اپنے آخری وقت میں اردو میں بھی اشعار کہے ہیں۔ ایک قیاس کے مطابق ان کا انتقال مرشد آباد میں ہوا۔ ان کی رباعی ملاحظہ کریں:

واعظ تری بات دل سے کہنے کا نہیں پتھر کی چوٹ شیشۂ دل سہنے کا نہیں
جا زاہد خشک تو ہے جب تک مرے پاس لو ہو مری چشم تر سے بہنے کا نہیں

مولوی محمد سلطان راجی: موصوف صوفی مسلک کے بزرگ تھے اور دکن سے اڈیشا کے کٹک (بخشی بازار) کو اپنا مسکن بنایا اور یہیں انہوں نے مذہبی تبلیغ میں عمر گزاری۔ ان کی تصنیفات 'فصیح الحلال الحرام'، 'مجموعہ خطبہ ہائے دوازدہ ماہی'، 'معرفت خدا اور رسول' اور 'مہتاب المجالس' سے اڈیشا میں ابتدائی دور کے شعروادب کے رجحانات کا پتہ چلتا ہے:

نیک لوگاں کرتے ہیں تعظیم اس کا بالیقیں ہے بشارت واسطے اس کو سنو اے اہلِ دیں
واسطے اپنے کرو اختیار تقوے کا لباس کی بیاں تُم رے لئے یہ نیک سمجھو حق شناس

شیخ امین اللہ چرخیؔ: (متوفی ۱۸۸۷ء): موصوف ضلع کٹک کے کشنا نند پور کے رئیس اور زمیندار تھے۔ ان کی وفات کے بعد ان کے جانشین فرزند عبداللہ قاصرؔ نے ان کا دیوان ''دیوانِ چرخی'' شائع کیا جس میں 2520/اشعار پر مشتمل 227/غزلیں ہیں۔ شیخ امین اللہ چرخیؔ کو اڈیشا کا اوّلین صاحبِ دیوان شاعر ہونے کا فخر حاصل ہے۔ ان کا انتقال 1879ء کے قریب ہوا۔ شاعری میں انہیں بیشتر اصنافِ سخن پر دسترس حاصل تھی۔ زود گوئی سے شعر کہتے تھے۔ نمونے کے طور پر ان کا حمدیہ شعر ملاحظہ کریں:

الحمدللہ آنکہ یک دیواں کی تمہید آج ہے طبع سے لے تازباں اوصاف تجدید آج ہے
تا با انجام اس کو پہنچایا ہے مولائے جلیل عشق میں اپنے وہ مالک دل پہ تائید آج ہے

ظہور الحق ظہوری: (ولادت: 1813ء- وفات: 1906ء): موصوف ضلع کٹک قصبہ معصوم پور

کے رہنے والے تھے۔انہوں نے فارسی اور اردو میں اشعار کہے ہیں۔ان کے کلام زیادہ تر مذہبی نوعیت کے ہیں۔حمد اور نعت گوئی پر اچھی دستگاہ حاصل ہے۔شعر پڑھتے وقت لگتا ہے کہ شاعر وجدانی کیفیت سے سرشار رہے۔نعتیہ کلام میں عشقِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جھلک کے دوش بدوش مدح گستری رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں مرتبہ امتیاز حاصل کیا ہے۔بطور نمونہ ان کے نعتیہ اشار ملاحظہ ہوں:

بادشاہِ دو جہاں سلطانِ عالم السلام　　سرورِ کون و مکاں سلطانِ عالم السلام
مالکِ ہر دوسرا شافعِ روزِ جزا　　شافعِ کل عاصیاں سلطانِ عالم السلام

عبدالمجید بھویاں حیا: (ولادت :1840ء): موصوف بالیسر کے گڑپدا کے رہنے والے تھے۔وہ اڑیا اور اردو زبان میں مشترکہ ذولسانی اشعار کہتے تھے۔جس کا ایک مصرع اردو میں اور دوسرا مصرع اڑیا میں ہوتا ہے۔ان کے نعتیہ کلام کا مجموعہ ’دیوانِ مجید‘ 1871ء میں تصنیف ہوا۔حمد اور نعت گوئی پر اچھی دسترس حاصل ہے۔نعت گوئی کی طرف خاص رجحان رہا ہے اور اچھی شاعری کی ہے۔ان کے نعت کے اشعار ملاحظہ کریں:

دکھا دو یا رسول اللہ کرم سے روئے نورانی　　تپش ہے دل میں اور افزوں جگر کی ہے پریشانی
کلیجہ منھ کو آتا ہے میں ہر دم آہ بھرتا ہوں　　نہیں تحریر کے قابل مرے جذبوں کی طغیانی

خاتم بہراج پوری: موصوف اڈیشا کے ایک گمنام شاعر ہیں جن کا کوئی بھی کلام دستیاب نہیں ہے۔عبدالمجید بھونیاں حیا نے اپنے دیوان میں کئی شعراء کے کلام پر 32 رتضامین پیش کی ہیں جن میں کچھ تضامین خاتم بہراج پوری کے کلام پر بھی ہیں۔اس کے علاوہ اور کہیں بھی ان کا کلام دستیاب نہیں ہے۔بطور نمونہ ان کے نعتیہ اشعار ملاحظہ کریں:

بس میں زباں سے شکر کروں اس رحیم کا　　امّت بنایا ہم کو رسولِ کریم ﷺ کا
غوّاص بحرِ فکر میں گر غوطہ زن رہے　　ہر گز پتہ نہ پاوے وہ دُرِّ یتیم کا

عبدالرحیم احسن: (ولادت : 1854ء- وفات : 1936ء) : موصوف کی پیدائش سونگڑا میں ہوئی۔اردو اور فارسی میں اشعار کہے ہیں۔قطعہ تاریخ کہنے میں مہارت حاصل تھی۔ان کا کلام بھی وقت کے ساتھ ضائع ہو گیا ہے۔نعتیہ شاعری اسلوب کے اعتبار سے انفرادی وامتیازی دکھائی دیتی ہے۔ان کے انداز میں روایت، سادگی، خلوص اور دردمندی کا جوہر نمایاں ہے۔ان کی نعتوں میں خلق محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اچھی تصویر کشی ملتی ہے۔نمونہ نعتیہ کلام:

خاکِ پائے مصطفیٰ ﷺ گر ہاتھ آجائے میرے　　طاق میں رکھ دوں میں سیم وزر کو اور اکسیر کو

مصحفِ عارض کا رہتا ہے مجھے ہر دم خیال　　　قاریو پڑھتا ہوں میں والشّمس کی تفسیر کو

نور علی انور : (ولادت: 1860ء-وفات: 1950ء): موصوف کٹک کے اڑیا بازار میں پیدا ہوئے۔ وہ داغ کے شاگردوں میں سے تھے۔ ان کا اور رفیع الدین خاں رفیع کا ایک مشترکہ مجموعہ ''چاند رمضان اور پیام عید'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ ان کے کلام میں عارفانہ رنگ غالب ہے۔ موصوف کے نعتیہ اشعار وفور جذبات دروں کا آئینہ ہیں اور نعتیہ اشعار میں عشق نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جھلک دیکھنے کو ملتی ہے۔ ان کے نعتیہ اشعار ملاحظہ کریں:

لئے جب آبِ کوثر شاقی کوثر سے کہہ دوں گا　　　اِدھر بھی دیکھنا حیدرِ کرار میں بھی ہوں

فلک پر تم پہ شیدا ہیں ملائک یا رسول اللہ ﷺ　　　زمیں پر چاہنے والوں میں اے سرکار میں بھی ہوں

فیض النساء بیگم تسخیر کٹکی: (ولادت: 1866ء-وفات: 1943ء): اڈیشا کی اوّلین اردو شاعرہ ہیں۔ انھوں نے مخمس اور مسدس کے انداز میں سلام اور مناجات کہی ہیں۔ ان کی شہرت ومقبولیت سب سے زیادہ نعتیہ شاعری کی رہینِ منت ہے۔ شاعری کے ذریعے فکر وفن سے روحانی ماحول بنانے کی کوشش کی ہے۔ مخمس کے انداز میں کہے گئے نعتیہ اشعار سے شاعری پر ان کی دسترس کا پتہ چلتا ہے۔ انھوں نے اچھی شاعری کی ہے۔ ان کے مخمس کے اشعار ملاحظہ کریں:

دو جہانِ مظہرِ نورِ خدا ﷺ کا ساتھ ہو　　　معدنِ عرفان اس کانِ حیا ﷺ کا ساتھ ہو

منزلِ ہستی میں ایسے رہنما کا ساتھ ہو　　　یا الٰہی حشر میں خیر الوریٰ ﷺ کا ساتھ ہو

رحمتِ عالم جنابِ مصطفیٰ ﷺ کا ساتھ ہو

مولا بخش خاں مولا : (ولادت: 1871ء-وفات: 1958ء): آپ بھدرک اڈیشا میں پیدا ہوئے۔ آپ کے شعری مجموعہ ''کلیات مولا''، ''مولیٰ نامہ''، ''اڈیشا کی دولت''، ''خدا کی عنایت'' کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔ آپ صوفی مسلک شاعر تھے۔ انھوں نے اپنی نعتوں میں زیادہ توجہ انسانیت کے پیغامات کو عام کرنے پر دی ہے۔ بغیر عشقِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نعتیہ شاعری نامکمل ہے۔ موصوف کے نعتیہ اشعار میں ہر پہلو سے عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جھلک نمایاں ہے۔ ان کے کلام میں عارفانہ ہنر مندی کی جلوہ باریاں کثرت سے پائی جاتی ہیں۔ زیرِ نظر اشعار موصوف کی عمدہ کاوشوں کا نمونہ ہے:

رہا نہ کوئی رہے گا باقی خدا ہی ہے اور خدا رہے گا
فنا جو عشقِ خدا میں ہوگا وہی بہ مشکل بقا رہے گا

نثارِ حسنِ رسول ﷺ ہوں میں تو غم نہیں کچھ مجھے ہے مولا
پسِ فنا بھی یہ دامن اپنا کرم سے تیرے بھرا رہے گا

شمس الحق شمسؔ: (ولادت: 1931ء- وفات: 1901ء): موصوف ضلع کٹک کے معصوم پور کے رہنے والے تھے۔ انہوں نے اردو اور فارسی میں اشعار کہے۔ وہ ظہور الحق ظہوریؔ کے بھائی ہیں۔ ان کے کلام نہایت ہی خستہ حالت میں دستیاب ہوئے ہیں۔

موصوف کا اسلوبِ بیان اتنا عمدہ ہے کہ ان کے پڑھنے والے کے دل و دماغ میں طہارت فکر کے روشن نقوش مرتب ہوتے ہیں ان کے نعتیہ اشعار عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے لبریز ہیں۔ بطور نمونہ درج ذیل اشعار ملاحظہ ہوں:

ملیں جو محشر میں خیر اور شر جو ہوں میں مداحِ شاہِ محشر
تو میری نیکی کا صاف پلّہ جھکا دے مولا جھکا دے مولا
الٰہی تجھ سے یہی دعا ہے، شمسؔ عاجز کا مدعا ہے
جمالِ ختم النبی ﷺ برویا دکھا دے مولا دکھا دے مولا

معلّم سنبلپوری: (متوفی: 1924): موصوف مجرمؔ سنبل پوری کے فرزند ہیں۔ ایک استاد شاعر ہونے کی وجہ ان کے کئی شاگرد تھے۔ وہ بھی اپنے والد کی طرح امیرؔ مینائی کے شاگردوں میں سے ہیں۔ ان کے دیوان کا نام 'کاخِ سخن' ہے۔ شاعری میں بیشتر اصنافِ سخن پر دسترس حاصل ہے۔ ان کی نعت گوئی میں ان کی شخصیت اور فکر وفن نمایاں ہے۔ کہنہ مشق و پختہ کار شاعروں میں بلند مقام حاصل ہے۔ زیرِ نظر نعتیہ اشعار موصوف کی کاوشوں کا دلکش نمونہ ہے۔

اے فخرِ بشر حبیبِ یزداں دے مہبطِ جبرئیل و قرآں
اے شاہِ رسل، انیسِ امت دے ناصرِ کُل، خدا کی رحمت

جان محمد حازم: (وفات 1941ء): موصوف کو اردو اور فارسی پر دسترس حاصل تھی۔ وہ مولوی محمد سلطان راجیؔ کے شاگردوں میں سے تھے۔ ان کا شعری مجموعہ 'گلدستۂ گلزار' کے نام سے 1920ء میں شائع ہوا۔ ان کی نعت گوئی کا مقصد حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت کے مقاصد اور پیغام کو عام کرنا ہے۔ موصوف کا اسلوب بیان نہایت عمدہ ہے اور ان کے نعتیہ کلام میں عشق رسول کی روحانی جھلک دیکھنے کو ملتی ہے۔ درج ذیل اشعار بطور نمونہ پیش کئے جا رہے ہیں:

سب نبیوں سے شانِ معظم اور مفخر تم ہی تو ہو کوئی کہاں تم سا ہے پیمبر خلق کے رہبر تم ہی تو ہو

سب سے فزوں درجہ ہے تمہارا خلق کے سرور تم ہی تو ہو رہتے ہم گمراہ نہ ہوتا فیض تمہارا گر حاصل

محمد محسن محسنؔ: (وفات 1945ء): موصوف معصوم پور میں پیدا ہوئے اور ظہور الحق ظہوریؔ کے بھتیجے ہیں۔ان کی ایک منقبت کے علاوہ کوئی اور کلام دستیاب نہیں ہوسکا ہے۔موصوف اردو کے ساتھ ساتھ انگریزی میں بھی نظم کہا کرتے تھے۔انہوں نے کچھ وقت کے لئے راونشا کالج میں لکچرار کے عہد پر کام کیا بعد میں الہ آباد میں ڈپٹی مجسٹریٹ کے عہدے پر فائز رہے۔الہ آباد کی شعر و سخن کی محفلوں میں پابندی سے شرکت کرتے رہے۔ان کی نعت و منقبت میں قوم و ملت کی زبوں حالی اور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں فریاد و استغاثہ کا عنصر نمایاں ہے۔ان کے نعتیہ اشعار قارئین کو متاثر کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ملاحظہ ہو ان کا کلام:

میں کرتا ہوں سجدہ جدھر ان کا در ہے میں کیا جانوں قبلہ و کعبہ کدھر ہے

بتاؤ بھی تم کس کا یہ سنگ در ہے جبیں کو رگڑتے ہیں یاں شوق وارماں

مولانا امان اللہ بسملؔ: موصوف اڈیشا کے ضلع جاجپور، بنجھار پور میں پیدا ہوئے۔موصوف کا شمار استاد شاعروں میں ہوتا ہے۔فارسی کلام میں ید طولیٰ رکھتے ہیں۔ان کے اشعار میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے والہانہ عقیدت اور محبت کا اظہار خوبصورت پیرائے میں ملتا ہے۔حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تئیں اپنی قلبی وابستگی کا بے لوث اظہار ان کے اشعار کا مدّعا ہے۔ان کا فارسی نعتیہ کلام ملاحظہ فرمائیں:

اے عرقِ معتبر تو از مشک ختن خوشتر اے باعثِ کل عالم، اے سید مہر و ماہ

اے پائے مبارک تو از عرش خدا بہتر مقبول خدا گردی بر عرشِ بریں رفتی

اڈیشا اردو شاعری کے ابتدائی دور میں خانقاہوں اور صوفی خیالات کے اثرات کے تحت زیادہ تر مذہبی نوعیت کی شاعری کا بول بالا رہا۔اسوقت کی سرکاری زبان فارسی ہونے کی وجہ اردو شاعری میں فارسی اور عربی الفاظ کا کثرت سے استعمال ہوا کرتا تھا، لیکن وقت کے ساتھ ساتھ اڈیشا اردو شاعری میں بھی بدلتے رجحانات کے زیرِ اثر تبدیلیاں رونما ہوتی چلی گئیں۔امجد نظمی کی شاعری سے اڈیشا شاعری میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔

اڈیشا میں اردو شاعری کا دور جدید

امجد نجمیؔ: (ولادت: 1899ء-وفات: 1974ء): موصوف کٹک کے بخشی بازار میں پیدا ہوئے۔وہ ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے۔انہیں نظم سے زیادہ انسیت تھی لیکن نظم کے علاوہ غزل،

رباعی، مرثیہ، سہرا، قصیدہ، ہجو، نعت، حمد، مخمس، مثلث و اسوخت، نظم معریٰ اور تضمینات پر بھی عبور حاصل تھا۔ ان کے دو مجموعے ''طلوع سحر'' اور ''جوئے کہکشاں'' شائع ہوئے۔ اڈیشا اردو اکادمی نے پروفیسر کرامت علی کرامت کی نگرانی میں ''کلیات نجمی'' شائع کیا۔ کٹک میں ان کے نام سے ''نجمی اکادمی'' کی تشکیل بھی ہوئی ہے جہاں ہر سال اردو ادب میں بہترین خدمات کرنے والوں کو ایوارڈ سے نوازا جاتا ہے۔ موصوف نے نعت میں اپنی قلبی بے قراری و اضطرابی رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح سرائی اور وارداتِ قلبی کا اظہار نہایت موثر اور بہترین انداز میں کیا ہے۔ امجد نجمی کی نعت گوئی پر بات کرتے ہوئے عبدالمتین جامیؔ فرماتے ہیں:

> ''نعتیہ شاعری کے فروغ میں ان کی کاوشیں ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔ ''شرح لولاک'' کے عنوان سے ان کی ایک طویل نعتیہ نظم رسولِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تئیں عقیدت و محبت کا ایک زندہ ثبوت ہے۔ ان کے دو اشعار ملاحظہ فرمائیے:[۸]

کرم کی مجھ پہ نظر یا محمد ﷺ عربی — مرے گناہ وہ ہیں جن کی کوئی حد نہ حساب
ترا غلام ہوں کیا میں کروں ثنا تیری — توسیلِ چشمۂ رحمت مرا وجود سراب''

سید عبدالحکیم نقیب: (ولادت: 1912ء): موصوف سونگڑا میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے وافر تعداد میں غزلیں کہی ہیں۔ رنگِ سخن کلاسیکی اور روایتی ہے۔ اشعار تغزل سے ہمکنار ہیں، اظہار میں ندرت بیانی پائی جاتی ہے۔ ان کے نعتیہ اشعار میں عشقِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم والہانہ طور پر کارفرما ہے۔ ان کے کلام، ان کی فکری ارتقاء، شعری بصیرت اور اپنی صداقت و عقیدت کا اظہار، ان کے احساسات کی غماز ہیں۔ ان کے نعت کے ہر ایک شعر میں عشقِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں ڈوبی ہوئی کیفیت ملتی ہے۔ بطور نمونہ ان کا کلام ملاحظہ فرمائیں:

سایہ گنبدِ خضرا میں ہو تربت میری — یہی ارمان مرا ہے یہی حسرت میری
پرتوِ نورِ محمد ﷺ سے ہو یارب روشن — شمع دنیا کی نہ محتاج ہو تربت میری

مولوی عبداللطیف عارف: (ولادت: 1914ء): کٹک کے جولا ساہی میں پیدا ہوئے۔ وہ امجد نجمی کے شاگردوں میں سے ہیں۔ موصوف اپنے وقت کے بہت ہی اچھے شاعروں میں شمار ہوتے تھے۔ انہوں نے کثیر تعداد میں نعتیں کہی ہیں۔ شاعرانہ شعور، فکری طہارت، عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تاثیر، گہرائی و گیرائی جیسی امتیازی خصوصیات سے ان کا کلام مزین ہے۔ ان کے اشعار

عروج فکر ونظر کے غماز ہیں۔ انہوں نے حضور پُر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رحمت وشفقت کا ذکر خصوصاً اور نہایت دلجوئی سے کیا ہے۔ بطور نمونہ نعتیہ اشعار کا مطالعہ کریں:

ہاں بسم اللہ اے خامہ تجھے چلنا ہے کس کی مدحت میں
تو ڈھونڈ کے لا الفاظِ ادب اس شیخ عمل کی حرمت میں
آتے ہیں سب شاہ وگدا مصروف اسی کی خدمت میں
پاتے ہیں تجلیات الٰہی بھی تو اسی کی قربت میں

سید منظر دسنوی: (ولادت: 1914ء – وفات: 1991ء): موصوف کی پیدائش دسنہ (بہار) میں ہوئی لیکن ملازمت کے ادوار میں وہ کٹک، راونشاہ کالج میں اردو لکچرار مقرر ہوئے اور کٹک میں ہی مقیم ہو گئے۔ غزل گوئی ان کا شعری رجحان رہا۔ یہاں انکا ایک عارفانہ شعر پیش خدمت ہے:

ازل سے ہم چلے ہیں اور ابد منزل ہماری ہے   تھکے راہی ہیں دنیا میں ذرا آرام کرتے ہیں

سعید اختر کٹک: (ولادت: 1921ء – وفات: 2012ء): موصوف ایک کہنہ مشق شاعر تھے۔ بیسویں صدی کے شروعاتی دور میں اڈیشا کے جن ادیبوں نے اپنے علم وفضل سے نعتیہ اشعار اور ادبی خدمات کے بل بوتے پر اپنا مقام بنایا ان میں سعید اختر کا نام نمایاں اور نا قابلِ فراموش ہے۔ موصوف کا اسلوب بیان بہت عمدہ ہے۔ ان کی نعت گوئی میں ان کی شخصیت اور فکر وفن کا حسن نمایاں ہے۔ ان کا شعری مجموعہ ''تخیل کی دسترس'' شائع ہو چکا ہے۔ نمونۂ کلام ملاحظہ کریں:

زمیں پر نورِ مجسم جو عرش سے آئے   ملائکہ نے عقیدت کے پھول برسائے
درود رحمتِ عالم ﷺ پہ بھیجئے اختر   رِدا گناہ کی جتنی بڑی ہو ڈھل جائے

محبوب محشر: (ولادت: 1927ء) جگت سنگھ پور میں متولد ہوئے۔ محبوب محشر نے اپنے شعری سفر میں اپنی تقدیسی شخصیت کی تشکیل، تعمیر وتکمیل کے زندہ نقوش چھوڑے ہیں۔ ان کی پختہ کاری اور خوش بیانی، ذوق وشعور کی نادرہ کاری، دوش بدوش لہجے کی بے تکلفی، زر گفتاری اور عصمت مآبی انہیں ایک کہنہ مشق اور قادر الکلام، شاعروں کے صف میں لا کھڑا کرتا ہے۔ ان کے کلام میں وجدانی کیف وکم کا جمال آئینۂ ادراک میں داخلی اور خارجی محسوسات کو مہمیز کرتا ہے۔ انہوں نے اپنی نظموں سے معاشرے کی اصلاح کا کام کیا ہے۔ 'موجِ التہاب، تریاق اور آخری سوغات' ان کے تین مجموعہائے کلام شائع ہو چکے ہیں۔ ان کے نعتیہ اشعار ملاحظہ کریں:

محمد ﷺ دہر میں آئے شفیعُ المذنبیں بن کر   وہ شمسُ العارفیں بن کر، سراج السالکیں بن کر

اٹھا سورج مدینے سے، منور ہو گئی دنیا اندھیرے کو اجالا کر دیا مہرِ مبیں بن کر

کرامت علی کرامت: (ولادت: 1936ء-وفات: 2022ء): موصوف کی پیدائش کٹک کے دیوان بازار میں ہوئی۔ امجد نجمی کے شاگردوں میں رہے۔ 'شعاعوں کی صلیب'، 'شاخِ صنوبر' شائع ہو کر منظرِ عام پر آئی ہے۔ انہوں نے مختلف شعری اصناف پر طبع آزمائی کی ہے۔ وہ جتنے اچھے شاعر ہیں اتنے ہی اچھے ناقد بھی ہیں۔ 'آبِ خضر' ان کی تذکرہ نویسی کی کتاب ہے اور 'اضافی تنقید' تنقید پر ان کا گراں قدر کام ہے، انہوں وافر تعداد میں اڑیا نظموں کا اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ اس طرح شعری، تنقیدی، تحقیقی اور ترجمہ کے طور پر آٹھ کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ ان پر لکھے گئے مضامین کا مجموعہ ''کرامت علی کرامت - ایک مطالعہ'' بھی شائع ہو کر منظرِ عام پر آ چکا ہے۔ انہوں نے اپنے تنقیدی مضامین سے اڈیشا کے اردو ادب کو عالمی منظر نامے میں پہچان دلانے کا کام کیا ہے۔ اڈیشا اردو ادب کا اوّلین نام جنہیں گوگل ویقی پیڈیا (Wikie Pedia) میں جگہ ملی ہے۔ انہیں ترجمے کے لیے ساہتیہ اکادمی کا ایوارڈ ملا ہے۔ ان پر تحقیق کے لئے ڈاکٹر عزیز الرحمان کو 1988ء میں رانچی یونیورسٹی سے پی۔ایچ۔ڈی۔ کی ڈگری تفویض ہوئی۔ ڈاکٹر کرامت علی کرامت کی نعت گوئی کے تعلق سے عبدالمتین جامی فرماتے ہیں:

> ''کرامت علی کرامت نے آزاد نظم کے پیرائے میں نعتیہ کلام لکھ کر ایک نئی شروعات کی ہے۔ علاوہ ازیں انہوں نے غیر منقوطہ نعت بھی لکھی ہے۔ یوں تو نعت گوئی تلوار کی دھار پر چلنے کے مصداق ہے مگر اس کے برعکس غیر منقوطہ الفاظ میں شعر کہہ کر نعتیہ شاعری کو معنویت عطا کرنا مشکل ترین فن ہے۔ ان کے غیر منقوطہ نعت نمونہ کے طور پر پیش خدمت ہے:''[10]

مسموم گو ہے دہر کے ماحول کی ہوا ہے مائلِ کرم وہی اللہ کا رسول

اسلام کا ہے مہر و کرم اور عما اصول راس آئی ہم کو احمدِ مرسل کے دل کی دھول

سعید رحمانی: (ولادت: 1938ء): موصوف کولکاتا میں پیدا ہوئے۔ شعر و ادب کے ساتھ ساتھ صحافت میں بھی دسترس رکھتے ہیں، آج کل اڈیشا اردو ادب کا رسالہ ''ادبی محاذ'' کے مدیرِ اعلیٰ ہیں۔ 'اڈیشا میں اردو شاعری' ان کا تذکراتی مجموعہ ہے جسے اڈیشا اردو اکادمی نے شائع کیا۔ ان کا ایک تنقیدی مضامین کا مجموعہ 'نقطۂ نگاہ' شائع ہوا ہے۔ اس کے علاوہ چار شعری مجموعے، روشن عبارت (غزلوں کا مجموعہ)، رحمتوں کا سائباں (نعتیہ مجموعہ)، فاصلوں کا موسم (غزلوں کا مجموعہ) اور دربارِ

مصطفیٰ میں (نعتوں کا مجموعہ) شائع ہو چکے ہیں۔ سعید رحمانی کی نعت گوئی کے تعلق سے ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی اپنے مضمون ''سعید رحمانی کی نعت گوئی'' میں فرماتے ہیں:

''سعید رحمانی کی نعتیہ شاعری میں محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے والہانہ محبت کا پتہ چلتا ہے جسے انہوں نے جزوِ زندگی بنا لیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نہاں خانۂ دل میں یادِ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے اشعار کے ذریعہ جگنوؤں کا پیرہن عطا کیا ہے اور اپنے جذبات کی سچائی، افکار کی وارفتگی اور نظریات وعقائد کی پختگی کو بڑے سلیقے سے پیش کیا ہے۔ مدحت کے پھول کھلانے میں سعید رحمانی نے ہنرمندی اور فن کا ثبوت دیا ہے۔ عقیدے اور جذبے میں ڈوبی ہوئی ان کی یہ قلبی شاعری باطنی وجود کے اظہار اور داخلی کیفیات کی مظہر ہیں۔''[۱۱]

میرے دل میں ہے یہی آرزو میرے دل کا ہے یہی مدعا
میں جو سانس لوں کبھی آخری رہے سامنے درِ مصطفیٰ ﷺ
مجھے مال و زر کی نہیں ہوس، نہ غرض ہے کوئی جہان سے
میں گدائے سرورِ دین ہوں، مجھے ان کے در سے ہے واسطہ

راشد شبنم: (ولادت: 1939ء): موصوف کٹک کے درگاہ بازار میں پیدا ہوئے۔ پہلے پہل غزل کہا کرتے تھے لیکن بعد میں نعتوں کی طرف رجحان بڑھا تو وافر تعداد میں نعتیں بھی کہی ہیں۔ حب الوطنی کے گیت ان کی پہچان ہے۔ انھوں نے مسائلِ حیات اور مصائب دنیا کا تذکرہ کرتے ہوئے بے لوث انداز میں ایمانی حمیت کو بیدار رکھا ہے۔ نعت کے ذریعے جس خلوص سے اپنی بات رکھنے کی کوشش کی ہے اس سے نبیٔ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سچی محبت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ان کے نعت کے اشعار بطور نمونہ ملاحظہ فرمائیں:

درِ کعبہ اک عظمت بھرا دل لے کے آیا ہوں ۔۔۔ مدینے سے ضیائے ماہِ کامل لے کے آیا ہوں
سمٹ آئی مرے کشکول میں کونین کی دولت ۔۔۔ خطائیں بیچ کر عقبیٰ کا حاصل لے کے آیا ہوں

مولانا سید سراج السالکین قاسمی: سونگڑہ (ولادت: 1939ء–وفات: 2006ء): موصوف ایک بلند پایہ نعت گو شاعر تھے اور صوبہ اڈیشا میں آپ کی شاعرانہ حیثیت بطور نعت گو مسلم ہے۔ روح نعت دراصل جذبۂ تعظیمِ رسولِ مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ احترامِ رسالتِ مآب صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم ہے۔ موصوف کے نعتیہ اشعار ان کے خلوص وشوق، عشق ومحبت، سوز وگداز، جذبۂ شیفتگی ووابستگی اور مزاج کی وارفتگی کے غماز ہیں۔ ان کی صاف، شستہ، فصیح ورواں زبان میں مدحت نبوی اور عشقِ رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک خاص مقام کی حامل ہے۔ ان کے نعتیہ اشعار بطورِ نمونہ پیش ہیں:

کھڑے ہیں سردار ہر دو عالم قطار پیغمبراں سے آگے
ابھی تو تھے کارواں کے پیچھے ابھی ہیں وہ کارواں سے آگے
صفیں بنائے کھڑے ہوئے ہیں درونِ اقصیٰ تمام مُرسل
مقام دیکھو امام بن کر چلے ہیں وہ مرسلاں سے آگے

مناظم قمر: کٹک (ولادت: 1939ء): نام سید محمد راشد۔ نعت گوئی کے فن میں یدطولیٰ رکھتے ہیں۔ شدت جذبات اور حسانی سوز وگداز سے اشعار میں وضعِ احتیاط کے ساتھ اپنی بات کہنے کے ہنر سے آگاہ ہیں۔ کلام کی پاکیزگی کا احساس درونِ دل کو روشنی سے معمور کرتا رہتا ہے۔ جہاں تک فنی اجتہاد کا تعلق ہے زبان وبیان میں صفائی اور شستگی ہے۔ کلام ملاحظہ کریں:

تخلیق کائنات کا منشا رسول ﷺ پاک — تکمیل خواہشات کا نقشہ رسول ﷺ پاک
چھایا تھا کفریت کا اندھیرا چہار سمت — وحدانیت کا اجالا رسول ﷺ پاک

محمد ایوب صابر قاسمی: صالحپور (ولادت: 1939ء)): نعت گوئی کو تمام شعرائے کرام نے متفقہ طور پر مشکل فن قرار دیا ہے جس میں پیش پیش ہر اسلام پسند شعراء رہے ہیں۔ صابر قاسمی اپنی بے بسی سے کا اظہار نہایت عقیدت مندانہ طور پر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کرتے ہیں اور حضور اکرم کی نگاہ کرم سے شفاعت کے طلبگار بھی ہیں۔ اپنے عقیدے کو جس عمدگی سے شعر میں سمویا ہے فنی مہارت کی مثال ہے۔ ان کا نعتیہ کلام حظہ کریں:

باغوں میں بہاروں میں چرچا ہے محمد ﷺ کا — ان چاند ستاروں میں جلوہ ہے محمد ﷺ کا
وہ تاج پیمبر ہیں وہ سرورِ عالم ﷺ ہیں — اونچا سبھی نبیوں میں رتبہ ہے محمد ﷺ کا

عبدالمجید فیضی: کی پیدائش ۳/جنوری 1940ء کو اڈیشا کے سمبل پور میں ہوئی۔ موصوف کے کلام میں فکری طہارت اور اسلامی عقیدت کے گوہر آبدار درخشندہ نظر آتے ہیں۔ تقریباً چھ دہائیوں پر محیط ادبی سفر میں انہوں نے اردو زبان وادب کی گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔ انہوں نے مثنوی بھی لکھی ہے۔ ان کے دو نعتیہ مجموعے 'نذرانۂ عقیدت' اور 'نغمۂ سرمدی' شائع ہو چکے ہیں۔ جن میں حمد، نعت، منقبت، سلام اور تضمینات کی بیش بہا تقدیسی شاعری سے یہ بات بلا تامل کہی جاسکتی ہے کہ فیضی طرز و

فکرِ اسلامی کا اڈیشا کے نمائندہ شاعروں میں اپنا مقام رکھتے ہیں۔ نمونۂ کلام ملاحظہ کریں:

سرکارﷺ کا ہر لطف و نعم میرے لئے ہے ہاں میرے لئے فیض اتم میرے لئے ہے
بے معنی ہر اک رنج و الم میرے لئے ہے محبوبﷺ خدا دافع غم میرے لئے ہے

سید شکیلؔ دسنوی: (ولادت: 1941ء - وفات: 2014ء): موصوف کی پیدائش بہار کے گیا ضلع میں ہوئی۔ لیکن کٹک میں بود و باش اختیار کرنے پر انہیں اڑیسہ کے شاعروں میں شمار کیا جاتا ہے۔ انہوں نے غزل، نظم، دوہا، بچوں کے ادب جیسے مختلف اصنافِ سخن پر طبع آزمائی کی ہے۔ 'اندازِ بیاں اپنا' اور 'بازدید' ان کے تنقیدی اور تحقیقی مضامین کے مجموعے ہیں۔ 'سانجھ بھئی چو دیس' ان کا دوہوں کا مجموعہ ہے۔ زندگی زندگی، تنہا تنہا، کتنی حقیقت کتنا خواب اور دلِ ناآشنا ان کے شعری مجموعات ہیں۔ طفلی ترانے، بچوں کے لئے کہی گئی نظمیں ہیں۔ انہیں اردو ادب پر نمایاں کارکردگی کے لئے کئی اعزاز و یوارڈ سے بھی نوازا گیا ہے۔ ان کے کلام میں حبیبِ کبریا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ان کے اظہارِ عشق کا نمونہ ملاحظہ فرمائیں:

یہ قبلہ عالم، آپﷺ کا در، یاسین لقب، یاسین لقب
ہے آپﷺ سے روشن ہر منظر، یاسین لقب، یاسین لقب
نبیوں کی امامت آپﷺ نے کی نورانی زیارت آپﷺ نے کی
ہے آپﷺ سے کوئی کب برتر، یاسین لقب، یاسین لقب

اسحاق انورؔ: کٹک: (ولادت: 1943): موصوف پوری ضلع کے رسول پور میں پیدا ہوئے۔ نعتیہ شاعری سے شغف رکھتے ہیں۔ ان کے کئی مجموعۂ کلام (عکسِ روشن، آفتابِ رسالت، بابِ رحمت اور شانِ رحمت)، شائع ہو کر منظرِ عام پر آ چکے ہیں۔ پچھلی چار دہائیوں سے مشقِ سخن کر رہیں۔ خدا کرے کہ یہ سفر یوں ہی ہمیشہ رواں دواں رہے اور وہ اپنے فن کا جوہر دکھاتے رہیں۔ ان کے نعتیہ اشعار میں ہر لفظ میں عقیدتوں کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر دکھائی پڑتا ہے۔ کلام ملاحظہ کریں:

وہ عظیم رتبہ ہے مرحبا محمدﷺ کا صبح و شام بھی ہوتا ہے تذکرہ محمدﷺ کا
جس میں جامِ عرفاں کا ہر گھڑی چھلکتا ہے ہم بھی جا کے دیکھیں گے میکدہ محمدﷺ کا

اڈیشا اردو شاعری کا ترقی پسند دور

اس دور سے پہلے زیادہ تر روایتی شاعری کا بول بالا رہا، اس دور میں شاعری استعارات، تشبیہات، تمثیل، تلمیح اور کنایہ کی شاعری ہوا کرتی تھی۔ ترقی پسند دور اردو ادب کا وہ دور تھا جب شاعری

ساقی اور میکدے سے نکل کر زندگی، انسانی مسئلوں، سماج اور معاشرے میں پنپنے والے مسائل سے بات کرنے لگی۔ خالد رحیم کی شاعری اسی نوعیت کی شاعری ہے جس میں گردوپیش کا جائزہ لیتے ہوئے، روز وشب کے چھوٹے بڑے، اہم اور غیر اہم واردات کو جس انداز میں انہوں نے محسوس کیا ہو بہو اس کی عکاسی ان کی شاعری میں موجود ہے۔ اس کا ایک اور زاویہ یہ بھی ہے کہ مظہر امام جو ترقی پسند رجحانات کے شاعر مانے جاتے ہیں ان کی قربت کا اثر بھی کہا جا سکتا ہے۔ جس طرح امجد نجمی سے اڈیشا کی شاعری میں ایک نئے دور کی شروعات ہوئی ٹھیک اسی طرح جناب خالد رحیم کی شاعری سے اڈیشا میں ترقی پسند دور کا آغاز ہوا۔

خالد رحیم: (ولادت: 1944ء): موصوف کٹک کے بخشی بازار میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے بچوں کے لئے 'جانوروں کا مشاعرہ اور میرا وطن مہان (ہندی) دو کتابیں لکھیں۔ عکس درعکس، غبارِ راہ گزر اور خوابوں کا جزیرہ ان کے تین شعری مجموعے ہیں، قومی یکجہتی پر ان کی ہندی میں نظمیں 'اندر دھنش' تضامین کا مجموعہ جمالِ ہم نشیں، حمد و نعت کا مجموعہ 'خیر الانام'، اور دوہا، ماہیا، نظموں کا مجموعہ 'احساس کا سفر' اور ''آؤ مل کر ساتھ چلیں'' بھی شائع ہو کر منظرِ عام پر آ چکا ہے۔ 'خالد رحیم حیات و خدمات' کے موضوع پر ڈاکٹر منور علی کو اتکل یونیورسٹی نے 1997 میں پی. ایچ. ڈی. کی ڈگری سے سرفراز کیا ہے۔ خاکسار نے ان کی ادبی خدمات پر ایک تحقیقی کتاب ''خالد رحیم: شخصیت اور ادبی خدمات'' تخلیق کی ہے۔ ان کے نعتیہ کلام کے تعلق سے پدم شری بیکل اتساہی فرماتے ہیں:

> ''جناب خالد رحیم نے نعت کے نازک حدود میں رہ کر اپنے ایمان و عقیدت کو سنوارتے ہوئے آفاقیت کو قائم رکھنے میں کامیابی حاصل کی ہے۔ انھوں نے نازک خیالی کے ساتھ احترام و تعظیم میں رہ کر شگفتگی اور معنی آفریں حسن پیدا کیا ہے۔ ان کی نعتوں میں سلاستِ زبان، صفائی، اندازِ بیان کی برجستگی اور ستھرا پن بدرجۂ اتم موجود ہے۔'' [۱۲]

دھوپ رنج و الم کی بہت تیز ہے، یا شہہِ دیں ﷺ ہمیں آسرا دیجئے
اے حبیبِ خدا ﷺ التجا ہے یہی، اپنے دامن میں ہم کو چھپا لیجئے
تاجدارِ مدینہ ﷺ حضور آپ ہیں، رحمتوں کا خزینہ حضور آپ ہیں
مونسِ بے کساں آپ ہیں یا نبی ﷺ، ہم غریبوں کی بگڑی بنا دیجئے

رفیق رضاؔ: (ولادت: 1946ء): موصوف کٹک کے دیوان بازار میں پیدا ہوئے۔ سعید رحمانی سے

مشورۂ سخن کیا کرتے ہیں۔ان کا شعری مجموعہ ''نقطے میں سمٹتی روشنی'' شائع ہو چکا ہے۔آقائے نامدار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان اقدس میں نعت پاک کے ذریعے منظوم گلہائے عقیدت کا نذرانہ پیش کرنا امت مسلماں کے لئے مژدۂ رحمت ہے۔ان کے نعتیہ اشعار سے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ان کی قلبی وابستگی کا اظہار ہوتا ہے۔کلام ملاحظہ کریں:

مہک رہی ہے فضا میں اذان کی خوشبو بسی ہے جس میں محمد ﷺ کی شان کی خوشبو
دلوں کو چھوتی ہوئی روح میں اُتر جائے ہے میری نعت میں ایسی زبان کی خوشبو

ساجد اثر: (ولادت: 1947ء): موصوف کٹک کے دیوان بازار میں پیدا ہوئے۔امجد نجمی کے شاگردوں میں شمار کئے جاتے ہیں۔انہوں نے وافر تعداد میں غزلیں اور نظمیں کہی ہیں۔''کرنوں کی چادر'' اور ''آنچ کا رشتہ'' ان کے دو شعری مجموعے شائع ہو کر منظرِ عام پر آچکے ہیں۔انہوں نے نعت گوئی میں جذبات واحساسات کے اظہار میں جس احتیاط وحزم سے کام لیا ہے۔لفظوں کے دروبست میں جس ہنرمندی وسلیقگی کا رُخ اپنایا ہے اس سے نہ صرف فن پر ان کی دسترس کا اندازہ ہوتا ہے بلکہ ان کی والہانہ عشق وعقیدت کا بے پایاں مثال اور وسیع النظری کا بین ثبوت بھی ہے۔نعتیہ اشعار ملاحظہ کریں:

اسلام کے علم کا تعلق ہے آپ ﷺ سے اللہ کے کرم کا تعلق ہے آپ ﷺ سے
ساجد اثر اسی کے تصور میں غرق ہے جس خاکِ محترم کا تعلق ہے آپ ﷺ سے

صلاح الدین تسکین: تاراکوٹ (ولادت: 1947ء): انھوں نے نعتیہ اشعار تخلیق کرنے میں اپنی تمام تر تخلیقانہ، عارفانہ اور فنکارانہ صلاحیتوں کو رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح سرائی کے لئے وقف کیا ہے۔موصوف کا اسلوب بیان جدید ہے، فکر عشق رسول کی مظہر، زبان مدحتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا پیکر، نظریہ عظمتوں کا امین، اور خیال رفعتوں کا مبین ہے۔انہیں نعت گوئی پر دست گاہ حاصل ہے۔روانی اور زود گوئی سے شعر کہتے ہیں۔ان کی نعتیہ شاعری پڑھتے ہوئے لگتا ہے کہ شاعر وجدانی کیفیت سے سرشار ہے اور نوکِ قلم سے اشعار ڈھلتے چلے جا رہے ہیں۔ان کا انداز ملاحظہ کریں:

بزم میں جب مرے سرکار ﷺ نظر آتے ہیں ہر طرف عرش کے انوار نظر آتے ہیں
پھر ابھر آیا ہے آنکھوں میں مدینے کا جمال میری تسکین کے آثار نظر آتے ہیں

عبدالحفیظ بسمل: کٹک (ولادت: 1947ء): ان کا نعتیہ کلام ان کے خلاقانہ ذہن کی نشاندہی کرتا ہے۔نعت پاک کے اشعار عشق وعرفان کے سانچے میں ڈھلے ہوئے ہیں اور ان میں عارفانہ رنگ غالب ہے۔وفورِ شوق اور جذباتِ عقیدت کے اظہار میں ان کا قلم بہت ہی محتاط ہے۔ان کے نعتیہ

اشعار ذہن وشعور کو سرشاری عطا کرتے ہیں اور دل میں عشقِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جذبے کو ابھارتے بھی ہیں۔ موصوف کی نعت میں روانی بھی ہے، سلاست بھی اور بلاغت بھی۔ ان کے چند نعتیہ اشعار ملاحظہ کریں:

جو پیار بانٹے جہان بھر کو وہ چاند تم ہو		جو نور بخشے میری نظر کو وہ چاند تم ہو

تھے محوِ حیرت سب آنکھ والے، کیا تھا جس دم		فقط اشارے سے شق قمر کو وہ چاند تم ہو

عبدالمتین جامی: (ولادت: 1950ء): موصوف سونگڑا میں پیدا ہوئے۔ کرامت علی کرامت سے اصلاح سخن لیتے تھے۔ وہ ایک ہمہ جہت قلمکار ہیں۔ موصوف غزل اور نظم کے علاوہ رباعیات کے لئے بھی پہچانے جاتے ہیں۔ وہ اڑیسہ کے اوّلین رباعی گو شاعر ہیں۔ انھوں نے ناول اور افسانوں کا اڑیا سے اردو میں ترجمہ بھی کیا ہے۔ 'نشاطِ آگہی' ان کی غزلوں اور آزاد نظموں کا مجموعہ ہے۔ بساطِ سخن، مونسِ سخن اور ترانۂ جاوید ان کے رباعیات کے مجموعے ہیں۔ انھوں نے پرتیبھا رائے کا ناول ''پرائسچت'' کو ''بر فیلے کنول'' کے نام سے ترجمہ کیا ہے۔ 'کئی افسانے' ان کا بنگالی اور اڑیا افسانوں کا ترجمہ ہے۔ 'کونارک سوریہ مندر' ان کا ترجمہ کیا ہوا اردو ڈرامہ ہے۔ ان کی نعتیہ رباعی بطور نمونہ ملاحظہ کریں:

تعریف محمد ﷺ کے لئے لفظ ہیں کم		بس اتنا ہی ہے وہ ہیں نبیٔ خاتم ﷺ

اب کوئی نہ آئے گا ہدایت کے لئے		اس کام کو کرتے ہیں چلو ہم پیہم

سید نفیس دسنوی: (ولادت: 1950ء): موصوف کٹک کے مہندی پیر میں پیدا ہوئے۔ والد مرحوم پروفیسر منظر حسن دسنوی اپنے وقت کے معتبر شاعر، ادیب اور نقاد تھے۔ ان کے برادر گرامی جناب مرحوم سید شکیل دسنوی معروف شاعر، ادیب اور ناقد گزرے ہیں۔ شاعری وراثت میں ملی ہے۔ انہیں بیشتر شعری اصناف سخن پر دسترس حاصل ہے اور اساسی طور پر ایک کامیاب نعت گو بھی ہیں۔ موصوف نہایت نیک اور مخلص انسان ہیں اور اپنے معاشرے میں احترام کی نظروں سے دیکھے جاتے ہیں۔ نعت گوئی میں طہارت فکر کے روشن نقوش ان کی شناخت ہے۔ ان کے چار مجموعۂ کلام: حرفِ جاوداں (غزلیہ مجموعہ)، نورِ حرا (نعتیہ مجموعہ) اور لفظ لفظ آئینہ (غزلیہ مجموعہ)، اور آبشارِ نو بہ نو (شعری مجموعہ) شائع ہو چکے ہیں۔ آجکل سہ ماہی رسالہ ''ادبی محاذ'' کے مدیر ہیں۔ نہایت زود گو شاعر ہیں۔ زیرِ نظر نعتیہ اشعار موصوف کی کاوشوں کا دلکش نمونہ ہے، ملاحظہ کریں:

تجلی کس کی بکھر گئی کہ اس سے ہر دو جہاں ہے روشن

یہ کس کے آمد کا معجزہ ہے زمیں ہے روشن زماں ہے روشن

نفیسؔ نعتِ نبی ﷺ سے میری یہ انسیت ہے ہنر کی مظہر
ہر ایک لفظِ سخن میں میرے عقیدتوں کا جہاں ہے روشن

نور الٰہی ناطقؔ: (ولادت: 1954ء) موصوف سونگڑا میں پیدا ہوئے۔ اکثر مشاعروں میں شرکت کرتے رہتے ہیں۔ ان کے کلام میں عارفانہ رنگ غالب ہے۔ علم وفن شاعری تو شاعر کی قوت متخیلہ کو لفظوں کا خوبصورت پیرہن عطا کرنے کا کام ہے اور نعت گوئی کا سلسلہ فن سے زیادہ عشقِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تعلق رکھتا ہے۔ ان کے اشعار کے ایک ایک لفظ خوشبوئے عشقِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے معطر ہیں۔ درس وتدرس سے منسلک رہتے ہوئے شعر وشاعری سے شغف رہا اور ادبی رجحان ان کا مشغلہ رہا ہے۔ ''ادبی محاذ'' کے معاوین مدیر ہیں۔ بطور نمونہ کلام ملاحظہ فرمائیں:

خواہشیں جاگ اٹھتی ہیں دل میں، جب بھی آتا ہے حج کا مہینہ
اپنی آنکھوں سے دیکھوں میں اس کو، میرے آقا ﷺ بلالو مدینہ
بدگمانی کی تیرہ شبی میں، جب بھی لیتا ہوں نام محمد ﷺ
آگہی کے اجالوں سے فوراً، ہونے لگتا ہے پُر نور سینہ

الطاف نادرؔ: (ولادت: 1955ء): موصوف بھدرک کے قاضی محلّہ میں پیدا ہوئے۔ وافر مقدار میں غزلیں کہی ہیں لیکن مجموعۂ کلام ابھی تک شائع نہیں ہو پایا ہے۔ غزل کے شاعر ہیں۔ فیس بک کے بھی پسندیدہ شاعر ہیں اور ہمیشہ فیس بک پر فعال رہتے ہیں۔ علالت کی وجہ سے آج کل کچھ کم ہی نظر آرہے ہیں۔ نئے نئے مضامین، جدت طرازی، حسن کلام، الفاظ ومعانی کی بندش و دروبست جداگانہ ہے۔ نئی نئی تراکیب، نئے نئے رنگ ومرصع سازی سے جدت کا پہلو ابھارنے میں خاصا درک رکھتے ہیں۔ موصوف کا نعتیہ کلام ملاحظہ کریں:

والیٔ دو جہاں، شاہِ خیرالوریٰ، اب کرم ہو، کرم ہو، کرم ہو، کرم
منبعِ فیض والطاف وجود وسخا، اب کرم ہو، کرم ہو، کرم ہو، کرم
بحرِ عصیاں میں نادرؔ گرفتار ہے، دل پہ آلام وآفات کا بار ہے
المدد کشتیٔ دین کے ناخدا، اب کرم ہو، کرم ہو، کرم ہو، کرم

مولانا مطیع اللہ نازشؔ: ۵؍نومبر ۱۹۵۸ء کو موصوف کٹک کے دیوان بازار میں پیدا ہوئے۔ ان کی دو کتابیں، عکسِ بصیرت اور عکسِ تہذیب شائع ہو چکی ہیں۔ نثر کے اچھے ادیب کے طور پر اپنی الگ

پہچان بنائی ہے۔ ''اڈیشا میں اردو نگاری'' ان کی تازہ تصنیف ہے۔ اچھے نثر نگار ہوتے ہوئے بھی ان کے نعتیہ اشعار میں رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے بے پناہ عقیدت و محبت اور ذہنی وابستگی کو محسوس کیا جاسکتا ہے۔ نعتیہ کلام بطور نمونہ ملاحظہ کریں:

عظمتِ قرآں کا شاہد ان کا کردارِ حسیں — آپ کی ذاتِ گرامی دل نواز و دل نشیں

آپ کے نقشِ قدم کا پا کے وہ لمس حسیں — بن گئی ہے رشکِ جنت شہر طیبہ کی زمیں

شاکر وارثی: (ولادت: 1960ء) موصوف جمشید پور میں پیدا ہوئے لیکن فی الحال کٹک میں مقیم ہیں۔ وہ ایک اچھے مبصر ہیں۔ ''ادبی محاذ'' میں ان کے تبصرے شائع ہوتے رہتے ہیں۔ ان کے اشعار مذہب کے تئیں بلند سوچ کو اجاگر کرتے ہیں۔ الفاظ کی سادگی، شیرینی، ان کا دروبست، معنی کی پاکیزگی اور لطافت، جذبۂ عقیدت کی گرمی، بیانیہ سادہ لوحی ان کے اشعار کی خاصیت ہے۔ بطور نمونہ ان کا کلام ملاحظہ کریں:

ہم لوگ دکھاوے کی عبادت نہیں کرتے — مذہب کے اصولوں سے بغاوت نہیں کرتے

انجام برا ہوتا ہے ہر حال میں ان کا — جو لوگ بزرگوں کی اطاعت نہیں کرتے

ناصر فراز: (ولادت: 1961) موصوف سمبلپور میں پیدا ہوئے۔ وہ مشاعروں کے مقبول شاعروں میں سے ہیں۔ ''یوٹیوب'' کے جانے مانے نام ہیں۔ مشاعرے کی جان سمجھے جاتے ہیں۔ ناصر فراز نے نعت کی آبیاری کر اس میں ایسے پھول کھلائے ہیں جن کی مہک قارئین اور سامعین کے دلوں کو برسوں تک مہکاتی رہیں گی۔ موصوف کا اسلوب بیان بہت ہی عمدہ ہے۔ درج ذیل اشعار بطور نمونہ پیش خدمت ہیں:

بن کے واللہ رشکِ قمر خواب میں — روز آتا ہے کوئی نظر خواب میں

مثلِ ماہِ منور یہ کون آگیا — جگمگانے لگے بام و در خواب میں

سید اولادِ رسول قدسی: موصوف ۱۵/مارچ ۱۹۶۳ء کو بھدرک کے مرزاپور میں پیدا ہوئے۔ ان کے فن اور شخصیت پر ایک کتاب 'قدسی شخص وشاعر' شائع ہو چکی ہے۔ سید اولادِ رسول قدسی جنہیں نعت مزاج شاعر کہا جانا بہتر ہوگا۔ وہ اس لیے کہ موصوف کے غزلیہ کلام کا مجموعہ منظرِ عام پر آنے سے پہلے چار نعتیہ کلام کے مجموعے شائع ہو چکے تھے۔ مجموعی طور پر ان کے چھ نعتیہ مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ اڈیشا اردو ادب میں جن ادیبوں نے اپنے علم وفضل، نعتیہ اشعار اور ادبی خدمات کے بطور اپنا مقام بنایا ہے ان میں سید اولادِ رسول قدسی کا نام خاصا نمایاں اور نا قابلِ فراموش ہے۔ ان کے نعتیہ مجموعوں کے

نام اس طرح ہیں (گلہائے قدسی، انوارِ قدسی، گل و لالہ، لب ولہجہ، لوحِ محفوظ، خدا...نہ خدا سے جدا اور ماویٰ وملجا) نعتیہ نمونۂ کلام ملاحظہ کریں:

ہے میرے ہاتھوں میں ان کا دامن، مرا مقدر ہے مہکا مہکا
کھلے ہیں لب پر گلِ تشکر، کرم کا منظر ہے مہکا مہکا
نصیبہ کعبے کا جاگ اٹھا، قمر نبوت کا جوں ہی چمکا
ہے یہ نبی کے قدم کا جلوہ، حرم کا پتھر ہے مہکا مہکا

شعورؔ سمبلپوری: (ولادت: 1964ء) موصوف سمبلپور میں پیدا ہوئے۔ پہلے سید الطاف حسین حسرتؔ سے اصلاح لی۔ سرِ دست گھائل فریدی اور ناصر بلہوری کے شاگردوں میں سے ہیں۔ ان میں فکری طہارت بھی ہے اور دل میں جذبۂ ایمانی کا چراغ بھی روشن ہے۔ ان کے نعتیہ کلام میں ہر پہلو سے عشق رسول کی جھلک نظر آتی ہے اور خلق محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اچھی تصویر کشی ملتی ہے۔ نمونہ کے طور پر درج ذیل کلام ملاحظہ کریں:

اے محمد ﷺ کے دیوانوں تم پر ایسی رحمت کی چادر تنی ہے
خیر مقدم کی خاطر تمہارے ہاتھ پھیلائے جنت کھڑی ہے
شان ہے سبز گنبد کی یارو، جس کی تعظیم کرتے ہیں طائر
یہ بھی اک معجزہ ہے نبی ﷺ کا ساری دنیا جسے دیکھتی ہے

خاور نقیب: (ولادت: 1965ء): موصوف سونگڑا میں پیدا ہوئے۔ جہاں وہ ایک پُرگو شاعر ہیں وہیں ادیب، صحافی، نقاد اور ایک مترجم بھی ہیں۔ نظم کے ایک جانے مانے شاعر ہیں۔ ان کی تصانیف میں: ادبی رسالہ ترویز کی ادارت، سلاخوں کے پیچھے، صریر نامہ (خطوط کا مجموعہ)۔ قلم فردوس (منظومات) شامل ہیں۔ ان کے حمدیہ اشعار ملاحظہ کریں:

خامۂ احساس کو تاب وتواں دیتا ہے وہ بے نوائی کو مری زورِ بیاں دیتا ہے وہ
رات کے دامن کو جگنو سے سجاتا ہے وہی طائرانِ صبح کو ذوقِ اذاں دیتا ہے وہ

احسن امام احسن: (بھوبنیشور): ولادت ۱۱ر اکتوبر ۱۹۶۸ء کو ہزاری باغ (جھارکھنڈ) میں ہوئے۔ اڈیشا میں ملازمت پائی تو کچھ سال تالچیر میں رہے۔ سرِ دست بھوبنیشور میں رہ رہے ہیں۔ نثر کے ساتھ ساتھ شاعری پر بھی دسترس رکھتے ہیں۔ دو شعری مجموعے اور تین نثری کتابیں شائع ہو چکی ہیں اور درجنوں کتاب زیرِ ترتیب ہیں اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ۔ نعتیہ اشکار میں ان کی قلبی بے چینی کو

محسوس کیا جا سکتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

فرمان رب ہے آپ ﷺ کا فرمان یا رسول ﷺ نازل ہوا ہے آپ ﷺ پہ قرآن یا رسول ﷺ
طیبہ کی سبزمین پہ جو احسنؔ پہنچ سکے اس پر یہ ہوگا آپ ﷺ کا احسان یا رسول ﷺ

منیر ارمان نسیمی: موصوف ۲۸/جولائی ۱۹۶۹ء کو بھدرک میں پیدا ہوئے۔ ان کا انشائیوں کا مجموعہ ''آ بیل مجھے مار'' اور شعری مجموعہ ''میں سورج کا چہرہ ہوں'' کے بعد ایک ناول ''تھینک یو کرونا'' شائع ہو کر مقبول ہو چکا ہے۔ عشق کے جذبات کو نعت کے قالب میں ڈھالنے کے فن سے بخوبی واقف ہیں۔ ان کے نعتیہ اشعار قارئین اور سامعین کو متاثر کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ان کے نعتیہ کلام میں عشقِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جھلک دیکھنے کو ملتی ہے۔ کلام ملاحظہ کریں:

میرے پیاسے لبوں کے نام آقا ﷺ حوض کوثر کا جام ہو جائے
میرے دل میں ہے بس یہی ارماں نعت خواں میں بھی نام ہو جائے

مختار راہی: (ولادت: 1970ء) موصوف راؤرکیلا میں پیدا ہوئے۔ رسائل و جرائد میں چھپتے رہتے ہیں۔ ناصر بلہوری سے اصلاح لیتے ہیں۔ موصوف کے نعتیہ کلام کے مطالعہ سے ان کی قادرالکلامی، زبان و بیان پر دسترس کا پتہ چلتا ہے۔ ان کے ہر ہر شعر سے عقدت کے سوتے پھوٹتے دکھائی دیتے ہیں۔ شاعر کی قلبی کیفیت کا پتہ چل رہا ہے کہ کس قدر حب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سرشار ہے۔ نعتیہ شاعری اور اسلوب اظہار کے اعتبار سے انفراد و امتیاز کے حامل دکھائی دیتے ہیں۔ موصوف کی نعت گوئی کا اندازہ بذریعہ اشعار ملاحظہ فرمائیں:

زمیں ہنس پڑی چرخِ کہن مہکنے لگا یہ کس کے آنے سے سارا زمن مہکنے لگا
چلی جو بات رسولِ خدا ﷺ کی اے راہیؔ پڑھا درود تو میرا دہن مہکنے لگا

سمن نسیمی: پورا نام سید مشتاق علی اور قلمی نام سمن نسیمی ہے نیز اسی نام سے شاعری کرتے ہیں۔ موصوف ۸/نومبر ۱۹۷۰ء کو بھدرک میں پیدا ہوئے۔ ان کا نعتیہ کلام وجذبات دروں کا آئینہ ہے جن میں عشقِ سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جھلک دیکھنے کو ملتی ہے۔ وہ نعت کے اشعار لکھتے ہوئے کسی تکلف، تصنع اور بناوٹ سے کام نہیں لیتے جس کی وجہ سے ان کے اشعار عام فہم ہونے کے ساتھ ساتھ گہرے تاثر کے بھی حامل ہوتے ہیں۔ بطور نمونہ کلام ملاحظہ کریں:

دیکھو چھانے لگی ظلمتوں کی گھٹا آیے خیر الوریٰ ﷺ آیے خیر الوریٰ ﷺ
زندگی کو ملا اک نیا راستہ آیے خیر الوریٰ ﷺ آیے خیر الوریٰ ﷺ

کوئی عثماں بنا کوئی مشکل کشا، آپے خیر الوریٰ ﷺ آپے خیر الوریٰ ﷺ
نور سے ہی چلا سلسلہ نور کا آپے خیر الوریٰ ﷺ آپے خیر الوریٰ ﷺ

اکمل علی اکمل: بھدرک (ولادت: 1975ء): اکمل ابھرتے ہوئے شاعر ہیں۔ محنت کر رہے ہیں۔ اچھی غزل کہتے ہیں۔ نعتیہ اشعار جھوم جھوم کر پڑھتے ہیں۔ ادب واحترام کے ساتھ نعت کہتے ہیں۔ کوشش جاری رہی تو خوب ترقی کرنے کے امکانات روشن ہیں۔ ان کی نعتوں میں خلقِ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اچھی تصویر کشی ملتی ہے۔ کلام ملاحظہ کریں:

محمد ﷺ کو خدا نے عرشِ اعظم پر بلایا ہے — محمد ﷺ کو خدا نے رحمتِ عالم بنایا ہے
نبی ﷺ نے چاند کے ٹکڑے کیے سورج پھرایا ہے — مرے آقا ﷺ کا تو پتھر نے بھی کلمہ سنایا ہے

اجے عالم: اجے کمار پنڈا: سمبلپور (ولادت: 1979ء): نعت گوئی کی تاریخ گواہ ہے کہ غیر مسلم شعرا کی ایک لمبی قطار نعت پاک کہنے میں دست بستہ نظر آتی ہے جنھوں نے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت شان میں نعتیں کہی ہیں۔ اجے عالم اس کڑی کے ایک فعال رُکن ہیں۔ موصوف نے درود وسلام کے نذرانے کے ذریعے سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نعت گوئی کا حق ادا کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کا اسلوب بیان بہت ہی عمدہ ہے۔ ان کے یہاں احترامِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور جذبۂ ایثار خصوصی اہمیت کا حاصل ہے۔ موصوف کے انداز میں روایتی سادگی، خلوص اور دردمندی پائی جاتی ہے۔ بطور نمونہ شعر ملاحظہ کریں:

اس میں رب کی رضا ہے پڑھو درود وسلام — سبھی دکھوں کی دوا ہے پڑھو درود وسلام
یہی تو حکمِ خدا ہے پڑھو درود و سلام — پڑھو درودِ مقدس رسولِ اکرم ﷺ پر

جعفر دانش: (ولادت: 1980ء) موصوف بھدرک میں پیدا ہوئے۔ مشاعرے کے کامیاب شاعر ہیں۔ نعت گوئی کی منفرد آواز اور مشاعرے کی جان ہیں۔ جہاں جاتے ہیں اپنی جادوئی آواز سے مشاعرے پر چھا جاتے ہیں۔ ان کے نعتیہ کلام میں ہر پہلو سے عشقِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ ان کی نعت گوئی میں ان کی شخصیت اور فکر وفن کا حسن نمایاں ہے۔ ان کے یہاں احترام رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور جذبۂ شیفتگی کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ اردو ادب کی خدمت ان کے ذریعے تعمیر کردہ اردو لائبریری ہے اور اڈیشا میں یہ اپنی نوعیت کی اوّلین لائبریری ہے جہاں بہت ساری نایاب کتابیں اور مخطوطے جمع ہیں۔ میری دلی دعا ہے کہ اللہ پاک انہیں قوم کی خدمت کرنے کی قوت عطا فرمائے۔ بطور نمونہ نعت پاک کے درج ذیل اشعار ملاحظہ کریں:

ترا ذکر سارے عالم میں دوام چل رہا ہے
کہیں صبح چل رہا ہے کہیں شام چل رہا ہے

نہ ترا ظہور ہوتا نہ یہ کائنات سجتی
یہ جہاں کا تیرے صدقے ہی نظام چل رہا ہے

عظیم بالیسری: بالیسر (ولادت: 1985ء): مشاعرے کے شاعر ہیں۔ اپنے نعتیہ اشعار سے سامعین کو متاثر کرتے رہتے ہیں اور مشاعرہ لوٹ لیتے ہیں۔ نعت کہنے کے لئے رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عقیدت ومحبت کا جذبۂ صادق ہونا لازمی ہے نیز نعت گوئی میں رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تمام تعظیم وتکریم کو ملحوظ خاطر رکھا جاتا ہے اور احتیاط برتی جاتی ہے کہ کہیں غلو نہ ہو، حتی لامکان احتراز واجتناب لازم ہے۔ نعت گوئی میں منصب رسالت کو اتنا نہ بڑھا دیا جائے کہ خدائی اور بندگی کا فرق نہ رہے اور اتنا گھٹا نہ دیا جائے کہ مرتبہ رسالت مجروح ہو جائے۔ عظیم بالیسری نے اپنی نعتوں میں قدم قدم پر اس کا خوب خوب احترام رکھا ہے۔ ان کے نعتیہ اشعار میں بلا کی آمد اور برجستگی ہے۔ موصوف ''ترجمان نیوز ٹائمز'' کے نام سے ایک یوٹیوب چینل چلا رہے ہیں اور قوم وملک کی خدمت میں مصروف ہیں۔ چار سال سے رمضان کے مبارک مہینے میں آن لائن نعتیہ مقابلہ منعقد کراتے رہے ہیں۔ اس سال کے لئے بھی تاریخ کا اعلان ہو چکا ہے۔ موصوف کے نعتیہ اشعار ملاحظہ فرمائیں:

اماموں سے افضل امام آرہے ہیں
وہ لے کر خدا کا کلام آ رہے ہیں

عظیم ان کی توصیف میں لکھ رہا ہوں
زباں پر درود و سلام آ رہے ہیں

مولانا محمد عطائے حبیب عطا: بھدرک (ولادت: 1988ء): محمد عطائے حبیب عطا کے نعتیہ کلام میں جہاں عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جھلکیاں نمایاں ہیں وہیں سیرت اطہر کی مدح سرائی کا عنصر بھی بدرجۂ اتم موجود ہے۔ موصوف کی شاعری ان کی خوش عقیدگی، خودسپردگی، احترام رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، جذبۂ شیفتگی، اور وارفتگی کے ایمان افروز ذائقوں سے عبارت ہے۔ ان کی نعت گوئی آشنائی ذاتِ مصطفےٰ سے غیر مشروط وابستگی کا مظہر ہے۔ ان کی نعتیں حضور پُر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بے پایاں محبت، والہانہ عقیدت اور وابستگی کا بین ثبوت ہے۔ نعت پاک کے چند اشعار بطور نمونہ پیش خدمت ہیں:

مدینے کی گلیوں کو جایا کریں گے
وہاں اپنی قسمت جگایا کریں گے

پیامِ محمد ﷺ زمانے کو دینے
شریعت کا پرچم اُڑایا کریں گے

محمد ناصر حسین دلرُبا: کٹک (ولادت: 1993ء) کا شمار ابھرتے ہوئے نوجوان شاعروں میں ہوتا

ہے جو فنی پختگی کہنہ مشقی کی دلیل ہے۔ محبت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم امت مسلمہ کا امتیازی وصف ہے اور اس نوجوان شاعر نے تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہوئے اپنے انداز میں معنی بھرنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ شعرا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اپنا سب کچھ نچھاور کرنے کی خواہش رکھتے ہیں۔ نمونہ کے طور پر اشعار ملاحظہ کریں:

دل یہ بے چین ہو آپ کا جب کبھی کسی کیلئے　　جامِ عشقِ نبی پیجئے روح کی تازگی کے لیے
تیری خوشنودی کا ہر عمل اور نعتِ نبی یا خدا　　تیرا ناصر ہو مشغلہ روز و شب ہر گھڑی کیلئے

سالک ادیب: (بھدرک): ۲۸/ اکتوبر ۱۹۹۴ء کو پیدا ہوئے۔ نعت پاک عقیدہ اور عقیدت کے درمیان درست راہ و رسم سے اختراع ہونے والے اظہار کا نام ہے اور عقیدت کا آئینہ ہے۔ سالک نے اپنی نعتوں میں ایک خاص فکر اور نظریاتی وابستگی نبھانے کی کوشش کی ہے اور بڑی باکیف نعتیں رقم فرمائی ہیں جس سے ان کے جلوۂ تخیل اور زور بیاں کا اندازہ ہوتا ہے۔ ان کے نعتیہ اشعار پڑھنے یا سننے کے بعد اس کی اثر انگیزی سوز و گداز، رقت خیزی اور عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رفعتوں کا پتہ چلتا ہے کہ وہ کس مقام پر فائز ہیں۔ ان کا کلام سادگی اور پُرکاری سے مزین ہے۔ بطور نمونہ کلام ملاحظہ کریں:

نیکی کا رہنما ہے صلِ علیٰ محمد ﷺ　　برکت کی انتہا ہے صلِ علیٰ محمد ﷺ
نعتِ نبی ﷺ قسم سے توفیق ہے خدا کی　　مولا کی یہ عطا ہے صلِ علیٰ محمد ﷺ

شوکت رشیدی: (کٹک): ان کے کلام میں جذبہ و تاثیر کا رنگ گہرا ہے۔ شوکت رشیدی اپنی نعتوں میں نہ صرف حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے شمیمِ قلب سے محبت و عقیدت کی باتیں کرتے ہیں بلکہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے شفاعت کے طلبگار بھی ہیں۔ موصوف کی نعتیہ شاعری حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے والہانہ محبت کی زندہ تفسیر ہے۔ کلام ملاحظہ کریں:

نہ چھوٹی ہے نہ چھوٹے گی کبھی ہم سے گلی تیری　　ہمارے واسطے فردوس ہے وابستگی تیری
نہ سمجھا ہے نہ سمجھے گا تجھے قرآن کا منکر　　کلام اللہ کی تفسیر گویا زندگی تیری

اجمل نقشبندی: موصوف کٹک کے سپاہی محلّہ میں پیدا ہوئے۔ جمشید پور میں مستقل طور پر رہ رہے ہیں۔ نعت کے معروف شاعروں میں سے ہیں۔ ان کے اب تک جو مجموعۂ کلام شائع ہوئے ہیں وہ اس طرح ہیں: صہبائے مدینہ، حرف حرف روشنی، لفظ لفظ نور، حضوری سے پہلے حضوری کے بعد، آپ ہیں بس آپ اور صحیفہ۔ ان کے نعت کے اشعار میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عشق بے پایاں کی درخشندگی کو بخوبی محسوس کیا جا سکتا ہے۔ نمونۂ کلام ملاحظہ کریں:

مقدر ہمارا بھی بیدار ہوگا رُخِ مصطفیٰ ﷺ کا جو دیدار ہوگا
نبی ﷺ کی محبت ثمر بار ہوگی عمل سارا جس وقت بے کار ہوگا

آثر نظامی: موصوف بالیسر میں پیدا ہوئے۔ان کا نعتیہ مجموعہ ’’نور کی لکیر‘‘ اور شعری مجموعہ ’’نئے طوفان نئے ساحل‘‘ شائع ہو کر منظرِ عام پر آ چکا ہے۔نعتیہ شاعری کا تعلق براہ راست سیرتِ پاک اور صورتِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہے۔نعت گوئی میں چونکہ عقیدے کا بڑا دخل ہوتا۔بغیر عشقِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نعتیہ شاعری نامکمل ہے۔ان کی نعتوں میں ہر پہلو سے عشقِ رسول کی جھلک نظر آتی ہے۔حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کردار کے مختلف پہلوؤں کا ذکر بڑے احترام سے ہوا ہے۔خوشی کی بات یہ ہے کہ آثر نظامی نے اپنی نعتوں میں مجموعی طور پر حفظِ مراتب کا خیال لازمی طور پر رکھا ہے۔وفورِ شوق اور جذباتِ عقیدت کے اظہار میں ان کا قلم بہت ہی محتاط ہے۔ان کی نعتوں میں عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جھلک جا بجا دیکھنے کو ملتی ہے۔موصوف کا اندازِ شاعری بذریعہ اشعار ملاحظہ کریں:

میں ستم زدہ ہوں مرے نبی مرا دل بہت ہی ملول ہے
تری رہبری مجھے چاہئے کہ قدم قدم پہ ببول ہے
کرے رشک جس پہ مری گھٹا وہ نبی کی زلف دراز ہے
جسے چومتے ہیں ملائکہ وہ نبی کے پاؤں کی دھول ہے

عظیم الدین عظیم: (بھوبنیسور): نعت گوئی کے لیے دل میں عشق کا ہونا ضروری ہے اور قدرت نے انہیں عشق نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جوہر سے خوب نوازا ہے۔ان کی نعتوں کے مطالعے سے عشقِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں اضافہ ہوتا ہے، دل و دماغ روشن ہو جاتے ہیں۔ان کے خوبصورت نعتیہ اشعار نبیِ محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں مدحت سرائی کا انفرادی مقام رکھتے ہیں۔جو یقیناً خوبصورت، عطر بیز اور دلنشیں اسلوب اظہار کے اعتبار سے خوب تر ہیں۔ذیل میں ان کے نعتیہ اشعار وابیات کے نمونے ملاحظہ کریں:

تمنا دل کی پوری اس گھڑی سرکار ہو جائے مری قسمت چمک اٹھے اگر دیدار ہو جائے
زباں کھلتی نہیں آ کر عظیم ان کی حضوری میں یہ میری خامشی مولا لبِ اظہار ہو جائے

عاجز سونگڑوی: (کٹک): ان کی نعتیہ شاعری میں دلی جذبات نہایت دلکش انداز میں پائے جاتے ہیں۔انہوں نے نعت گوئی کے سفر میں حزم واحتیاط کا دامن تھامے پُر پیچ اور دشوار گزار راہوں سے گزر

کر اپنی منزل مقصود پانے کی ہر ممکن کوشش کی ہے جس میں وہ کامیاب بھی ہوئے ہیں۔ان کا انداز بیان نہایت محتاط ہے۔خاص کر انہوں نے نعت پاک کے اساسی منظر نامے کو عصری بصیرت و آگہی کا آئینہ بنا کر پیش کیا ہے۔عاجز کی نعتیں فن سخن اور عقیدتِ ارفع کا حسین امتزاج رکھتی ہیں۔ان کی نعتوں میں والہانہ پن اور استغراق بدرجۂ اتم محسوس کیا جا سکتا ہے۔نیز ان کی نعتوں میں خلق محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اچھی تصویر کشی ملتی ہے۔کلام ملاحظہ کریں:

پھر رواں آہوانِ حرم ہیں جانبِ سبزہ زار مدینہ پھر معطر فضا ہو گئی ہے پھر ہے فصل بہار مدینہ
خاک نعلین پائے مقدس اور گرد و غبارِ مدینہ میری بیمار آنکھوں کی خاطر سرمۂ نور بس یہی ہے

عنایت علی عنایت: (بالاسور): عشق صادق اور عقیدت مندی نے انھیں حب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جذبے کی سرشاری، سرمستی اور بلندی کا رمز آشنا بنا دیا ہے۔نعتیہ اشعار تخلیق کرتے وقت احتیاط اور ثابت قدمی ان کی معیاری نعت گوئی کا طرۂ امتیاز بن گیا ہے۔ان کے نعتیہ اشعار میں احترام رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور جذبۂ وارفتگی کو خصوصی اہمیت حاصل ہے نیز عشق سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا رنگ کافی گہرا ہے۔ان کی نعت گوئی میں نہ صرف ان کی شخصیت اور فکر و فن کا حسن نمایاں ہے بلکہ مدحتِ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تمام رعنائیاں واضح ہیں۔رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اوصاف حمیدہ کی تعریف کے ساتھ ساتھ اللہ کے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اخلاق حسنہ کا ذکر پورے احترام و اہتمام کے ساتھ کیا گیا ہے۔نموتاً چند اشعار ملاحظہ کریں:

نعت نبی سے بہتر کوئی شاعری نہیں ہے عشقِ نبی سے بہتر کوئی عاشقی نہیں ہے
میرے نبی سے برتر کوئی نبی نہیں ہے وہ ہیں حبیبِ داور، وہ ہیں امام مرسل

انور حسین انور بھدر کی: خاکسار کی پیدائش ۵/جون ۱۹۵۶ء کو بھدرک کے نواحی گاؤں گوجیدرہ میں ہوئی۔استاد محترم مولانا کفیل فتح پوری سے اصلاح لی اور بعد میں چند غزلوں پر استاد شاعر مرحوم خضر حیات ناگپوری سے بھی مشورۂ سخن کیا۔تین شعری مجموعے،''درد سے بھیگی تنہائی''،''دشتِ تنہائی کا مسافر''اور''تنہا پلوں کا کرب''کے بعد تحقیقی و تنقیدی کتاب''فن اور فنکار-فاروق احمد جائسی''منظرِ عام پر آ چکی ہے۔اب تک دس کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔دل سے میں اپنا قلمی استاد محترم جناب فاروق احمد جائسی (کانپور) کو مانتا ہوں جن کی رہنمائی میں نثر نگاری میں جگہ بنانے کی کوشش کر رہا ہوں۔فی الحال ترجموں پر کام کر رہا ہوں۔چاہتا ہوں کہ کچھ اردو کے ادیبوں کی تخلیقات دوسری زبان میں ترجمہ کروں۔وہیں دوسری زبان خاص کر اڑیا ادب کو اردو میں ترجمہ کرنا چاہتا ہوں تا کہ اڑیا زبان

پر ہورہے کاموں کو اردو داں طبقہ سمجھ سکے۔ نعتیہ کلام ملاحظہ کریں جو میری ایک ادنیٰ کوشش ہے:

خوشبوؤں سے فضا بھی مہکنے لگی، جب بھی چلنے لگا سلسلہ نعت کا
ہر طرف چاندنی چاندنی ہوگئی، جس طرف بھی چلا قافلہ نعت کا
نعت کی رہ گزر اتنی آساں نہیں، سب کو معلوم ہے کتنی ہے یہ کٹھن
گر نہ ہوتا کرم آپ ﷺ کا یا نبی ﷺ مجھ سے ہوتا نہ سر مرحلہ نعت کا

صنف شاعری میں فن نعت پاک کو معتبر مقام حاصل ہے۔ اس فن کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ نعت گوئی ایک مقدس و محترم اور پاکیزہ و طاہر صنف سخن اور روحانی مشغلے کا نام ہے جس کے ذریعے شاعر رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بے پایاں عشق سے لے کر، اسوۂ حسنہ، معجزات، جذبۂ ایثار، انسانیت نوازی، جیسے رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جڑے متعدد موضوعات کو شعری اسلوب میں ڈھال کر خوبصورت شعری پیکریت عطا کرتا ہے۔ اس ضمن میں حضرت مولانا مفتی محمد اشرف علی باقوی، اپنے مضمون ''خوش الحان اور بلند آہنگ شاعر مبین منور'' میں فن نعت گوئی کے تعلق سے فرماتے ہیں:

''شاعری بذاتِ خود فنِ لطیف ہے اور نعت گوئی تو نہایت ہی لطافت و نزاکت کی مقتضی ہے پھر اس کا جو رکن اساسی ہے وہ عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے جو قلب صافی اس سے سرخوش و سرشار ہوتا ہے وہی نعت کا مصدر و منبع بنتا ہے۔ یہی عشق نعت گوئی کو تراوت و تازگی، شادابی و رعنائی، نور و سرور اور عطور و بخور سے مکیف کرتا ہے۔ بصورت دیگر نعت گوئی خشک لفاظی اور بے کیف لن ترانی کا مظہر بن جاتی ہے۔''[۱۳]

ادب نے کئی رجحان دیکھے ہیں اور متاثر بھی ہوا ہے لیکن ان بدلتے رجحانوں کا اب تک کوئی اثر فن نعت پر نہیں ہوا ہے یہی اس فن کی عظمت اور اہمیت کا باعث بھی ہے۔ نعت گو شعراء آج بھی عشق رسول میں سرشار مدح رسول میں، احترام رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت کے مقاصد اور پیغام کو عام کرنے میں ہمہ تن مصروف ہیں اور تا قیامت مصروف رہیں گے۔ اس معتبر فن کی نہ تو کوئی حد نہ حدود۔ کسی بھی Format میں نعت پاک کہی جا سکتی ہے۔ نثر ہو یا پھر نظم، شعرائے قوم وملت کی زبوں حالی اور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں قوم و ملت کی فریاد کرتے تھے، کرتے رہے ہیں اور تا قیامت کرتے رہیں گے۔

اپنے مضمون ''وجدان کا دروبست'' میں حضرت علامہ مولانا محمد قاسم حبیبی برکاتی ، فرماتے ہیں:

''نعت کے لغوی معنی تعریف وتوضیف کے ہیں۔ اصطلاح شریعت میں نعت صرف ممدوح رب العالمین محسن انسانیت رحمتہ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعریف اور مدح میں کہے گئے اشعار کو کہتے ہیں۔ ارباب علم ودانش اور صاحبانِ علم وفن نے نعت پاک مصطفےٰ علیہ التحیتہ والثناء کے تعلق سے بہت کچھ لکھا ہے لیکن نعت محبوب کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا معاملہ اس قدر پُر وقار ومستحسن ہے کہ خود رب کائنات اور خالق ارض وسماء اپنے حبیب ومحبوب دانائے غیوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نعت بیان فرماتا ہے اور قرآن پاک میں جگہ جگہ مصطفےٰ جان رحمت کی تعریف وتوصیف بیان فرما کر تمام جن وانس کو مدحت نگاری ونعت گوئی کی طرف متوجہ ہونے کا خوبصورت جذبہ عنایت فرماتا ہے۔''[۱۴]

یہ امر باعث اعزاز ہے کہ اڈیشا کی سرزمین اردو کے معاملے میں سنگلاخ ہوتے ہوئے بھی یہاں کے شعراء میں فن نعت گوئی کی طرف خصوصی توجہ مرکوز ہے۔ جن کی ایک لمبی فہرست ہے۔ کئی نعت گو شعراء کے نعتیہ مجموعے شائع ہو کر منظرِ عام پر آئے اور مقبول بھی ہوئے ہیں۔ ادھر چند دہائیوں میں اڈیشا میں نعت نگاری کو بے حد فروغ حاصل ہوا ہے۔ سید اولادِ رسول قدسی، جن کے چھ نعتیہ مجموعے اب تک شائع ہو چکے ہیں۔ اسی طرح اسحاق انور کے چار نعتیہ مجموعے شائع ہوئے ہیں۔ فیضی سمبلپوری، محبوب محشر، اثر نظامی اور سعید رحمانی کے دو دو نعتیہ مجموعے منظرِ عام پر آ چکے ہیں۔ جبکہ خالد رحیم، نفیس دسنوی کے ایک ایک نعتیہ مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ اسی طرح آج کے انٹرنیٹ کے زمانے میں ناصر فراز جیسے نعت گو شعراء ''یوٹیوب'' پر دھوم مچائے ہوئے ہیں۔ کئی شعراء اپنا نعتیہ مجموعہ شائع کرنے کے لئے اہتمام کر رہے ہیں اور عنقریب ان کے مجموعے بھی منظرِ عام پر آنے ہی والے ہیں۔ یہاں یہ بھی خوشی کی بات ہے کہ کئی غیر مسلم شعراء نے بھی خوبصورت نعتیں کہی ہیں اور کہہ رہے ہیں۔ شاعرات نے بھی نعتیہ حرف ولفظ کے نذرانے پیش کئے ہیں۔ جن شعرا کے نعتیہ اشعار مجھے مل پائے میں نے اس مضمون میں شامل کرنے کی کوشش کی ہے۔

نعت کے لئے کوئی ہیئت یا فارم مخصوص نہیں ہے۔ شروع شروع میں نعتیں مثنوی، قصیدہ اور غزل کی ہیئت میں لکھی جاتی تھیں بعد میں رباعی اور قطعات میں کہی جانے لگیں لیکن جب نظم

نگاری مختلف ہیئتوں میں ہونے لگی اور اس میں نئے نئے تجربے کیے گئے تو اس کا اثر نعت نگاری پر بھی ہوا اور عہد حاضر میں نعتیں نہ صرف نظم، آزاد نظم، نثری نظم، ماہیا، ہائکو اور دوہے کے فارم میں لکھی جا رہی ہیں بلکہ نثر میں بھی نعتیں لکھی جا رہی ہیں۔ المختصر جہاں تک نعت کا تعلق ہے اس کا مستقبل تا قیامت روشن ہے۔

مجھے اس حقیقت کا شدت سے احساس ہے کہ بڑی تعداد میں نعت گو شعرائے اڈیشا کا تذکرہ اس مضمون میں نہیں ہو پایا ہے۔ مجھے اپنی نارسائی و بے بضاعتی کا اعتراف ہے۔ اس مضمون کو تحریر کرنے میں میرے کئی خیر خواہوں نے میری امداد کی ہے جن کا دل کی گہرائیوں سے مشکور و ممنون ہوں۔

مآخذ

(i)- آب خضر (پروفیسر کرامت علی کرامت)

(ii)- اڑیسہ میں اردو (پروفیسر حفیظ اللہ نیو لپوری)

(iii)- اڑیسہ میں اردو شاعری (سعید رحمانی)

(۲)- نعت گو شعراء کے ناموں کی ترتیب ان کے سن ولادت کے لحاظ سے رکھی گئی ہے۔ جن کا سن ولادت معلوم نہیں کر پایا انہیں آخر میں رکھا گیا ہے۔

حواشی وحوالہ جات:

۱- آبِ خضر- کرامت علی کرامت، اڑیسہ اردو پبلیشرز، کٹک، ۱۹۶۳ء- ص 9، 10

۲- اڑیسہ میں اردو- حفیظ اللہ نیو لپوری، قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، دہلی، ۲۰۰۱ء- ص 33

۳- اڑیسہ میں اردو- حفیظ اللہ نیو لپوری، قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، دہلی، ۲۰۰۱ء- ص 452

۴- عروج احساس (مجموعۂ حمد و نعت)- ناظر صدیقی، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۲۰۱۸ء- ص 33

۵- خیر الانام (حمدیہ و نعتیہ مجموعہ)- خالد رحیم، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۲۰۱۹ء- ص 8

۶- آبِ خضر- کرامت علی کرامت، اڑیسہ اردو پبلیشرز، کٹک، ۱۹۶۳ء- ص 166

۷- نورِ حرا، (مجموعۂ حمد و نعت)- سید نفیس دسنوی، اخبار اڑیسہ پبلی کیشنز، کٹک، ۲۰۱۴ء- بیک فلپ

۸- نئے تنقیدی مسائل اور امکانات- کرامت علی کرامت، ایجوکیشنل پبلسنگ ہاؤس، دہلی، ۲۰۰۹ء- ص 357

۹- دبستانِ نعت، شمارہ نمبر ۲، مدیر ڈاکٹر سراج احمد قادری، نعت ریسرچ سینٹر انڈیا، خلیل آباد (یوپی) جنوری- دسمبر ۲۰۱۷ء- ص 373

۱۰- دبستانِ نعت، شمارہ نمبر۲، مدیر ڈاکٹر سراج احمد قادری، نعت ریسرچ سینٹر انڈیا، خلیل آباد (یوپی)
جنوری-دسمبر۲۰۱۷ء-ص373
۱۱- رحمتوں کا سائباں (نعتیہ مجموعہ)۔سعید رحمانی، اسلامک اسٹڈیز ریسرچ سینٹر، کٹک،۲۰۰۱ء-ص14
۱۲- خیرالانام (حمدیہ و نعتیہ مجموعہ)۔خالد رحیم-ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی،۲۰۱۹ء-ص10
۱۳- اذکارِ مبین۔مبین منور-کرناٹک اردو اکادمی، بنگلور،۲۰۱۲ء-ص4
۱۴- وجدان (نعتیہ مجموعہ)-یاؔور وارثی، کانپور،۲۰۱۱ء-ص17

☆☆☆

ڈاکٹر شبیر احمد قادری (فیصل آباد، پاکستان)

نعتِ محمد صلِّ علیٰ ایک انمول نعتیہ مجموعہ از شہزاد بیگ

نعت کہنا، محبّانِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ایک اجتبائی عمل ہے، نعتیہ شاعری مومن کے ربطِ باطنی کا ظاہری پیرایہ ہے اس میں دیدۂ تخیل سے زیادہ اپنے اندر کی آنکھ کو کُھلا رکھنا ہوتا ہے۔ نعت، حرفوں اور لفظوں کے توسل سے حُبِ رسول کی روشنی عام کرنے کا عملِ خیر ہے۔

شہزاد بیگ (ا) کی نعت میں مرکزیت ان موضوعات کو حاصل ہے جو مشمولات کی ثروت مندی کی جانب اشارہ کرر ہے ہیں۔ یہ نعتیں اُن کی کیفیاتِ دلی کی ترجمان ہیں، وہ غزل گوئی کے ''بیاباں'' سے نعت کی وادیِ گُل میں داخل ہوئے ہیں اور اُن گلوں کی مہک سے مشامِ جاں کو معطر پاتے ہیں اس مہک کو اس کتاب میں شامل حرف حرف سے محسوس کیا جاسکتا ہے۔

گلستان مدینہ سے آنے والی بادِ عطر فشاں کو صرف وہی لوگ محسوس کر سکتے ہیں جن کے مشامِ جاں، تہذیبِ غیر سے آلودہ نہیں ہوتے، اور وہ اس کارنیک بنیاد کو نشیب وانحداد سے اٹھ کر اوج وعروج کے زینے پر قدم رکھنے اور اس کی اہمیت کو سمجھتے ہیں شہزاد بیگ کی نعتیہ شاعری میں سرزمینِ اقدس سے محبت کے انمٹ نقوش صاف دیکھے جاسکتے ہیں۔

شہزاد بیگ کے اس مجموعۂ نعت کی پیشکش اور اشاعت کے ذریعے اپنے ذہن کی بالیدگی کا سامان کرنے کی سعی کی ہے۔'' (ا)

نمونہ نعتیہ اشعار:

شہزاد واپسی کا نہیں مجھ میں حوصلہ — اور رات آخری ہے محمد کے شہر میں

ہر شعر میرا بارشِ مدحت سے ڈھل گیا — لہجے کی سب سہولتیں مجھ پر اتر پڑیں

روندتے جا رہے ہیں سب مجھ کو — راستے کا غبار ہوں آقا

جب پگھلتے ہوں میرے جسم و جاں — تب محمد لکھوں میں صلِّ علیٰ

طیبہ کی سمت جاتے سفینے میں بیٹھ کر — میں نعت لکھ رہا ہوں مدینے میں بیٹھ کر

آقا مجھ کو بھی آسانیاں بخش دیں جو سفر ہو ظفر کھول دیں یا نبی

اکادمی ادبیات پاکستان کے سربراہ ڈاکٹر یوسف خشک (۲) شہزاد بیگ کے بارے میں لکھتے ہیں:

''برادرم شہزاد بیگ'' آپ کی اس نعتیہ مجموعہ ''نعتِ محمد صلِ علیٰ'' کو پڑھنے کے بعد اندازہ ہوا کہ اللہ پاک نے آپ کو عشق نبوی کے اس اعلیٰ منصب سے نوازا ہے جہاں شعر گوئی، نعت گوئی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ جس میں عشق، ذوق اور مستی میں یہ نعتیہ اشعار لکھے گئے ہیں وہ شاعر کی علمی حیثیت اور ہمارے نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ عشق کو ثابت کرتے ہیں۔ یہ کلام جن کی نسبت نبی معظم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے، آپ کی دینی و دنیوی تکریم کا باعث بنے گی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس عشق میں مزید اضافہ ہو اور ہم سب کو اپنے محبوب کی محبت نصیب فرمائے۔ آمین

''نعتِ محمد صلِ علیٰ'' میں ڈاکٹر یوسف خشک، پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی، سید افسر ساجد، ڈاکٹر انعام الحق جاوید، جلیل عالی، ناصر علی سید، تنویر سحری، کوثر علی، زاہد فخری، سرور حسین نقشبندی، پروفیسر محمد طاہر صدیقی، ریاض احمد قادری اور پرویز خالد شیخ کے ابتدائیے شامل ہیں۔ ان اہل قلم نے شہزاد بیگ کی تقدیسی شاعری کو مختلف قرینوں سے سراہا ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی نے صدفی صد درست لکھا ہے کہ نعت نگاری کی صلاحیت ہر شاعر کا مقدر نہیں کیونکہ یہ صرف عروضی عشق نہیں بلکہ توفیق ہے جس کے مستحق چند افراد ہی ہوتے ہیں۔ موصوف کے مطابق:

''شہزاد بیگ ایک ایسے توفیق یافتہ انسان ہیں جو نعت سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مستحق قرار پائے ہیں۔ شہزاد بیگ کی عقیدت دیدنی ہے اور اس کا اظہار ایک امتیاز ہے۔ عشق و مستی کے رنگوں میں رنگے ہوئے الفاظ ایک قرینے کے ساتھ لکھے گئے ہیں۔ ہر شعر داخلی وارفتگی کا مظہر ہے۔ شہزاد بیگ کا زیادہ تر موضوع مدینہ کا تذکار ہے۔ وہ ہمہ تن مدینہ منورہ کی طرف کھنچے جاتے ہیں اور مقدس فضا کی کرم فرمائی سے سرشار ہیں (۳) ڈاکٹر قریشی نے ''نعتِ محمد صلِ علیٰ'' کو ایسا مجموعہ قرار دیا ہے جو محبت کے ہر رخ کا پتہ دیتا ہے مگر مرکزی موضوع دیارِ اقدس ہی ہے۔ اس ضمن میں دیباچہ نگار موصوف نے جن اشعار کو جزو دیباچہ بنایا ہے۔ پیشِ خدمت ہیں:

میں آپ کا ہوں فقط نعت ہے مرا ورثہ ہے میرے دل میں تڑپ بے بہا مدینے کی
دل کو سکوں ملا مری آنکھوں کی روشنی کس درجہ تازگی ہے محمد کے شہر میں
کچھ دن قیام شہر مدینہ میں کیا کیا جینے کی سب حقیقتیں مجھ پر اتر پڑیں

آخری اب تو تمنا ہے تو اتنی شہزاؔد جائیں ہم باردگر شہر مدینہ کی طرف
اک عمر سے یہی ہے مرے دل کی آرزو مجھ کو بھی ہو نصیب زیارت حضور کی

سید محمد افسر ساجد لکھتے ہیں:

محمد افسر ساجد نے فروغِ ادب کے ذیل میں شہزاد بیگ کی عملی کاوشوں کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھا ہے:

''نعت ایک انتہائی پاکیزہ اور متبرک صنف ادب ہے جس کا مرکز و محور آنحضور پیغمبر اسلام نبی آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مبارکہ ہے۔ شہزاد بیگ کا نعتیہ کلام نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عشق و عقیدت کا ایک خوبصورت گلدستہ ہے جس کے توسط سے وہ بھی نعت نگاروں کے موقر حلقہ میں شامل ہو گئے ہیں۔ فیصل آباد کو شہر نعت اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہاں فی زمانہ صنف نعت کے معتبر شعرائے کرام اور تذکرہ نگاروں کا قیام رہا ہے۔۔۔ شہزاد بیگ نے عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور فضائے مدینہ منورہ میں مکمل استغراق سے یہ نعتیں قلم بند کی ہیں۔''(۴)

محمد افسر ساجد نے فیصل آباد کے نعت کے حوالے سے جن شخصیات کا ذکر کیا ہے ان کے نام ملاحظہ ہوں:

خلیق قریشی، منظور احمد منظور، حافظ لدھیانوی، صائم چشتی، اختر سدیدی، ریاض مجید، آصف بشیر چشتی، امیر نواز امیر، کوثر علی، ڈاکٹر شبیر احمد قادری، ڈاکٹر افضال احمد انور، پروفیسر ریاض احمد قادری، ثنا اللہ ظہیر، ڈاکٹر اصغر علی بلوچ، علامہ ضیا حسین ضیا، محمد افسر ساجد خود بھی بہت عمدہ نعت نویس اور نثر نگار ہیں۔ انھوں نے اپنے ابتدائیے میں شاعر کے درج ذیل اشعار نقل کیے ہیں:

قدسیوں کے جلو میں ہوتا ہوں نعت کا جب نزول ہوتا ہے
مدینہ، مدینہ، مدینہ، مدینہ ہے جینے کا مقصد ثنائے مدینہ
میرے لکھے کا یوں بھرم رہ جائے شعر خود ہی کشید ہو جائے
یہ منزل عقبیٰ بھی بڑی چیز ہے شہزاؔد حاصل جسے عقبیٰ ہے یہ جنت کی سند ہے

اکادمی ادبیات پاکستان کے سابق سربراہ ڈاکٹر انعام الحق جاوید نے غزل اور نظم گوئی سمیت دیگر اصناف سخن میں شہزاد بیگ کے خوشگوار اظہار کی ستائش کرتے ہوئے درست لکھا ہے کہ وہ لمحہ موجود کے شعرا میں اپنی پہچان بنانے میں کامیاب رہے ہیں۔۔۔ موصوف کی رائے میں:

''نعت محمد صل علیٰ'' شہزاد بیگ کے حسن بیاں اور عقیدت کا عاجزانہ اظہار ہے۔نعت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سنت الٰہی اور اتباع رب جلیل ہے۔اس کائنات کا ہر گوشہ اور نور ونکہت کے یہ سب سلسلے محبوب خدا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک ہستی کا فیضان ہے جنھیں رحمۃ للعالمین اور محسن انسانیت بنا کر بھیجا ہے۔نعت نگاری کی جدید تاریخ نے ذکر رسول محتشم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اہل قلم کے اظہار سخن کے لیے ذریعہ نجات بنا دیا۔محبی شہزاد بیگ بھی قافلہ نعت نگاراں میں اپنی عقیدتوں کی کتاب تھامے دربار الٰہی میں شفاعت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طلبگار دکھائی دیتا ہے۔شہزاد بیگ نے اپنی نعتوں میں اپنے عجز کا اظہار آنسوؤں کے قلم سے کیا ہے۔اور اپنے قلب کی باطنی طہارت سمیت اپنے عہد اور اپنے وطن کے احوال وحالات کا مقدمہ بھی پیش کیا ہے۔اس کی نعتوں میں اس کے دل کا اخلاص جھلکتا ہے۔شہزاد بیگ نے مدحت رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کرتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف، آپ کے کمالات ، پیغام حقانیت، فلسفہ تخلیق انسانیت، آپ کی سیرت، آپ کی حیات طیبہ اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمودات کو اپنے تخلیقی بیانیے کا حصہ بنایا ہے اور اثر انگیز نعتیں کہی ہیں۔''(۵)

ڈاکٹر انعام الحق جاوید نے شہزاد بیگ کی ایک نعت کے یہ دو شعر بطور مثال درج کیے ہیں:

میرے نبی نے ہر خطے میں دستک دی — عربی عجمی ہر لہجے میں دستک دی
سب سے آخری دستک تھی یہ دنیا میں — اس لیے آپ نے ہر گوشے میں دستک دی

''نور نہایا راستہ'' جیسے اہم نعتیہ مجموعے کے شاعر جلیل عالی نے نعت گوئی کے احیاء کو تشکیل پاکستان کی تہذیبی برکات سے مربوط کیا ہے۔انھوں نے نعت نگاروں کی فہرست میں شہزاد بیگ کی شمولیت کو خوش آئند قرار دیا ہے۔

پشاور سے متعلق ممتاز شاعر اور نثر نویس ناصر علی سید کا کہنا ہے:

''شہزاد بیگ کے عقیدت ومحبت سے شرابور نعتیہ کلام کو پڑھ کر بے ساختہ دل سے دعا نکلتی ہے کہ اس سچے عاشق رسول کے فن اور زندگی میں مولا کریم بہت برکت ڈالے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ ہمت اور سعادت اسے

خدائے بخشندہ نے بخشی ہے ورنہ تو نعت کا ایک شعر کہنے میں بھی اعصاب
جواب دے دیتے ہیں کہ ہمہ وقت ۔ با محمد ہوشیار کی تلوار سر پر لٹکتی رہتی ہے۔
ذرا سا شاعر چوک جائے تو ساری ریاضت بے معنی ہو جاتی ہے۔ خیر مجھے
شہزاد بیگ کے نعتیہ مجموعے ''نعت محمد صلی علیٰ'' کے نعتیہ کلام میں ان کے
جذبات، احساسات اور محسوسات کی سطح بہت بلند لگی۔''(۶)

ممتاز نعت خواں سید زبیب مسعود بخاری نے ادبی حوالے سے سرزمین فیصل آباد کی شعری، فنی، ادبی، ثقافتی، تحقیقی، تخلیقی، تہذیبی اور تمدنی اعتبار سے زرخیزی کی بات کرتے ہوئے شہزاد بیگ کی نعت میں جذبے کے وفور اور جذبات کی کشش کی جانب اشارات کیے ہیں جو اپنی طرف متوجہ کرتی ہے اور کیوں نہ کرے کہ بات دل سے نکلے تو دل پر دستک تو دے گی۔ (۷) سید زبیب مسعود شاہ بخاری نے اپنے ابتدائیے میں شہزاد بیگ کا یہ شعر بطور مثال درج کیا ہے:

ایسی خوشبو آئی شہر مدینے سے　　جس نے دل کے ہر قریے میں دستک دی

رام پور سے متعلق جناب تنویر سحری نے شاعر کی تخلیقی اپروچ اور علمی صلاحیتوں کا اعتراف کرتے ہوئے اس مجموعے میں شامل کلام کو شاعر کے تابندہ تخیلات اور عقیدتوں کا مظہر قرار دیا ہے ''نعت محمد صلی علیٰ'' کی تمام نعتیں دل و نظر میں گداز پیدا کرتی نظر آتی ہیں اور روح کو معطر کرتی محسوس ہوتی ہیں۔''(۸)

ممتاز شاعر جناب کوثر علی کے شاملِ کتاب مضمون کا عنوان بہت بامعنی ہے ''نعت کی گفتگو بھی نعت نگاری ہے'' موصوف کی رائے میں شہزاد بیگ کی نعتیہ کتاب کے بارے میں رائے دیتے ہوئے میرا دل فرط انبساط سے سرشار ہے اور سر فخر سے بلند ہو رہا ہے کہ حضور کی شان اور شان کے بیان میں کہے گئے اشعار کا جائزہ اور ستائش میرے نصیب میں آئی ہے۔ ان کی نعتیہ شاعری میں ایک عجب انداز پایا جاتا ہے۔ یہ روایتی نعت نہیں۔ اسلوب تازہ ہے اور مضامین بھی نو بہ نو ہیں۔ عام طور پر ملک پاکستان میں ایک ہی طرح کی نعتیں کہی جا رہی ہیں لیکن شہزاد بیگ کی نعتیں چیزے دیگر کے ضمن میں آتی ہیں۔ نعتیں تو یہ ہیں ہی لیکن ان میں حضور سے قلبی اور روحانی محبت کا وفور بھی نقطہ عروج پر ہے۔ آپ کے پیغام کو پھیلایا گیا ہے۔ آپ سے محبت کو دلوں میں اتارا گیا ہے کیونکہ یہ کلام شاعر کے دل سے پھوٹا ہے اس میں رنگ بھی ہے، خوشبو بھی ہے اور رس بھی یہ معمول کا کلام نہیں۔ خاص رحمت سے نوازا ہوا کلام ہے۔ آپ کو کتاب کے ہر صفحے پر نور و وفور میں ڈبوئے ہوئے اشعار ملیں گے۔ شہزاد بیگ جس در کا سوالی ہے وہاں اسے ''نہ'' نہیں ہوئی اور اس نے بھی ہر عطا کو سنوار بنا کر پیش کیا ہے۔

نت نئی زمینیں ہیں اور نت نئے انداز ہیں۔ نعتیہ شعور پہلی نہیں اگلی سطحوں کا حامل ہے۔'' (۹)

آپ نے شہزاد بیگ کی نعت گوئی کے بارے میں ممتاز ارباب فکر ونظر کی وقیع آراء ملاحظہ کیں۔ ستائش کے رنگ اپنی جگہ، ان اہل قلم نے شہزاد بیگ کی نعتوں کے متنوع زاویوں اور تازہ گوئی کا بغور جائزہ لیتے ہوئے اپنے اپنے ذوق کے مطابق ان کے اشعار کا انتخاب بھی کیا ہے۔ مذکورہ شعرا و ادبا کے ساتھ ساتھ زاہد فخری، سرور حسین نقشبندی، محمد طاہر صدیقی، پروفیسر ریاض احمد قادری اور پرویز خالد شیخ نے بھی موصوف کی شخصیت، ان کی محنت، لگن اور فکر وفن کو خوب سراہا ہے۔ معروف شاعر افتخار عارف کی شان دار رائے ملاحظہ ہو:

> ''شہزاد بیگ''، ''شہر خاشاک''، ''میری آنکھیں'' اور ''تہمت'' جیسے خوش گوار و دل آویز شعری مجموعوں کے بعد ''نعت محمد صل علی'' کے عنوان سے نبی آخر الزماں احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں اپنے ثنائیہ کلام کے ساتھ حاضر ہو رہے ہیں اور یہ بات ان کے لیے سعادت و شرف، امتیاز و افتخار کی ہے۔ اردو ادب کی صدیوں کو محیط شاعری کے سفر میں قیام پاکستان کے بعد شعرائے گرامی نے حمد، نعت ومنقبت وسلام کا جو سرمایہ تخلیق کیا ہے پوری تاریخ میں اس کی دوسری مثال نہیں ملتی۔ اپنے وجود کی بنیادی شناختوں میں عقیدہ وعقیدت کا اظہار لفظ کو حرمت ومعنویت عطا کرتا ہے۔ شہزاد بیگ کی تریسٹھ نعتیں سرکار دو عالم آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان کے تعلق خاص کو ظاہر کرتی ہیں۔'' (۱۰)

حوالہ جات وحواشی

شہزاد بیگ پاکستان کے تیسرے بڑے شہر فیصل آباد سے متعلق ایک فعال اور متحرک شخص وشاعر ہیں۔ ان کی شعوری حیات کا بڑا حصہ قلم قرطاس کی خدمت کرتے گزرا ہے اور بحمد اللہ وہ اب بھی اس شعبہ حیات میں سرگرم کار ہیں۔ درجنوں کتابوں کے مصنف اور مؤلف ہیں۔ ادبی ادارہ ''اکائی'' کے مہتمم اعلی اور ادبی رسالہ ''سخن'' کے مدیر کی حیثیت سے بھی انہوں نے نمایاں کامیابیاں سمیٹیں۔

☆☆☆

حوالہ جات وحواشی

(۱) کتابیات (شعری مجموعے)

''شہرِ خاشاک'' ۱۹۹۶ء

''میری آنکھیں''۲۰۰۶ء

''تہمت''(این بی ایف ایوارڈ یافتہ 2019ء) ۲۰۱۵ء

''نعتِ محمد صلِ علیٰ''(عالمی ایوارڈ یافتہ کاروان ادب برطانیہ)۲۰۲۰ء

''پرندے وجود میں''۲۰۲۳ء

مرتبہ کتب

''ڈاکٹر طاہر تونسوی ایک مطالعہ'' (مضامین)۲۰۰۵ء

''روپ غزل کے'' (شعری انتخاب)۲۰۰۶ء

''سخن''(ادبی مجلّہ)(ادارت)۲۰۲۰ء

''شعورِ مدحت''(نعتیہ انتخاب)۲۰۲۱ء

''عالمی نعتیہ مشاعرہ''(اکادمی ادبیات پاکستان)۲۰۲۲ء

''عالمی عیدملن مشاعرہ''(اکادمی ادبیات پاکستان)۲۰۲۲ء

''دیدبان''(۱) (فیصل آباد کے مرحوم شعرا کا انتخاب)۲۰۲۳ء

اعتراف

بی ایس مقالہ''(جی سی وومن یونیورسٹی لاہور) (مائدہ ظفر)۲۰۲۰ء

ایم فل مقالہ(جی سی یونیورسٹی فیصل آباد)(انیلا ناصر) ۲۰۲۳-۲۰۲۴ء

اشاریہ شہزاد بیگ(ڈاکٹر شبیر احمد قادری)۲۰۲۳ء

زیرِ طبع

''دیدبان''(۲) (فیصل آباد کے مرحوم شعرا کا انتخاب)

شعرائے فیصل آباد (انتخاب)

''شہزادیات'' (اخباری کالم)

''شہرِ نعت'' (انتخاب)

''شعور بولتا ہے''(مرتبہ)

۲- ڈاکٹر یوسف خشک، ابتدائیہ، حوالہ مذکورہ بالا، ص۲۲

۳- محمد اسحاق قریشی، ڈاکٹر، دیباچہ، مشمولہ: نعت محمد صل صلی، : شہزاد بیگ، فیصل آباد، لاہور: اکائی پبلشرز، طبع اول ۲۰۱۹ء طبع دوئم ۲۰۲۳، ص ۲۳

۴- محمد افسر ساجد، ابتدائیہ، حوالہ مذکورہ بالا ص ۲۵

۵- انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، شہزاد بیگ: شفاعت رسول کا طلب گار، ابتدائیہ، حوالہ مذکورہ بالا ص ۲۷

۶- ناصر علی سید، ابتدائیہ، حوالہ مذکورہ بالا ص ۳۰

۷- زبیب مسعود بخاری، سید، ابتدائیہ، حوالہ مذکورہ بالا ص ۳۱

۸- تنویر سحری، رائے، حوالہ مذکورہ بالا ص ۳۲

۹- کوثر علی، رائے، حوالہ مذکورہ بالا ص ۳۴

۱۰- افتخار عارف، پس ورق، حوالہ مذکورہ بالا

☆☆☆

ڈاکٹر ستار ساحرؔ (کڈپہ، اے پی)

سلیمان اطہر جاویدؔ کی نعت گوئی

(''آنگن آنگن دکھ کے پیڑ'' کے خصوصی حوالہ سے)

پروفیسر سلیمان اطہر جاویدؔ برِ صغیر کے مشہور و مقبول ناقد ہیں۔ آپ بیک وقت ہر دلعزیز استاد و نگران، مخلص انسان، پایہ کے محقق، مؤثر مرقع نگار، بے باک کالم نگار اور معتبر شاعر ہیں۔ موصوف نے شرافت و انسانیت، محبت، محنت اور اصولی استقامت کے عناصرِ خمسہ سے اپنی شخصیت کا آئینہ خانہ سجایا ہے۔ آپ کی 30 سے زائد بیش قیمت تصانیف بلا شبہ اردو شعر و ادب میں گراں قدر اضافہ ہے۔ موصوف ہمارے عہد کے انتہائی ذہین، صاحبِ نظر اور ممتاز ادیب شاعر ہیں۔ انہوں نے اپنے سلجھے ہوئے مؤثر، غیر رسمی طرزِ تحریر اور بصیرت سے معمور انکشافی رویہ سے ہمیشہ اپنے قاری کو ایک خوش گوار رویے سے دوچار کیا ہے۔ ان کی تحریروں کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ حیدرآباد کی جامعۂ عثمانیہ کی صد سالہ تاریخ میں یہاں کے فارغین کی فہرست کافی طویل ہے۔ جس میں شعر و ادب، تحقیق و تنقید اور تعلیم و تدریس سے تعلق رکھنے والی ایک قدآور شخصیت کا نام پروفیسر سلیمان اطہر جاوید ہے۔

ایک عمومی خیال ہے کہ بہترین نثر نگار اچھا شاعر نہیں ہوسکتا، جو صرف خیال ہی ہے کیوں کہ اردو شعر و ادب میں ایسی کئی مثالیں موجود ہیں کہ بیشتر قلم کاروں نے نظم و نثر میں اپنے دیرپا نقوش چھوڑے ہیں۔ سلیمان اطہر جاویدؔ کا شمار بھی ایسے ہی قلم کاروں میں کیا جاسکتا ہے جو بہترین نثار ہیں اور نمائندہ شاعر بھی۔ اس کا ثبوت موصوف کا شعری مجموعہ ''آنگن آنگن دکھ کے پیڑ'' ہے جو 1996ء میں شائع ہوکر منظر عام پر آچکا ہے۔ یہ شعری مجموعہ حمد، نعت نظم اور غزل کا ایک معتبر اور معطر گلدستہ ہے جو فنِ شاعری پر ان کی قدرت کا ثبوت ہے۔ اس میں نظموں اور غزلوں کی تعداد زیادہ ہے۔ جنوبی ہند کے معتبر ادیب اور شاعر علیم صبا نویدی، سلیمان اطہر جاوید کی غزل گوئی پر اظہار خیال کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''سلیمان اطہر جاویدؔ صاحب نے غزل کو غزل ہی رہنے دیا ہے۔ کہیں اس کے وقار کو صدمہ پہنچانے کی کوششیں نہیں کی۔ حتی الامکان بھرپور شاعرانہ روایت کے ساتھ اپنے خیالات کو قاری کے سامنے رکھا۔ یہ بات بہت زیادہ محسوس ہوتی ہے کہ موصوف کا مخاطب کوئی نہیں۔ وہ از خود یا باخود کچھ کہتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ کبھی زیرِ لب کوئی بات کہہ لی یا ذرا اونچی آواز میں کچھ بتادیا۔ یہ رویہ ان کی غزل کے اکثر و بیشتر اشعار میں دکھائی دیتا ہے۔''

(نذرِ جاوید۔ ص:98)

اردو اور فلمی دنیا کے نامور شاعر اختر الایمان نے پروفیسر جاوید صاحب کی نظموں کے بنیادی رجحان کی نشاندہی کی ہے جو حقیقت پر مبنی ہے وہ لکھتے ہیں:

''ان کی نظموں کو پڑھنے سے یہ ضرور احساس ہوتا ہے کہ اپنے اظہار کے لیے انھوں نے نعرہ بازی کا راستہ اختیار نہیں کیا۔ پھر بھی اپنے گرد و پیش پر ایک تنقید ضرور ہے۔ یہ پرخلوص جذبہ ایک دن انھیں ضرور قابلِ قدر شاعر بنا سکتا ہے۔''

(''آنگن آنگن دکھ کے پیڑ''۔ بیک فلیپ)

سلیمان اطہر جاویدؔ نے کئی طرحی نعتیہ مشاعروں میں اپنا نعتیہ کلام پیش کرنے کی سعادت حاصل کی ہے تاہم انھوں نے اپنے شعری مجموعے ''آنگن آنگن دکھ کے پیڑ'' میں صرف دو نعتوں اور ایک نعتیہ شعر پر اکتفا کیا ہے۔ ان کی نعتیہ شاعری کمیت کے اعتبار سے نہیں بلکہ کیفیت کے نقطۂ نظر سے وزن و وقار کی حامل ہے۔

نعت' ایک نہایت ہی پاکیزہ اور مقدس صنفِ سخن ہے دنیا کی بڑی زبانوں میں نعت کی روایت موجود ہے۔ ادبیات عالم کے ساتھ ساتھ تمام آسمانی صحیفوں اور کتابوں میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف بیان کی گئی ہے۔ نعت شریف کا حاوی موضوع ''عشق'' ہے۔ تاہم اس میں اور دنیا کی تمام شاعری میں عشق کا جو موضوع ہے دونوں میں نمایاں فرق پایا جاتا ہے۔ عام عشقیہ موضوع کے ''رنگ'' ہزار اور ''جلوے'' بے شمار ہیں۔ یہ عشق فرزانگی اور دیوانگی کا درس دیتا ہے۔ جب کہ نعت اقدس میں جو عشق ہے وہ حد ادب ملحوظ رکھنا سکھاتا ہے۔ یہ حیرت انگیز نکتہ ہے کہ یہاں ''عشق'' اور ''ادب'' دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ اور ہر شاعر شعوری یا غیر شعوری طور پر جذباتِ عشق کے اظہار

کے ساتھ ہی حدادب کوملحوظ رکھنے کی پوری کوشش کرتا ہے۔

سلیمان اطہر جاوید جیسے اہل ایمان' اس حقیقت سے بہ خوبی واقف ہیں کہ نعت یاس وحرماں اور مصائب کا نام ونشان مٹا دینے والی عظیم نعمت ہے۔نعت سے ہی دل کو زندگی ملتی ہے اور زندگی کو کامیابی۔اس تناظر میں سلیمان اطہر جاوید کے نعتیہ شعر ملاحظہ کیجیے:

غمِ حیات سے چھلنی وجود ہے میرا میں جیسے روضۂ اقدس کی کوئی جالی ہوں
قدم قدم پہ ہوا خون آرزوؤں کا میں کیا بتاؤں سراپا شفق کی لالی ہوں
عطا کچھ اور بھی دولت ہوعلم وعرفاں کی یہ غم کبھی نہ رہے گا کہ جیب خالی ہوں

سلیمان اطہر جاوید کا درج ذیل شعر یہ ثبوت فراہم کرتا ہے کہ ان کی حیات اور فکر وفن کی ابتداء رسالت صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور انتہا بھی:

اک حرفِ نعت جو میرا قبول ہوجائے مری حیات کی قیمت وصول ہوجائے

سلیمان اطہر جاوید نے نہایت ہی احترام کے ساتھ نعت گوئی کی سعادت حاصل کی ہے۔ان کے سیدھے سادے جذبات' انتہائی شفاف اسلوب میں ڈھل گئے ہیں۔موصوف کی نعوت جذب و کیف سے لبریز ہیں یہ دیکھیے:

حضور! میں کہ گدا پر گدائے عالی ہوں کہ در کا آپ کے ادنیٰ سا اک سوالی ہوں
نہ ہوں شمار میں اور نہ کسی قطار میں ہوں جو ایک آپ سے نسبت ہے بے مثالی ہوں
نفس نفس کہ ثنا خوانِ ختم مرسل ہے میں اپنی ذات سے پھولوں کی ایک ڈالی ہوں

موصوف نے اپنے اشعار میں حد درجہ سلیس اور صاف وشستہ زبان استعمال کی ہے۔ان کے دربارنبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے لگاؤ میں داخلی کیفیت کا بے پناہ شوق نظر آتا ہے۔نیز آورد اور تصنع کا شائبہ تک نظر نہیں آتا۔

سلیمان اطہر جاوید نے عام روش سے ہٹ کر' مدحت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ کائنات کی گہرائیوں اور گیرائیوں کی طرف انتہائی بلیغ اشارے کیے ہیں نیز علم وعرفان کے بیشتر درواکیے ہیں:

وہ ایک نام کہ جو اصل دین وایماں ہے وہ ایک نام کہ جو ماوَرائے بحث و دلیل
وہ ایک نام کہ جو علم وعشق کا عرفاں وہ ایک نام کہ جو صرف پیار کی قندیل
وہ ایک نام کہ جو وجہِ خلق ارض وسما وہ ایک نام کہ جو کائنات کی تکمیل

موصوف کے نعتیہ اشعار نزاکت' جامعیت اور عقیدت سے پُر ہیں۔انھوں نے بڑے خوب

صورت انداز اور ہنر مندی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کی عظمت کا اعتراف اور اظہار کیا ہے۔ مدحت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا انداز منفرد ہے جس کو ہم ندرت، اختراع اور صناعی سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ جس کے نمونے غالباً اردو کے عظیم شاعروں کے ہاں نظر آتے ہیں۔ شعر ملاحظہ فرمائیں:

وہ ایک نام کہ صحرا میں جیسے برگ نخیل　　وہ ایک نام کہ تابندگی، خوشی کی دلیل
وہ ایک نام کہ قربان جس پہ رب جلیل　　وہ ایک نام کہ جو ایں و آں کا حاصل ہے
وہ ایک نام کہ جس پر نثار ہر تمثیل　　وہ ایک نام کہ جس پر فدا ہر اک تشبیہ

یہ شاعر کے عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اظہار کا غیر معمولی اور انتہائی بلیغ انداز ہے جس میں الفاظ کے تکرار سے حسن پیدا کیا گیا ہے۔

عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اظہار کا معاملہ انتہائی نازک ہے۔ جذبۂ عشق میں اخلاص ہو تو اس میں شدت کا پیدا ہونا ناگزیر ہے۔ ایک سچے عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر جب شاہِ امم کی محبت میں گم ہونے کی کیفیت طاری ہوتی ہے تو اس کے قلم سے بے ساختہ ایسے شعر تخلیق پاتے ہیں:

وہ ایک نام اندھیروں میں نور کی تنزیل　　وہ ایک نام کہ گلبن مہک مہک اٹھے
وہ ایک نام کہ جو اپنی آپ ہی تفصیل　　وہ ایک نام کہ جو بے نیازِ شرح و بیاں

دراصل عشقِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ایک روحانی طاقت ہے اور ایسا عشق کسی کو نصیب ہو جائے تو اور کیا چاہیے۔ عموماً اس نوعیت کا عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ولیوں اور صوفیوں کے مقدر میں ہوتا ہے، تاہم شاذ و نادر ہی سہی مخلص انسان بھی اس سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔ غالباً استاذی پروفیسر سلیمان اطہر جاوید صاحب کا شمار ایسے ہی معدودے چند لوگوں میں ہوتا ہے۔

☆☆☆

ڈاکٹر شاہد احمد جمالی (جے پور، راجستھان)

راجستھان میں اردو نعت گوئی پر ایک نظر

صوبۂ راجپوتانہ جہاں ایک طرف بہادروں اور سرکشوں کی سرزمین رہا ہے وہیں دوسری طرف علم و ادب کا گہوارہ بھی رہا ہے۔ چنانچہ یہاں سترہویں صدی کے اواخر سے اردو زبان و ادب کے واضح ثبوت نظر آتے ہیں۔ اٹھارہویں صدی کے نصف دوم میں اردو رسم الخط میں تصانیف بھی دستیاب ہوتی ہیں اور یہ سلسلہ بڑھتے بڑھتے جب انیسویں صدی کی دہلیز پر پہنچتا ہے تو اردو زبان و ادب کی خدمت کے لئے بے شمار شخصیات نظر آنے لگتی ہیں۔ راجستھان میں ادب کے ہر شعبہ میں کام ہوا ہے خواہ نثر ہو یا نظم ہو۔ شاعری کے دیگر اصناف کے ساتھ یہاں نعت گوئی کو بھی بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ زیرِ نظر مضمون میں ''راجستھان کی نعت گوئی'' کا احاطہ کرنے کی کوشش کی ہے۔

نعت گوئی ایک مقدس ترین صنفِ سخن ہے۔ اور دنیا کی ہر اس زبان میں لکھی اور کہی جاتی ہے جسے اہلِ اسلام بولتے ہیں۔ نعت، اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک سچے تعلق کا ثبوت بھی ہے۔ نعت عربی زبان کا لفظ ہے، جس کے معنی تعریف و توصیف کے ہیں۔ لیکن مسلمانوں کی ہر زبان میں نعت کا لفظ صرف اور صرف سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح سرائی کے لئے مخصوص ہے۔ ہم جب بھی نعت کا ذکر کرتے ہیں تو اس سے مراد شاعری کی اس صنف سے ہوتی ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات و صفات اور ان کی شان میں مدح سرائی کی گئی ہو۔ مسلمانوں کے نزدیک نعت اپنے نبی سے محبت کے اظہار کا ایک ذریعہ ہے۔ وہ محبت جو ان کے ایمان کا جز ہے۔

حافظ محمود شیرانی نے راجستھان میں اٹھارویں صدی کے نصف اول کے چند مخطوطے دریافت کئے تھے جن کا رسم الخط اردو تھا لیکن زبان اپنے ابتدائی مراحل میں تھی۔ ان تصانیف کا ذکر انھوں نے اپنے مقالات میں تفصیل سے کیا ہے۔ یہ تمام تصانیف ریاست جے پور میں بود و باش رکھنے والے مہدویہ فرقہ سے تعلق رکھتی تھیں۔ گو اس زبان کو ہم مکمل طور پر اردو نہیں کہہ سکتے۔ کیوں کہ اس میں دکنی، گوجری، راجستھانی زبان کے الفاظ کی بھرمار ہے۔ اس میں جو نعتیہ اشعار شامل ہیں انھیں ہم

راجستھان کے اولین نعتیہ اشعار کہہ سکتے ہیں۔ جیسے یہ شعر ملاحظہ کریں:

اوّل صفت اللہ کی کر تو بھیج درود سلاماں   خاص نبی اور آل پر اور اصحاب کراماں
نبی محمد یہاں کد آوے   اس پر بادل چھانھ کراوے
نبی محمد کریں شفاعت   ہو قبول سب نیکی طاعت
آس نبی کی رکھے یوں خاصی   کریں شفاعت ہوئے خلاصی

(مقالات محمود شیرانی۔ جلد دوم۔ مرتبہ، مظہر محمود شیرانی۔ مجلس ترقی ادب لاہور۔ ۱۹۶۶۔ ص۔ ۲۳۵)

خواجہ نجم الدین نجم۔ فتح پور شیخاواٹی (۱۷۹۰۔ ۱۸۷۰)

خواجہ نجم الدین راجستھان کے اولین اردو شعراء میں شمار کیئے جاتے ہیں۔ آپ کے نام سے درجنوں کتابیں منسوب ہیں۔ ان کے کلام میں بھی نعت کے اشعار وافر مقدار میں ملتے ہیں:

جب چاہا حق پاک نے پیدا کروں جہاں   اوّل نور محمدی کینا حق سبحان
پاک محمد مصطفیٰ نبیوں کے سرتاج   عطا کیا حق پاک نے ان اوپر معراج
شکر کرو اے دوستو حق کے لاکھ ہزار   امت احمد کے اندر ہمرا کیا اوتار

(پیوملانی غیر بھولانی۔ خواجہ نم الدین نجم۔ ۱۹۰۶ء)

اسی طرح ریاست جے پور کے اکبر علی بیگ گل، جو میر تقی میرؔ کے شاگرد تھے۔ اور ۱۸۱۱ میں جے پور آگئے تھے۔ ان کے یہاں بھی نعتیہ اشعار ملتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

بہ شکل مصطفیٰ بن کر مجسم رحم یزدانی   ہوا ہے جلوہ فرما بخشنے کو جرم خلقت کا
فردوس سے اور باغ عدن سے مجھے کیا کام   میں نغمہ سرا بلبل بستان محمد
جو اشک گرا غم میں حسین ابن علی کے   گرنے نہیں دیتا اسے دامان محمد

(تذکرہ شعراء راجپوتانہ، پہلی جلد۔ پہلا ایڈیشن۔ راجپوتانہ اردو ریسرچ اکیڈمی، جے پور۔ ص۔ ۵۳۷)

نظیر حسن سخاؔ۔ جے پور (۱۸۶۱۔ ۱۹۳۳ء)

داغؔ دہلوی کے شاگرد تھے۔ دہلی میں پیدا ہوئے۔ زندگی کا بڑا حصہ جے پور اور اجمیر میں گزرا۔ درجنوں کتابیں ان سے منسوب ہیں۔ نعت کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

اے سخاؔ تجھ کو ستائیں گے اگر منکر نکیر   آئیں گے حضرت محمد مصطفیٰ تیرے لئے
پہلے تو حج سخا نے کیا اور حج کے بعد   پلٹے مزار احمد مختار دیکھ کر

عبدالکریم، بےخودؔ (اجمیر)

پورا نام منشی عبدالکریم تھا۔ اجمیر کے صوفیاء میں تھے، وہیں پیدا ہوئے اور وہیں تعلیم و تربیت ہوئی۔ عبدالصمد (تلمیذ غالبؔ) کے شاگرد تھے۔ درگاہ خواجہ صاحب میں ملازم تھے۔ اکثر نعت کہا کرتے تھے۔ آپ کا ایک نعتیہ صوفیانہ کلام کا مجموعہ 'کلام بےخودؔ' کے نام سے، ۱۹۱۴ء میں وحیدیہ پریس اجمیر سے شائع ہوا تھا۔ اسی مجموعہ سے چند اشعار پیش ہیں:

دل میں جو حبّ احمد مختار رہ گئی   محشر میں اپنی بات دلِ زار رہ گئی
درِ احمد پہ جاتی ہے صبا میری زباں ہوکر   یقیں ہے اب تو آئیگی تنِ عاشق کی جاں ہوکر

(تذکرۂ شعراءِ راجپوتانہ، پہلی جلد۔ پہلا ایڈیشن۔ راجپوتانہ اردو ریسرچ اکیڈمی، جے پور۔ ص۔۶۳)

منشی غلام حسین وفا۔ اجمیر

اجمیر میں پیدا ہوئے۔ سلسلہ حضرت وارث علی شاہ سے منسلک تھے۔ صوفی منش آدمی تھے۔ ضبطؔ اجمیری سے تلمذ حاصل تھا۔ دو شعر ملاحظہ فرمائیں:

ان کے قدموں میں دم نکل جائے   ہر بلا آئی سر سے ٹل جائے
میں تو جاتا ہوں اب مدینے کو   قافلہ آج یا کل جائے
آرزو ہے وفاؔ یہی اپنی   ان کے قدموں میں دم نکل جائے

('حقیقت اسلام' لاہور۔ جولائی ۱۹۳۲)

واجد حسین واجدؔ۔ بوندی (۱۸۹۵ء۔۱۹۴۱ء)

سیمابؔ اکبرآبادی کے شاگرد تھے۔ نعتیہ کلام کے نمونے پیش ہیں:

کشتیٔ امت تمہارے ہی سہارے ہے مصطفیٰ   آپ ہی سے تو لگے گی یہ کنارے مصطفیٰ
اشہدُ انّ محمد کا ہے چرچا چار سو   لاتے ہیں تشریف واجدؔ اب دُلارے مصطفیٰ

☆

آئے جبریل امیں احمدِ مختار کے پاس   اور کی عرض چلو داورِ داوار کے پاس

(سفینۂ مغفرت۔ محمد واجد حسین واجدؔ۔ افضل المطابع۔ بمبئی۔ ۱۹۳۲ء)

قاتلؔ شاہ میر محمد صدیق۔ اجمیر (۱۸۸۵۔۱۹۵۰)

پورا نام سید میر محمد صدیق اور تخلص قاتلؔ تھا۔ ۱۴؍جنوری ۱۸۸۵ کو لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے

والد کا نام میر سید یعقوب علی تھا۔ تعلیم و تربیت کی ابتدا گھر سے شروع ہوئی۔ سن شعور کو پہنچنے پر اجمیر میں تعلیم حاصل کی۔ جہاں محلّہ سیکری میں آپ کے والد رہا کرتے تھے اور ریلوے میں بحیثیت گارڈ ملازم تھے۔ اجمیر میں ہی ان کے ماموں سید علاء الدین کی صاحبزادی سے ان کی شادی ہوئی۔ سیمابؔ اکبر آبادی سے تلمذ اختیار کیا۔ تقسیم ملک کے حادثہ کے بعد کراچی چلے گئے جہاں دسمبر ۱۹۵۰ میں آپ کا وصال ہوا۔ نعت کے اشعار:

اے خیر امم امت سلطان مدینہ — دل سے نہ مٹے امت سلطان مدینہ
ادنیٰ سے اشارے پہ ہوئی بخشش امت — اے صل علیٰ رحمت سلطان مدینہ
کیا طور کے جلوؤں کی کروں گا میں تمنا — حاصل ہے مجھے رؤیت سلطان مدینہ
ہوتی رہی محشر میں ادا حشر کی رسمیں — ہم تکتے رہے صورت سلطان مدینہ

(تذکرۂ شعراء راجپوتانہ، پہلی جلد۔ پہلا ایڈیشن۔ راجپوتانہ اردو ریسرچ اکیڈمی، جے پور۔ ص۔ ۸۵)

شیخ محمد ابراہیم آزاد۔ بیکانیر (۱۸۶۸ء۔ ۱۹۴۷ء):

۱۸۶۸ء میں حسین پور، یوپی میں پیدا ہوئے۔ ۱۸۹۷ء میں بیکانیر میں جج ہوئے۔ ۱۹۴۷ء میں بیکانیر میں ہی انتقال کیا۔ ۱۹۱۳ء میں داغؔ کے شاگرد حضرت بےخودؔ دہلوی کی شاگردی اختیار کی۔ آپ کا زیادہ کلام حمد و نعت پر ہے۔ آپ کا شمار بیکانیر کے اردو مشاہیر میں ہوتا ہے۔ نمونۂ کلام یہ ہے:

ارمان ہے مدینہ کا کعبہ کی آرزو — لے چل خدا کے واسطے بخت رسا مجھے
زینت ہیں آپ عرش معلیٰ کے بام کی — اللہ رے منزلت شہ عالی مقام کی
رحمت یہ کہہ رہی ہے کہ لو خلد عاصیو — خیرات بٹ رہی ہے محمد کے نام کی

(بیکانیر میں اردو شعر و ادب۔ مرتبہ۔ حاجی خورشید احمد بیکانیری۔ ناشر۔ صدر حلقۂ ادب بیکانیر۔ اشاعت۔ ۲۰۰۶ء ص۔ ۱۷، ۱۵، ۱۴، ۱۳۔)

عبداللہ بیدلؔ بیکانیری

جنوری ۱۸۸۸ء میں بیکانیر میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۳۹ء میں سیشن جج کے عہدے سے ریٹائر ہوئے۔ ۱۹۲۳ء میں آپ نے بےخودؔ دہلوی کی شاگردی اختیار کی۔ مذہبی اقدار کی پاسبانی، ملنساری، سخاوت، خدمت خلق، مہمان نوازی آپ کی طبیعت کا خاصہ تھیں۔ نعتیہ اشعار ملاحظہ کریں:

تکتی تھی آنکھ جس کو وہی مہ لقا ہیں آپ — دل جس کو ڈھونڈتا تھا وہی دلربا ہیں آپ
کونین میں ہے روشنی حضرت کے نور کی — لولاک جن کی شان وہ خیرالوریٰ ہیں آپ

مرقد میں میرے کیوں نہ شب و روز نور ہو — بدر الدجیٰ ہیں آپ تو شمس الضحیٰ ہیں آپ

(باغِ فردوس۔عبداللہ بیدلؔ۔۱۹۳۵ء)

شاہ ولی الرحمٰن ولیؔ۔جے پور (۱۸۸۵۔۱۹۶۱ء)

نعت

ازل میں نورِ حق سے نور جب چمکا محمد کا — نظر آنے لگا ہر چیز میں جلوہ محمد کا

نہ ہوتا ذرّہ ذرّہ میں اگر جلوہ محمد کا — تو مرتا پھوڑ کر سر اپنا دیوانہ محمد کا

مبارک عاشقو، لو وہ نقاب اٹھا محمد کا — چلو جی بھر کے اب تم دیکھ لو جلوہ محمد کا

کلام اللہ میں کس وقعت سے نام آیا محمد کا — کلیم اللہ دیکھا آپ نے رتبہ محمد کا

نظر آتا نہیں کچھ فرق، اکثر دیکھتا ہوں — کبھی جلوہ خدا کا اور کبھی جلوہ محمد کا

ولیؔ کی یہ وصیت ہے کہ جس دم میرا دم نکلے — جبیں پر آبِ زر سے نام لکھ دینا محمد کا

عالمگیر کیفؔ ٹونکی۔(۱۸۶۰ء۔۱۹۴۰ء):

پورا نام عالمگیر خاں تھا۔۱۸۶۰ء میں ٹونک میں پیدا ہوئے۔دبستان امیرؔ مینائی سے تعلق تھا۔'وسیلہ شفاعت' کے نام سے ان کا نعتیہ مجموعہ ۱۹۱۰ء میں شائع ہو چکا ہے۔نعتیہ کلام کے اشعار:

ہر چیز میں ہے نور محمد کی ذات کا — پھیلاؤ ایک جز ہے کل کائنات کا

اے کیفؔ ان کا دست کرم عاصیوں پہ ہے — اونچا ہے شاخ جرم سے طرّہ نجات کا

خدا سے اپنی امت بخشوالی حشر سے پہلے — شفاعت نام ہے اس کا شفاعت اس کو کہتے ہیں

(تذکرۂ شعراء راجپوتانہ، پہلی جلد۔پہلا ایڈیشن۔راجپوتانہ اردو ریسرچ اکیڈمی، جے پور۔ص۔۳۳۰)

فرحتیؔ مولوی محمد عبید اللہ:۱۸۵۸ء۔۱۹۴۰ء

آپ کا تعلق امروہہ کے عباسی خاندان سے تھا۔والد کا نام عبداللہ عباسی تھا۔فرحتیؔ ۱۸۵۸ء میں امروہہ میں پیدا ہوئے۔عرصہ دراز تک درس وتدریس میں خدمات انجام دیں۔ریاست جودھپور اور ریاست اودے پور دونوں سے وابستہ رہے۔جودھپور کے ہائی اسکول میں فارسی کے مدرس رہے۔۱۸۸۵ء میں 'تحفہ راجستھان' کے نام سے اودے پور کی تاریخ لکھی۔فرحتیؔ عربی، فارسی، انگریزی، ہندی، گجراتی اور مراٹھی سے بھی پوری طرح واقف تھے۔فرحتیؔ نے نعت ومنقبت میں قصائد بھی کہے ہیں۔انتقال سے پہلے آپ اپنے وطن امروہہ آ گئے تھے وہیں ۱۹۴۰ میں انتقال کیا۔نمونہ کلام:

محتاج وہ نہیں کسی فخر مزید کا
جس کو شرف ملا ہے محمد ﷺ کی دید کا
گمراہ خلیل کا تھا پدر، نوح کا پسر
یہ مسئلہ ہے صاف کلامِ مجید کا

(تذکرۂ شعراء راجپوتانہ، پہلی جلد۔ پہلا ایڈیشن۔ راجپوتانہ اردو ریسرچ اکیڈمی، جے پور۔ ص۔۶۲۳)

اختر شیرانی۔(۱۹۰۵ء۔۱۹۴۸ء)

نعت

اگر اے نسیم سحر ترا ہو گزر دیارِ حجاز میں
مری چشمِ تر کا سلام کہنا حضور بندہ نواز میں
عجب اک سرور سا چھا گیا مرے روح و دل میں سما گیا
ترا نام ناز سے آ گیا مرے لب پہ جب بھی نماز میں
تمہیں حدِّ عقل نہ پا سکی فقط اتنا حال بتا سکی
کہ تم اک جلوۂ راز تھے جو عیاں تھا رنگِ مجاز میں

مرزا مائل دہلوی، جے پور۔(۱۸۵۲۔۱۹۳۱ء)

۱۸۵۲ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ آپ کی ابتدائی تعلیم دہلی میں رواج قدیم کے مطابق ہوئی شاعری کا شوق اثنائے تعلیم ہی پیدا ہوا۔ اپنا کلام انورؔ دہلوی کو دکھایا۔ ۱۸۷۹ء میں آپ جے پور آئے اور سانبھر، علاقۂ جے پور میں آپ عرصہ تک نائب سرشتہ دار رہے پھر جے پور تبادلہ ہو گیا۔ ۱۹۳۱ء میں جے پور میں انتقال کیا۔

نعت

کیا اللہ کو خوش نام لے لے کر محمد کا
عجیب ڈھب حضرتِ آدم کو یاد آیا خوشامد کا
خلیل اللہ پر آتش بھلا گستاخ کیا ہوتی
سنانے آئے تھے مژدہ کسی کی آمد آمد کا
بنایا ہے دو عالم کو خدا نے ایک صورت سے
اِدھر بھی جلوہ احمد کا اُدھر بھی جلوہ احمد کا

فدا حسین فداؔ جے پوری

آگاہ دہلوی کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ یوسف علی خاں عزیز کی طرح بہت زود گو تھے۔ حسرتؔ جے پوری آپ ہی کے نواسے تھے:

نعت

تو ہی ختمِ رُسل تیرا نہیں ہے کوئی بھی ثانی
تیرے قبضہ میں دے دی ہے خدا نے حدِّ امکانی
حمایت جب نبی کی ہے تو پھر کیسی پریشانی
مرا کیا کر سکے گی یہ گناہوں کی فراوانی

نعت بشکل مسدس:

نہیں گزرا رسولوں میں کوئی اس سے سوا کامل　اسی کے دین سے سب دین باطل ہو گئے باطل
رسالت اور امامت کا تھا وہ صلی علیٰ حامل　ادھر اللہ سے واصل ادھر مخلوق کے شامل
خواصِ اس برزخ کبریٰ میں تھا حرف مشدد کا

محمد شریف خاں سیفؔ ٹونکی

ٹونک میں ۱۹۰۰ء میں پیدا ہوئے۔عالم گیر کیف ٹونکی کے صاحبزادے تھے۔کافی عرصہ والد کے ساتھ جھالا واڑ میں گزارا۔شاعری میں والد سے ہی تلمذ تھا۔چند نعتیہ اشعار بطور نمونۂ کلام پیش ہیں:

فرشِ زمیں پہ یہ دھوم ہے درود و سلام کی　عرشِ بریں پہ آپ کی نغمہ سرائی ہے
کرتے ہیں فرشتے بھی طواف شہہ والا　یہ گھر بھی تو اللہ کے محبوب کا گھر ہے
جبریلِ امیں بیٹھے توزانوئے ادب سے　اللہ رے اے مسندِ زانوئے محمد

سید یوسف علی یوسفؔ۔(پ،۱۸۸۰ء)

۱۸۸۰ء میں جھالا واڑ میں پیدا ہوئے۔آپ کے والد سید یعقوب علی جھالا واڑ کے دربار سے منسلک تھے۔دربار ہائی اسکول جھالا واڑ سے ۱۹۰۶ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا۔نعت کے چند اشعار ملاحظہ کیجیے:

کروں کیا وصف ان کا جن کا خود خالق ثنا خواں ہو　خدا کے بعد ان کے مرتبے کو کوئی کیا پہنچے
یوسفؔ آبرو رکھیں گے وہ میری آس تو ہے　جنھوں نے تجھ جیسے ہزاروں کی آبرو رکھ لی

عابد حسین بیدلؔ۔جودھپور:

ضلع بجنور کے رہنے والے تھے۔جودھپور میں مقیم تھے۔ذیل میں بیدلؔ کا وہ کلام پیش کیا جا رہا ہے جو' پیام یار' میں جودھپور کے حوالہ سے شائع ہوا تھا:

دل سے جسے کہ عشقِ رسالت مآب ہو　وہ کیوں نہ عاشقوں میں بھلا انتخاب ہو
جس دم کریں سوال نکیرین قبر میں　جاری زباں پہ نامِ رسالت مآب ہو
(پیام یار۔فروری۔۱۸۸۶ء۔ص۔۳)

ثابتؔ افضل حسین۔کوٹہ(۱۸۶۱ء۔۱۹۴۱ء)

کوٹہ میں ثابتؔ لکھنوی سب سے اہم شخصیت ہیں۔جنھوں نے اپنی تمام زندگی ادب کی تخلیق اور

تصنیف وتالیف میں بسر کی تھی، ان کا اصل نام افضل حسین تھا۔ ۱۸۶۱ء میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ وہیں تعلیم وتربیت حاصل کی۔ آپ کو اوجؔ لکھنوی سے تلمذ حاصل تھا۔ سنہ ۱۸۸۰ء میں بغرض تلاش معاش کوٹہ آ گئے۔ تمام عمر کوٹہ میں بسر کی۔ ۷۹ رسال کی عمر میں ۱۹۴۱ء میں ان کا وصال ہوا۔ نمونۂ کلام یہ ہے۔ نعتیہ رباعی:

پیدائش عالم کا سبب احمد ہیں		حقا کہ عجب رحمتِ رب احمد ہیں
ہیں اور نبی محبّ ِ حق یہ محبوب		خاصان خدا میں منتخب احمد ہیں

(جلوہ گاہِ پیغمبر۔ ص۔ ۶۲)

ابوالاسرار رمزی اٹاوی۔ جودھپور (۱۹۱۲ء۔ ۲۰۰۲ء)

اثر تصور پاک سے کسی نو بہارِ جمال کے		طبقات مطلع نور ہیں کرۂ جہان خیال کے
وہ معلم عرب وعجم، کہ جہاں پہ جس نے کیا کرم		وہ امیر قافلۂ امم مری جان ہو جس کے تہہ قدم
وہ رسولِ رحمت کبھی، کبھی رحمتوں کے مبین بھی		وہ کریم بھی وہ شجیع بھی وہ خطیب بھی وہ امین بھی

(صحرا میں بھٹکتا چاند۔ رمزی اٹاوی، ۲۰۰۱)

مظفر حسین مظفرؔ۔ (۱۹۲۸۔ ۲۰۰۰)

۱۹۲۸ء کو جھالا واڑ میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام حاجی عبدالرحمٰن تھا۔ آپ نیرنگؔ کا کوری ثم جھالا واڑی کی یادگار رہیں۔ ان کے انتقال کے بعد شفیقؔ جھالا واڑی سے مشورۂ سخن کیا۔ عربی، فارسی اور اردو پر پوری دسترس رکھتے تھے۔ میرے پیش نظر آپ کا ایک مجموعہ کلام ''گلدستہ نعت و بہار'' ہے:

جب عرب کا قمر جلوہ آرا ہوا		ذرہ ذرہ زمیں کا ستارا ہوا
چھٹ گئیں بدلیاں کفر و ظلمات کی		تیر گی میں وہ آئے اجالا ہوا

☆

رحمت حق نے لیا بڑھ کر مجھے آغوش میں		یا نبی جب آپ کی چشم عنایت ہو گئی
عشق احمد ہی میں ہے پوشیدہ عشق کبریا		جس نے سمجھا عاشقوں میں اس کو سبقت ہو گئی

مولانا قمرؔ واحدی۔ جے پور

برگزیدہ کوئی آپ سا کب ہوا مرحبا مرحبا مرحبا
آپ ہیں مصطفےٰ آپ ہیں مصطفےٰ مرحبا مرحبا مرحبا
اک اشارے ہی میں چاند شق ہو گیا ابر نے آپ پر آ کے سایہ کیا
سنگریزوں نے کلمہ پڑھا آپ کا مرحبا مرحبا مرحبا

آپ ہی کے لئے ہے زمین وزماں آپ ہی باعثِ خلق وکون ومکاں
آپ ہیں وجہ تخلیق ارض و سما مرحبا مرحبا مرحبا مرحبا

رضاؔ۔رضی الدین۔(۱۹۱۴ء۔۲۰۰۲ء):

پورا نام رضی الدین تھا۔والد کا نام سلطان الدین تھا۔جے پور میں ہی پیدا ہوئے،جے پور میں ہی تعلیم پائی۔شاعری میں یوسف علی خاں عزیزؔ (تلمیذ آگاہ دہلوی شاگرد مرزا غالبؔ) سے تلمذ حاصل تھا۔نعتیہ اشعار یہ ہیں:

خالق ہی حضور آپ کا جب مدح سرا ہو	مخلوق سے نعت آپ کی کس طرح ادا ہو
دنیا جنہیں کہتی ہے کہ محبوب خدا ہو	وہ آپ ہی اے صل علیٰ صل علیٰ ہو
اللہ کے محبوب ہو صادق ہو امیں ہو	توصیف حضور آپ کے اوصاف کی کیا ہو

☆

صداقتؔ کے دھنی تم پر صداقت ناز کرتی ہے	امام الانبیاء تم پر امامت ناز کرتی ہے

راحت امام الدین شاہ مسکینی۔(۱۹۱۹۔۱۹۸۲ء)

جے پور میں ۱۹۱۹ء میں پیدا ہوئے۔آپ کے والد وزیر الدین سرکاری ملازم تھے۔نہایت ملنسار اور خوش مزاج شخص تھے۔غزل میں ناظم عزیزی سے تلمذ تھا اور نعت میں مولانا کوثرؔ سے مشورہ کر تے تھے۔۱۹۸۲ میں آپ کا وصال ہوا۔آپ کے وصال کے بعد آپ کا مجموعۂ کلام شائع ہوا۔جس میں حمد،نعت،غزل،قطعات،منقبت وغیرہ شامل ہیں۔اسی مجموعہ سے نمونۂ کلام پیش ہے:

اشارہ چشم رحمت کا اگر سرکار ہو جائے	تو ہم عاصی گناہ گاروں کا بیڑا پار ہو جائے
پھر اس امت کو کیا فکرِ قیامت کیا غمِ دوراں	کہ جس امت کا خود شاہِ امم غمخوار ہو جائے

(سامان راحتؔ۔امام الدین راحتؔ مسکینی۔ناشر۔حاجی الیاس مسکینی۔جے پور۔۲۰۰۹۔)

مولانا منظور احمد کوثرؔ۔تلمیذ مائلؔ دہلوی (۱۸۷۱ء۔۱۹۵۷ء):

آپ ۱۸۷۱ء میں آگرہ میں پیدا ہوئے۔محمد منظور (۱۲۸۸ھ) آپ کا تاریخی نام ہے۔والد کا نام مولانا وارث علی تھا۔آپ کا خاندان صدیوں سے علم وفضل،ورع،تقوی،تعلیم وتعلم اور صحیح النسبی میں مشہور چلا آتا ہے۔آپ کا نسب چونتیس واسطوں سے سیدنا ابوبکر صدیق تک پہنچتا ہے۔جے پور آنے کے بعد شروع میں آپ کی تقرری چاند پول اسکول میں بحیثیت ہیڈ مولوی ہوئی۔پھر آپ

اورئینٹل کالج میں فارسی کے مدرس ہو گئے۔ مولانا کوثر کا انتقال جے پور میں ۵ر دسمبر ۱۹۵۷ء کو ہوا۔ آپ کے چند نعتیہ اشعار پیش ہیں:

خدا کے سامنے بھی مجھ سے پوچھو گے تو کہہ دونگا تمہارا ہوں تمہارا ہوں تمہارا یارسول اللہ

☆

شفاعت محمد کی رحمت خدا کی قیامت کے دن اور ہونا ہی کیا ہے
ایک رحیم ایک کریم اک محبّ اک محبوب حشر ہونا ہے مگر حشر میں کیا ہونا ہے

مونسؔ خداداد خاں۔ ۱۹۳۸۔ ۲۰۱۸)

آپ کی پیدائش جے پور میں ۱۹۳۸ء میں ہوئی۔ جے پور کے مہاراجہ کالج سے انٹر کا امتحان پاس کر کے مزید تعلیم کے لئے علی گڑھ بھیجے گئے۔ جہاں سے بی ایس سی اور ایل ایل بی کے امتحانات پاس کئے۔ شاعری میں اپنے والد فضاؔ سے تلمذ تھا:

زمین کس لئے جنت پہ مسکرائی ہے یہ بات جا کے مدینہ میں سمجھ میں آئی ہے
کوئی بتائے تو کیا شانِ مصطفائی ہے ادھر خدا ہے ادھر مدح خواں خدائی ہے
الجھ رہے ہیں نکیرین ان کی یہ ہمت دہائی ہے شئہ دیں آپ کی دہائی ہے

(باقیات۔ مجموعۂ کلام۔ خداداد خاں مونسؔ۔ ۲۰۱۷ء)

عزیزؔ حافظ یوسف علی خاں، تلمیذ آگاہ دہلوی (۱۸۸۹ء۔ ۱۹۷۵ء)

آپ ۱۸۸۹ء میں ٹونک میں پیدا ہوئے۔ مہاراجہ کالج، جے پور میں تعلیم حاصل کی۔ حضرت آگاہ دہلوی سے تلمذ حاصل تھا۔ چند نعتیہ اشعار دیکھئے:

گلشن اسلام میں ایسی بہار آئی کے بس فصل گل نے اس طرح لی ایک انگڑائی کہ بس
اس محمد سے ہوئی وہ عالم آرائی کہ بس ہے ولادت ہی میں ایسا حسن یکتائی کہ بس
حسن یوسف کا بھی شہرہ تھا بجا لیکن عزیزؔ دل کو وہ حسن محمد کی ادا بھائی کہ بس

ناظمؔ عزیزی۔ (۱۹۰۰ء۔ ۱۹۵۸ء):

منشی مظہر حسین نام، ناظمؔ تخلص، سنبھل ضلع مراد آباد کے رہنے والے تھے۔ ابتدائی تعلیم سنبھل میں حاصل کی تیرہ سال کی عمر میں اپنے والد مرحوم کے ہمراہ جے پور آئے۔ یوسف علی خاں عزیزؔ (تلمیذ آگاہ دہلوی) سے شرف تلمذ تھا۔ نعت کے اشعار یہ ہیں:

ہم اس کے ہیں جس کی ہے سراپا ذات نورانی
ہم اس کے ہیں نہیں کونین میں جس کا کوئی ثانی
ہم اس کے ہیں جس کا ہے لقب محبوب یزدانی
ہم اس کے ہیں کہ جس نے آل کی، کی ہم پہ قربانی
مجھے پرواہ نہیں گر بحرِ عصیاں میں ہے طغیانی
پہنچ جائے گی ساحل پہ مری کشتی با آسانی
وہ عاصی ہوں کہ جس کی رحمتِ حق خود ہے دیوانی
گناہوں سے نہیں محشر میں کچھ مجھ کو پشیمانی
مرا جب کام ہے ناظم محمد کی ثنا خوانی
ہمارے سامنے نارِ جہنم کیوں نہ ہو پانی

پارسا کوثری، جے پور۔(وفات،۱۹۹۰ء)

مولانا کوثر تلمیذ مائل دہلوی کے شاگرد تھے۔ان کا اصل میدان تو غزل گوئی تھا لیکن کبھی کبھی نعت بھی کہا کرتے تھے۔ایک نعت کے چند اشعار پیش کرتا ہوں:

حشر میں شانِ شفاعت دیکھنا
عام ہو جائے گی رحمت دیکھنا
اُن کے دیوانوں کی حالت دیکھنا
اک قیامت میں قیامت دیکھنا
اے گنہگارانِ اُمّت روزِ حشر
جوشِ بارانِ رحمت دیکھنا
ہم تو دیکھیں گے مدینہ واعظو
ہو مبارک تم کو جنت دیکھنا
پارسا سے بادہ کش پر حشر میں
بارشِ بارانِ رحمت دیکھنا

رشید احمد احمر جے پوری۔(وفات،۱۹۷۴ء)

نعت۔(نومبر ۱۹۵۴ء)

گواہی دے رہا ہے ہر نظارہ یا رسول اللہ
تم ہی ہو اصل میں کونین آرا یا رسول اللہ
وہ مغرب کا نیستاں ہو کہ مشرق کا گلستاں ہو
سبق لیتا ہے تم سے ہر ادارا یا رسول اللہ
اُبھرنا چاہتی ہے آج بھی ڈوبی ہوئی کشتی
تمہارے نام کا لے کر سہارا یا رسول اللہ
اُجالوں پر ہوا جاتا ہے پھر غلبہ اندھیروں کا
دکھا دو پھر جمالِ عالم آرا یا رسول اللہ

(سوانح اور کلام احمر۔مرتب، حافظ منظور ادیب۔ناشر، شاہد احمد،۲۰۱۲ء)

☆☆☆

ڈاکٹر مصباح احمد صدیقی (امروہہ)

امروہہ کے چند نعت گو

مصلح قوم و وطن، ماہر علم وفن حضرت سرسید احمد خان مرحوم و مغفور نے شمس العلماء حضرت خواجہ الطاف حسین حالی سے درخواست کر کے ایک مسدس ''مدوجزر اسلام'' لکھوائی۔ جب خواجہ الطاف حسین حالی نے یہ مسدس لکھ کر آپ کی خدمت میں پیش کی تو اس کو پڑھ کر سرسید احمد خاں بہت ہی زیادہ محظوظ ہوئے اور یہ تاریخی جملے ادا فرمائے کہ قیامت کے دن جب اچھے بُرے اعمال کا حساب و کتاب ہوگا اور خداوند قدوس مجھ سے پوچھے گا کہ تو کیا لایا ہے؟ تو میں دس بستہ عرض کروں گا کہ خواجہ الطاف حسین حالی سے ''مدوجزر اسلام'' لکھوا کر لایا ہوں ان شاءاللہ تعالیٰ اسی سبب میری بخشش ہو جائے گی۔

بس یہ ناچیز، حقیر وفقیر، سراپا تقصیر، خالی ہاتھ دربار خداوندی میں عرض کرے گا کہ بس تیرے محبوب پیغمبر رحمت اللعالمین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدح خوانوں پر چند مضامین اس اُمید کے ساتھ لکھے تھے کہ مالک جزوکل کے رحم وکرم سے یہی میری بخشش کا ساماں ہو جائیں گے۔

سرزمین امروہہ ایک ایسا علمی و ادبی گہوارہ ہے جہاں علم وفن، صنعت وحرفت کے ایسے ایسے نامور سپوت ملیں گے جنھوں نے اپنی خداداد صلاحیتوں سے ایک عالم کو اپنا گرویدہ کر لیا ہے۔ ان میدانوں میں احقر اگر صرف شاعروں کی ہی تعداد بتانے پر آئے تو بتا نہیں سکتا کیونکہ امروہہ شاعری کا ایک ایسا بحر ناپیدا کنار ہے جس کے قیمتی موتیوں مونگو، گھونگھے، بسد واحمر کو گنا ہی نہیں جا سکتا اور نا ہی ان کی صحیح قدر و قیمت متعین کی جا سکتی ہے اور یہ بات بھی مسلمہ ہے کہ اصل ہیرے کی پہچان ایک جوہری ہی کر سکتا ہے اور صحیح معنی میں ان کا تعارف بھی کرا سکتا ہے۔ مگر اللہ کے فضل و کرم سے آج مجھ کو ہی ہے حکم اذاں، لا الہ الا اللہ۔ تو اب بغیر کسی تنقیدی و تحقیقی جائزے وتبصرے کے چند معروف نعت گویوں کا یہاں ذکر بطور تبرک ملاحظہ ہو۔ تو سب سے پہلے اپنے استاذ مکرم مشہور و معروف عالم دین حضرت مولانا مفتی نسیم احمد صاحب فریدی علیہ الرحمہ (م: 18 اکتوبر 1988ء) کی نعت پاک پیش کرتا ہوں:

یہ عمل کرتے ہیں مشتاقانِ کوئے مصطفےٰ
رُخ بسوئے کعبہ ان کا دل بسوئے مصطفےٰ

سورۂ والشّمس کی تفسیر روئے مصطفےٰ
معنی واللیل زلفِ مشک بوئے مصطفےٰ

سب صحابہ سے عیاں ہے رنگ و بوئے مصطفےٰ
چار ان میں خاص کر تصویر خوئے مصطفےٰ

ان کی امت باعمل ہو ایک ہو اور نیک ہو
یہ تھی پیہم اور مسلسل آرزوئے مصطفےٰ

دینِ حق کے واسطے اے دل فدا کر مال و جاں
آبروئے دینِ حق ہے آبروئے مصطفےٰ

برگ گل میں جس طرح بوئے گل پوشیدہ ہے
یوں حدیثِ پاک میں مضمر ہے خوئے مصطفےٰ

صدقِ دل سے جس نے دیکھا ان کا شیدا ہو گیا
ایک تو صورت حسیں پھر حسنِ خوئے مصطفےٰ

جانتا ہے آج بھی شیخین ہیں حضرت کے پاس
غیر پھر کس منہ سے جائے روبروئے مصطفےٰ

مشغلہ ہے اہلِ دل کا ہر گھڑی روز و شب
جستجوئے راہِ حق اور جستجوئے مصطفےٰ

یہ فریدیؔ کی تمنا ہے کہ جائے پھر وہاں
یاد آتا ہے اسے رہ رہ کے کوئے مصطفےٰ

ضیاءالرب خاں طرب ضیائی

ضیاء الرب خاں طرب ضیائی، سرزمین امروہہ میں نعت و مناقب، نظم نگاری اور غزل گوئی بالخصوص رباعیات اور تاریخی قطعات کہنے والے استاد شاعر تھے شعری رموز ونکات پر بھی اچھی دسترس تھی۔ آپ کے دو شعری مجموعے ''سایہ و پیکر'' (غزلیات) اور رنگ و آہنگ (رباعیات) کے شائع ہوئے۔ آپ کی ولادت 10/اگست 1953ء اور وفات: 17/جولائی 2011ء میں ہوئی۔ بڑے زندہ دل، دوست نواز اور اسلامی اقدار کے حامل انسان تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات سے خصوصی لگاؤ تھا ان کی شانِ مبارکہ میں کسی کی بھی ذرہ برابر کوئی غلط بات سننا پسند نہ فرماتے تھے۔ عقیدے کے بڑے پختہ تھے۔ ایک نعت پاک سے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

مدحت شروع کرتا ہوں خیرالانام کی
اک نذر پیش کیجیے درود و سلام کی

ہے ابتداء وہاں سے نبی کے مقام کی
جو حد ہے جبرئیل علیہ السلام کی

تخلیق کائنات کی خالق نے اور کہا
یہ ساری کائنات محمد کے نام کی

کون ایسا بدنصیب ہے خواہش نہ ہو جسے
میخانۂ حجاز کے ساقی کے جام کی

عیسیٰ ہیں ان کی طرزِ مسیحائی پر نثار
خواہش کلیم کو رہی ان سے کلام کی

منسوخ اس لیے ہوئے آئین سابقہ
حاجت تھی زندگی کو مکمل نظام کی

محمد احمد بقا امروہوی

محمد احمد بقا امروہوی ابن حکیم یوسف علی ابن حکیم نبی بخش سائل امروہوی۔ بقا صاحب کو شعر گوئی کی صلاحتیں وراثت میں نصیب ہوئیں تھیں۔آپ کے دادا بھی غزل،نعت ومنقبت اور چہار بیت کے صاحب دیوان شاعر تھے۔آپ کے والد اگرچہ مستقل شعر نہیں کہتے تھے مگر شعر کہنے کی امتیازی صلاحتیں رکھتے تھے۔آپ کا ایک لاجواب شعر ملاحظہ ہو:

قاتل تجھے ثواب خدا بے حساب دے　　　زخم گلو کو تیغ کے پانی سے دھار دے

محمد احمد بقا امروہوی سرزمین امروہہ کے بہترین ونامور وکلاء میں سے تھے۔شعر گوئی کے ساتھ ہی نثر نگاری میں بھی خاص ملکہ تھا۔مشاعروں اور دیگر ادبی پروگراموں کی خوبصورت نظامت بھی فرماتے تھے۔نعت ومناقب اور غزل گوئی میں خاص مہارت تھی۔آپ کی وفات 9/جنوری 2013ء میں ہوئی۔ابھی تک کوئی شعری مجموعہ شائع نہیں ہوا ہے۔وارثین کے پاس تمام کلام محفوظ ہے۔بقا صاحب مرحوم کو ذات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ لگاؤ تھا۔آسان اور سہل ممتنع میں شعر کہتے تھے۔چند اشعار ملاحظہ ہوں:

جو موت بالیں پہ آ کھڑی ہو، بقا کے ہونٹوں پہ اس گھڑی ہو
رسول اکرم، رسول اکرم، رسول اکرم، رسول اکرم

وہ خود تو سب کے جیسے ہیں، اسی دنیا کے لگتے ہیں　　　زمانے بھر میں لیکن دوسرا کب ان کے جیسا ہے

☆

طلب کرنے سے پہلے کر علاج تنگیٔ داماں　　　عطا حد سے سوا کرنا تو ہے عادت محمد کی

مرا ذوق نظر کیا پوچھتے ہو　　　مرا محبوب، محبوبِ خدا ہے

طیبہ کی جو ہے سرزمین، رہتا ہے روز وشب وہیں　　　دکھے دلوں کا چین بھی، صبر وسکوں قرار بھی

حسن ضیاء صدیقی

سرزمین امروہہ کے مشہور ومعروف صدیقی خاندان کے فرد ہیں۔یکم دسمبر 1953ء میں ولادت ہوئی۔پیشہ کے اعتبار سے وکیل ہیں۔نعت ومنقبت کے بہترین شاعر ہیں۔آپ کی خصوصیت یہ ہے کہ زیادہ تر نعت ومناقب ہی لکھتے ہیں۔ایک طویل عرصہ سے اپنے جدامجد امیر المؤمنین خلیفۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شانِ مبارکہ میں بڑے پیمانے پر منقبتی

مشاعرے کا انعقاد کرتے رہے ہیں جس میں ہندوستان کے مایہ ناز استاد شعراء شرکت فرما چکے ہیں۔ آپ کی نعتیں عشق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے لبریز ہوتی ہیں۔ نعت پاک کے کچھ اشعار ملاحظہ ہوں:

آپ کے طرزِ عمل کو جب سے چھوڑا ہے حضور ہر طرف بربادیوں نے ہم کو گھیرا ہے حضور
ہم برا کیسے کہیں اس کو، ہماری کیا مجال آپ نے اچھا کہا جس کو وہ اچھا ہے حضور
پاس اپنے کچھ نہیں ہے حشر میں بس آپ کی رحمت اللعالمینی پر بھروسہ ہے حضور
گرمیٔ خورشید محشر کیا بگاڑے گی ضیاء جب سروں پر آپ کی کملی کا سایہ ہے حضور

☆

ہے ازل سے میرے دل میں آرزوئے مصطفیٰ میرا ایماں میرا مسلک جستجوئے مصطفیٰ
ان کے زلف و رخ کی کیا تعریف ہو ہم سے بیاں زلف ہے واللیل تو والشّمس روئے مصطفیٰ
جب نہ ہوگا حشر میں کوئی کسی کا غم گسار دیکھنا اس وقت سب دیکھیں گے سوئے مصطفیٰ
شان و عظمت تو ذرا دیکھو میرے سرکار کی ''ہے کلامِ حق و گفتگوئے مصطفیٰ
اولیاء اللہ کی تقلید، ان کی پیروی اولیاء اللہ میں ہے رنگ و بوئے مصطفیٰ
گنبدِ خضرا کا تو بھی کر نظارہ اے ضیاؔ جنت الفردوس سے بڑھ کر ہے کوئے مصطفیٰ

رئیس احمد کفیل امروہوی

سرزمین امروہہ کے استاد غزل گو اور نعت و منقبت کے اچھے شاعر تھے۔ بہترین کاتب اور خطاط تھے۔ راقم الحروف کو اس فن شریف میں آپ سے شاگردی کا شرف حاصل ہے۔ غزلیات کا مجموعہ اپنی زندگی میں ہی مرتب کر دیا تھا مگر ابھی تک شائع نہیں ہو سکا ہے۔ آپ کی نعت پاک ملاحظہ ہو:

دل نشیں جب سے ہوئی ہے آرزوئے مصطفیٰ ہے مرا ہر سانس وقفِ جستجوئے مصطفیٰ
اللہ اللہ اتنی شیریں گفتگوئے مصطفیٰ ہو گئے ہیں موم دشمن روبروئے مصطفیٰ
چاندی، سونا، بلڈنگیں، کاریں نہیں مقصد مرا سیر کوئے مصطفیٰ ہے، سیر کوئے مصطفیٰ
مجھ کو میرے منہ پہ دیوانہ کہا تو کیا کہا میں تو جب جانوں کہ کہہ دو روبروئے مصطفیٰ
خیرہ خیرہ جاگنے پر بھی نگاہیں ہیں مری خواب میں دیکھا ہے میں نے آج روئے مصطفیٰ
نقشِ پا حضرت بلال باصفا کا ڈھونڈیئے رنگ تب لائے گی پیارے جستجوئے مصطفیٰ
ہیں ابوبکر عمر و عثمان و حیدر چار نام آؤ! ان کا نام رکھیں آرزوئے مصطفیٰ

ہیں فقط اشکِ ندامت تیرے دامن میں کفیلؔ روزِ محشر کس طرح دیکھے گا سوئے مصطفےٰ

جنید اکرم فاروقی

جنید اکرم فاروقی ذی علم گھرانے کے صاحب علم وفضل انسان ہیں۔آپ کی ولادت یکم جولائی 1966ء کو امروہہ محلّہ چلہ میں ہوئی۔ بہترین استاذ شاعر اور صاحب طرز نثر نگار ہیں۔شعری رموز و غوامض پر اچھی دسترس ہے۔بہترین عروض داں اور شعر کی فنی باریکیوں پر اچھی مہارت رکھتے ہیں۔بڑے سلیقہ سے شعر گوئی کرتے ہیں،اس میدان میں آپ کے بہت سے شاگرد بھی ہیں۔آپ کے اکثر تلامذہ آپ کو ''علامہ'' کہتے ہیں۔تا ایں دم کوئی شعری مجموعہ شائع نہیں ہوا ہے۔البتہ نثر میں کئی کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں۔ہر صنف سخن میں شعر کہتے ہیں۔فارسی میں بھی آپ کا خاصہ کلام ہے۔عربی،فارسی،اردو تینوں زبانوں پر اچھی دسترس ہے۔آپ کے کلام بلاغت نظام سے ایک لاجواب نعت پاک ملاحظہ ہو:

چاند سے پوچھو چاند بتائے اس نے کہیں کوئی دیکھا چاند چاند بتائے میں نے نہ دیکھا روئے محمد جیسا چاند
مہر سراپا ماہِ مجسم نور کا پیکر ان کی ذات ان کی نوری شان کے آگے پیلا سورج پھیکا چاند
سورج سے پوچھو کون ہے سورج چاند سے پوچھو کون ہے چاند چاند کہے سورج بتلائے کعبہ سورج طیبہ چاند
ان کی محبت دن کا اجالا ان کی محبت رات کا نور ان کی محبت دل میں نہیں تو کیسا سورج کیسا چاند
یہ ہے طیبہ نور کی نگری اس کی قسمت نور ہی نور اس کا پتہ پتہ سورج اس کا ذرہ ذرہ چاند
شمع ہدایت ان کے طریقے ان کی باتیں مشعلِ راہ چاندنی جیسی ان کی سیرت ان کا سراپا پورا چاند
اب اثر کچھ ہم پہ نہیں ان کی روشن باتوں کا ہم پتھر دل جانیں نہ کچھ بھی سمجھے ان کا اشارہ چاند
انگشت والا کی ضو سے چاند کا دل صد نور ہوا اب جو جڑا ہے ہو کے دو ٹکڑے چار لگے ہے تنہا چاند
تن کے اُٹھی تھیں کالی گھٹائیں چاند پہ یورش کرنے کو خاک ہوئے سب کے ارادے بدر میں ایسا چمکا چاند
صدیق و فاروق و عثمان و سعد و سعید زبیر و علی سارے صحابہ انجم تاباں ان کے بیچ میں آقا چاند
نعت پڑھو یا نعت سنو تو جانو دل روشن ہوں جنیدؔ مفہوم و معنی ہیں سورج حرف و لفظ ہیں گویا چاند

زبیر ابن سیفی

لائق احترام گھرانے کے لائق چشم و چراغ یعنی عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم،حضرت حافظ ماسٹر عبدالرؤف صاحب رؤف امروہوی مرحوم ومغفور کے پوتے اور نعت و مناقب،نوحہ،سلام اور کلاسیکی غزل کے بہترین استاد ڈاکٹر مرزا احمد حسین سیفی مرحوم کے اکلوتے فرزند جناب زبیر ابن سیفی کی

ولادت 15 جولائی 1959ء کو ہوئی۔ ابتدائی علم اپنے والد ماجد سے حاصل کی اور دیگر تعلیمات امروہہ میں رہ کر ہی مکمل کیں۔ شاعری کا فن اور سلیقہ آپ کو وراثت میں ہی نہیں ملا؛ بلکہ گھٹی میں گھول کر دیا گیا تھا۔ لہٰذا موجودہ دور میں نوجوان نسل کے میدان نعت ومناقب اور غزل گوئی میں نمائندہ شاعر ہیں۔ اللہ رب العزت نے لحن داؤدی بھی عطا فرمایا ہے جو محافل شعری میں سونے پر سہاگے کا کام کرتا ہے۔ محافل میں بڑی ہی مسحور کن آواز میں اپنی نعت ومناقب پیش کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو آپ کی ایک مسلسل نعت پاک:

زندگی کا ہے کچھ بھروسہ کیا کل کے بارے میں تم نے سوچا کیا
ان کا کردار سامنے ہے مگر اپنے کردار کو سنوارا کیا
ان کے در کی پناہ کیوں چھوڑی ایسے ہو جائے گا گزارا کیا
میں ہوں ان کے لیے وہ میرے لیے میں ہوں ان کا تو میرا ان کا کیا
نور کی بھیک اور اندھیروں سے تیرے گھر میں نہیں اُجالا کیا
خود کو ان کا بتا رہے ہو زبیرؔ تم نے دیکھا ہے اپنا حلیہ کیا

☆

ہم اِدھر لے کے گناہوں کا اک انبار چلے بخشوانے کو اُدھر سیدالابرار چلے
ساتھ ہر ایک قدم بارشِ انوار چلی جب بھی جس راہ سے ہوکر مرے سرکار چلے
قوتِ طائر سدرہٰ نے بھی دم توڑ دیا عرش اعظم کی طرف جب مرے سرکار چلے
اس پہ سو بار برستی ہے خدا کی رحمت صدق کی راہ پہ جو شخص بھی اک بار چلے
پھول کھلنے لگے صحرا میں بہاریں آئیں رحمتیں بانٹنے جب احمدِ مختار چلے
آیۃ الکرسی کا گر ورد رہے گا لب پر ہم پہ ممکن نہیں دشمن کا کوئی وار چلے
کبھی انگلی کے اشارے سے ہوا چاند دولخت پا کے انگلی کا اشارہ کبھی اشجار چلے
کام آئی ہے فقط دولت اخلاق زبیرؔ وسعت دیں میں کب درہم و دینار چلے

احمد رضا فراز

احمد رضا فراز امروہوی ابن جناب جعفر رضا ساکن محلّہ چاہ شور، امروہہ۔ 10 رمئی 1964ء میں آپ کی ولادت ہوئی۔ نعت ومناقب اور غزلیات کے سنجیدہ اور باوقار شاعر ہیں۔ فکر رسا خداداد ہے۔ اردو زبان میں ایم.اے.، معلم اردو وغیرہ کے امتحانات پاس کیے ہیں۔ اچھے پڑھے لکھے آدمی ہیں، جوان کے کلام سے بھی بخوبی ظاہر ہوتا ہے۔ غزلیات کے بہترین شاعر ہونے کے ساتھ ہی نعت

ومناقب میں اپنی امتیازی شان رکھتے ہیں۔ درس وتدریس کے پیشے سے وابستہ ہیں۔خوش اخلاق و ملنسار ہیں اور بڑے خاموش طبع بھی ہیں۔ایک مسلسل نعت اور چند شعر ملاحظہ ہوں:

درِ سرکار ہے میری جبیں ہے — تخیل دیکھئے کتنا حسیں ہے
میرا ایمان ہے میرا یقیں ہے — نبی کا دین ہی دینِ مبیں ہے
عمل پیرا نہیں ہو کس لیے پھر؟ — اگر اقوال پر ان کے یقیں ہے
کسی تاریخ میں کردار کوئی — محمد مصطفےٰ جیسا نہیں ہے
رسول پاک کی ہے بس محبت — مرے دل میں اگر کوئی مکیں ہے
محمد مصطفےٰ کی ذاتِ اقدس — یقیناً رحمت للعالمیں ہے
جنھیں سمجھا گیا تھا شعبدہ گر — لقب ان کا ہی صادق اور امیں ہے

☆

کون کہتا ہے کہ ہے رحمت مقامی آپ کی — رحمت للعالمیں ذاتِ گرامی آپ کی
دشمن جاں کو بھی بخشا جاں نثاری کا چلن — اللہ اللہ خوش خصالی خوش کلامی آپ کی
روزِ اول سے قیامت تک نہیں جس کی مثال — عرشِ اعظم پر ہوئی ایسی سلامی آپ کی
واقعی بے مثل ہے ذرّہ نوازی کی ادا! — مجھ سے کمتر کو میسر ہے غلامی آپ کی
گردشِ ارض وسماں کو جرأتِ جنبش نہ تھی — دیکھ کر معراج کی شب خوش خرامی آپ کی
نعت سرکار دو عالم میں کہوں، کیا میں فرآز — کر گئے مدح وثنا حسآن و جامی آپ کی

مجاز امروہوی

سرزمین امروہہ کے مشہور ومعروف شاعر ہیں۔ خاصے زودگو ہیں۔ اب تک دوشعری مجموعے ''دھنگ'' اور آئینہ'' منظر عام پر آچکے ہیں۔نعت ومنقبت اور غزلیات کے اچھے شعراء میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ایک نعت پاک ملاحظہ ہو

کیا صاحب جمال بنائے گئے ہیں آپ — یعنی کہ بے مثال بنائے گئے ہیں آپ
ہے ختم ہر کمال فقط آپ پر حضور — سر تا پہ کمال بنائے گئے ہیں آپ
فائز ہیں آپ درجۂ خلق عظیم پر — لاریب خوش حال بنائے گئے ہیں آپ
نعتِ حبیب کبریا پڑھنے کو اے مجاز — کتنے ہی خوش مقال بنائے گئے ہیں آپ

ڈاکٹر ناصر پرویز

سرزمین امروہہ کی ذی علم و با اخلاق شخصیات میں سے ہیں۔ محلّہ وکیلان میں جناب محمد یٰسین صاحب کے دولت خانہ میں 25 ستمبر 1985ء کو آپ کی ولادت ہوئی۔ خوبصورت و خوب سیرت انسان ہیں۔ اردو ایم.اے. اور بی.ایڈ. ہیں۔ اردو زبان میں ''ناصر کاظمی حیات اور ادبی خدمات'' پر پی.ایچ ڈی. بھی کی ہے۔ نثر و نظم لکھنے پر اچھی قدرت رکھتے ہیں۔ نعت و مناقب، غزل و نظم وغیرہ کہنے پر اچھا عبور ہے۔ ایک شعری مجموعہ ''آنکھوں میں چبھتے خواب'' شائع ہو چکا ہے۔ ڈاکٹر ناصر آج کل انصار انٹر کالج مراد آباد میں اردو لکچرار ہیں۔ نموتاً آپ کا نعتیہ کلام ملاحظہ ہو:

حضور مجھ پہ کرم یہ بھی اک ہوا ہوتا	حضور آپ کے کوچے کا میں گدا ہوتا
میں شہر طیبہ و بطحا کی گرد ہوا ہوتا	حضور آپ کو ہر لمحہ چومتا ہوتا
نصیب ور جو میں ہوتا تو یاں پڑا ہوتا	دیار طیبہ تری خاک میں ملا ہوتا
بشکل سنگ قدم چوم کر میں جھوم اٹھتا	حضور آپ کے رستہ میں گر پڑا ہوتا
یتیم ہوتا میں عہد رسول اکرم کا	حضورِ پاک نے بانہوں میں لے لیا ہوتا
میں کچھ نہ بنتا، فقط سنگ در ہی بن جاتا	نہ ایک پل کے لیے در سے پھر جدا ہوتا

☆

جو طفل، جواں ہوکہ کوئی عمر رسیدہ	سب تیرے ثنا خواں ہیں قد آور کہ خمیدہ
الفاظ ہی موزوں ہیں نہ یارا ہے زباں کو	کس منھ سے کوئی لکھے بھلا تیرا قصیدہ
وہ حسن کہ جس کا کوئی سایہ ہے نہ ثانی	وہ خلق کہ ایسا کوئی دیدہ نہ شنیدہ
یوں ہی نہیں جنت میں یہ طوبیٰ کی تجلی	طوبیٰ ترے آنگن کی ہے اک شاخ بریدہ
واللہ تو ہے ماہِ مبیں دینِ مبیں کا	تاروں سے ہیں روشن ترے اصحاب چنیدہ
للہ عطا ہو مجھے اصحاب کا صدقہ	سائل ہوں ترے در کا میں دامن ہے دریدہ
احمد ہے، محمد ہے، تو یاسیں ہے تو ناصر	گنتی سے ہیں باہر ترے اوصاف حمیدہ

شیبان قادری

شیبان قادری سرزمین امروہہ میں صاحب علم و فضل اور زہد و تقویٰ شعار گھرانے کے چشم و چراغ ہیں۔ آپ کے والد جناب مسرور جوہر بھی غزل، نعت و منقبت کے صاحبِ طرز شاعر ہیں اور آپ کے

دادا محترم حضرت مولانا سید مشہود حسن صاحب حسنی قادری مدرسہ امینیہ، دہلی کے شیخ الحدیث اور ذی علم عالم باعمل اور صاحب تقویٰ بزرگ عہد تھے۔

شیبان قادری فخر خاندان ہیں جو ایک بہترین شاعر اور لاجواب ناظم ہیں۔ نعت و مناقب اور غزل گوئی میں اچھی مہارت رکھتے ہیں اور اچھے و خوبصورت شعر کہتے ہیں۔ ادبی پروگراموں میں بڑے ہی فعال رہتے ہیں۔ غزل کے ساتھ نعت و مناقب میں بھی اپنا پرچم بلند رکھا ہے:

تاریخ داں سے، نہ کسی سیرت نگار سے عظمت نبی کی پوچھیے پروردگار سے
میں دہلیز شہ لولاک پر ہوں مجھے یہ مت کہو میں خاک پر ہوں
مہ و انجم مجھے گھیرے ہوئے ہیں زمیں پر ہو کے بھی افلاک پر ہوں
بالآخر کہہ اٹھا یہ سارا عالم نہیں ہے کوئی ان جیسا نہیں ہے
پکار اٹھے یہ ان کی جاں کے دشمن محمد سچ ہے، صادق ہے، امیں ہے

جناب شہاب انور

امروہہ محلّہ چلہ پر یکم جولائی 1970ء میں تشریف لائے شہاب انور صاحب ایک خوبصورت اور ماہر فن شاعر ہیں۔ تعلیمی طور پر انھوں نے اردو ایم اے اور ایل ایل بی کی اسناد حاصل کیں، کچھ عرصہ وکالت کی پھر درس و تدریس کو اپنا ذریعۂ معاش بنایا امروہہ کے مشہور و معروف علمی ادارے دارالعلوم اسلامیہ عربیہ چلہ کے پرائمری سیکشن میں تدریسی خدمات انجام دے کر اب صدر مدرس کے عہدے پر فائز ہیں۔ خوش اخلاق و بامروت انسان ہیں۔ عقیدے و مسلک کے بڑے پختہ ہیں۔ غزل، نعت و مناقب کہنے پر اچھی مہارت رکھتے ہیں۔ آپ کا ایک شعری مجموعہ بھی 2023ء میں ''دیوانِ شہاب'' کے نام سے منظر عام پر آ کر داد و تحسین حاصل کر چکا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک سے خصوصی لگاؤ ہے، نعت پاک کا ایک شعر ان کی نعتیہ شاعری کے رنگ کو ظاہر کرتا ہے:

فیصلہ سب کا ہے میرا ہی نہیں ان کا ثانی کوئی ہوا ہی نہیں

ایک نعت پاک بھی ملاحظہ ہو:

قرآں کی تلاوت ہوتی ہے تو دل کی طہارت ہوتی ہے
جب دل کی طہارت ہوتی ہے تب آپ کی مدحت ہوتی ہے
کب غیر سے رغبت ہوتی ہے کب غیر کی چاہت ہوتی ہے
جب ان سے محبت ہوتی ہے بس ان سے محبت ہوتی ہے

کیا چیز بلاغت ہوتی ہے کیا چیز فصاحت ہوتی ہے
یہ عشق ہے لوگو! عشق یہاں جذبات کی قیمت ہوتی ہے

روضے کے قریب آتے آتے دیوانے سمجھنے لگتے ہیں
کیا فیضِ الٰہی ہوتا ہے کیا بارشِ رحمت ہوتی ہے

جتنے بھی پیمبر آئے ہیں سرکار کا مژدہ لائیں ہیں
سرکارِ دو عالم کے ہاتھوں تکمیلِ رسالت ہوتی ہے

اللہ کے ہیں محبوب وہی اللہ کے ہیں مطلوب وہی
جب ان کی عنایت ہوتی ہے اللہ کی رحمت ہوتی ہے

دیکھا ہے ہم نے اکثر یہ ایمان ہے اپنا انؔور یہ
ہم نعت تبھی تو کہتے ہیں جب ان کی عنایت ہوتی ہے

مستجاب احمد شیلی

مستجاب احمد شیلی ساکن محلّہ شفاعت پوتہ، امروہہ۔ انتہائی صاف ستھرے لب ولہجہ کے شاعر، اچھے افسانہ نگار اور بہترین آرٹسٹ ہیں۔ طبیعت میں بڑا انکسار اور عاجزی ہے۔ اولاً عبدالکریم خاں انٹر کالج امروہہ میں آرٹ ٹیچر رہے؛ لیکن بعض وجوہات کے سبب ملازمت ترک کی اور مستقل طور پر اپنے فن کو جلا دی۔ آج کل ہندوستان کے مانے ہوئے آرٹسٹ ہیں۔ اگر چہ شاعری اور افسانہ نگاری آپ کے ثانوی شوق ہیں؛ لیکن اس میدان میں اچھی مہارت رکھتے ہیں۔ آپ کی ایک تازہ ترین نعت پاک کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

جذبوں سے سرشار ہوئے آپ سے جو دو چار ہوئے
آپ ﷺ نے ہر باطل کو توڑا اور ظلمت کے پار ہوئے
کیسے کیسے ظلم سہے پھر قدرت کے دیدار ہوئے
عشقِ بتاں سے آگے نکلے تب سارے دیندار ہوئے
آپ نے سب سمجھایا لیکن ہم ہی نہیں بیدار ہوئے
آپ کے قرب کی خوشبو پاکر ہر جانب ایثار ہوئے
اس چو طرفہ نور کے صدقے شیلؔی بھی دلدار ہوئے

☆☆☆

ڈاکٹر رضوان امجدی (سدھولی، سیتاپور)

لکھنؤ کے چند نعت گوشعراء

اسلم فاروقی

ولادت: 2 جنوری 1934ء - وفات: 5 ستمبر 2017ء

دبستانِ لکھنؤ کے شعراء نے اردو کے جملہ اصنافِ ادب کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ ان میں غزل، مثنوی، مرثیہ اور قصائد خاص ہیں ان اصناف کے دوش بدوش نعت کی صنف بھی ترقی پذیر رہی۔ عصر حاضر میں لکھنؤ کے جن نعت گوشعراء نے اس صنف کو شہرت کے بام عروج پر پہنچانے میں کلیدی کردار ادا کیا ہے ان میں محمد اسلم فاروقی، مسٹر لکھنوی کا نام سرفہرست ہے۔ انہوں نے نعتیہ و مزاحیہ دونوں قسم کی شاعری کی ہے۔ نعتیہ شاعری میں اسلم فاروقی اور طنزیہ میں مسٹر لکھنوی تخلص اختیار کیا۔

اسلم فاروقی کی ولادت 2 جنوری 1934ء کو لکھنؤ میں ہوئی۔ والد کا نام محمد اسماعیل فاروقی ہے۔ حصولِ تعلیم کے بعد 1953ء سے شاعری شروع کی۔ شعر وسخن میں جلا پیدا کرنے کے لئے اس عہد کے نامور استاد شاعر، جناب صائم سیدن پوری کے روبرو زانوئے ادب تہہ کیا۔ استاذ کی نظر کیمیا گر نے اپنے شاگرد کو جلد ہی کندن بنا دیا۔

اسلم فاروقی کے آغاز شاعری کا دور لکھنؤ کے دبستانِ شاعری کا دورِ انحطاط ہے۔ مگر پھر بھی چند ایسے نامور شعراء اردو ادب کی آبیاری میں اپنا خونِ جگر پیش کر رہے تھے۔ جن کی ہی رہنمائی میں انہوں نے شعر وسخن کا آغاز کیا۔

اسلم فاروقی اہلِ زبان ہیں۔ ان کی زبان لکھنؤ کی شستہ سلیس اور رواں ہے۔ کلام میں بلاغت کا عنصر غالب ہے۔ وہ اپنی بات بڑی پاکیزگی اور صفائی کے لہجہ میں کہتے ہیں۔ طنز و مزاح کا شاعر ہونے کے باوجود وہ نعت کے اشعار کہتے ہیں تو بہت سنجیدہ اور نعت گوئی کے تمام لوازم کا ادب واحترام ملحوظ خاطر رکھتے ہیں۔ ان کا کلام بڑا پُر اثر ہوتا ہے۔ وہ بہت مناسب الفاظ کو برمحل مقام پر انگشتری میں نگینہ کی طرح استعمال کرتے ہیں۔ کلام میں روانی اور برجستگی دیکھتے ہی بنتی ہے۔ نعتیہ شاعری عقیدت اور

والہانہ پن کی متقاضی ہے اور یہ چیز اسلم فاروقی کے کلام میں بدرجہ اتم پائی جاتی ہے۔ نعت پاک کے چند اشعار پیش ہیں:

ان کا جیسا کوئی انسان نہ دیکھا نہ سنا — چلتا پھرتا ہوا قرآن نہ دیکھا نہ سنا
ایک امت ہی نہیں سب پہ کرم کی بارش — سارے عالم پہ یہ فیضان نہ دیکھا نہ سنا
یہ زمیں کیا ہے فلک زیرِ نگیں ہے ان کے — ہم نے ایسا کوئی سلطان نہ دیکھا نہ سنا

ایک دوسری نعت میں بھی اسلم فاروقی اپنی ندرتِ فکر کو شعری جامہ عطا کرنے میں بہت کامیاب نظر آتے ہیں۔ وہ اپنی عقیدت اور وارداتِ قلبی کا اظہار بڑے پُرسوز اسلوب اور رقت انگیز لہجے میں کچھ اس طرح کرتے ہیں:

کاغذ پہ آنسوؤں کی جگہ چھوڑ چھوڑ کر — میں نعت لکھ رہا ہوں عقیدت نچوڑ کر
تھا محو خواب گنبدِ خضریٰ نظر میں تھا — کس نے جگادیا مجھے اس دم جھنجھوڑ کر

اسلم فاروقی دربارِ الٰہی میں ایسی دعا کر رہے ہیں جس کی آرزو ہر مومن صادق کرتا رہتا ہے۔ دعا کا قبول کرنا رب العالمین کا حق ہے مگر دعا کرنا بندے کا حق ہے۔ فاروقی صاحب دربار اقدس میں دست بدعا ہیں۔ ملاحظہ ہو:

جب موت آئے میں ہوں دیارِ حبیب میں — رب سے یہ التجا ہے مری ہاتھ جوڑ کر

اسلم فاروقی نے پُرتاثیر قطعات بھی کہے ہیں۔ ان قطعات کی زبان بہت سلیس ہے۔ ان میں دربار اقدس میں حاضری کی آرزو پائی جاتی ہے۔ وہ قرآن اور تاریخی حقائق کو مؤثر انداز میں شعری جامعہ عطا کرنے میں کمال رکھتے تھے۔ وہ جب شعر گوئی کی طرف متوجہ ہوتے تو اسے قلب و زبان کو درود پاک پڑھ کر پاک کرلیا کرتے تھے۔ چنانچہ درود پاک کی فضیلت اور اس کے نہ پڑھنے والے کے بارے میں اپنے ایک قطعہ میں یوں گویا ہیں:

اعلان کرتا رہتا ہے یہ عالم شہود — بدتر عدم سے ہوتا ہے اس شخص کا وجود
منھ پھیرتے ہیں دیکھ کے اس کو ملائیکہ — آقا کا نام سن کے جو پڑھتا نہیں درود

اسلم فاروقی ایک صادق الامین مومن کی طرح اپنا عقیدہ اپنے ایک دوسرے قطعہ میں درود پاک کی روشنی میں واضح کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

کوئی سائنس کی حکمت نہ مشینوں کا وجود — پھر بھی طیبہ کی طرف گرم سفر ہوتی ہے
کوئی دنیا کے کسی کونے سے بھیجے جو درود — میرے آقا کو ہواؤں سے خبر ہوتی ہے

اسلم فاروقی نعت گوئی کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے ایک قطعہ میں لکھتے ہیں:

میں نعت کہہ رہا تھا صدا آئی کان میں ۔۔۔ پروانہ موت کا ہے مصلّہ بڑھائیے
جھنجھلا کے میں نے موت کے قاصد سے کہہ دیا ۔۔۔ مصروف نعت گوئی ہوں اس وقت جائیے

حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس کے روبرو، طلب مغفرت، کلمۂ توحید کی تجدید اور دارین کی سعادتوں سے سرفرازی کی آرزو لے کر حاضری چاہنا ہر مومن کا آخری حق ہے۔ اللہ جس کی چاہتا ہے یہ آرزو پوری فرماتا ہے اور حرمین شریفین کی حاضری مقدر فرما دیتا ہے۔

اسلم فاروقی بھی کچھ ایسی ہی تمنائیں دل میں لئے تھے۔ ملاحظہ ہو:

خم کر کے عقیدت سے جبیں نعت پڑھوں گا ۔۔۔ میں گنبد خضریٰ کے قریں نعت پڑھوں گا
وہ مرکز رحمت جسے کہتے ہیں مدینہ ۔۔۔ اللہ نے چاہا تو وہیں نعت پڑھوں گا

جیسا کہ ماقبل تحریر کیا جا چکا ہے کہ ہر مومن صادق کی یہ دلی آرزو ہوتی ہے کہ وہ گنبد خضریٰ کے سائے میں اپنی فانی زندگی کے چند لمحات کو حیات باقی میں بدلنے کے لئے آقائے دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضور درود وسلام پیش کرنے کی ابدی سعادت حاصل کرلے۔ اگر حاضری کی اجازت نہیں ملتی ہے تب بھی اسے یہ حق حاصل رہتا ہے کہ وہ خیالوں اور تصورات میں سفر طیبہ کر کے شاداں رہے۔ اسی خیال کو اسلم فاروقی نے شعر کا جامہ یوں پہنایا ہے:

طے رہگذرِ قلب ونظر کرتے رہیں گے ۔۔۔ انوار کے سائے میں بسر کرتے رہیں گے
جب تک نہ ہمیں حکم حضوری کا ملے گا ۔۔۔ طیبہ کا خیالوں میں سفر کرتے رہیں گے

متذکرہ نعتیہ قطعات کے علاوہ 2 قطعے مزید درج کر رہا ہوں ان قطعات میں وہی کیف وسرور اور سرشاری کی لذت ہے۔ ملاحظہ ہو:

یہ کائنات نگاہوں میں ہیچ ہے میری ۔۔۔ جہاں کا عیش ومسرت کی بات ہی کیا ہے
میں اپنے اشکوں سے جنت خرید سکتا ہوں ۔۔۔ غلام سرور کونین ہوں کمی کیا ہے

اسلم فاروقی ایک قادرالکلام خوش فکر نعت گو شاعر تھے اور لکھنوی تہذیب کا عملی پیکر تھے۔ شیرینی اور متانت جس طرح کلام میں ہے۔ وہی محاسن ان کی شخصیت میں بھی نظر آتے تھے۔

پروفیسر محمد ولی الحق انصاری

ولادت 14 / مئی 1927ء - وفات 28 جنوری 2013

پروفیسر محمد ولی الحق انصاری کا تعلق خانوادۂ فرنگی محل لکھنؤ کے بہت ہی ذی استعداد شخصیتوں میں

ہوتا ہے۔ وہ فارسی، اردو اور انگریزی زبان و ادب کے مایۂ ناز عالم اور دانشور تھے فارسی، اردو اور انگریزی میں ان کی تخلیقات بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔ عرفی شیرازی پر آپ کا تحقیقی کارنامہ اس قدر اہم ہے کہ حکومت ایران اور حکومت ہند دونوں ممالک نے بہت ہی دیدہ زیب اور قابل ستائش انداز میں شائع کیا۔ حکومت ہند کی جانب سے یہ اہم خدمت خدا بخش لائبریری پٹنہ نے انجام دی ہے۔ حقیقت میں عرفیؔ شیرازی کو ان دونوں ممالک کی جانب سے عظیم خراج عقیدت ہے۔

پروفیسر ولیؔ صاحب اپنی پوری زندگی درس و تدریس اور شعر و سخن میں گزاری۔ وہ لکھنؤ یونیورسٹی میں شعبہ فارسی کے معزز عہدہ پر 1964ء میں منتخب ہوئے۔ 1988ء میں اس یونیورسٹی سے صدر شعبہ و پروفیسر کے عہدہ سے سبکدوش ہوئے اور اسی سال 3/جون 1988ء کو حرمین شریفین کی زیارت کے لئے خداوند تعالیٰ نے اجازت عطا فرمائی۔

پروفیسر ولیؔ صاحب اردو اور فارسی کے زود گو اور بسیار گو شاعر تھے۔ مگر ان کی زود گوئی اور بسیار گوئی اشعار معیار سے گرنے نہیں دیتی۔ وہ اردو کے جملہ اصناف سخن میں طبع آزمائی کر کے اپنی قادر الکلامی کا لوہا منوا چکے ہیں۔

پروفیسر ولیؔ صاحب جب زیارت حرمین شریفین کے لئے دربار قدس میں حاضر ہوئے تو ایسے موقع پر آپ اپنے دلی جذبات کو شعری کا جامہ عطا کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔ اشعار دیکھئے:

تھے جس کے منتظر مدت سے وہ دن آ گیا، چلئے		گھر اپنے آپ کو بھی اب بلاتا ہے خدا، چلئے
تقاضا ہے یہی بیتابی دل کا کہ منزل تک		ہوا کے دوش پر اپنا بتاتے راستا چلئے
اشارے کرتے ہیں منزل کی جانب راہ کے پتھر		لب ہر ذرّۂ رہ سے یہ آتی ہے صدا چلئے
ہیں یکجا سلسبیل و کوثر و تسنیم مکّے میں		نہیں اس کا یقیں تو چاہِ زمزم تک ذرا چلئے
رسول پاک کے مکے کی گلیاں تو نہیں باقی		مگر اپنی جگہ پر اب بھی ہے غارِ حرا چلئے
نظر کے سامنے ہے آپ کی وہ گنبد خضرا		جہاں آرام فرماتے ہیں محبوبِ خدا چلئے
بہت بے چین ہے دل ہر گھڑی ہر لمحہ کہتا ہے		دیارِ مصطفیٰ چلئے، دیار مصطفیٰ چلئے

جب زائر حرم وقت معینہ ختم ہو جانے کے بعد نہایت مجبوری کے عالم میں اپنے اپنے وطن واپس آ جاتے ہیں تو جو سچے عاشق رسول ہوتے ہیں اور جن کا قلب عشق مصطفیٰ سے لذت یافتہ ہو چکا ہوتا ہے تو وہ یہاں بڑی بے چینی اور بے کیفی محسوس کرتے ہیں۔ ذکر مصطفیٰ سنتے ہی ان کی آنکھیں پر نم ہو جایا کرتی ہیں۔ تصور میں ہر دم مدینہ کا نقشہ بسا رہتا ہے اور دوبارہ دربار نبوی میں حاضری کی تمنائیں لئے

رہتے ہیں۔انہیں دنیا کی چیزیں بے معنیٰ معلوم ہوتی ہیں۔یہی کیفیت پروفیسر وؔلی صاحب کی بھی ہے۔

آخر میں ایک نعت کے صرف 4 شعر دیکھئے:

بھیجا گیا جہاں میں وہ سب انبیاء کے بعد　　عالم میں جو بزرگ ہے سب سے خدا کے بعد
کہہ دو یہ زاہدوں سے کہ تقویٰ کے واسطے　　عشقِ نبی بھی چاہئے خوفِ خدا کے بعد
ثانی نہ مصطفیٰ کا ہوا مصطفیٰ سے قبل　　ثانی نہ مصطفیٰ کا ہوا مصطفیٰ کے قبل
بھیجو درود ان پہ وؔلی ہر دعا سے قبل　　بھیجو درود ان پہ وؔلی ہر دعا کے بعد

پروفیسر وؔلی صاحب کی نعتوں کا مجموعہ گلزار اور نقوشِ زیبا مطالعہ کا متقاضی ہے۔آپ کی نعتوں کا مجموعہ زادِ آخرت شائع ہو چکا ہے۔آپ کا انتقال 28 رجنوری 2013ء کو ہوا۔

تسنیم فاروقی

تسنیؔم فاروقی لکھنؤ کے ان سربرآوردہ شعراء سے تعلق رکھتے ہیں جنہوں نے شعر گوئی میں بیسویں صدی میں ایک انفرادیت پیدا کی ہے۔وہ نئی نسل اور نوجوان شعراء میں بڑی مقبولیت کے حامل تھے۔ان کی تعلیم وتربیت مذہبی ماحول اور فضا میں ہوئی۔والد گرامی حافظ کلام اللہ تھے۔صبح وشام اللہ اور اس کے پیارے محبوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر سے گھر گنجینۂ نور کا سماں پیدا کرتا۔اسی ماحول نے تسنیؔم فاروقی کی مزاج سازی میں اہم کردار ادا کیا۔

تسنیؔم فاروقی نے شاعری کی ابتدا لکھنؤ کے مزاج کے مطابق غزل سے کی۔مگر ایک بار زائرحرم حمید صدیقی کے حوصلہ افزا جملوں نے مہمیز کا کام کیا اور پھر وہ نعت گوئی میں ایسی طبع آزمائی کی کہ متعدد نعتوں کے کتابچے شائع ہو کر منظر عام پر آتے گئے جن میں محراب، اجالے، سبز آسمان، مینار اور تسبیح وغیرہ قابل ذکر ہیں۔اب فاروقی صاحب نعت گو شعراء میں صفِ اول کے شاعر شمار کئے جاتے ہیں۔ان کا دل عشق مصطفیٰ سے سرشار رہتا ہے۔نعت گوئی میں کیف وسرور اور سرمستی لئے ہوئے ہے۔تسنیم فاروقی ان تمام اوصاف کے حامل ہیں جس کی شاہد ان کی نعتیہ شاعری ہے۔وہ نعت میں اپنی انفرادیت قائم کر چکے ہیں۔وہ معجزات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو شعر کا جامہ عطا کرنے میں بڑی قدرت رکھتے ہیں۔شعر دیکھئے:

ترے معجزے کو گزریں ہیں نہ جانے کتنی صدیاں　　ابھی چاند کی جبیں پر وہی واقعہ جواں ہے
چادرِ نور میں لپٹی ہوئی آواز بلال　　فجر کے وقت مناروں میں نظر آتی ہے

☆

تشریف گرامی پر کھلتے گئے دروازے　ایوب کا گھر چمکا سرکار کے سائے میں

☆

ہمیں معراج کے بارے میں بس اتنا ہی کہنا ہے　گھڑی جس طرح رُک جاتی ہے گردش رک گئی ہوگی

ہر مومن کی آخری دلی آرزو ہوتی ہے کہ حبیب کبریا کے دربار گہر بار میں باریابی کی سعادت حاصل ہو جائے۔ اس مقدس مقام کی زیارت ایک سچے عاشق رسول کی عین تمنا ہوتی ہے۔ وہ اس دربار پرانوار میں حاضری سے قبل طرح طرح کی آرزوئیں رکھتا ہے۔ اس دیارِ قدس میں حاضری سے متعلق امام احمد رضا فاضل بریلوی کا یہ شعر عشق و محبت اور آداب دربار مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ضمن میں اپنی مثال آپ ہے شعر ملاحظہ ہو:

حرم کی زمیں اور قدم رکھ کے چلنا　ارے سر کا موقع ہے او جانے والے

تسنیم فاروقی کے دل میں بھی عشق والہانہ ہے۔ وہ عشق مصطفیٰ میں سرشار نظر آتے ہیں۔ زیارت مدینۃ النبی کے بارے میں اپنے دلی جذبات کا اظہار یوں فرماتے ہیں:

شب و روز پلکوں سے دوں گا میں جھاڑو　جو قسمت نے مجھ کو دکھایا مدینہ

☆

شرف خاک بوسی کا تسنیم کو بھی　عطا ہو نظر کو خدایا مدینہ

یہ بارگاہ مصطفوی ہے ادب سے چل　ناداں یہاں نظر کی بھی جنبش حرام ہے

تسنیم فاروقی نے اپنی نعتوں میں جابجا صحابۂ کرام کے فضائل و کمالات کو شعری جامہ عطا کیا ہے۔ وہ چار یار کے متوالے ہیں۔ ان کے دل میں خلفائے راشدین کا بڑا احترام ہے۔ اس بات کو اپنی متعدد نعتوں میں بیان بھی کیا ہے۔ شعر ملاحظہ ہوں:

ادب لازم ہے اے شمع رسالت کے پرستارو　یہاں ذکر ابوبکر و عمر عثمان و حیدر ہے

☆

فیض صدیق و فاروق و عثمان ہے　ہم کو ان سے ملا ہے علی کا پتہ

☆

شانِ صدیق و عمر عظمت عثمان و علی　آج بھی آپ کے پیاروں میں نظر آتی ہے

☆

مدینے والے کا جلوہ ہے چار یاروں میں　ہے جس سے دین یہ اس دوستی کی محفل ہے

ہونٹوں پہ یہی نغمہ ہوگا صدیق و عمر عثمان و علی پیشانی پہ چمکے گا کلمہ بخشش کی یہی راتیں ہوں گی

تسنیم فاروقی صاحب زیارت مدینہ کی خواہش کو شعری جامہ عطا یوں کرتے ہیں:

جشن نظارہ منانے کی اجازت دیجئے ہم کو بھی طیبہ میں آنے کی اجازت دیجئے

نور سے آنکھیں ملانے کی اجازت دیجئے دل کو آئینہ بنانے کی اجازت دیجئے

☆

اشکوں سے دامن بچانے کی اجازت دیجئے غم کا افسانہ سنانے کی اجازت دیجئے

☆

چاہتا ہے آپ کا تسنیم دیدار حجاز اس کو قسمت آزمانے کی اجازت دیجئے

تسنیم فاروقی لکھنوی نعت گو شعراء میں ممتاز درجہ رکھتے ہیں وہ نعت گوئی کو اپنی زندگی کا آخری مشغلہ بنانے کی آرزو کا اظہار کرتے ہوئے اپنے ایک شعر میں کہتے ہیں:

آرزو ہے کہ زندگی تسنیم صرف نعت و سلام ہوجائے

چھوٹی بحروں میں اچھی نعت کہتے ہیں۔ مقالہ کی طوالت کے خوف سے اختصار سے کام لیا گیا۔ تسنیم فاروقی ہمارے نعت گو شعراء کے سرخیل ہیں اور ان کا کلام منفرد جذبہ وشوق رکھتا ہے۔

حقیقت ہے آج اردو کا ہر شاعر نعت کہنا اپنے لئے سعادت یقین کرتا ہے اور سرزمین لکھنؤ ایسے شعراء کی برابر رہنمائی کرتی رہی ہے اور آج بھی سیکڑوں شاعر نعت مصطفیٰ گنگناتے ہیں۔ تسنیم فاروقی کے لفظوں میں:

بندے کی کیا مجال کہ ہو محو گفتگو خود عرش بھی ہے فرش محمد کے روبرو

تسنیم نعت کہنے کو کہتا تو ہوں مگر **لا یمکن الثناء کما کان حقہ**

سید قیصر وارثی ولادت 1938ء

لکھنؤ صرف ایک شہر کا نام نہیں بلکہ یہ ایک علمی وادبی، تہذیبی وثقافتی ''دبستان'' کا نام بھی ہے۔ یہاں کی زبان و بیان میں جو شیرینی اور متانت، تہذیب وتمدن میں شائستگی اور علم و ادب میں بالیدگی ہے وہ پوری دنیا کے کسی بھی شہر کو یہ عز وشرف حاصل نہیں۔ اسی سرزمین پر اردو کے جملہ اصنافِ سخن کے دانشور اور نابغۂ روزگار شخصیتیں پیدا ہوئی ہیں۔

اردو ادب کے دیگر تمام اصناف سخن کی طرح صنفِ نعت کی آبیاری کرنے والے بھی آفاقی شہرت کے حامل شاعر ہوئے ہیں۔ ان میں گذشتہ صدی کے بہزاد لکھنوی اور موجودہ صدی کے حضرت

سید قیصر وارثی لکھنوی کا نام سرفہرست ہے۔

سید قیصر وارثی لکھنوی کا تعلق لکھنؤ کے معزز علمی و ادبی خانوادے سے ہے۔ آپ کے جداعلیٰ مولانا محمد ہدایت رسول کا شمار اپنے عہد کے مشاہیر علمائے اسلام میں ہوتا تھا۔ انہوں نے برطانوی حکومت کے ظلم و استبداد کے خلاف صدائے احتجاج بلند کیا جس کی پاداش میں جیل بھی گئے۔ آپ کے والد گرامی حضرت مولانا عمر وارثی لکھنوی بھی ایک عظیم المرتبت خطیب اور خوش فکر شاعر تھے۔ یہ کئی کتابوں کے مصنف بھی ہوئے ہیں۔ مولانا محمد عمر وارثی صاحب مقرر ہونے کے ساتھ ایک بلند مایہ ادیب بھی تھے۔ ان میں تنظیمی صلاحیت ہونے کی وجہ سے کئی رسالے جاری کئے جن میں ماہنامہ سنی کو خاص مقبولیت اور شہرت حاصل ہوئی۔ آپ کی ادارت میں یہ جریدہ 1962ء تک جاری رہا۔ یہی سال مولانا موصوف کی رحلت کا بھی ہے۔

سید قیصر وارثی کے حقیقی چچا سید معراج رسول وارثی المعروف معراؔج وارثی ایک مستند اور خوش فکر نعت اور غزل گو شاعر تھے۔ ان کے بیٹے سید حیات وارثی لکھنوی، لکھنؤ کے معروف اور مشاہیر شعراء میں سے تھے۔ انہوں نے ہند و بیرون ہند مشاعروں میں لکھنؤ کی نمائندگی کی ہے۔ یہ متعدد نثری و شعری کتابوں کے مصنف بھی ہوئے ہیں۔

سید قیصر وارثی کی ولادت 1938ء میں اسی پس منظر اور ماحول میں ہوئی۔ بالفاظ دیگر یوں کہا جائے کہ آپ کو شاعری ورثے میں ملی تو بے جا نہ ہوگا۔ روزِ ازل میں قدرت نے شاعری کا ملکہ عطا فرمایا تھا، اور خاص طور سے اپنے حبیب سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان ارفع و اعلیٰ میں اشعار کہنے کے لئے ذوق و شوق وافر مقدار میں عطا فرمایا۔ اس لئے آپ نے نعتیہ شاعری کے لئے خود کو وقف فرما رکھا تھا۔

آپ نے شعر و نغمہ میں شائستگی اور حسن پیدا کرنے کے لئے سب سے پہلے معراج وارثی اور پھر صائم سید نپوری کے روبرو زانوئے ادب تہہ کیا۔ ان کی استادانہ نگاہوں نے سید قیصر وارثی میں وہ شعری جِلا پیدا کر دی کہ وہ لکھنؤ کے پھر ہندوستان گیر شہرت کے حامل نعت گو شاعر کی حیثیت سے مستند اور مسلم ہو گئے۔ ان کی نعتیہ شاعری میں سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ عشق اور کیف و سرور کا جذبہ ملتا ہے۔

سید قیصر وارثی لکھنوی کی زبان و بیان میں لکھنؤ کی شیرینی اور حلاوت ہے۔ ان کا مطالعہ قرآن و حدیث اور تاریخ اسلام بہت وسیع ہے۔ وہ عشق رسول میں ہمہ دم سرشار رہتے ہیں۔ قلب و نظر میں سبز گنبد کی سنہری جالیاں بسی رہتی ہیں۔ وہ سرورِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر اپنی نظر

رکھتے ہیں۔ سید قیصر وارثی صاحب کا علم بڑا پختہ ہے۔ وہ عبد و معبود کے رشتہ کو بخوبی جانتے ہیں۔ ان کے اشعار میں خدا کا مقام اور رسول کا احترام برقرار ملتا ہے۔ وہ عرفؔی شیرازی کے اس شعر کے مطلب سے بخوبی آگاہ بھی ہیں:

عرفی مشتاب ایں رہ نعت است، نہ صحرا است　　آہستہ کہ رہ بر دم تیغ است قدم را

وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ:

با خدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار

سرورِ دو عالم سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عشق و محبت مومن کی جان اور ایمان کی اولین شرط ہے۔ بعد از خدا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام و مرتبہ کی کوئی حد نہیں۔ آپ کے علوم و معارف کی کوئی انتہا نہیں۔ اس عالم ممکنات میں جتنے بھی غزالی، رومی، سعدی، احمد رضا خاں، خواجہ حالی، محسن کاکوروی اور علامہ اقبال پیدا ہوتے رہیں گے۔ سب کی صلاحیتیں سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہِ لطف کی محتاج رہیں گی۔ نعت عشق رسول کے بغیر کہنا ممکن ہی نہیں۔ اگر رسماً کسی نے کہنے کی کوشش کی تو وہ تاثر اور رقت سے محروم رہے گا۔ نعت گو شاعر کے لئے ضروری ہے کہ رحمت للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صورت زیبا اور سیرت مقدسہ سے مکمل آگاہی ہو۔ تاکہ وہ جس وقت فکر نعت میں سرمست و سرشار ہو تو قلم کی نوک عقیدتِ حضور کے قلزم انوار سے وضو کر رہی ہو۔ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت عالیہ اور اخلاق حسنہ کو اپنی نعت کا موضوع بناتے وقت شاعر کے لئے لازم ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا چہرۂ انور پیشِ نظر رہے۔

سید قیصر وارثی متذکرہ تمام نعت کے لوازم اور اوصاف سے باخبر ہیں۔ ان کی پرورش اور تربیت علماء اور خاص طور سے وارثی میکدے سے سرشار دانشوروں کے بیچ ہوئی۔ اس لئے وہ خود بھی عشقِ رسول میں سرشار اور بے خود رہتے ہیں۔ سید قیصر وارثی کے کلام میں جذبوں کی طہارت ہے اور قرآن و حدیث کی تعلیمات کی عرق ریزی بھی۔ اس دعویٰ کی صداقت کے لئے چند اشعار نذر ہیں:

ہمیں خدا آشنا بنایا، سلیقۂ زندگی سکھایا　　نبی نے آ کر ہمیں بتایا حرام کیا ہے حلال کیا ہے

☆

ہوا جو حکم نبی سے بدظن، عمر نے اس کی اڑا دی گردن　　مخالفین نبی بتاؤ کہ اب تمہارا خیال کیا ہے

اردو کے تمام نعت گو شعراء نے رحمت للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معراج شریف کے معجزہ کو الگ الگ پیرایہ میں بیان کیا ہے۔ فارسی کے عظیم المرتبت شاعر شیخ سعدی نے تو بس اتنا ہی کہہ

کر خاموشی اختیار کر لی کہ:

اگر یک سرِ موئے برتر پرم فروغِ تجلّی بہ سوزد پرم

مگر سید قیصر وارثی نے اس معجزہ کو کچھ یوں نظم کر کے مسئلہ کا حل پیش فرما دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

اگر ہو عقل و شعور تم کو تو پہلے اس فلسفے کو سمجھو جب ان کا رب خود بلائے ان کو تو آنا جانا محال کیا ہے

وہ خود نعت نبی کو عطیہ ربانی اور فضل محبوب سبحانی یقین کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں:

لکھوں میں نعتِ رسول اکرم، بھلا یہ میری مجال کیا ہے خدا ہی جانے خدا ہی جانے کہ آمنہ کا وہ لعل کیا ہے

سرور دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سراپا بیان کرنے میں سید قیصر وارثی کو کمال حاصل ہے۔ وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شہ کار قدرت یقین کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ شعر دیکھئے:

جمال پاک کا ثانی، نہ جسم پاک کا سایہ یقیناً آپ ہیں شہ کار قدرت یا رسول اللہ

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دو مشہور معجزے کا ذکر صرف ایک شعر میں کچھ اس طرح نظم فرمایا ہے۔ شعر ملاحظہ ہو:

گواہی دی شجر نے، پتھروں نے بھی پڑھا کلمہ نرالی آپ کی ہے شان و عظمت یا رسول اللہ

جیسا کہ ماقبل تحریر کیا جا چکا ہے کہ سید قیصر وارثی کی نعتوں میں جذبوں کی پاکیزگی و طہارت کے ساتھ قرآن و حدیث کی تفسیر کی ترجمانی ملتی ہے۔ سورۂ کوثر کو کیا معنیٰ خیز اسلوب میں شعر پیش کیا ہے ملاحظہ ہو:

دو جہاں کی نعمتیں ہیں مصطفیٰ کے ہاتھ میں آپ پڑھ کر معنی و تفسیر کوثر دیکھئے

یہ شعر بھی قرآنی آیات کی ترجمانی کرتا ہوا دعوتِ فکر دے رہا ہے:

نور آنکھوں کا یقیناً آپ کی بڑھ جائے گا چاندنی میں گنبد خضریٰ کا منظر دیکھئے

☆

جالیوں سے آج بھی بہتے ہیں دریا نور کے دے خدا توفیق تو اک دن نہا کر دیکھئے

☆

قتل کرنے آئے تھے، ایمان لے آئے عمر کس طرح بنتے ہیں اس در پر مقدر دیکھئے

قیصر وارثی نعت گوئی کے فن میں یکتائے روزگار دکھائی دیتے ہیں۔ ان کی نعتوں میں الفاظ کی جدت طرازی، خیالات کی ہم آہنگی اور جذبات کا اعتدال پایا جاتا ہے۔ ان کے نعتیہ کلام میں افراط و تفریط کا کہیں شائبہ نہیں۔ انہیں الوہیت اور رسالت کی سرحدوں کا بخوبی علم و عرفان ہے۔ وہ نعت لکھتے

ہیں تو برابر لکھتے ہی چلے جاتے ہیں۔ایسا محسوس ہوتا ہے کہ نعت گوئی کے وقت وارثی صاحب پر الہامی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔خیالات پاکیزہ کا ایک بحرِ ذخار رواں ہوتا ہے جو ان کی نعت میں موجزن دکھائی دیتا ہے۔ایک تسلسل ہے جو برابر قائم رہتا ہے۔قیصر وارثی صاحب کو سہل ممتنع میں نعتیہ شعر کہنے کا ملکہ حاصل ہے۔اشعار دیکھئے:

گردشِ وقت سے جب پریشان ہوں　　　رب کے محبوب کا تذکرہ کیجئے

☆

قرب رب کی ہے دل میں تمنا اگر　　　رب کے محبوب سے سلسلہ کیجئے

اسی نعت میں اپنے ساتھیوں سے مدینے جانے کے لئے دعا کراتے ہوئے کہتے ہیں:

اے مرے ساتھیو محترم دوستو　　　جائے قیصر مدینے دعا کیجئے

سید قیصر وارثی صاحب کی نعتوں میں ندرتِ فکر اور مضامین میں انفرادیت پائی جاتی ہے۔فکر کی گہرائی کے ساتھ گیرائی اور زبان میں سلاست کا عنصر غالب ہے انہوں نے نعت گوئی کی روایت کو جدید لب ولہجہ عطا کر کے اور دل گداز، مترنم آواز میں پڑھ کر ادبی دنیا میں اپنی منفرد پہچان قائم کر لی ہے۔قیصر وارثی نے ایک نعت ''خوشبو'' کی ردیف میں کہی ہے۔اس کا عنوان ''نوری خوشبو'' رکھا ہے اس نعت کے چند اشعار دیکھئے:

دین اسلام کی فاراں سے جو ابھری خوشبو　　　پائی صدیق نے اس پھول کی پہلی خوشبو

☆

مجھ کو ملتی نہیں اس جسم کی خوشبو کی مثال　　　نور ہے اس کا بدن اور ہے نوری خوشبو

☆

چند تلمیحات پر مبنی اسی نعت سے شعر ملاحظہ ہوں:

جب بھی اٹھتی ہے مساجد سے اذاں کی آواز　　　مجھ کو ملتی ہے فضاؤں میں بلالی خوشبو

☆

بیٹھ کر شہر مدینہ میں نبی رحمت　　　سونگھا کرتے تھے اویس قرنی کی خوشبو

سید قیصر وارثی کو یہ ملکہ حاصل ہے کہ وہ ایک ایک معجزہ کو منفرد اسلوب میں نظم کرتے ہیں۔ان میں ندرت بھی پیدا کر دیتے ہیں اور حسن بھی۔وہ زبان و بیان پر پوری قدرت رکھتے ہیں۔ان کی فکر میں گہرائی ہے۔وہ شعر کو نہایت حسن بیان اور رواں اسلوب میں پیش کرنے کا اعلیٰ ہنر رکھتے ہیں۔

معراج النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے واقعہ کو وہ یوں بھی نظم فرماتے ہیں:

خوب مہماں تھا وہ عرش حق پر جسے آ کے روح الامیں خود بلا لے گئے

☆

معراج سے ظاہر ہم پہ ہوا سرکار دو عالم کا رتبہ بندے کے قدم اور عرشِ علیٰ سبحان اللہ سبحان اللہ

☆

دیکھ کر ان کی رفتار کہنا پڑا عرش پر آنا جانا تھا یا معجزہ

☆

کوئی حجاب درمیاں اور نہ کوئی فاصلہ دیکھئے اُن سے کس قدر قربتِ کردگار ہے

☆

بخششِ امت کا وعدہ لائے وہ اللہ سے قربِ حق میں آنا جانا آپ کا اچھا لگا

☆

آپ امام اور سب انبیاء مقتدی مقتدی مقتدی

☆

ہے خموش سدرہ بھی، جبرئیل بھی چپ ہیں جانے کن منازل تک آپ کی رسائی ہے

☆

جس طرح سے عرش اعظم پر گئے تھے مصطفیٰ اس طرح قربِ الٰہی میں گیا کوئی نہیں

☆

منزل سدرہ پہ رُک کر حضرت روح الامیں شانِ رفتار شہ خیر البشر دیکھا کئے

☆

بے پلک جھپکے خدا کا کیا تو نے دیدار اللہ اللہ یہ معراج بصارت تیری

☆

لامکاں میں خدا سے ملے جب نبی اپنی امت کا ان کو خیال آ گیا

☆

جدھر سے گذرا وہ نوری بشر شب معراج فلک پر کاہکشاں بکھری چاندنی چمکی
ہم کو سبحان الذی اسریٰ سے ملتا ہے جواب کس طرح سے عبد جا کر مل گیا سبحان سے

سید قیصر وارثی ایک علمی و ادبی خاندان کے فرد ہیں۔ قیصر صاحب کا قرآن کا مطالعہ بہت گہرا ہے۔ وہ قرآن کے معانی و مفاہیم اور تفاسیر کو مدنظر رکھ کر نعت کو شعری جامہ عطا کرنے پر پوری قدرت رکھتے ہیں۔ ان کے نعتیہ کلام میں جگہ جگہ قرآنی آیات کا برمحل استعمال ملتا ہے۔ ان قرآنی آیات کے استعمال سے شعر کے تفہیم میں کوئی دشواری نہیں آتی ہے۔ وہ ایک بات متعدد طرز بیان میں کہنے کا ہنر جانتے ہیں۔ نعت میں قرآنی آیات کا استعمال جس ہنرمندی سے آپ نے فرمایا ہے وہ نہایت قابلِ ستائش ہے۔ قرآنی آیات پر مشتمل چند اشعار بطور خاص ملاحظہ ہوں:

آیت الکرسی کا اپنی مشکلوں میں ورد کر — میرا دعویٰ ہے کہ تو بچ جائے گا شیطان سے

☆

سورہ یٰسین کے بے انتہا ہیں فائدے — اس کے پڑھنے سے بچیں گے آپ ہر نقصان سے
والشّمس والضحیٰ کبھی طٰہٰ ہے سامنے — یوں بھی مرے نبی کا سراپا ہے سامنے

☆

واللیل والضحیٰ کی آیات ہیں نظر میں — ہم مصحف نبی کو قرآن جانتے ہیں

سورۂ نجم ویٰسین سے ہے عیاں اہل دانش پہ سرکار کی عز و شاں ہے
فرش کے میزباں، عرش کے میہماں رب سے ملنے کو جائیں تو کیا بات ہے

والشّمس رُخِ زیبا، واللیل سیہ زلفیں — قرآن مقدس تو حضرت کا سراپا ہے

☆

آیت لاتقنطوا من رحمۃ اللہ پڑھ کے ہم — منزل حق کی تلاش و جستجو کرتے رہے

☆

یا رسول اللہ اُنظر حالنا پڑھتے رہو — وقتِ مشکل اس سے بہتر اور دعا کوئی نہیں

☆

والضحیٰ واللیل اور والشّمس پڑھ کر باوضو — با ادب ذکرِ رخِ سرکار ہونا چاہئے

☆

ورفعنا لک ذکرک میں ہے چرچا تیرا — قاب قوسین سے ظاہر ہوا رتبا تیرا

اس قبیل کے متعدد اشعار ان کے مجموعۂ کلام ''روشنی کا سفر'' میں موجود ہیں۔ سید قیصر وارثی کی تاریخ اسلام پر بھی گہری نظر ہے۔ وہ اسلامی تلمیحات کو بھی اپنے کلام میں برمحل استعمال کرتے ہیں۔

ان کی نعتیہ شاعری میں فصاحت اور بلاغت کا ایک خاص التزام کے ساتھ استعمال ملتا ہے۔ زبان و بیان پر قدرت نے لب ولہجہ میں انفرادیت پیدا کردی ہے۔ میری نظر میں سید قیصر وارثی کی نعتیہ شاعری دماغ کی نہیں، دل کی ہے۔ جن کے پڑھنے سے قلب کو سرور اور فکر کو بالیدگی ملتی ہے۔ چند اشعار دیکھئے:

معاف کردو خطائیں بھی دشمنِ جاں کی یہی سبق ہمیں اخلاقِ مصطفیٰ سے ملا

☆

مجھ کو نہ ظلم کے آگے کسی بھی حالت میں یہی پیام ہمیں بدر و کربلا سے ملا

☆

تھا بوجہل کا واللہ مقدر ہی خراب لائے ایمان عمر دیکھ کے چہرا تیرا
بولہب پا نہ سکا باغِ رسالت کی بہار سنگریزوں نے پڑھا جھوم کے کلما تیرا

☆

اپنے گھر میں خیر و برکت کے لئے ذکر میلاد رسالت کیجئے

شہرِ طیبہ کی عظمت و رفعت کا اعتراف تمام شعرائے کرام کرتے آئے ہیں۔ سیدنا رضؔا بریلوی بڑی عقیدت ومحبت کے ساتھ یوں گویا ہوئے ہیں۔ شعر ملاحظہ ہو:

حاجیو! آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو کعبہ تو دیکھ چکے کعبے کا کعبہ دیکھو

مدینۃ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان اور مقام ارفع کا ذکر سید قیصر وارثی بہت ہی والہانہ انداز اور ندرتِ فکر کے ساتھ یوں فرماتے ہیں:

ادب اے زائرِ طیبہ یہ دربار رسالت ہے یہاں پر بےاجازت جبرئیل بھی آیا نہیں کرتے

سید قیصر وارثی کے نعتیہ اشعار میں اخلاقیات پر مبنی بھی شعر ملتے ہیں۔ وہ حیا کو ایمان کی علامت بتاتے ہوئے کہتے ہیں جو ایک حدیث پاک کا منظوم ترجمہ ہے:

اس قولِ رسالت کو ہم بھول گئے شاید ایماں کی علامت ہے بندے کا حیا کرنا

سرورِ دوجہاں، مالک کون ومکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سادگی پسند طبیعت کو شعر کا جامعہ عطا کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

مختارِ کل تھے پھر بھی رہے اس جہان میں اللہ کے رسول بڑی سادگی کے ساتھ

اسی زمین میں چند شعر مزید ملاحظہ فرمائیے:

قرآں کی شکل میں جو ملی ہے حضور سے ہم اب بھی چل رہے ہیں اُسی روشنی کے ساتھ

☆

ہے خواہش جناں تو مدینے چلیں جناب جنت لگی ہوئی ہے نبی کی گلی کے ساتھ

سید قیصر وارثی دربار رسالت کے آداب سے آگاہ فرماتے ہوئے کہتے ہیں:

قیصرؔ یہ بارگاہ رسولِ انام ہے حسنِ ادب ہے شرط یہاں شاعری کے ساتھ

سید قیصر وارثی لکھنوی کا تعلق اہل زبان سے ہے۔ ان کے آباء و اجداد سے لے کر خود سید قیصر صاحب کی پوری زندگی لکھنؤ کے علمی ماحول میں گزری۔ وہ لکھنؤ کی زبان سے کما حقہ واقفیت رکھتے ہیں۔ ان کے کلام میں الفاظ انگشتری میں نگینہ کے مثل جڑے ہوئے ملتے ہیں۔ وہ رعایت لفظی کے استعمال میں کمال رکھتے ہیں۔ صرف تین شعر پر اکتفا کر رہا ہوں:

وہ صدائیں بے اثر ہیں وہ دعا، دعا نہیں ہے وہ دعا کہ جس دعا میں ترا واسطہ نہیں ہے

☆

ترے سلسلے سے ہم نے بخدا خدا کو پایا ترے سلسلے سے بڑھ کر کوئی سلسلہ نہیں ہے

☆

معجزہ سارے نبیوں کو رب نے دیا بن کے آئے تھے خود معجزہ مصطفیٰ

یہ شعر اپنی بلاغت کے لحاظ سے خاص طور سے توجہ کا طالب ہے:

بخدا جمال باری نظر آ رہا ہے اس میں رخِ مصطفیٰ کا جیسا کوئی آئینہ نہیں ہے

سید قیصر وارثی کا قلب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں بے قرار رہتا ہے اور یہی اصل میں شانِ مومن بھی ہے۔ وہ مدینۃ النبی اور روضۂ اقدس کی زیارت کے لئے بے تاب رہتے ہیں۔ جس طرح ایک صادق الایمان، عاشق رسول ذکر رسول سے اپنے دل کو سکون دیتا ہے اسی طرح سید قیصر وارثی بھی ہمہ دم خود کو نبی کے عشق میں سرشار پاتے ہیں۔

حضرت قیصر وارثی اپنے دل کی کیفیت کا اظہار کچھ ان اشعار میں کرتے ہیں:

یہ نعتیں جو محفل میں پڑھا کرتے ہیں قیصرؔ سرکار کو خود جا کے سنائیں تو عجب کیا

☆

خدا نے چاہا تو اک روز دیکھنا قیصرؔ سجے گی محفل نعتِ نبی مدینے میں

☆

ہجر طیبہ میں قیصؔر تڑپتے رہے ۔۔۔ اور اس سال بھی جانے والے گئے

سید قیصر وارثی کا نعتیہ شعری مجموعہ ''روشنی کا سفر'' خود میں ایک منتخب کلام ہے۔ کوئی شعر ایسا نہیں جو حسن بیان سے خالی ہو۔ جس شعر پر نظر پڑتی ہے وہ پکار کر کہتا کہ مجھے دیکھئے اور اظہار خیال کیجئے۔ مگر مقالہ کی طوالت دامن گیر ہے اس لئے کچھ مزید لکھنا بہتر نہیں معلوم ہوتا ہے۔ البتہ چند اشعار درج کر کے قارئین پر فیصلہ چھوڑنا چاہتا ہوں چند اشعار دیکھئے:

عالم نفسی نفسی میں محشر کے دن ۔۔۔ عاصیوں کا جو پوچھے گا حال، آ گیا

☆

رکھ دی کافوری جبیں آقا کے پائے ناز پر ۔۔۔ بلبلِ سدرہ نشیں کی یہ ادا اچھی لگی

☆

مصطفیٰ کے لاڈلوں نے خون سے سینچا ہے اسے ۔۔۔ اس لئے ہم کو زمینِ کربلا اچھی لگی

☆

میرے بابا جان کی امت کو مولا بخش دے ۔۔۔ فاطمہ زہرا کی یہ پیاری دعا اچھی لگی

☆

ہے امام اعظم کا مسلک، مسلک احمد رضا ۔۔۔ اس لئے ہم کو بھی تائید رضا اچھی لگی

☆

قبلہ گاہِ عالم اسلام کعبہ ہے مگر ۔۔۔ کعبے کا کعبہ تو ہے روضہ مرے سرکار کا

☆

یہ باتیں صرف قرآن پڑھ کے ہی معلوم ہوتی ہیں ۔۔۔ کہ لے کر آپ کیا آئے ہیں، بن کر آپ کیا آئے

☆

ہم کیا لکھیں گے قیصر، ہم کیا پڑھیں گے قیصر ۔۔۔ نعتِ نبی کی لذت حسان جانتے ہیں

☆

یہ بات سچ ہے کہ صدیاں گذر گئیں ہیں مگر ۔۔۔ خدا گواہ رسول انام زندہ ہیں

☆

جس کے جسم مقدس کا سایہ نہیں ۔۔۔ اس کے سائے میں رہتے ہیں ہم دوستو

☆

کیا انکار تعظیم محمد مصطفیٰ جس نے — نہ اس کا علم کام آیا نہ کوئی سجدہ کام آیا

☆

بشارت ابن مریم نے سنائی تھی کبھی جس کی — لباسِ آدمیت میں وہ نبیوں کا امام آیا

☆

دل کو سنبھالوں، دیکھوں اسے، یا پڑھوں سلام — اللہ کے حبیب کا روضہ ہے سامنے

☆

زندگی ہے درحقیقت ان پر مرجانے کا نام — جو نبی کے نام پر مرتا ہے وہ مرتا نہیں

☆

دستِ کافر میں پتھر نے کلمہ پڑھا — ہے یہ سرکار کا بولتا معجزہ

ہمارے عشق کا ہم سے یہی تقاضہ ہے — کہ رکھ قدم کی جگہ اپنا سر مدینے میں

☆

لا سکے گا کیا زمانہ اس حسیں رخ کا جواب — چاندنی جن کے نقوشِ پا سے شرماتی رہی

☆

ڈوب کر ان کے تصور میں جو کی فکر سخن — بھینی بھینی مرے اشعار سے نکلی خوشبو

متذکرہ اشعار کی روشنی میں یہ یقینی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ آپ موجودہ اور گذشتہ صدی کے نہایت خوش فکر اور قادرالکلام مداح خیرالانام تھے۔ آپ کی شعری روایت جہاں ایک طرف حضرت حسان بن ثابت الانصاری سے ملتی ہے تو دوسری طرف ان کی ندرت فکر اور جدت اسلوب اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی سے رشتہ قائم کئے ہوئے ہے وہ عربی اصطلاحات، قرآنی آیات واحادیث وغیرہ کے ساتھ غزوات ومعجزات کو کلام میں برمحل استعمال کرنے کا ہنر خوب سے خوب تر جانتے ہیں۔ ان کی نعتیہ شاعری میں سوز وگداز، رقت اور عشق رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کا جذبہ موجزن ہے۔ جنہیں پڑھ کر قاری یا سامع خود کو سبز گنبد کی جالیوں کے گرد محسوس کرنے لگتا ہے۔

سید قیصر وارثی کا شعری مجموعہ ''روشنی کا سفر'' ایمان وایقان کا گنجینۂ معانی ہے جس کے مطالعہ سے ایمان میں تازگی اور بالیدگی آتی ہے۔ موصوف نے اپنے نعتیہ کلام میں نہ تو مبالغہ آرائی سے کام لیا ہے اور نہ ہی مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شانِ ارفع واعلیٰ سے فروتر کوئی شعر کہا ہے۔ ان کا پورا کلام قرآن وحدیث کا منظوم ترجمۂ عرفانی ہے۔ ان کے مطالعہ سے راہِ شریعت پر چلنا آسان

اور رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس کی زیارت کا ذوق وشوق کا جذبہ سرشاری کیفیت میں آجاتا ہے۔ میں اپنی بات ان کے اس شعر پر ختم کرتا ہوں کہ:

کچھ بھی کہیئے کچھ بھی لکھیئے آپ ان کی شان میں نعتِ پاکِ مصطفیٰ کی انتہا کوئی نہیں

بشؔیر فاروقی

بیسویں صدی کے جن شعراء نے دبستانِ لکھنؤ کے شعروادب کے دامن کو گلہائے رنگارنگ سے مزین کیا ہے اور جنھوں نے اصناف مروجہ کے علاوہ مشکل ترین صنف نعت میں اپنی جولانی طبع کے جوہر دکھائے ہیں ان میں بشؔیر فاروقی کا نام نمایاں ہے۔ بشؔیر فاروقی لکھنؤ کے نعت گو شعراء میں ایک قادرالکلام سخنور ہیں۔ ان کی پیدائش لکھنؤ میں 1939ء میں ہوئی۔ ان کے والد حکیم معین الدین احمد ایک متدین اور خداترس انسان تھے۔ ذریعۂ معاش طبابت تھا، انہوں نے اپنے بیٹے بشیرالدین احمد کی پرورش تعلیم وتربیت اور ذہن وفکر کی نشوونما مشرقی تہذیب وتمدن میں کی۔ چنانچہ یہ فیضان نظر پدر بزرگوار ہی تھی کہ ان کو اردو، فارسی، عربی اور انگریزی زبان وادب پر یکساں قدرت حاصل ہوگئی اور بشیر فاروقی لکھنؤ کے علمی وادبی ماحول میں رہ کر عطیہ ربانی کے اظہار سے خود کو روک نہ سکے اور فکر شعرو سخن کی جانب متوجہ ہوکر اُردو کے معروف شعراء کی صف میں شامل ہوگئے ہیں۔

بشیر فاروقی لکھنوی دبستان شعر کے ان منفرد اور نمائندہ شعراء میں سے ہیں جنہوں نے اردو شاعری کو منفرد لب ولہجہ سے روشناس کرایا۔ فاروقی صاحب غزل کے شاعر ہیں مگر انہوں نے نعت میں بھی اپنی قادرالکلامی کا ثبوت دیا ہے۔ ان کی قادرالکلامی کا اعتراف مجروح سلطان پوری، فراؔق گورکھپوری، کیفؔی اعظمی، پروفیسر ولؔی انصاری، پروفیسر عنوانؔ چشتی، پروفیسر وسیم بریلوی، ڈاکٹر عامؔر ریاض، ساحؔر ہوشیار پوری وغیرہ نے بھی کیا ہے۔

بشیر فاروقی عصر حاضر میں لکھنوی دبستانِ شاعری کے نمائندہ شاعر ہیں۔ وہ قدیم روایت کے امین اور پاسدار ہیں۔ ان کی فکری نظام کی خاص خوبی یہ ہے کہ وہ بات بہت صاف اور واضح پیرایہ میں کہتے ہیں۔ زبان وبیان کی روانی اور سلاست نے شعری محاسن میں چار چاند لگا دیئے ہیں۔ لکھنؤ کی کوثر وتسنیم سے دھلی ہوئی زبانِ شیریں نے کلام کو مترنم اور کہیں گداز بنا دیا ہے۔ انہیں الفاظ اور محاوروں کے برمحل استعمال پر قدرتِ تامہ حاصل ہے۔ فاروقی صاحب کم کہنے مگر بامعنیٰ کہنے کے قائل ہیں۔ کثیر گوئی پر اعتقاد نہیں رکھتے۔ انہوں نے اب تک کل 5 تخلیقات اردو ادب کے دامن کو عطا کئے ہیں۔

جن میں ایک نثر اور باقی شعری ہیں۔ان کے نام یوں ہیں۔

1- سناٹے کی آواز۔ 2- حادثوں کے درمیان۔ 3-شفق رنگ چاندنی۔ 4-تذکرہ مراد اللہ شاہ نقشبندی۔ 5- پروں کے درمیان۔

بشیر فاروقی کو ان کے علمی و ادبی خدمات کے اعتراف میں مختلف انجمنوں اور سرکاری نیز غیر سرکاری تنظیموں نے گیارہ اعزازات سے بھی نوازا ہے۔

بشیر فاروقی کا اُردو، عربی اور انگریزی ادب کا گہرا مطالعہ ہے۔ وہ تاریخ اسلام سے بھی کماحقہ آگاہ ہیں۔انہیں زبان و بیان پر مکمل قدرت حاصل ہے۔ وہ نعت کے اسرار و رموز اور آداب واحترام سے بھی بخوبی واقف ہیں۔ اسی لئے ان کی نعتیہ شاعری میں بے خودی اور سوز و گداز کا عنصر غالب ہے۔ دیکھئے وہ اپنے دل کی حقیقت کا اظہار کس طرح کرتے ہیں:

اے نیند ابھی ٹوٹنا اچھا نہیں تیرا ہم خواب میں انوارِ حرم دیکھ رہے ہیں
دم بھر کو ٹھہر جا ذرا اے وقت کی رفتار ہم جلوہ گہہ شاہِ امم دیکھ رہے ہیں

بشیر فاروقی خالص مشرقی ذہن و فکر کے شاعر ہیں۔ عشقِ رسول میں خود کو مست و سرشار پاتے ہیں۔ان کا دل محبت رسول کا گنجینہ بنا ہوا ہے۔ وہ اپنی محبت کا اظہار شیفتگی کے عالم میں کرتے ہوئے کہتے ہیں:

نبی کا نام نبی کا خیال، یاد نبی تمام عمر نہ ہو دور میرے سینے سے

☆

اُن کے روضے پہ فرشتوں کا ہے پہرہ لیکن کوئی پہرہ ہی نہیں اہل محبت کے لئے

عصر حاضر کے مسلمانوں کی حالت زار پر یہ شعر دیکھئے:

اُمتی ان کو بھلائے ہوئے بیٹھے ہیں بشیرؔ وہ تو راتوں کو بھی سوئے نہیں اُمت کے لئے

بشیرؔ فاروقی کا مطالعۂ قرآن عمیق ہے۔ان کا دل قرآن کی تلاوت سے منور رہتا ہے، اس لئے مافی الضمیر کے اظہار میں یوں گویا ہیں:

روشن ہے میرا قلب خدا کے کلام سے خوشبو زبان میں ہے مزمل کے نام سے

بشیر فاروقی نے گو کہ کوئی نعتیہ کلام اب تک مرتب نہیں کیا ہے مگر ان کے پاس نعتیہ کلام اتنے ہیں کہ وہ ایک قابلِ قدر مجموعہ مرتب کر سکتے ہیں۔ البتہ ان کی غزلوں پر مبنی کتابوں میں حمد و نعت شامل ہیں۔

بشیر فاروقی نے تصوف کے مراحل نقشبندیہ راستے سے طے کئے ہیں۔ وہ فنا فی اللہ اور فنا فی الرسول

کے اسرار و رموز سے بخوبی واقف ہیں۔ ان کا نعتیہ کلام اس حقیقت پر شاہد ہے۔ اردو شاعروں نے معراج شریف کے معجزے کو مختلف زاویہ فکر سے نظم کیا ہے مگر بشیر فاروقی نے نہایت رواں، مترنم اور منفرد اسلوب میں قرآنی دلائل کے ساتھ نظم کیا ہے۔ جو ان کی قوت فکر و نظر کی طرف غمازی کرتی ہے:

خدا مشتاق ہے، جبریل ان کے پاس آئے ہیں نظارے دم بخود ہیں وجد میں ساری خدائی ہے

☆

سواری نور، دولھا نور، باراتی بھی نورانی دلوں کو نور سے بھرلو، شب معراج آئی ہے

اسی طرح وہ قرآنی آیات کو پیش نظر رکھ کر شعر کہتے ہیں۔ نعت کے دو شعر لطفِ زبان اور بیان پر ملاحظہ ہوں:

محمد مصطفیٰ کی دھوم ہے سارے زمانے میں کہ دنیا رب کی شیدا، اور رب ان کا فدائی ہے

☆

وہ شاہِ دوجہاں ہیں اور کھجوریں ہیں غذا ان کی چٹائی ان کا بستر، سلطنت ساری خدائی ہے

مولانا حسن رضا خاں بریلوی کا ایک شعر میدانِ حشر کی منظر کشی کے ساتھ منصب و مرتبۂ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان پر ملتا ہے۔ ملاحظہ ہو:

فقط اتنا سبب ہے انعقادِ بزمِ محشر کا کہ ان کی شانِ محبوبی دکھائی جانے والی ہے

آیئے بشیر فاروقی صاحب کے رفعتِ تخیل کو بھی ملاحظہ کرتے چلیں اور موازنہ کریں کہ فاروقی صاحب نے کس منفرد اسلوب اور سہل ممتنع میں بات کہی ہے۔ شعر دیکھئے:

اس لئے اک دن حشر اٹھے گا دیکھ لے دنیا چہرہ اُن کا

اسی نعت کے حسن بیان پر مبنی 2 شعر مزید ملاحظہ ہوں:

نور خدا ہے جلوہ اُن کا ہم کیا جانیں رتبہ اُن کا
سارا عالم رب سے مانگے مرضی رب ہے منشاء ان کا

کیا مذکورہ اشعار قرآن پاک کی آیتوں کی ترجمانی نہیں کرتے۔ کیا تحویلِ قبلہ کی آیت کی جانب یہ شعر اشارہ نہیں کرتا۔ یہی نعت گوئی کا صحیح فن اور اسلوب ہے۔

ہر مومن کی اصل آرزو روضۂ سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت ہے۔ ہر صالح فکر و شعور کا حامل مومن پوری زندگی اسی امید پر گذارتا ہے کہ دیکھئے سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دربار اقدس سے کب اذنِ حاضری حاصل ہوتا ہے۔ اس کی آنکھیں اسی انتظار میں اکثر اوقات اشکبار

رہتی ہیں۔ بشیر فاروقی صاحب بھی اسی امید میں اپنی زندگی بسر کررہے ہیں ان کی آنکھیں کیوں اشکبار رہتی ہیں ان کی ہی زبانی ملاحظہ ہو:

آنکھیں میری اشک بہائیں　　دیکھنا چاہیں روضہ اُن کا

☆

اے چشم نم یہی تو ہے میرے نبی کا شہر　　ٹوٹے نہ سلسلہ مرے اشکوں کے تار کا

میدانِ محشر نفسی نفسی کے عالم کا دن ہوگا۔ کوئی نبی بھی ماسوا رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ سلم اپنی امت کی مزاج پرسی نہیں فرمائے گا۔ بلکہ بہت امت کی استدعا پر اِذھبوا الی غیری فرمائیں گے۔ بشیر فاروقی صاحب ایک درویش صفت ذہن وفکر کے حامل شاعر ہیں ان کا دل عشقِ نبی میں مستغرق رہتا ہے۔ وہ اہل اللہ اور اولیاء اللہ کے اختیارات وتصرفات کے عینی شاہد ہیں۔ ان کی چشم بصیرت نے متعدد واقعاتِ عجائب وغرائب کا مشاہدہ کیا ہے۔ جب انہوں نے اولیاء اللہ کی کرامات دیکھ لیں تو بھلا امام الانبیاء سرور دو عالم کے فضائل ومناقب کو اپنے شعر میں کیسے نہ بیان کرتے۔ چنانچہ حشر کے میدان کی منظر کشی کرتے ہوئے بہت اہم بات کہہ گئے ہیں۔ شعر دیکھئے:

چھوٹنے پائے نہ دامانِ شہِ دیں، ورنہ　　عرصہ حشر میں رسوائی ہی رسوائی ہے

نہیں ڈوبیں گی سیلِ حشر میں بھی کشتیاں ان کی　　جنہیں حاصل رسولِ ہاشمی کی ناخدائی ہے

بشیر فاروقی صاحب ایک نہایت اعلیٰ فکر کے حامل دانشور ہیں۔ وہ قرآن وحدیث کے مطالعہ کی روشنی میں شعر کہتے ہیں۔ ان کے نعتیہ کلام میں سوز وگداز اور رقّت ہے۔ دیارِ مصطفیٰ کے دید کی تمنائیں لہریں لینے لگتی ہیں۔ سچا عاشق رسول ان کے کلام کے مطالعہ سے گنبد خضریٰ کی نورانی فضاؤں میں خود کو گم پاتا ہے۔ آیئے ان کی مختلف نعتوں کے چند اشعار سے قلب ونظر کو تازگی دیں اور روح میں بالیدگی پیدا کریں نیز اپنے شوقِ دید شہر نبی کی چاہت کو تیز تر کریں۔ یہ اشعار ایک صادق الایمان شاعر کے دل کی صدا ہیں۔ انہوں نے عشقِ نبی میں مستغفرق ہوکر نعتیہ کلام کہے ہیں۔ اسی لئے دردل خیز دو بر دل ریزد کے حقیقی مصداق ہیں۔ اشعار ملاحظہ ہوں:

یاد آرہی ہے روضۂ اقدس کی جالیاں　　لہرا رہا ہے آنکھوں میں منظر بہار کا

☆

زائرو! تم وہ مقدر کے دھنی ہو، جس نے　　سبز گنبد کو جو چھولے وہ نظر پائی ہے

☆

فقیروں سے سنا ہے، بادشاہوں کا یہ کہنا ہے
شہنشاہی سے بہتر ان کے روضے کی گدائی ہے

☆

میں قطرہ ہوں مگر میری سمندر تک رسائی ہے
کہ میں نے مصطفیٰ صلی علی سے لَو لگائی ہے

☆

مری عقل وفہم سے ماورا ہے حقیقتِ شہِ انبیاء
وہ خدا ہی جانے، جو مرتبہ جو مقام میرے نبی کا ہے

ایک مرتبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مخاطب ہوتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''اے ابوبکر میری حقیقت میرے رب کے علاوہ کسی نے نہیں جانا۔'' (الحدیث)

یہ تو انس وجن میں ہے تذکرہ، یہ ملائکہ بھی سمجھ گئے
بڑی بات میرے نبی کی ہے بڑا نام میرے نبی کا ہے

جو کلام میرے خدا کا ہے وہ پیام میرے نبی کا ہے
جہاں نام رب عظیم ہے وہیں نام میرے نبی کا ہے

ان اشعار کی روشنی میں بلاشبہ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ ان کے نعتیہ کلام عصر حاضر کے تمام نعت گو شعراء میں امتیازی مقام کے حامل ہیں۔ ان میں عشق رسول کا جذبہ موجزن ہے۔ وہ نعت پاک کے اشعار اسی سرمستی اور بیخودی کے عالم میں کہتے ہیں۔ جس کا متقاضی نعتیہ کلام ہے۔ وہ اپنی زندگی کے روز وشب کس عالم میں گذارتے ہیں۔ خود بشیر فاروقی صاحب کے لفظوں میں ملاحظہ ہوں:

بھیجتا رہتا ہوں آقا پہ درود اور سلام
مجھ کو احساس نہیں ہوتا کہ تنہائی ہے

مصورؔ لکھنوی

اُردو اصنافِ سخن میں صنف نعت، مشاہیر دانشورانِ ادب کی نظر میں بہت ہی مشکل اور اہم ترین صنف ہے۔ بعض نے اسے پل صراط سے گزرنا اور کچھ نے تیغ پر قدم رکھ کر چلنے سے تعبیر کیا ہے۔ دراصل اس کا تعلق ایک جانب عبد سے تو دوسری جانب معبود سے ملتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس صنف سے پوری طرح عہدہ برآ ہونا ممکن ہی نہیں، کیونکہ خود رب کائنات ثنا خوان رحمتِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ جیسا کہ غالبؔ دہلوی کہتے ہیں:

غالبؔ ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم
کاں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمدست

بقولِ جگر مرادآبادی:

اللہ اگر توفیق نہ دے انسان کے بس کا کام نہیں
فیضانِ محبت عام سہی، عرفانِ محبت عام نہیں

درحقیقت ایک خوش فکر نعت گو کے لئے ضروری ہے کہ اس کا قرآن، حدیث، اسوۂ رسول اور تاریخ اسلام کا مطالعہ بہت عمیق ہو اور دل و دماغ رسولِ خدا کی محبت سے ہمہ دم سرشار ہو، لب پہ درود، سر میں تاجدار مدینہ کی یادوں کا سرور، بے خودی کی کیفیت رکھتے ہوئے نعت کے اشعار نظم کرنے کی سعی کرنی چاہئے بلکہ یہ کیف وسرور کی منزل مجبور کردے اس وقت نعتیہ شعر گوئی کی جانب خود کو متوجہ کرے۔

نعت گو جب تک عشقِ رسول دوعالم میں ڈوب کر توحید و رسالت اور عبودیت کے نازک رشتوں میں کامل ہم آہنگی پیدا نہ کرے گا جذبات عالیہ، سوز و گداز، حسن ذوق، رفعتِ تخیل سے مکمل آشنا نہ ہوگا اس وقت تک وہ نعت گوئی کے منصب سے عہدہ برآ نہیں ہوسکتا۔ بغیر سرشاری عشق مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نعت گوئی قافیہ وتک بندی کے سوا کچھ نہیں۔ ایسے نعت گو کے نعتیہ اشعار بے کیف اور بے ربط ہونے کے ساتھ ساتھ شریعت اسلامیہ کے بھی خلاف ہوتے ہیں۔ نعت گوئی ایک صادق الایمان مومن کے لئے موجب رضائے الٰہی و بخشش وعنایات خداوندی ہے۔ اس ضمن میں حضرت حسان بن ثابت، حضرت کعب بن مالک، حضرت عبداللہ بن رواحہ، حضرت کعب بن زبیر، حضرت امام بوصیری، حضرت شیخ سعدی شیرازی، حضرت رضا بریلوی، حضرت امیر مینائی اور حضرت محسن کاکوروی وغیرہ صدہا شعراء کے نام قابل ذکر ہیں۔

لکھنؤ کا دبستانِ شاعری اس بات کا شاہد ہے کہ یہاں ہر زمانہ میں عدیم المثال کاملانِ فن نے اپنی خداداد صلاحیت کا اظہار کر کے مشاہیر عالم سے خراج تحسین حاصل کیا ہے۔ رجب علی بیگ سرور کی مقفع و مسجع عبارت آرائی ہو یا آتش و ناسخ کی غزل گوئی، نسیم کی مثنوی نگاری ہو یا انیس و دبیر کی مرثیہ گوئی، سب اپنی مثال آپ ہیں۔ اُردو کے جملہ اصناف سخن کے ساتھ ساتھ یہاں کے نعت گو شعراء بھی بڑی شہرت کے حامل ہوئے ہیں۔ ان میں الحاج غلام نبی متخلص مصور لکھنوی کا اسم گرامی نہایت اہمیت کا حامل ہے۔

الحاج مصور لکھنوی کی ولادت 4رمئی 1921ء کو محلّہ احاطہ لال خاں، امین آباد، لکھنؤ کے ایک علمی وادبی خانوادہ میں ہوئی۔ ان کے والد گرامی حسین علی مرحوم مذہبی شخصیت کے مالک تھے۔ انہوں نے اپنی تمام عمر زہد وتقویٰ اور خشیت الٰہی میں گزاری۔ والد کی معمول کی زندگی نے غلام نبی کو بالیقین غلام نبی عملی طور پر بننے میں اہم کردار ادا کیا۔ مصور صاحب کی تعلیم وتربیت والدین کی عین خواہش کے مطابق اسلامی طرز فکر اور مذہبی معاشرت میں ہوئی۔ اس عہد کی لکھنوی تہذیب وتمدن نے مصور کی زندگی کو سنوارنے میں سونے پر سہاگے کا کام کیا اور وہ لکھنوی تہذیب وتمدن کی زندہ مثال بن کر

والدین کی خواہشات کو پوری کئے ہوئے ہیں۔

مصور لکھنوی کے والد شعر و شاعری سے دلچسپی نہیں رکھتے تھے البتہ ان کے بڑے بھائی منشی محمد عبداللہ ایک خوش فکر اور قادرالکلام شاعر تھے اور ان کا سلسلۂ تلمذ خواجہ وزیر لکھنوی تک پہنچتا تھا۔ ان کے علاوہ مصور صاحب کے ماموں جناب حکیم محمد نذیر ایک قادرالکلام شاعر تھے اور نذیر موہانی کے نام سے شہرت رکھتے تھے۔

مصور لکھنوی تعلیم سے فراغت کے بعد ان دو کاملان فن کی رفاقت میں شعر گوئی کی طرف مائل ہوئے اور ان سے ہی اصلاح لیتے رہے۔ البتہ شاعری کے ابتدائی زمانہ میں مولانا عبدالباری آسی لکھنوی کے روبرو بھی زانوئے ادب تہہ کیا۔ ان تینوں بزرگوں کی فیض محبت اور نظر شفقت نے مصور کو غزل گوئی کی طرف مائل کیا۔ گھر کی اسلامی طرز زندگی اور ماحول نے زلف غزل سنوارنے کے ساتھ ساتھ نعت نبی میں بھی شعر گنگنانے کے لئے مجبور کر رکھا تھا۔ اس طرح وہ غزل اور نعت کے میدان میں اپنی قادرالکلامی اور جودت طبع کا مظاہرہ کرنے لگے۔ نعت گوئی کے صدقہ میں رحمت دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مصور لکھنوی کو درِ اقدس کی حاضری کے لئے عین شباب میں یاد فرما لیا اور حرمین شریفین کی زیارت سے سرفرازی اور معطر فضاؤں کا وہ اثر قبول کیا کہ حاجی مصور لکھنوی ایک با کمال نعت گو کی حیثیت سے متعارف ہو گئے اور ان کا کلام نعت کی ہر محفل میں عوام و خواص سے داد تحسین حاصل کرنے لگا۔

مصور لکھنوی اُردو کی جملہ اصناف سخن کے اظہار پر قدرت رکھتے ہیں مگر انہوں نے غزل اور نعت میں خاص طور سے طبع آزمائی کی۔ غزل میں ان کے دو شاہکار مجموعۂ کلام ''عکس کائنات'' اور ''تم ہی تم'' شائع ہو کر منظر عام پر آ چکے ہیں۔ ان کے علاوہ غیر مطبوعہ کلام بھی بہت زیادہ ہے جو منتظر اشاعت ہے۔

ان دونوں غزلوں کے مجموعۂ کلام کے علاوہ صنفِ نعت پر ایک مجموعہ ''مہبط جبرئیل'' بھی ہے جو بہت ہی اہم شاہکار تخلیق ہے۔ جیسا کہ ماقبل میں تحریر کیا جا چکا ہے کہ مصور لکھنوی کی تعلیم و تربیت اور بود و باش مذہبی ماحول میں ہوئی اور عہد شباب میں وہ حج بیت اللہ اور دیارِ مدینہ کی زیارت سے قلب و نظر کو منور کر چکے ہیں جس کا پورا اثر آج بھی اُن پر طاری ہے۔ اسی ماحول اور پس منظر میں ان کی نعتیہ شاعری پروان چڑھی۔

لکھنؤ جو علم و ادب اور تہذیب و تمدن کا عالمگیر شہرت کا حامل شہر رہا ہے اور آج بھی ہے۔ یہاں ہر دور میں انجمنیں اور تحریکیں وجود میں آتی رہی ہیں جن کے زیر اہتمام زبان و ادب ارتقاء کی منزلیں طے کرتی رہیں۔ چنانچہ تقسیم ملک اور آزادئ ہند کے وقت تک لکھنؤ کی علمی و ادبی محفلوں میں غزل کا ہی جادو

سر پر چڑھ کر بولتا رہا مگر آزادی کے بعد ملک کا تقسیم ہونا اُردو زبان کے لئے بھی مضر ثابت ہوا۔

ملک کی آزادی کے بعد لکھنؤ کی علمی و ادبی محفلیں منتشر ہوگئیں۔ پھر بھی لکھنؤ کی محفل میلاد میں نعت گو شعراء اپنے کلام سے سامعین کے قلوب کو منور کرنے میں مصروف تھے۔ جن میں زائر حرم حمید صدیقی لکھنوی کا نام سرفہرست ہے۔ موصوف اپنے کلام اور مترنم آواز سے اہل محفل کو وجد کی کیفیت عطا کرتے رہے۔

لکھنؤ میں منجملہ تمام دیگر انجمنوں کے ایک انجمن ''فردوس ادب'' 1938ء میں قائم کی گئی تھی جس کے اراکین و منتظمین میں ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی، سالک رحمانی، اسلم رضوی، مولانا ہاشم فرنگی محلی، حاجی غلام حسنین، شاکر علی صدیقی، غلام زین العابدین، الحاج امین سلونوی، الحاج عمر انصاری، الحاج مصور لکھنوی، کنور مسعود علی، عرفان لکھنوی، جھنجھٹ لکھنوی وغیرہ کے اسمائے گرامی سرفہرست ہیں۔ اس انجمن نے یوم آتش، یوم ناسخ، یوم خواجہ وزیر، یوم چکبست اور یوم آسی کی خدمات کے اعتراف میں تقریبات منعقد کر کے اہم مقام حاصل کر لیا تھا۔

تقسیم ملک اور آزادیٔ ہند کے بعد 1951ء میں اس انجمن کے زیر اہتمام امین آباد پارک لکھنؤ میں امین سلونوی، مصور لکھنوی وغیرہ کی سعی جمیلہ اور عوامی تعاون سے ایک عید میلاد النبی کی تقریب منعقد ہوئی جس کی مقبولیت نے لکھنؤ کی علمی و ادبی شخصیتوں کے علاوہ عوام و خواص کو اپنی جانب متوجہ کیا۔ انجمن فردوس ادب کے نعتیہ مشاعرہ نے 12/ربیع الاول بموقعہ عید میلاد النبی اس قدر شہرت حاصل کی کہ لاتعداد نعت گو شعرائے کرام شعری اُفق پر جلوہ گر ہوتے۔ اس کی مقبولیت اور شہرت ملک کی سرحدوں کو عبور کر کے دُنیا کے مختلف حصوں تک پہنچ چکی ہے۔ انجمن فردوس ادب کی اسی محفل کی برکت نے حضرت مصور لکھنوی کو بھی ایک نمائندہ نعت گو شاعر کی حیثیت سے متعارف کرایا۔

مصور لکھنوی منفرد لب و لہجہ کے نعت گو ہیں۔ ان کی شاعری میں معراج النبی، نبی کے نور پاک، گنبد خضریٰ اور خلفائے راشدین دیار مدینہ وغیرہ کا ذکر بہت ہی مؤثر اور پر کیف انداز میں ملتا ہے۔ ان کے کلام میں سلاست و روانی بھی ہے اور برجستگی بھی۔ نازک خیالی اور بلاغت شعری کا عنصر برمحل دیکھنے میں آتا ہے۔ اُردو اور فارسی کے بیشتر شعراء نے معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی موضوع سخن بنایا ہے۔ علامہ شیخ سعدی نے یوں اظہار خیال فرمایا:

اگر یک سر موئے برتر پرم   فروغ تجلی بسوزد پرم

اسی تلمیح کو مصور لکھنوی نے اپنے انداز میں یوں فرمایا ہے:

کیا پوچھئے معراج کی شب شان نبوت جبرئیل بھی آقا کے قدم دیکھ رہے ہیں

معراج کا ایک دوسرا پہلو دیکھئے:

عرشِ اعظم پہ وہ شب معراج محو راز و نیاز کیا کہنا

ہر مومن کی دلی آرزو ہوتی ہے کہ اس کی رسول دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے درِ اقدس تک ظاہری زندگی میں ہی حاضری ہوجائے۔ اس سلسلہ میں ایک نعت گو کے جذبات عام لوگوں سے مختلف ہوتے ہیں۔ شاعر خود عالم تصور میں کبھی حاضر پاتا ہے اور کبھی وہاں کے لیل ونہار سے دل و دماغ کو روشن و منور کرنے کا اظہار شعر میں کرتا ہے۔ اس کے علاوہ اس خوش نصیب شاعر کی دلی آرزو جب پوری ہوجاتی ہے اور گنبدِ خضریٰ کے روح پرور مناظر، رحمتوں سے معمور فضاؤں میں خود کو پاتا ہے تو اس کا تخیل کن کن جذبات کا اظہار کرتا ہے وہ ناقابل بیان ہے۔ مصور لکھنوی بھی حرمین شریفین کی زیارت سے فیضیاب ہیں۔ وہ خود کو دیارِ مدینہ میں کیسا محسوس کرتے ہیں خود ان کی زبان میں ملاحظہ فرمائیے:

آنکھ اٹھی تھی اک بار سوئے گنبدِ خضریٰ اب تک مرا دل ہوش کے عالم میں نہیں ہے

☆

پیش نظر ہیں روضۂ اطہر کی جالیاں نظروں میں کائناتِ تمنا ہے اور ہم

روضۂ اقدس پہ حاضری کے وقت غلام مصطفیٰ کے لئے ادب و احترام عین ایمان ہے۔ دربارِ رسالت میں ادنیٰ سی گستاخی بھی اعمال و ایمان کے لئے خطرہ ہے۔ اس دربار گہربار میں ہر لمحہ آداب و احترام ملحوظ خاطر رکھنا ہی ایمان کامل کی دلیل ہے۔ شاعر موصوف نے دربارِ رسالت میں حاضری کے آداب اور مدینۃ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں روز وشب اور مستقل باشندوں کے بھی ادب واحترام کا ذکر والہانہ اور قابل تقلید انداز میں فرمایا ہے:

یہ ہے ادبِ خواب گہہ سرور کونین طیبہ سے گزرتی ہے دبے پاؤں صبا بھی

مصور لکھنوی کا مطالعہ قرآن وحدیث بہت گہرا ہے۔ وہ شریعت مطہرہ کا بہرصورت پاس بھی رکھتے ہیں۔ ایک حدیث پاک کا ترجمہ کرتے ہوئے تحریر فرتے ہیں:

جس کو اللہ نے نور اپنا کہا تم وہ نورِ خدا ہو خدا کی قسم

نورِ خدا ہو رہبر انسانیت ہو تم دُنیا کی محفلوں میں چراغاں تمہیں سے ہے

ذکر نعت نبی ہو اور ان کے جاں نثار صحابہ کی شان میں شاعر منقبت کے شعر نہ کہے ایسا ناممکن ہے بلکہ اس کے دیوان یا مجموعۂ کلام میں بہت بڑی کمی رہ جائے گی۔ مصور لکھنوی بھی اس حقیقت کا

اعتراف کرتے ہیں شعر دیکھئے:

ذکر صحابہ بھی ہو مصورؔ — نعت جبھی تو ہوگی پوری

لکھنوی شاعری میں رعایت لفظی کا استعمال خوب ملتا ہے۔ مصور لکھنوی کا یہ شعر دیکھئے:

آدم سے ہے بنائے زمانہ یہ دیکھئے — لیکن بنائے حضرتِ آدم نہ پوچھئے

حقیقت یہ ہے کہ حضرت الحاج مصور لکھنوی کا نعتیہ کلام قلبی واردات کا آئینہ دار ہے۔ وہ ہماری شاعری کے صالح اور اعلیٰ جذبات کے ترجمان ہیں، ان کا کلام صداقتِ جذبات کا مرقع ہے۔ مہبط جبرئیل وسعت فکر ونظر، ندرتِ خیال، سلاستِ زبان اور شیرینی بیان کا حسین پیکر ہے۔ وہ لکھنؤ کے نمائندہ اور سربرآوردہ نعت گو شعراء میں ایک ہیں جن کا شمار صف اوّل شعراء میں ہوتا ہے۔ ضرورت ہے کہ مصور لکھنوی جیسے لکھنوی شعراء پر تحقیق کر کے ان کے ادبی اثاثہ کی نشر واشاعت کی جائے۔ لکھنؤ یونیورسٹی کے شعبۂ اُردو کو چاہئے کہ لکھنؤ کے شعراء اور ادباء کی ایک الگ تاریخ مرتب کرائے۔ ورنہ اُردو شعر وادب کے بے شمار ماہ ونجوم اور شمس وقمر گوشہ گمنامی کے شکار ہو جائیں گے۔

بشر فردوسی

لکھنؤ علم وادب اور تہذیب وتمدن کا ایسا منفرد اور عدیم المثال شہر ہے جس میں عہد قدیم سے عہد حاضر تک علم ودانش کے بے شمار سرچشمے جاری ہوئے اور نابغۂ روزگار دانشورانِ ادب نے صفحۂ ہستی پر جلوہ گر ہو کر حیات دوام پا گئی۔ اسی شہر بے نظیر میں سرور، شرر اور سرشار پیدا ہوئے۔ یہیں انیس و دبیر، آتش و ناسخ، سودا، میر وغیرہ پیوند زمین ہوئے۔ اسی سرزمین کو عزیز، صفی، رسوا، والی اور عمر انصاری وغیرہ نے شعر وادب کی دُنیا میں اہم مقام دلایا۔ اس شہر نگاراں سے صدہا شعراء وادباء وابستہ رہ کر شعر وادب کی خدمت میں مصروف رہ کر اعلیٰ مقام حاصل کئے۔ اگر اس کی خصوصیات پر اجمالی روشنی ڈالی جائے تو ایک مقالہ بھی ناکافی ہوگا۔ اسی علم وفن کے شہر نے ایک ایسا قادر الکلام اور خوش فکر شاعر پیدا کیا جس نے محسن کاکوروی، عمر انصاری اور بے شمار نعت گو شعراء کی روایت کو باقی رکھا جسے اردو ادب میں بشرؔ فردوسی کے نام سے جانا جاتا ہے۔ جنھوں نے صنف نعت میں ہندی لفظیات کا استعمال کر کے ایک نئی جہت اور آہنگ کو جنم دیا۔

بشر فردوسی کا اصلی نام شمشاد علی خاں ہے۔ والد کا نام مصطفیٰ علی خاں تھا۔ 1935ء میں نیا گاؤں لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ مروجہ تعلیم حاصل کرنے کے بعد 1966ء سے شعر وادب کی زلفوں کو سلجھانے میں مصروف ہیں۔ شعر وشاعری میں قدم رکھنے کے بعد متقدمین شعراء، دبستانِ لکھنؤ اور دہلی

کے کلام کا گہرا مطالعہ کیا۔ مطالعۂ ادب اس قدر زیادہ کیا کہ زبان و بیان پر قدرت حاصل ہوگئی۔ نعت کی صنف میں علامہ اقبال، محسن کاکوروی، بہزاد لکھنوی، ماہر القادری اور مولانا کوثر نیازی کے نعتیہ کلام سے متاثر ہوئے۔

بشؔر فردوسی بنیادی طور پر غزل کے شاعر ہیں۔ مگر لکھنوی شعراء بالخصوص انجمن فردوس ادب کی محفلوں سے متاثر ہو کر لکھنؤ کے دیگر شعراء کی طرح صنف نعت میں بھی طبع آزمائی کرنے لگے یہاں تک کے نعت گوئی میں خصوصی دلچسپی پیدا ہوگئی۔ چنانچہ غزلوں کا ایک مجموعہ گوش بر آواز اور نعتوں کا گلدستہ ''اسلامی جاگرن'' کے نام سے منتظرِ اشاعت ہے۔

ہندوستان کے عظیم شعراء مثلاً فراؔق گورکھپوری، فنؔا نظامی، نذیر بنارسی، نشور واحدی، عمر انصاری وغیرہ اساتذہ کے علاوہ جدید شعراء کی موجودگی میں اپنا کلام سنانے کا شرف حاصل کر چکے ہیں۔

بشؔر فردوسی کے دادا مولوی رضا علی خاں مرحوم ایک قادر الکلام شاعر تھے جو منشی نول کشور کے دفتر میں قرآن حکیم کے مسودہ پڑھنے پر مامور تھے۔ ان کے علاوہ ان کے بڑے بہنوئی انور علی انور اور پھوپھی زاد بھائی مرزا عشرت بیگ کانپور کے اساتذہ شعراء میں شمار ہوتے تھے۔ اس ماحول سے بھی انہوں نے استفادہ کیا۔

بشؔر فردوسی کی شاعری کے اعتراف میں انہیں سول ڈیفنس ایوارڈ، کمال مدراسی ایوارڈ اور نشور واحدی ایوارڈ (کانپور) مل چکے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ جنوری 2005ء میں امریکہ کے علمی و ادبی ادارہ کی دعوت پر مشاعرہ میں شرکت بھی کر چکے ہیں۔

بشؔر فردوسی کی نعتیہ شاعری میں ندرت اور انفرادیت پائی جاتی ہے۔ وہ اردو کے ساتھ ہی ساتھ ہندی کے مناسب الفاظ کا استعمال کرتے ہیں۔ ان کی نعتوں میں ہندی الفاظ و اصطلاح کا بالخصوص التزام پایا جاتا ہے۔ عصر حاضر میں لکھنوی نعت گو شعراء بلکہ دیگر شعراء کے کلام میں بھی یہ ندرت بیان شاید ہی مل سکے۔ ایسا نہیں ہے کہ ان کی نعت کا پورا مصرعہ ہی ہندی ہو بلکہ قافیہ ہندی کا استعمال کرتے ہیں۔ بشر فردوسی کی یہ انفرادیت انہیں اپنے ہم عصر شعراء میں امتیازی مقام عطا کرتی ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

کہہ کے اللہ اکبر چلی جب پون ۔۔۔ پھر زمانے میں گونجے خدا کے بھجن
اے حبیب خدا آپ کا آگمن ۔۔۔ سارے سنسار میں جاگرن جاگرن

☆

نبیوں میں سب سے اونچا سنگھاسن ہے آپ کا　　ہر امتی کے ہردے پہ شاسن ہے آپ کا
ہر یُگ میں کام آئے گا انسان کے لئے　　اتنا مہان آخری بھاشن ہے آپ کا
اُمت گناہ گار ہے اُمت کو بخش دے　　پروردگار سے یہ نویدن ہے آپ کا
سنسار میں جو پاپ سے خود کو بچائے گا　　اُس اُمتی کے حق میں سمرتھن ہے آپ کا
آ کاش سج رہا ہے بڑی دھوم سے بشؔر　　سندر سواگتم ابھیندن ہے آپ کا

☆

ہر یگ میں کام آئے گا انسان کے لئے　　اتنا مہان آخری بھاشن ہے آپ کا

☆

جس امتی پہ آپ کا اُپکار ہوگیا　　محشر میں پل صراط سے وہ پار ہوگیا

بشؔر فردوسی کی نعتوں میں الفاظ نہایت رواں اور عام فہم ہوتے ہیں۔ وہ مسجع و مقفع الفاظ و اصطلاح سے اپنے کلام کو ثقیل نہیں ہونے دیتے۔ ان کی ہندی آسان اور زود فہم ہوتی ہے۔ عصر حاضر میں ٹیلی ویژن پر اپنا تاثر اور مسلمانوں پر اس کے مضر اثرات کا اظہار یوں کرتے ہیں:

اب تلاوت کی صدائیں نہیں آتیں گھر سے　　دور درشن کے کھلے جب سے پٹارے آقا

بہزاد لکھنوی

ہم مدینہ سے اللہ کیوں آ گئے قلب حیراں کی تسکین وہیں رہ گئی
دل وہیں رہ گیا جاں وہیں رہ گئی خم اسی در پہ اپنی جبیں رہ گئی

جس جگہ سجدہ ریزی کی لذت ملے جس جگہ ہر قدم ان کی رحمت ملے
جس جگہ نور رہتا ہے شام و سحر وہ فلک رہ گیا وہ زمیں رہ گئی

اللہ اللہ وہاں کا درود و سلام اللہ اللہ وہاں کا سجود و قیام
اللہ اللہ وہاں کا وہ کیف دوام وہ صلوٰۃ سکوں آفریں رہ گئی

پڑھ کے نصر من اللہ و فتح قریب ہم رواں جب ہوئے سوئے کوئے حبیب
برکتیں رحمتیں ساتھ چلنے لگیں، بے بسی زندگی کی نہیں رہ گئی

زندگانی وہیں کاش ہوتی بسر، کاش بہزاؔد آتے نہ ہم لوٹ کر
اور پوری ہوئی ہر تمنا مگر، یہ تمنائے قلب حزیں رہ گئی

زائرِ حرم حمید صدیقی لکھنوی

اِدھر ڈھونڈتی ہے اُدھر ڈھونڈتی ہے خدا جانے کس کو نظر ڈھونڈتی ہے
جہاں ڈھونڈتی ہے جدھر ڈھونڈتی ہے مدینہ کو میری نظر ڈھونڈتی ہے

☆

حریم کبریا ہے اور میں ہوں زباں محو دعا ہے اور میں ہوں
کھنچا جاتا ہوں میں بطحا کی جانب کوئی خود رہنما ہے اور میں ہوں

☆

ہم کہاں اور دیارِ حبیب اللہ اللہ یہ ہمارے نصیب
دیکھو سنبھلو حمید سنبھلو حمید آ گیا آ گیا دیارِ حبیب

بہزاد لکھنوی اور زائرِ حرم حمید صدیقی کے سوانحی خاکے نہیں دستیاب ہو سکے۔ البتہ ان کے اشعار لکھنوی شعراء ہونے کی وجہ سے درج کیے جا رہے ہیں۔

☆☆☆

ڈاکٹر قمر الزماں صدیقی (گوالیار، ایم پی)

ترقی پسند نعت گو: احمد ندیم قاسمی

تاریخ بتاتی ہے کہ انقلاب ۱۸۵۷ء بظاہر ناکام رہا لیکن اس کے سبب پیدا ہونے والے انقلابی خیالات وقت کے ساتھ شدت اختیار کرتے گئے۔ سیاسی تغیر کے اِس دور نے زندگی کے بیشتر شعبہ جات کو متاثر کیا۔ علمی اور ادبی دنیا بھی اس سے اثر پذیر ہوئی۔ اردو ادب میں یہ تغیرات ایک تسلسل کے ساتھ علی گڑھ تحریک، رومانی تحریک اور پھر ترقی پسند تحریک کی صورت میں ظاہر ہوئے۔ اِن تحریکات نے زبان و بیان کے فرسودہ نظام کو معذول کیا اور سادگی و سچائی پر مبنی تخلیقی فکر کو رواج بخشا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اصناف نظم و نثر کو عروج و زوال کی منزلوں سے گزرنا پڑا۔ جہاں نثر میں ناول، افسانہ، انشائیہ جیسی اصنافِ ادب نے رواج پایا؛ وہیں جہانِ سخن میں غزل، قصیدہ، مثنوی و مرثیہ جیسی کلاسیکی اصناف کا انحطاط بھی منظر عام پر آیا۔ یہاں پر ایک بات قابل غور ہے کہ وہ زمانہ، جب اردو کی بیشتر کلاسیکی اصنافِ سخن انحطاط و جمود کا شکار تھیں؛ عین اسی عہد میں اردو نعت گوئی کے عہد جدید اور عہد زریں کا آغاز ہوا۔

سیاسی اور سماجی انقلابات کے زیر اثر پروان چڑھنے والی نعت گوئی کی اس جدید روایت میں متعدد انقلابی تبدیلیاں سامنے آئیں۔ پہلی مرتبہ شمائل و فضائل اور حصولِ ثواب کی روایت سے آگے بڑھتے ہوئے نعت گوئی کے فکری و آفاقی پہلوؤں کو اجاگر کیا گیا۔ حالؔی نے مسدس کی شکل میں قوم اور ہادی قوم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور نعتیہ شان سے آراستہ استغاثہ پیش کیا۔ شبلؔی نے نعتیہ آہنگ کی حامل نظموں کے ذریعے عظمت رفتہ کا سراغ لگانے کی عملی کوششیں کیں۔ امیرؔ مینائی نے اردو کی نعتیہ شاعری کو خالص لکھنوی زبان و تہذیب سے متعارف کرایا۔ محسنؔ کاکوروی نے نعتیہ شاعری کی حجازی لے کو نغمۂ ہندی کا سرود بخشا۔ داغؔ دہلوی اور حسنؔ رضا خاں بریلوی جیسے شعراء کی نعتیہ کاوشات نے کلاسیکی غزل کو امبرِ رسالت کی خلعت عطا کی۔ مولانا احمد رضاؔ خاں فاضل بریلوی نے قلندرانہ کیفیات اور علمی موضوعات کی شان کے ساتھ بیسویں صدی کے نعت گو شعراء کی طرف فرضِ کفایہ ادا کیا۔ اقبالؔ نے اسلامی فکر و فلسفہ کو نعتیہ عنصر میں شامل کیا اور نعتیہ شاعری میں عشقِ رسالت اور پیغام سیرت نبوی کی

آمیزش سے نگاہِ بلند، سخن دلنواز و پرسوزی جاں کی صفات پیدا کیں۔ محمد علی جوہؔر اور مولانا ظفؔر علی خاں نے نعت گوئی کے انقلابی امکانات سے جہانِ ادب کو روشناس کرایا۔ نعتیہ شاعری کے ارتقاء کا یہ سلسلہ بیسویں صدی کے نصف اوّل میں جدید فکر و فن کی حامل ایک عالمی تحریک سے روشناس ہوا تو ایک نئی طرز فکر اور اسلوب نگارش، اس روایتی فن کا حصہ بنے۔

بیسویں صدی کی چوتھی دہائی شعر و ادب کی ترقی پسندی سے عبارت ہے۔ اردو دنیا میں اس تحریک کے نظریۂ خاص ''ادب برائے زندگی'' کا پر جوش خیر مقدم کیا گیا۔ عوامی بیداری اور سماجی انصاف کی علم بردار، اِس تحریک نے سماج کے جن شعبہ جات کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا مذہب بھی اُن میں سے ایک، بلکہ سرِ فہرست تھا۔ ترقی پسندوں نے مذہب کو افیون سے تشبیہ دی۔ مذہب اور مذہبی بنیادوں سے بغاوت کے ایسے ماحول میں اردو نعت گوئی کی رفتار کچھ متاثر تو ہوئی لیکن تھمی نہیں۔ ترقی پسندوں کے درمیان سے ہی ایسے شعراء نکلے جن کے سبب اردو کی نعتیہ روایت کو مزید استحکام حاصل ہوا۔ حسرؔت موہانی، جوشؔ ملیح آبادی، احسان دانشؔ، احمد ندیم قاسمی، خلیل الرحمٰن اعظمی اور عمیق حنفی ایسے ترقی پسند شعراء ہیں جنھوں نے نعتیہ شاعری کی اس روایت کے معیار کو مزید رفعت بخشی اور بلند پایہ نعتیہ تخلیقات یادگار چھوڑیں۔ اسی زمرے میں فیض (فارسی نعتیہ کلام)، فراق (نعتیہ رباعیات) ایسے نام ہیں جنہوں نے باقاعدہ نعت گوئی تو نہیں کی لیکن ان کے یہاں بھی نعتیہ شاعری کے نمونے پائے جاتے ہیں۔

ترقی پسندوں کے ''صنم خانے'' سے جو ''پاسبانِ کعبہ'' برآمد ہوئے اُن میں احمد ندیم قاسمی اپنی انفرادی نعتیہ کاوشات کے سبب ایک جداگانہ مقام رکھتے ہیں۔ آپ کا اصل نام احمد شاہ اعوان تھا۔ ۲۰؍ نومبر ۱۹۱۶ء کو انگہ ضلع خوشاب، پنجاب (موجودہ پاکستان) میں آپ کی ولادت ہوئی۔ شاعری میں ندیمؔ تخلص اختیار کیا اور پر دادا محمد قاسم کی رعایت سے قاسمی کہلائے۔ عرصۂ دراز تک ادبی جریدے 'فنون' کے ایڈیٹر اور پبلشر بھی رہے۔ ترقی پسندوں کے نمائندہ اہل قلم کی فہرست میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ ۹۰؍ برس کی عمر میں قاسمی کا انتقال ۱۰؍ جولائی ۲۰۰۶ء کو لاہور میں ہوا۔

احمد ندیم قاسمی نے شاعری کے ساتھ ساتھ افسانہ نگاری اور تنقید کے میدان میں بھی اپنی مہارت کے نقوش ثبت کئے۔ آپ کی تخلیقی فکر کا ایک اہم پہلو آپ کا تقدیسی ادب اور بالخصوص نعتیہ کلام ہے۔ احمد ندیم قاسمی کی اسی مخصوص فکر کا غماز اُن کا مجموعہ 'انوارِ جمال' ہے جس میں دعا، نعت اور سلام جیسے مضامین کا احاطہ کیا گیا ہے۔

احمد ندیم قاسمی کی نعتیہ شاعری محض اظہارِ عقیدت یا پھر رسمی طور پر کسی وقتی جذبات سے متاثر ہو کر وجود پذیر ہونے والی شاعری نہیں بلکہ اِس کا خمیر با قاعدہ مطالعہ اور غور و فکر سے اُٹھا ہے۔ مذہب بیزاری کے عصری رجحان کے برخلاف تقدیسی ادب کے آفاقی پہلوؤں کے حوالے سے کچھ نیا کر گزرنے کی خواہش ہمیشہ اُن کے دل میں رہی، فرماتے ہیں:

> ''اسلامی لٹریچر بہت وسیع ہے، مجھے اس کے مطالعہ کے وافر مواقع (ابھی) نہیں ملے، اس لیے میں کسی نوع کی انفرادیت پیدا نہ کر سکا، مگر آئندہ چل کر اس رنگ میں بھرپور انداز میں لکھنا، میری نہایت عزیز تمناؤں میں شامل ہے اور کیا عجب کہ میں اسلام کو ایک آفاقی نظامِ حیات کی صورت میں آئندہ اپنی نظموں میں پیش کر سکوں۔''[1]

وہ عہد جب ایک زمانہ نظامِ زندگی کے نقوش اشتراکیت اور مادّیت کی شاہ راہ پر تلاش کر رہا تھا۔ عین اُسی عہد میں احمد ندیم قاسمی اسلام کی عظمت پارینہ میں انسانیت کے درد و دکھ کا مداوا تلاش کرتے ہیں۔ یہ قاسمی کی شخصیت اور شاعری کا ایک اہم پہلو ہے کہ وہ ترقی پسند ہونے کے باوجود پرشکوہ ماضی کی اُن روایات کے شیدائی ہیں جو اقبال جیسے عالمی فکر کے حامل سخن ور سے گردشِ وقت کو پیچھے کی سمت پلٹنے کا تقاضے کرتی ہیں۔ دوسرے لوگوں کی طرح اُنہیں مستقبل کی روشنی کے سامنے تابناک ماضی بے سود نظر نہیں آتا۔ مذہبی تعلیمات کے حوالے سے اپنی فکری اساس پر روشی ڈالتے ہوئے قاسمی صاحب فرماتے ہیں:

> ''اسلام دنیا کا ترقی پسند ترین مذہب ہے۔ یہ ملائیت کے مذہب سے الگ، سادہ اور سچا مذہب ہے اور میری ترقی پسندی نے بیشتر قرآن وحدیث اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ سے انسپریشن حاصل کیا ہے۔''[2]

شاعری کے عصری تقاضوں کے سامنے قاسمی کی نعت گوئی مشعل راہ کا مقام رکھتی ہے۔ آپ نے مارکسزم کی تقلید کے دور میں بغیر کسی تکلف کے یہ دعویٰ پیش کیا کہ میرا فن اسی محسن انسانیت کے دست اقدس پر بیعت کر چکا ہے جس کی تعلیمات میں تمام عالم کی کلفتوں کا مداوا ممکن ہے۔ عدل، مساوات، احترام انسانیت کی علم برداری، جس کا دعویٰ ترقی پسند آج بیسویں صدی میں کر رہے ہیں پیغمبر اسلام اِس کا عملی نمونہ ریاستِ مدینہ کی صورت میں چودہ سو برس پہلے پیش کر چکے ہیں۔ نسلی تفاخر، ذات، رنگ، قوم، سماجی طبقات کے جن بتوں کو معاشرے سے دور کرنے کے لائحہ عمل پر آج

غور فکر کیا جا رہا ہے، ایک عرصہ ہوا رہبرِ صادق صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جاں نثار اپنا قبلہ اِن آلائشوں سے پاک کر چکے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ اشتراکیت کے نقیب جن امراض کا علاج ماسکو میں تلاش کر رہے ہیں قاسمی انہیں شہرِ طیبہ کی جانب آنے کی دعوت دیتے ہیں:

آج ہم فلسفہ کہتے ہیں جسے — وہ مساوات تھی عادت ان کی
فتح مکہ مرے دعوے کی دلیل — عدل کی جان عدالت ان کی
وقت اور فاصلہ برحق لیکن — میرا فن کرتا ہے بیعت اُن کی [۳]

ترقی پسندی ادب کو زندگی کا آئینہ بنانے پر یقین رکھتی ہے۔ جس کے زیرِ اثر ہر ایک صاحب قرطاس وقلم سے مطالبہ کیا گیا کہ اُس کی تخلیق نے معاشرے کو کیا دیا؟ قاسمی اپنے فن اور موضوعِ سخن کا جائزہ جب اس پیمانے پر لیتے ہیں تو انہیں نعت اور ممدوحِ نعت کی بخششوں کی تابانیاں اپنے چہار جانب نظر آتی ہیں۔ نعت گوئی اُن کے نزدیک وہ فن ہے جو خود شناسی کے ساتھ ساتھ خدا شناسی کے آداب بھی سکھاتا ہے، نسبت نبوی ہی وہ واحد امتیاز ہے جو آدمِ خاکی کو مسجودِ ملایک کا مرتبہ عطا کرتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ اس بات پر بھی نازاں ہیں کہ اُن کا سخی ممدوح کسی قصرِ ایواں کا باسی نہیں، بلکہ خلقِ عظیم اور سادگی و خاکساری کا بھی سب سے بڑا پیغامبر ہے۔ بندہ پروری کے لیے جس کے دروازے ہمیشہ کھلے رہتے ہیں اور جس کی سخاوت کیا؟، کتنا؟، کب؟، کیسے؟، کس لئے؟ اور اگر!، مگر! کی کلفتوں سے منزہ ہے:

اس قدر کون محبت کا صلہ دیتا ہے — اس کا بندہ ہوں جو بندے کو خدا دیتا ہے
جب اترتی ہے مری روح میں عظمت اس کی — مجھ کو مسجود ملائک کا بنا دیتا ہے
اس کے ارشاد سے مجھ پر مرے اسرار کھلے — کہ وہ ہر لفظ میں آئینہ دکھا دیتا ہے
اُس کی رحمت کی بھلا آخری حد کیا ہوگی — دوست کی طرح جو دشمن کو دعا دیتا ہے
فن کی تخلیق کے لمحوں میں، تصوّر اُس کا — روشنی میرے خیالوں میں ملا دیتا ہے [۴]

جدید نعتیہ شاعری میں آشوبِ ملت کے حوالے سے اپنی ناچاریوں کی عکاسی، ملتِ اسلامیہ اور معترضین اسلام کے الزامات کا دفاع، دینِ اسلام کی حقانیت کا اثبات، کتابِ الٰہی اور قرآن ناطق صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے پیش کرنے پر خصوصی توجہ دی گئی ہے۔ محسن انسانیت کی شخصیت کو لا عصریت (TIMELESSNESS) اور لامحدودیت (BOUNDLESSNESS) کی شکل میں پیش کرنا عہد جدید کی نعت گوئی کی اہم خصوصیات میں سے ہے۔ یہی افکار قاسمی کی نعتیہ

شاعری میں بھرپور روحانی نغمگی اور سچی شاعرانہ تڑپ کے ساتھ موجود ہیں۔ جہاں تنگ نظری، فکری تعصب اور محض جزباتیت سے درگزر کیا گیا ہے۔ نقش قدمِ رسول کی رہبری کو قاسمی ''شانِ رہنمائی'' سے تعبیر کرتے ہوئے یوں گویا ہوتے ہیں:

مرے نقوش قدم پر چراغ کیوں نہ جلیں　　کہ رہنما ہے مری شان رہنمائی تری
گواہی دیتا ہے یہ ارتقائے انسانی　　کہ کام آئی جہاں بھر کو پیشوائی تری
مجھے قسم ہے تری سیرتِ منزہ کی　　کہ تاج وتخت پہ اک طنز تھی چٹائی تری ۵؎

تاریخی رجحان بتاتے ہیں اشتراکیت، باعمل رجائیت کے ساتھ رہنماؤں کی تلاش اور اُن پر ایمان لانے کا طلسمی دائرہ ہے۔ جس کے نتیجے میں مشرق ومغرب کے خطوں سے نسبت رکھنے والے کارل مارکس، لینن، مسولینی جیسے بے شمار بتِ پندار وجود میں آئے۔ اقبال نے ''ابلیس کی مجلس شوریٰ'' میں ابلیس کی زبانی اِن اصنامِ خیالی کو 'اشتراکی کوچہ گرد' سے تعبیر کیا ہے۔ جب کہ اسی نظم میں ابلیس کا ایک مشیر ''پیغمبر اشتراکیت'' کارل مارکس کو 'کلیم بے تجلی' اور 'مسیحِ بے سلیب' کے القاب سے نوازتا ہے اور اُس کی شہرہ آفاق کتاب 'داس کیپٹل' کو نسخۂ آسمانی سے تشبیہ دیتا ہے۔ یہ تمامی امور اِس طرف اشارہ کرتے ہیں کہ وہ عہد کسی نہ کسی طور پر اشتراکیت اور اس کے پرکشش انقلابی نعروں سے متاثر ہو چلا تھا۔ قاسمی اِن پُر خار راستوں اور مراحل سے گزرتے ہوئے ''قلب ونظر کی زندگی'' کے روشن مقام تک پہنچتے ہیں اور اپنی چھاپ، تلک سب اُسی ایک ذات محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر وار دیتے ہیں:

مری حیات کا گر تجھ سے انتساب نہیں　　تو پھر حیات سے بڑھ کر کوئی عذاب نہیں
اُڈر رہی ہیں اگر آندھیاں تو کیا غم ہے　　کہ میرا خیمۂ ایمان بے طناب نہیں
ترے کمالِ مساوات کی قسم ہے مجھے　　کہ ترے دیں سے بڑا کوئی انقلاب نہیں ۶؎

اردو نعتیہ شاعری میں متقدمین شعراء کے کلام سے استفادہ کرنے کی ایک صحت مند روایت رہی ہے۔ سوداؔ نے اپنا مشہور نعتیہ قصیدہ خاقانیؔ کی زمین میں کہا۔ امام احمد رضاؔ نے آتشؔ، غالبؔ اور مولانا کفایت علی کافیؔ کی زمینوں میں نعتیہ کلام تخلیق کئے۔ حسنؔ رضا خاں بریلوی، محسنؔ کاکوروی، حسرتؔ موہانی وغیرہ نے بھی اساتذہ کی زمینوں میں نعتیہ شاعری کی ہے۔ عصر حاضر کی نعت گوئی پر کلاسیکی شعراء میں سب سے زیادہ اثر غالبؔ کا نظر آتا ہے۔ جدید نعت گو شعراء میں ابرار کرت پوری (مجموعہ: مدحت)، راغب مراد آبادی (مجموعہ: مدحت خیر البشر)، پروفیسر طاہر صدیقی (مغلوب مدحت، تغلیب مدحت، غالب مدحت، غلوب مدحت) وغیرہ نے باقاعدہ نعتیہ مجموعے غالب کی زمینوں میں

مرتب کئے ہیں۔اس کے علاوہ بھی متفرق طور پر خرمنِ غالب کی خوشہ چینی کرنے والے نعت گوشعراء کی ایک طویل فہرست ہے۔مولانا احمد رضا خاں بریلوی، اقبال اور ظفر علی خاں کی زمینوں میں بھی بہ کثرت نعتیہ تخلیقات وجود میں آئیں ہیں۔حفیظ جالندھری کے شاہنامے کا بھی واضح اثر جدید نعتیہ شاعری میں دیکھا جاسکتا ہے۔مولانا عامر عثمانی کی تخلیق ''شاہ نامۂ اسلام جدید'' اس کی عمدہ مثال ہے۔

قاسمی جہاں ایک طرف جدید لب و لہجے کی نعتیہ شاعری میں عصری سوالوں کے جواب تلاش کرتے ہیں وہیں دوسری سمت، متقدین نعت گویان سے بھرپور استفادہ حاصل کرتے ہوئے بھی نظر آتے ہیں۔درج ذیل اشعار رضاؔ بریلوی کی مشہور نعت ''واہ کیا جود و کرم ہے شہ بطحا تیرا'' کی زمین میں کہے گئے ہیں اور حق یہ ہے کہ عصری صداقتوں سے معمور نعتیہ مضامین کے ساتھ ساتھ اِس رَضوی زمین کا حق ادا کر دیا ہے:

کچھ نہیں مانگتا شاہوں سے یہ شیدا تیرا	اس کی دولت ہے فقط نقش کف پا تیرا
پورے قد سے میں کھڑا ہوں یہ کرم ہے تیرا	مجھ کو جھکنے نہیں دیتا ہے سہارا تیرا
لوگ کہتے ہیں کہ سایہ ترے پیکر کا نہ تھا	میں تو کہتا ہوں جہاں بھر کے سایہ تیرا
ایک بار اور بھی بطحا سے فلسطین میں آ	راستہ دیکھتی ہے مسجد اقصیٰ تیرا ؎

احمد ندیؔم قاسمی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق حسنہ، انسان کامل اور آپ کی رحمت اللعالمینی جیسی صفات عالیہ سے بے حد متاثر ہیں۔وہ اپنے نعتیہ کلام کے ذریعہ تمام عالمِ انسانیت کو پیغمبر امن و آشتی کی سمت رجوع کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔لب و لہجے کی تازگی، لحن کی نادرہ کاری ، بیان کی شائستگی، اظہار کی سلیقہ مندی ندیؔم کے کلام کے امتیازی اوصاف ہیں۔یہ تمامی اوصاف اُن کی وجدانی کیفیات کو جمالیاتی انداز میں پیش کرنے میں معاونت کرتے ہیں۔وہ ادائے مضمون میں عمرانی حوالوں سے اوصاف نبوی کا ادراک کراتے ہیں، یہاں اُن کا اسلوب کہیں ایمائی تو کہیں واضح ہوتا ہے۔وہ آشوب ذات، آشوب کائنات اور اُن کی تاریکیوں کا سد باب تلاش کرتے ہیں، یہاں انہیں آفتاب ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم کی تابانی درکار ہے۔بے خوف حمایت حق، شر کے خلاف بے مفاہمت علم بغاوت بلند کرنے کی طاقت اُنہیں فاتح مکہ کی مقدس سیرت سے حاصل ہوتی ہے۔رنگ و نسل کے بتوں کا انہدام، غلامی، استعمار اور استبداد کے ہر خفی و جلی روپ سے نبرد آزمائی کا حوصلہ انہیں فاتح بدر و حنین کے شب و روز سے حاصل ہوتا ہے۔یتیموں کے ملجا اور غریبوں کے ماویٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ سخنور اُمّتی مذکورہ بالا مصائب کی غم گسارانہ عکاسی اِن الفاظ میں کرتا ہے:

مرے حضور! سلام و درود کے ہمراہ
کئی گلے بھی کروں گا کہ دردمند ہوں میں
مرے حضور! میں سچ بولتا رہوں لیکن
مری زبان پہ رکھتے ہیں لوگ انگارے
میں ظلمتوں میں تجلّی کہ گر دہائی دوں
تو میرے سر پہ برستے ہیں آہنی تارے
تمہارے نام کا تنہا جنہیں سہارا تھا
تمہارے نام پہ لٹنے لگے ہیں بے چارے
مرے حضور اسی نور کے سہارے پر
میں تیرگی میں الجھ کر بھی مسکراتا ہوں
شہنشہوں کے قصیدے لکھوں تو کیسے لکھوں
رواں لبوں پہ تمہارا ہی نام پاتا ہوں
مجھے خبر ہے تمہاری نگاہ ہے مجھ پر
اسی لئے تو میں شعلوں میں تیرجاتا ہوں ۸؎

احمد ندیم قاسمی کے نعتیہ فکر و فن کا مطالعہ کرتے ہوئے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ ترقی پسندی کے دور میں جب مذہب کو فرسودہ خیالی اور مذہبی ادب کو شجرِ ممنوعہ کی حیثیت حاصل تھی۔ ایسے عالم میں ندیمؔ بے تکلّفانہ انداز میں اپنے مذہبی اعتقاد کا اظہار کرتے ہیں اور اپنے شعری مجموعے کا عنوان محسنِ انسانیت کے انوار جمال سے موسوم کرتے ہیں۔ دوسری اہم بات یہ کہ ندیمؔ کا مزاج فقط نعرہ بازی میں یقین نہیں رکھتا بلکہ گہری شاعرانہ فکر کا حامل ہے، یہی سبب ہے کہ ندیمؔ کا فن اُن کی ترقی پسندی پر غالب نظر آتا ہے۔

مآخذ:

۱۔ انوار جمال: احمد ندیم قاسمی، سنگِ میل پبلیکیشنز، لاہور، ۲۰۰۷ء ص ۱۴

۲۔ انوار جمال: احمد ندیم قاسمی، سنگِ میل پبلیکیشنز، لاہور، ۲۰۰۷ء ص ۱۴

۳۔ انوار جمال: احمد ندیم قاسمی، سنگِ میل پبلیکیشنز، لاہور، ۲۰۰۷ء ص ۴۵

۴۔ انوار جمال: احمد ندیم قاسمی، سنگِ میل پبلیکیشنز، لاہور، ۲۰۰۷ء ص ۵۳

۵۔ انوار جمال: احمد ندیم قاسمی، سنگِ میل پبلیکیشنز، لاہور، ۲۰۰۷ء ص ۴۷

۶۔ انوار جمال: احمد ندیم قاسمی، سنگِ میل پبلیکیشنز، لاہور، ۲۰۰۷ء ص ۶۷

۷۔ انوار جمال: احمد ندیم قاسمی، سنگِ میل پبلیکیشنز، لاہور، ۲۰۰۷ء ص ۴۸

۸۔ انوار جمال: احمد ندیم قاسمی، سنگِ میل پبلیکیشنز، لاہور، ۲۰۰۷ء ص ۸۶

☆☆☆

محمد اشرف رضا قادری (چھتیس گڑھ)

منظوم سوانح اعلیٰ حضرت
رضویات کے باب میں ایک گراں قدر اضافہ

امراء وسلاطین اور نامور علمی و مذہبی شخصیات کی تاریخ اور ان کے حالات و واقعات منظوم شکل میں پیش کرنے کی روایت اردو ادب میں شروع سے پائی جاتی ہے اور اس سلسلے میں دکنی شعرا کو اوّلیت کا مقام حاصل ہے۔ تفصیل سے گریز کرتے ہوئے صرف ایک مثال ذکر کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔ دکن کے قدیم اور نامور اردو شعرا میں ملا نصرتؔ (م:۱۰۷۶ھ) کو بڑی شہرت ومقبولیت حاصل ہے۔ ان کی شاعری اور بیش قیمت کلام کو اردو زبان کا بیش قیمت سرمایہ سمجھا جاتا ہے۔ جب بھی بیجاپور اور عادل شاہی دورِ حکومت کا ذکر آتا ہے، دکن کے اس مایۂ ناز سخنور کا تذکرہ ضرور ہوتا ہے، کیونکہ وہ عادل شاہی دربار کا ''سرتاج شاعر'' تھا۔ ان کی مشہور مثنوی ''علی نامہ'' بیجاپور کے پندرہ سالہ دورِ حکومت اور مختلف سلاطین کے کارناموں کی منظوم تاریخ وتذکرہ ہے، جس میں حمد، نعت، واقعۂ معراج، مناقبِ صحابہ وائمۂ اہلبیت کے تذکارِ جمیل کے ساتھ بیجاپور کے مختلف سلاطین کی تاریخ دلکش پیرائے میں نظم کی گئی ہے۔ خواجہ الطاف حسین حالیؔ کی مثنوی ''مدوجزرِ اسلام'' اور حفیظؔ جالندھری کی مشہور زمانہ مثنوی ''شاہنامۂ اسلام'' اسی نوعیت کی خوبصورت کڑی ہے، جس میں مذہب اسلام کی تاریخ ترتیب وار بیان کی گئی ہے۔ مذکورہ بالا مثالوں سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ اردو ادب میں تاریخِ اسلام، مشاہیر عالم اور امرا وسلاطین کی منظوم تاریخ وتذکرہ لکھنے کی روایت عام ہے۔

''سوانح'' سانحہ کی جمع ہے۔ سانحہ عربی زبان کا لفظ ہے اور اس کا معنی ہے: پیش آنے والا واقعہ یا حادثہ یا ظاہر ہونے والا واقعہ۔ کسی بھی عظیم فرد کی زندگی کے حالات و واقعات، احوال وکوائف، حیات وخدمات اور اس کے اوصاف وکمالات کو اجمال وتفصیل سے زمانی ترتیب کے ساتھ قلمبند کرنا ''سوانح نگاری'' کہلاتا ہے۔ سوانح نگاری، تاریخ کی ایک ذیلی شاخ ہے۔ کسی عظیم ہستی کی سوانحِ

حیات لکھنا گویا اس کی ''تاریخ'' مرتب کرنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سارے تاریخی اصول وشرائط سوانح میں ملحوظ رکھنے پڑتے ہیں۔ بالعموم سوانحِ حیات ''منثور'' ہوا کرتی ہے اور بعض اوقات ''منظوم سوانح'' بھی لکھی جاتی ہے۔ منثور سوانح کے مقابلے میں ''منظوم سوانح'' مشکل، دشوار اور زہرہ گداز مانی جاتی ہے۔ کیونکہ اس میں سب سے پہلے صاحب تذکرہ کے بیشمار واقعات واحوال میں سے چیدہ چیدہ واقعات واحوال کو ذہن میں مستحضر کیا جاتا ہے، پھر تسلسل کے ساتھ ان کو شعری جامہ پہنایا جاتا ہے، جو بہرحال ایک مشکل امر ہے۔ ایسی منظوم سوانح قابلِ قدر اور عمدہ سمجھی جاتی ہے، جس میں صاحبِ سوانح کی تہہ دار نگر وشخصیت کے تمام اہم پہلوؤں کو بطریقِ احسن اجاگر کیا ہوا اور ان کی پیشکش میں دلکشی اور خوش اسلوبی کو ملحوظِ خاطر رکھا گیا ہو۔ سوانح نگاری کی اہمیت وافادیت مسلّم ہے۔ عظیم علمی، روحانی، دینی اور سیاسی شخصیات کی سوانحِ حیات قلمبند کرنے کا مقصد وفائدہ وہی ہے، جو تاریخ نگاری کا ہے یعنی امتدادِ زمانہ کے سبب حقائق وواقعات کے چہروں پر جمی گرد وغبار کو صاف کرتے ہوئے بلاکم و کاست ان کو اصلی حالت میں پیش کرنا، تاکہ آنے والی نسلوں کے لیے وہ مشعل راہ ثابت ہوسکیں اور عظیم شخصیات کے ہمہ جہت کارناموں سے عوام وخواص واقف ہوکر اپنے حال کو بہتر اور مستقبل کو روشن وتابناک بناسکیں۔ ان جلیل القدر ہستیوں کی خدماتِ جلیلہ اور ان کے عظیم الشان کارنامے اس لیے اجاگر کیے جاتے ہیں، تاکہ قوم کے نوجوانوں میں قوتِ فکر وعمل پیدا ہوسکے اور وہ غیر معمولی جوش و ولولہ کے ساتھ میدانِ عمل میں خود کو اتار سکیں۔ کہا جاتا ہے کہ ''نئی نسلوں کو عملی زندگی میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے منجملہ اور چیزوں کے، اپنے اسلاف واکابر کی سوانح کا مطالعہ بے حد سودمند ثابت ہوتا ہے۔'' سوانح نگاری اپنے اندر بڑی وسعت اور تنوع رکھتا ہے۔ صاحب سوانح کی ولادت، وفات تعلیم وتربیت، اس کی زندگی وبندگی، خدمات، کارنامے، عادات وخصائل، اوصاف وکمالات، اخلاق وکردار، بود وباش، طرزِ معاشرت اور متعلقہ شخصیت کے عہد وماحول کا تذکرہ۔ یہ سارے امور سوانح کے زمرے میں آجاتے ہیں۔ یہ اقتباس ملاحظہ کریں:

> ''سوانح، تاریخ کی ایک شاخ ہے لیکن بعض خصوصیات کی وجہ سے اس کا شمار ادب میں بھی کیا جاتا ہے۔ اب سوانح انسان کی پیدائش، خاندان تعلیم، مشاغلِ زندگی اور وفات کا بیان ہی نہیں، بلکہ کسی فرد کے ظاہر وباطن، عادات و اطوار، اخلاق ومعاشرت، وراثت، نفسیاتی کیفیت اور اس کی زندگی کے نشیب وفراز کی داستان بن گئی ہے۔ اب سوانح نگار کے لیے وہ تمام باتیں دلچسپی کا

باعث ہیں، جس سے شخصیت کی تعمیر اور ایک مکمل تصویر کے بنانے میں مدد ملے۔ اس میں سطحی واقعات اور ظاہری حالت بیان کردینے سے زیادہ باطنی کیفیت، نفسیاتی حالت، ذہنی ارتقاء، رجحانات اور خوبیاں وکمزوریاں دکھانا مقصود ہوتا ہے، تاکہ (سوانح کی شکل میں) ایک واضح تصور ابھر کر سامنے آسکے۔''

(اردو نثر کا فنّی ارتقا، ص: ۳۱۸، مطبوعہ: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی)

زیرِ نظر کتاب ''منظوم سوانحِ اعلیٰ حضرت'' اسی سلسلۃ الذہب کی ایک مضبوط کڑی ہے۔ یہ منظوم سوانح شاعر کے طبعِ وقاد، فکرِ صائب اور ذہنِ ثاقب کی منہ بولتی تصویر ہے، جس میں اپنے وقت کی عبقری شخصیت، مجددِ اسلام، ناصر الاسلام والمسلمین، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان محدث بریلوی علیہ الرحمہ (متوفی: ۱۳۴۰ھ) کی حیات وخدمات منظوم شکل میں پیش کی گئی ہیں۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ اہلسنّت کی ان باکمال شخصیات میں سے ایک ہیں، جن کی حیات اور کارناموں پر کثرت سے مضامین و مقالات اور کتب ورسائل تحریر کیے گئے ہیں۔ یہ منظوم سوانح ''رضویات'' کے باب میں ایک گراں قدر اضافہ ہے۔ اس سے قبل خلیفۂ اعلیٰ حضرت، شاعرِ اسلام حضرت مفتی محمود جان جودھ پوری علیہ الرحمہ نے آپ کی منظوم سوانح اختصار کے ساتھ لکھی تھی۔ نازشِ علم و ادب، شاعرِ ذی وقار حضرت مولانا محبوب گوہر اسلام پوری دام ظلہ عصرِ حاضر کے نامور ادیب وشاعر ہیں۔ ان کی شعری و ادبی خدمات قابلِ قدر ہیں۔ موصوف حالاتِ حاضرہ پر گہری نظر رکھنے والے ایک مفکر اور دانشور ہیں۔ ان کی شاعری میں وسعتِ فکر، عمیقِ نظر اور جدتِ اسلوب پائی جاتی ہے۔ اچھے عالم کے ساتھ ایک اچھے حافظ و قاری بھی ہیں۔ ملی و جماعتی فلاح و بہبود کے لیے ہمیشہ کوشاں نظر آتے ہیں۔ اللہ عزوجل ان کی دینی وملی وادبی خدمات کو شرف قبولیت بخشے اور ان کی عمر واقبال میں برکت عطا فرمائے۔ آمین!

حقیقت، صداقت، ثقاہت، معتبر ذرائعِ معلومات، مستند ماخذ سے استفادہ، مبالغہ سے احتراز اور دیانت کا التزام فنِ سوانح نگاری کے لازمی اجزا ہیں۔ ان میں سے کسی ایک کا فقدان ادیب و مصنف اور شاعر کے دامن پر بدنما داغ لگا دیتا ہے۔ اس لیے ''فنِ سوانح نگاری'' کے لیے مذکورہ عناصر کا التزام واہتمام ضروری ہے اور بالخصوص ''دیانت داری'' ادب کی دیگر اصناف کے علاوہ اس فن کے لیے جزوِ لاینفک کی حیثیت رکھتی ہے۔ تذکرہ وسوانح خواہ منظوم ہو یا منثور، اس کا تعلق شاعرانہ تخیل سے نہیں بلکہ زندگی کی ٹھوس حقیقتوں سے ہوا کرتا ہے۔ لوگ منظوم سوانح کا مطالعہ اس غرض سے کرتے ہیں کہ وہ محظوظ بھی ہو اور صاحبِ تذکرہ سے متعلق اپنی معلومات کا اضافہ بھی کریں۔ لہٰذا دیانت اور سچائی

کے ساتھ متعلقہ شخصیت کی حالاتِ زندگی کا تذکرہ اس صنف ادب کے لیے ضروری ہے۔ واقعات کی صداقت و دیانت، فنِ سوانح کو اعتبار و استناد بخشتی ہے۔ ایک اچھے سوانح نگار کو دیانت دار ہونا امرِ لازمی ہے۔ اس لیے عظیم شخصیات پر قلم اٹھانے سے پہلے ضروری ہے کہ حقائق و واقعات کا گہرائی کے ساتھ مطالعہ کیا جائے۔ شخصیت سے متعلق مواد اور احوال و واقعات کو تنقید کی کسوٹی پر اچھی طرح پرکھا جائے اور نہایت سلیقے سے قارئین کے سامنے پیش کیا جائے۔ سوانح نگار نہ صرف متعلقہ شخصیت کے اظہار میں صداقت و دیانت سے کام لے بلکہ اپنے عہد و ماحول، سماجی اقدار اور معاشرتی احوال کی تصویر کشی میں بھی سچائی کے دامن کو مضبوطی سے تھامے رہے۔ یہ اشعار دیکھیں کہ کس قدر حقیقت و واقعیت اور صداقت و دیانت کے عین مطابق ہیں:

ہیں امامِ نعت گویاں، حضرتِ احمد رضا — متفق ہوکر یہ اہلِ علم و دانش نے کہا
باکمال اصحابِ فن کا ہے یہ اظہارِ خیال — ان کی اردو نعت گوئی کی نہیں ملتی مثال
نائبِ حسّان کا ہے ہند میں عہدہ ملا — رب کے فضلِ خاص سے یہ تمغۂ عظمیٰ ملا
نعت گوئی میں ہے ان کا لہجہ کافی پُر اثر — ہیں حقیقت میں وہ اقلیمِ سخن کے تاج ور
چھیڑتی ہے دل کو پیہم ان کے لہجے کی کھنک — نعت گوئی میں مثال ان کی نہیں ہے دور تک

حقائق و واقعات کی دیانت دارانہ ترسیل اور جذبات محبت کے اظہار میں سلیقہ مندی حمد و نعت کے علاوہ منقبت میں ضروری سمجھتی ہے، جس سے ''منظوم سوانح'' مستثنیٰ نہیں ہے۔ گوہر صاحب کے کلام میں یہ وصف موجود ہے۔ انہوں نے اپنے ممدوح امام اہلسنّت اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ سے متعلق سوانحی کوائف اور ان کی خدمات کی ترسیل میں حقائق کے دامن کو مضبوطی سے تھامے ہوئے نہایت سلیقے سے اشعار قلمبند کیے ہیں، جو قابلِ قدر اور لائقِ ستائش ہیں۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ سے متعلق یہ منظوم تذکرہ ۴۴۸ صفحات پر مشتمل ہے اور الجامعۃ الرضویہ، مغل پور، پٹنہ کے زیرِ اہتمام قرأت اکیڈمی دارالترجمہ والنشر، کولکاتہ، بنگال سے شائع ہوا ہے۔ شروع کے ابتدائی ۳۰ صفحات میں شاعر و ناظم کے ''پیش لفظ'' کے علاوہ مختلف علماء مشائخ اور اصحابِ لوح و قلم کے تاثرات ہیں۔ ''تقریظِ جلیل'' کے عنوان سے مولانا ملک الظفر سہسرامی کا طویل مضمون زینتِ کتاب ہے، جو تقریظ کی بجائے ''تقدیم'' کی حیثیت رکھتا ہے۔ شیخ الاسلام حضرت علامہ سید مدنی میاں اشرفی الجیلانی، شہزادہ تاج الشریعہ علامہ عسجد رضا خان بریلوی و حضرت گلزارِ ملت دام ظلہم العالی جیسے مشاہیر کے تاثرات کتاب کو سندِ اعتبار فراہم کرتے ہیں۔ حضرت شیخ الاسلام اپنے ''دعائیہ کلمات'' میں ارشاد فرماتے ہیں:

''کہ مجدد دِین و ملت امام اہلسنّت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قدس سرہٗ کی ذاتِ ستودہ صفات ایسی بابرکت ذات ہے کہ جو جس حیثیت سے امام ممدوح پر کام کرنا چاہا، وہ تائیدِ غیبی سے کیا اور کرتا ہے۔ سیرت و سوانح کے حوالے سے چودھویں صدی کی شخصیات میں جتنا کام امام احمد رضا قدس سرہٗ کی شخصیت پر ہوا اور ہو رہا ہے، شاید کسی پر نہیں ہوا۔ یہ بھی ایک طرح کا انعام خداوندی ہے۔ پیشِ نظر ''منظوم سوانح اعلیٰ حضرت'' بھی اسی سلسلے کی اہم کڑی ہے، جس کے تخلیق کار محترم محبوب گوہر اسلام پوری ہیں۔ یہ شاعرِ موصوف کا کمالِ سخن، جودتِ خیال اور ذوقِ ادب ہے کہ امام احمد رضا قدس سرہٗ کی سیرت و سوانح کو نظم کے قالب میں پیش کیا، جس پر وہ بلاشبہ ہدیۂ تبریک کے مستحق ہیں۔''

(منظوم سوانح اعلیٰ حضرت،۱۲)

شاعرِ ذی وقار نے اس منظوم سوانح کو۱۴؍ابواب میں منقسم کیا ہے۔ بابِ اوّل ''تاثرات و اعتراف'' کے عنوان سے ہے، جس میں منظوم و منثور تأثرات کو جگہ دی گئی ہے۔ اس باب کے تحت سب سے پہلے عصرِ حاضر کے نامور ادیب و محقق اور شاعر جناب پروفیسر طلحہ رضوی برقؔ دانا پوری کا منظوم تاثر ہے۔ بعدازاں شاعرِ اسلام جناب سلمان رضا فریدیؔ، مسقط، عمان کا منظوم تاثر شامل ہے۔ پڑوسی ملک پاکستان سے تعلق رکھنے والے نعتیہ ادب کے عظیم محقق ڈاکٹر عزیز احسن کا ''تاثر'' ایک طویل مضمون کی صورت اختیار کر گیا ہے، جس میں انہوں نے قدرے تفصیل سے امام احمد رضؔا خان محدث بریلوی علیہ الرحمہ اور اس کے منظوم سوانح نگار گوہر اسلام پوری کے فکر و فن کا تجزیہ کیا ہے۔ یہ مضمون خالص علمی و تحقیقی نوعیت کا ہے۔ اسی طرح سات صفحات پر پھیلے ہوئے پیکرِ علم و ادب جناب پروفیسر مجید اللہ قادری (ڈائریکٹر ادارہ تحقیقاتِ امام رضا، کراچی) کا تاثر بھی کافی اہمیت کا حامل ہے۔ حضرت مفتی شمس الدین بہرائچی، ڈاکٹر حسن رضا (پی ایچ ڈی، پٹنہ) جناب علیم حاذقؔ کلکتوی، شاعرِ اسلام جناب حسن رضا اطہرؔ بوکاروی اور مولانا رمضان حیدر فردوسی وغیرہ کے تاثرات ہیں۔ اس باب میں ایک تفصیلی مضمون سوانح نگار جناب گوہر اسلام پوری کی حیات اور شاعری پر بھی شامل ہے۔

دوسرے باب کو ''سوانحات'' کا عنوان دیا گیا ہے۔ اس باب میں ''ابتدائیہ'' کے عنوان سے تقریباً 10 صفحات میں امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ کی علمی و تصنیفی عظمت اور ان کے مختلف فضائل و کمالات کا احاطہ کیا گیا ہے۔ کتاب کا آغاز مندرجہ ذیل اشعار سے ہوتا ہے اور اس کا ''ابتدائیہ'' بڑا جاندار اور شاندار ہے جو اشعار شاعر کی دقت نظری و جودتِ طبعی پر دال ہے:

چل کر قلم ذکرِ امام احمد رضا تحریر کر
نظم میں اک باب سیرت کا نیا تعمیر کر

لکھ! زمیں پر ہیں وہ علم و فضل کے کوہِ گراں
ان کی سیرت کا ہر اک پہلو ہے بحرِ بیکراں

ہے وجود ان کا جہاں میں اک سراپا انقلاب
زیب دیتا ہے انہیں کو 'اعلیٰ حضرت' کا خطاب

کاملانِ وقت کہتے ہیں جسے آنکھوں کا نور
ایسی ہستی کا ہوا کرتا ہے صدیوں میں ظہور

خاص ہے فضل و کرم ان پر خدائے پاک کا
معجزہ ہیں ہند میں وہ صاحبِ لولاک کا

اک مکمل شخصیت، اک عبقری و نابغہ
جن کا شرق و غرب میں پھیلا ہوا ہے دائرہ

ص: ۱۰۵ سے اصل منظوم سوانح شروع ہوتی ہے، جس میں امامِ ممدوح کا خاندانی پس منظر، آبا واجداد، ولادت، عہدِ طفلی کے حالات و کمالات، حسنِ سیرت، عادات و خصائل، پابندیِ شرع، معمولاتِ حیات، بیعت و خلافت، مرشد کی نگاہِ عنایت اولادِ امجاد، خلفائے عظام، رضا بریلوی کے اوّلین سوانح نگار ملک العلماء علامہ ظفرالدین بہاری کا ذکرِ جمیل، سفرِ آخرت کے حالات، وصایا شریف، انتقالِ پُر ملال، خانوادۂ رضا کے نامور افراد استاذِ زمن علامہ حسن رضا بریلوی، علامہ حسنین رضا خاں بریلوی، مفسرِ اعظم ہند حضرت علامہ ابراہیم رضا خان بریلوی، حضرت ریحانِ ملت، امینِ شریعت حضرت علامہ سبطین رضا خاں بریلوی، مرشدِ گرامی تاج الشریعہ حضرت علامہ مفتی اختر رضا خان ازہری بریلوی علیہم الرحمہ کے تذکارِ جمیل ہے۔ یہ باب ۱۰۵ صفحات کو محیط ہے اور معلومات افزا ہے۔ بابِ سوم کو ''علمیات'' کا نام دیا گیا ہے اور اس کے ضمن میں امام احمد رضا خان محدث بریلوی کی مختلف علوم و فنون میں مہارت و بصیرت اور ان کی تدریسی خدمات کو بڑی خوب صورتی کے ساتھ شعر کے قالب میں ڈھالا گیا ہے۔ جب کہ باب چہارم سفریات میں اعلیٰ حضرت کا پہلا و دوسرا سفرِ حج، اس کی برکات، اسفار مبارکہ اور بالخصوص آپ کے سفر بیمار کو موضوعِ سخن بنایا گیا ہے۔ باب پنجم کو تصنیفات سے مختص کیا گیا ہے اور اس سلسلے میں آپ کی تصانیف عالیہ، کتب عالیہ و رسائل قیمہ کا تعارف پیش کیا گیا ہے۔ خصوصیت کے ساتھ ''کنز الایمان''، ''فتاویٰ رضویہ''، ''الدولۃ المکیّہ'' اور آپ کا اہم اور دلچسپ مشغلہ ''فتویٰ نویسی'' اور ''شان فقاہت'' کو بڑے اچھوتے انداز میں سپردِ قرطاس کیا گیا ہے۔

باب ششم ''تعاقبات'' اور باب ہفتم ''ایمانیات'' میں شرح وبسط کے ساتھ امام احمد رضا خان محدث بریلوی کے تجدیدی کارناموں کو اُجاگر کیا گیا ہے اور اس سلسلے میں آپ کی ہمہ جہت دینی، ملی، علمی اور اصلاحی خدمات کا نقش جمیل تیار کیا گیا ہے۔ امام موصوف کے دور میں مختلف فرقہائے باطلہ اپنے افکارِ زائغہ و عقائدِ باطلہ کی ترویج و اشاعت میں منہمک تھے اور اپنے دین مخالف نظریات سے

دینِ اسلام اور مذہبِ اہلسنّت و جماعت پر حملہ آور تھے۔ آپ نے تن تنہا ان تمام اسلام مخالف قوتوں اور فتنوں کا مردانہ وار مقابلہ کیا اور سادہ لوح عوام کے ایمان و عقائد کی حفاظت فرمائی۔ آپ کے یہ اصلاحی کارنامے بڑے بڑے کارناموں پر بھاری ہیں۔ یہی وجہ ہے آپ کو ''محافظ دین وسنیت'' کے لقب سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ اپنے تو اپنے اغیار نے بھی آپ کی دینی و ملی و قلمی خدمات کا اعتراف کیا ہے۔ ان دونوں باب کی ذیلی سرخیاں بالترتیب کچھ اس طرح ہیں: عہد رضا کے فتنے اور ان کا استیصال، حسام الحرمین، امام احمد رضا اور عشق رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، تحریکِ عشقِ مصطفیٰ کے جلوے، امام احمد رضا اور احترام سادات۔ شاعر محترم نے مذکورہ عناوین کے تحت امام موصوف کا شایانِ شان تعارف کرایا ہے اور اپنی شاعرانہ عظمت کا ثبوت دیا ہے۔ اس حوالے سے چند بند ملاحظہ کریں:

تھا امام احمد رضا کا عہد فتنوں سے بھرا
چار سو پھیلی ہوئی گمراہیت کی تھی وبا
ہو رہا تھا حملہ چوطرفہ اصولِ دین پر
تھی مخالف کی نظر اسلام کے آئین پر
ہر طرف افرنگیوں نے چھوڑ رکھے تھے ایجنٹ
دین کے سوداگروں کا ہو چکا تھا اگریمینٹ
کشمکش میں تھے محبانِ رسول ذی وقار
کثرتِ طوفان شر سے تھا عجب ہی انتشار
ایسے عالم میں بریلی شہر سے احمد رضا
اترے میدانِ محل میں لے کے فاروقی ادا
حوصلہ، ہمت، حسینی عزم اور تیور لیے
ڈٹ گئے میدان میں آکر جذبۂ شبّر لیے
فرقہ ہائے باطلہ کی بے جھجک تردید کی
حق مخالف حرکت و افکار پر تنقید کی
بن کے اک مردِ مجاہد کی صدائے حق بلند
اک ذرا بھی مصلحت کوشی نہ فرمائی پسند
علم کے نیزے چلا کر کفر کو ساکت کیا
حق ہے کیا، باطل ہے کیا، تحریر سے ثابت کیا
خوب سختی سے رہے اسلامی موقف پر اٹل
کردیا خامے سے چکنا چور باطل کا محل
حق کو حق کہنے میں اپنی جان کی پروانہ کی
کفر کی ظلمت کو چھانٹا، شرک کی جڑ کاٹ دی

(زیرِ تبصرہ کتاب، ص:۲۹۴،۲۹۵)

باب ہشتم کا عنوان ''اصلاحات'' ہے اور اس میں امام موصوف کی اصلاحِ معاشرہ اور آپ کے دس مشہور نکاتی فارمولے پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ آپ کا یہ دس نکاتی فارمولہ بڑی اہمیت وافادیت کا حامل ہے اور عصرِ حاضر کے تناظر میں اس کی ضرورت واہمیت دوچند ہوگئی ہے۔ امام احمد رضا بریلوی کے دس نکاتی فارمولے کا تعارف وتبصرہ شاعر باکمال کے خامۂ زرنگار سے ملاحظہ کریں:

''دس نکاتی فارمولے'' سے ہی چلتا ہے پتہ
ان کو کتنا ''ملتِ اسلامیہ'' کا درد تھا

فارمولے میں امام احمد رضا نے کیا کہا — مختصر انداز میں کرتا ہوں اس پر تبصرہ
ہو عظیم الشان تعلیمی اداروں کا قیام — ٹھوس اور مضبوط ہو اس کا بہرِ صورت نظام
''طالبانِ علمِ دیں'' پر خرچ سرمایہ کریں — علم وفن کا ان میں عزم وحوصلہ پیدا کریں
ہر گھڑی ''دینی مدارس'' میں رہے دینی امنگ — چونکہ قرطاس وقلم کی جیتنی ہے ان کو جنگ
حسبِ خدمت سارے ہی استاذ کی تنخواہ ہو — تاکہ ان میں درس دینے کی مکمل چاہ ہو
طلبہ جن اشغال میں فعّال آتے ہوں نظر — ان کو اس شعبے میں ہی رکھیں لیاقت دیکھ کر
دے کے اہلِ علم کو 'نذرانے' لکھوائیں کتب — اپنے پیسے دے کے اہلِ خیر چھپوائیں کتب
پھر کتابیں مفت میں تقسیم اہلِ زر کریں — اہلسنّت کی اشاعت کے لیے کوشاں رہیں
مذہبِ حق کی حمایت میں لکھی جائیں کتاب — ردِ فکرِ باطلہ پر نکلے ''پرچہ'' کامیاب
ہر ادارے میں نئے ''اہلِ قلم'' تیار ہوں — سنیوں کے پاس اپنے ''مذہبی اخبار'' ہوں
جس قدر بھی ہو سکے نکلیں 'رسالے'، 'میگزین' — مقصدِ اصلی رہے ان کا فروغِ علم دین
سیکڑوں اس فارمولے سے نکلتے ہیں نکات — اس کے استعمال سے واللہ بن سکتی ہے بات

(مرجعِ سابق، ص: ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲)

باب نہم ''خصوصیات'' میں شاعر نے امام احمد رضا کے سائنسی افکار ونظریات کی تفہیم کرائی ہے۔ نیز اس باب میں آپ کے چند اہم اور نمایاں کارناموں کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ جامعہ رضویہ منظر اسلام، امام موصوف کی ایک عظیم علمی وتعمیراتی یادگار ہے۔ اس پر بھی خامہ فرسائی کی گئی ہے۔ باب دہم کو ''شعریات'' کا جلی عنوان دیا گیا ہے اور شرح وبسط کے ساتھ آپ کی نعت گوئی، قصیدہ ومنقبت نگاری، شعر وادب اور عشق ووارفتگی کا نمونہ ''حدائق بخشش''، ''قصیدۂ معراجیہ'' نیز آپ کے مشہورِ زمانہ سلام ''مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام'' کے ذکرِ جمیل کے ساتھ آپ کی شاعرانہ عظمت ومہارت کا شایانِ شان خطبہ پڑھا گیا ہے۔ باب یازدہم ''کرامات'' کے تحت امام احمد رضا کی کرامات اور صوفیانہ اقوال وتعلیمات بڑے فنکارانہ اسلوب میں بیان کیے گئے ہیں۔ باب دوازدہم ''امتیازات'' کے عنوان سے معنون ہے اور اس میں امام احمد رضا محدث بریلوی کے ہمہ جہت تعارف وخدمات پر تحریر کیے گئے کتب ورسائل، اشاعتی ادارہ جات، آپ پر پی ایچ ڈی اور ایم فل کرنے والوں کے اسما تفصیل سے شمار کرائے گئے۔ باب سیزدہم ''اعترافات'' اور باب چہاردہم ''ترجیحات'' کے نام سے موسوم ہیں اور اس سلسلے میں امام موصوف سے متعلق مندرجہ ذیل موضوعات زینتِ کتاب ہیں: علمائے عرب

کے اقوال وتأثرات، مخالفین رضؔا کے اعترافات، چند مشاہیر اربابِ علم ودانش کے تاثرات، ڈاکٹر سر ضیاء الدین بارگاہ رضؔا میں (ریاضی کے ایک لاینحل مسئلے کو حل کرنے کی غرض سے ڈاکٹر سر ضیاء الدین کو بارگاہ رضؔا تک پہنچانے والے خلیفۂ اعلیٰ حضرت علامہ سید سلیمان اشرف بہاری علیہ الرحمہ تھے، اہلسنّت کا مرکز بریلی شریف، مسلک اعلیٰ حضرت سلامت رہے، التجائے شاعر:

زیرِ نظر تبصراتی کتاب کا آخری پیراگراف جو''التجائے شاعر'' کے نام سے ہے، نہایت اہم اور وقیع ہے۔شاعر نے امتِ مسلمہ کو اتفاق واتحاد کی تعلیم دیتے ہوئے تعلیمات رضؔا کو عام وتام کرنے اور''مسلک اعلیٰ حضرت''پر مضبوطی سے قائم رہنے کی دعوت دی ہے کہ یہی مسلک حق اور صراطِ مستقیم ہے۔کتاب کے اس حصے کی حیثیت''فغانِ درویش''اور''سرمدی پیغام'' کی ہے۔شاعر کرب کے لہجے میں قومِ مسلم سے کچھ اس طرح مخاطب ہے:

تجربے کی روشنی میں کررہا ہوں میں بیاں
شعر کی آواز میں سنیے میرا''دردِ نہاں''

میں نے دیکھا ہے کئی خانوں میں ہیں وہ بٹ گئے
جو امام احمد رضا خاں کی روش سے ہٹ گئے

جس نے تعلیم رضؔا سے پھیر لی اپنی نگاہ
دین بیزاری کی آندھی کر گئی اس کو تباہ

اٹھ رہا ہے روز ہی فتنوں کا طوفانِ مُہیب
اپنی نسلوں کو رضؔا کی فکر سے کیجیے قریب

گمرہی کا''وائرس''پھیلا ہے کس کس طور سے
اہلِ ایماں کا گذر ہے کتنے نازک دور سے

''اعلیٰ حضرت''سے محبت کیجیے ہر حال میں
ہے یہی پیغام اہلِ عشق کے اقوال میں

کیجیے نسلوں کو''تعلیمِ رضا'' سے آشنا
خود ہی ہوتی جائیں گی پھر وہ بقا سے آشنا

آج کے اس عہد کا جبری تقاضا ہے یہی
عام گھر گھر میں ہو''افکارِ رضا'' کی روشنی

(مرجع سابق،ص:۴۸۲،۴۸۳)

مجموعی اعتبار سے یہ''منظوم سوانحِ اعلیٰ حضرت'' کامیاب ترین سوانح ہے اور اردو کے''منظوم سوانحی ادب''میں امتیازی حیثیت کا حامل ہے۔زبان، بیان، مواد، ہیئت، اسلوب، فصاحت وبلاغت، نفاست و لطافت، سلاست، شعریت، معنویت، روانی، سادگی، صفائی، برجستگی، شیفتگی، پاکیزگی وغیرہ سارے ادبی و شعری محاسن اس میں موجود ہیں۔اللہ رب العزت شاعرِ ذی وقار کو جزائے خیر سے نوازے اور امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ کے علمی وادبی وروحانی فیوض وبرکات سے مالا مال فرمائے۔آمین!

☆☆☆

مولانا محمد قمر انجم قادری فیضی

وہ ورق تھا دل کی کتاب کا

قرآن کریم عہدِ نبوی کا اولین نقش نعت ہے جس میں نعت کے اصول وضوابط اور طریقہ کار کی نشاندہی کی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ نعت کہنے کے لئے بنیاد (Base) کیا ہونی چاہئے اور زبان و اسلوب کیسا اختیار کرنا چاہئے۔

علمائے علم وفن کہتے ہیں کہ عربی ادب کی ابتدا بھی دنیا کی دیگر بڑی زبانوں کے ادب کی طرح شاعری ہی سے شروع ہوئی۔ یونانی تہذیب ہو یا مصری حیات۔ ان کی زندگیوں کا بڑا انقلابی حصہ شاعری ہی کی مرہون منت ہے۔ قدیم تواریخ میں بابل ونینوا بھی اسی تہذیب کا حصہ رہے ہیں۔ مزامیر داؤد آج بھی ان کے مذہب کا حصہ ہے۔ مذہبی شاعری ہر تہذیب کا جز وحیات رہی ہے۔

ماقبل وبعد از اسلام، شاعری ہی اہل عرب کا ذریعہ اظہار تھی بلکہ ان کی اولین زبان تھی، جس کا انہوں نے بھر پور استعمال کیا۔ قبل از اسلام شاعری ان کی مجبوری تھی، لیکن بعد از اسلام وہ ضرورت میں تبدیل ہوگئی، جیسا کہ پروفیسر نکلسن کہتا ہے:

In those day poetry was no luxury for the cultured few but the sole medium of literary expression.

صحابہ کرام مردہ دل اور خشک مزاج ہرگز نہ تھے، بلکہ وہ زندہ رَو تھے اور اپنی مجالس میں اشعار پڑھتے تھے۔ شعر وسخن کی اس محفل کا مقصد، اسلامی ادب کو پروان چڑھانا تھا۔

شعر کی حکمت وعظمت، احادیث نبویہ کی روشنی میں، واضح طور پر ظاہر وباہر ملاحظہ فرمائیں، حضور رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ذوق شعری اور آپ کی شعر فہمی پر روشنی ڈالی گئی ہے، گو کہ آپ شاعر نہ تھے، لیکن اعلیٰ ذوق شعری رکھتے تھے۔ رجزیہ اشعار پڑھنا آپ سے ثابت ہے اور اسی سبب آپ نے مسجد نبوی میں حضرت حسان ابن ثابت کے لئے منبر بچھوائے ان سے نعتیہ اشعار سماعت فرمائے اور انہیں دعاؤں سے نوازا۔ آپ نے بہ فرمائش صحابہ کرام سے اشعار سماعت فرمائے۔ آپ

نے فرمایا: شعر میں حکمت اور دانائی بھی ہوتی ہے۔ ایک موقع پر آپ نے فرمایا: ''کلمہ حکمت'' تو مومن کی متاع گم شدہ ہے۔

حضور کی تفہیم شعری بھی اعلیٰ ذوق کی مظہر تھی۔ آپ نے معروف جاہلی شاعر، امرء القیس کے اشعار کو باعتبار موضوع ناپسندیدہ قرار دیا، لیکن اس کی شاعرانہ عظمت کو 'اشعر الشعراء' کا خطاب دے کر اس کے کمالاتِ شعری کا اعتراف فرمایا۔ اسی طرح جب آپ کے سامنے مشہور جاہلی شاعر، عنترہ بن شداد کا شعر پڑھا گیا، تو آپ نے اس سے ملنے اور اسے دیکھنے کا اشتیاق ظاہر فرمایا۔

حضور شعر و ادب پر قدغن نہ لگاتے، بلکہ اس کی ترویج کے لئے صحابہ کرام کی حوصلہ افزائی فرماتے، جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق کے سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا: مجھے میرے رب نے تعلیم ادب دی ہے اور پھر یہ کہ میں نے قبیلہ بنی اسد میں پرورش پائی ہے۔ ڈاکٹر عبدالحلیم لکھتے ہیں:

> ''رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زبان اقدس سے نکلا ہوا لفظ ''ادّبنی'' عربی ادب میں پہلی مرتبہ استعمال ہوا ہے، اس سے پہلے یہ لفظ عرب کی تاریخ شعر و ادب میں کہیں استعمال نہیں ہوا۔''

تاریخ ادب عربی کتاب کے باب میں ایک اہم بحث مسجد میں نعتیہ اور جنگی مواقع پر رزمیہ و رجزیہ اشعار کا پڑھنا بھی ہے۔ اس باب کا ایک اور اہم موضوع ''شعرائے خاندان رسالت کی نعتیہ شاعری'' ہے جس میں مسلم و غیر مسلم دونوں شامل ہیں۔ اس میں خاندان رسالت کے اڑتیس شعراء و شاعرات کا کلام دیا گیا ہے۔ حضور کے ساتویں نمبر کے دادا حضرت کعب (بن لؤیّ) نے آپ کی بعثت سے پانچ سو ساٹھ سال قبل، آپ کی نعت کہی، گویا نعت کی ابتداء آپ کے خاندان سے ہوئی۔ حضرت کعب، آپ کے اجداد میں اولین فرد ہیں جنہوں نے اپنی نعت میں، آپ کا اسم گرامی ''محمدؐ'' پہلی مرتبہ استعمال کیا اور آپ کے چودھویں نمبر کے دادا، حضرت کنانہ (بن خزیمہ) پہلے شخص ہیں، جنہوں نے اپنی نعت میں سب سے پہلے آپ کا اسم گرامی ''احمدؐ'' استعمال کیا۔ یہ زمانہ ماقبل از اسلام و ولادت و بعثت کا ہے۔ آپ کے دادا حضرت عبدالمطلب پہلے شخص ہیں جنہوں نے آپ کی ولادت کے بعد سب سے پہلے اپنی نعت میں آپ کے اسم گرامی ''محمدؐ'' کا استعمال کیا۔

عورتوں میں سب سے پہلی نعت آپ کی والدہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے اور مردوں میں سب سے پہلی نعت آپ کے دادا حضرت عبدالمطلب نے کہی، علاوہ ازیں آپ کے چچا، چچازاد بھائی، آپ کی دادیاں، چچیاں، پھوپھیاں بھی بہترین شاعر و شاعرات تھیں۔ ان کا نعتیہ کلام بھی دیا گیا ہے،

جب کہ آپ کی ازواج مطہرات اور آپ کی صاحب زادی حضرت فاطمہ بھی عمدہ شاعرات تھیں۔

حضور کے خاندان کے میں، آپ کے چچا ابو طالب اور آپ کے چچا زاد بھائی، حضرت علی بن ابی طالب، دونوں صاحب دیوان شاعر ہیں جو کہ طبع شدہ ہیں۔ دیوان ابو طالب اور دیوان علی عربوں ہی میں نہیں بلکہ عجم میں بھی معروف ہے اور پاک و ہند میں ان کے تراجم بھی ہو چکے ہیں۔ یہ اعزاز خاندان بنو ہاشم (قبیلہ قریش) کے سوا کسی اور خاندان عرب یا قبیلہ کو حاصل نہیں کہ باپ، بیٹے دونوں صاحب دیوان شاعر ہوئے ہوں۔

آپ کا خاندان فن شعروادب سے مالا مال تھا۔عربی زبان وادب و مراثی وقصائد بالخصوص نعتیہ ادب کی ترویج واشاعت اور نعت گوئی کی شروعات بعداز ولادت آپ کے خاندان سے ہوئی۔

مرثیہ، قصیدہ اور عربی شاعری کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔اگر یہ دو چیزیں عربی شاعری سے خارج کردی جائیں تو پیچھے کچھ نہیں بچتا، ادب رہ جائے گا، ادبیت ختم ہوجائے گی۔عربی شاعری میں زبان و بیان کی چاشنی اسی میں ہے۔نعتیہ ادب میں یہ اضافہ میراث، مال متروکہ کے طور پر شامل ہوئیں اور نعتیہ ادب کا دامن بھر گئیں۔ نبی کریم علیہ السلام کے وصال پر کہے گئے مراثی، اس کی اعلیٰ مثال ہیں۔حضور کے دادا عبدالمطلب عرب ہی نہیں بلکہ اس دنیا کے اولین فرد تھے جنھوں نے اپنی زندگی ہی میں اپنی چھ بیٹیوں سے اپنا مرثیہ کہلوا کر سنا اور پھر اپنے مرنے کے بعد ان مراثی کو اس طرح پڑھنے کا حکم دیا جس طرز پر انہیں سنایا گیا تھا۔ یہ بھی ایک تاریخی ریکارڈ اور عربی ادب کی حقیقت اور فن شاعری میں سند ہے کہ کسی شخص پر اس کی چھ بیٹیوں، یعنی حضور کی چھ پھوپھیوں نے، الگ الگ ردائف وقوافی پر مشتمل، اپنے والد یعنی حضور کے دادا پر بیک وقت چھ مرثیے پڑھے۔

مرثیہ عربی ادب کا خاصّہ ہے، بعینہ اسی طرح، جیسے رجزیہ اشعار، میدان کارزار (جنگ) کا شعار ہیں اور حدی خوانی، بدوی زندگی کی علامت ہے۔صحابہ کرام وصحابیات نے حضور کے نہایت خوب صورت، زبان و بیان سے پُر نعتیہ مراثی رقم کئے۔نعتیہ مراثی نعتیہ ادب کا ایک اہم جز ہیں۔

حضرت حسان ابن ثابت عہد اسلام، عہد نبوی کے سب سے بڑے نعت گو شاعر، نعتیہ ہجو اور نعتیہ مراثی کے بانی شاعر، سب سے بڑے مرثیہ گو اور نعتیہ ادب میں شاہ کار مراثی تخلیق کرنے والے فرد ہیں۔آپ نے حضور کی وفات پر چار مراثی میں بیاسی اشعار کہے۔ پہلا مرثیہ اڑتالیس اشعار پر مشتمل ہے۔اس باب میں خواتین کے نعتیہ مراثی بھی شامل ہیں۔آپ کی پھوپھی حضرت صفیہ اور آپ کی صاحبزادی حضرت سیدہ فاطمہ کے مراثی عربی نعتیہ ادب کا شاہکار ہیں۔

اسی قدیم روایت و وراثت کو آگے بڑھاتے ہوئے حضور سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک نام 'محمد' صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مناسبت سے 92 / کلام پر مشتمل حسین و جمیل گلدستہ ''سخن زار نعوت'' خانقاہ ظہوریہ چشتیہ قادریہ بلگرام شریف ضلع ہردوئی کے چشم و چراغ ادیب شہیر محبّ مکرم حضرت مولانا شمس تبریز خاکی ظہوری مرکزی کا پہلا اُردو نعتیہ مجموعہ زیر مطالعہ ہے۔ جس میں حضرت خاکی صاحب نے نعت پاک مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر خوب خامہ فرسائی کی ہے ''سخن زار نعوت'' 164 صفحات پر مشتمل مجلد خوب صورت، پیج ٹائٹل دیدہ زیب، بیک ورق پر ملک الشعراء حضرت میرزا امجد رازی ریسرچ آفیسر محی الدین اسلامک یونیورسٹی آزاد کشمیر جیسے نعت آشنا شخصیت کے قلم سے 'بہلول سخن' کے عنوان سے تخلیق اور تخلیقی صفت سے متصف خدوخال پر زبردست خامہ فرسائی موجود ہے۔ ابتدائی صفحات میں قطع تاریخ اشاعت سخن زار نعوت پر معلم الشعراء حضرت صاحبزادہ محمد نجم الامین عروس فاروقی صاحب قبلہ پاکستان کی جانب سے قطعات پیش کئے گئے ہیں، فاروقی صاحب قبلہ کے 'قطع تاریخ اشاعت' اکثر و بیشتر قدیم و جدید لکھاریوں کی تخلیقات پر دیکھنے، پڑھنے کو ملتے ہیں۔

حضرت خاکی صاحب نے اس کتاب کو حضور تاج الشریعہ علامہ اختر رضا خان، خلیفہ حضرت سید نصیر الدین دادا جان حضرت مخدوم ظہور الدین شاہ المعروف چھوٹے میاں بلگرامی علیہم الرحمہ، نیز جملہ مخلص اساتذہ کرام، ساتھ ہی ساتھ والدین کریمین کے نام منسوب کیا ہے۔

صفحہ 13 سے لے کر 52 صفحات میں 2 دعائیہ کلمات و قلبی تاثرات استاذ الشعراء حضرت سید اولاد رسول قدسی مصباحی نیویارک امریکہ، والد محترم شہزادہ ظہور الدین حضرت نفیس میاں ظہوری صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ کے شامل ہیں۔ تقریظ جلیل ماہر علوم و فنون حضرت علامہ مفتی محمد فیصل رضا صالح مرکزی استاذ جامعۃ الرضا بریلی شریف، جب کہ اس کتاب کی تقدیم معلم الشعراء حضرت سید خادم رسول عینی قدسی ارشدی چیف منیجر یونین بینک آف انڈیا نے فرمائی ہے۔ اس کے علاوہ تاثرات کے کالم میں مزید 07 تاثرات بر سخن زار نعوت شامل ہیں۔ جن میں جہان نعت کے جید علماء کرام غواص بحر نعوت، محقق، دقیق، شخصیات شامل ہیں جنھیں اس میدان میں باریک بینی، اشعار شناسی میں ید طولی حاصل ہے۔ نام ور اہل قلم اور نکتہ داں کے سامنے بندۂ ناچیز کی بات کچھ معنی نہیں رکھتی۔ مگر......

'نعت' اصطلاحاً رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی منظوم توصیف بیان کرنا ہے۔ اگر نعت کو اپنے لغوی معنوں 'تذکرۂ صفات' کے حوالے سے دیکھا جائے تو اللہ ربّ العزت نے نعت کا اہتمام

اپنے محبوب کے لئے نام پسند کرتے ہوئے ہی کرلیا تھا۔ ''محمد'' اس چار حرفی غیر منقوط پُر تاثیر لفظ کے معنی ہی ''بہت تعریف کیا گیا'' کے ہیں۔ لفظ ''محمد' کا مادہ 'حمد' سے ہے اور یہ خود میں ایک مکمل نعت ہے۔ یعنی وہ ہستی جس کی بہت تعریف کی گئی ہو۔ "وَ رَفَعْنا لَكَ ذِكْرَك" کی آب یاری سے اس ذکر کو مزید پھیلا دیا گیا۔

صنفِ نعت کی دو شاخیں ہیں۔ ایک نعت گوئی اور دوسرا نعت خوانی۔ ''نعت' کی دونوں شاخوں میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شمائل وفضائل، سیرت و پیغام اور تذکار کے ذریعے قارئین و سامعین کی پیاسی روحوں کو سیراب کیا جاتا ہے۔ نعت گوئی ایک مذہبی فریضہ بھی ہے اور اس حیثیت سے اس کے تقاضے کمالِ احتیاط پر مشتمل ہیں۔

مشہور محقق و ناقد ڈاکٹر ابرار عبدالسلام صاحب اپنی کتاب نعتیہ ادب مسائل ومباحث میں تحریر کرتے ہیں کہ نعت کہنے سے پہلے آدابِ نعت سے واقفیت ضرور حاصل کرے کیوں کہ یہ صرف شعر کہنے والی بات نہیں، یہ تو محبوب ربِّ جلیل کی بارگاہ میں باریابی پانے کی جستجو کا مرحلہ ہے محبتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے میزان پر ایمان تولنے کا معاملہ ہے ایمان وعقیدت کے قبلہ وکعبہ کی طرف جان و دل کرنے کا سلسلہ ہے قطرے کو گُہر کرنے، ذرّے کو رشکِ آفتاب کرنے کا وَلوَلہ ہے اور کیوں نہ ہو، نعت گوئی میرے معبودِ کریم جل جلالہ کی سنّت ہے، یہ وہ وصف وسعادت ہے جو مشتِ خاک کو قربِ ایزدی عطا کرتی ہے روایت ہے کہ سجدے میں بندہ اپنے ربِّ کریم جل جلالہ کے بہت قریب ہوتا ہے، اسے بہت پیارا لگتا ہے، شاید یہ وجہ بھی ہو کہ سجدے میں بندے کا جسم ربّ کریم جل جلالہ کے محبوبِ کریم کے مبارک نام 'محمد' صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مکتوبی ساخت کا نقشِ جمیل بن جاتا ہے۔ (کوکب نورانی) بعض نعت گو حضرات غلو، اغراق اور مبالغے سے اس قدر کام لیتے ہیں کہ مدحتِ رسول اللہ میں اللہ جل جلالہ کے اَوصاف بھی شامل کر دیتے ہیں۔

صاحب کتاب کی بات کریں تو حضرت خاکی صاحب بیک وقت شاعر، ادیب خطیب اور بلند پایہ قلمکار ہیں، آپ کی پہلی تخلیق اُردو نعتیہ مجموعہ ''سخن زارنعوت'' کے نام سے منظرعام پر آ چکی ہے۔ ''سخن زارنعوت'' کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت خاکی بلگرامی صاحب کی نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مدح سرائی میں منظّم کردہ نعتیہ مجموعہ بھرے مہکتے پھول اور قصائد جن کو آپ نے اپنی کتاب میں سمو یا پرو یا ہے، بے نظیر و بے مثال ہے اور عاشقانِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کیلئے لاجواب اور لازوال گراں قدر عظیم خزانہ اور سرمایہ ہے

۔چونکہ اربابِ اہلِ فن کے نزدیک کلام وہی سب سے اعلیٰ اور عمدہ ہوتا ہے جس میں جذبات، احساسات سچے ہوں، سو محترم خاکی صاحب قبلہ کے کلام کی یہی امتیازی شان ہے جس کی مثال گویا اس بہار اور شبنم کی سی ہے جو پھولوں اور اُن کی کلیوں کی نکہت، تروتازگی اور حسن و جمال میں مزید اضافہ کر دیتی ہے۔

معلم الشعرا حضرت سید خادم رسول عینی قدوسی ارشدی صاحب قبلہ چیف منیجر یونین بینک آف انڈیا، اظہار مسرت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

شمس تبریز خاکی ایک سچے عاشق رسول ہیں۔ ہر عاشق کی یہ دیرینہ خواہش رہتی ہے کہ وہ اپنے محبوب کے دیار کی زیارت کرے۔ عاشق کو اپنے محبوب کے دیار سے بے حد محبت رہتی ہے۔ اس لئے خاکی بلگرامی صاحب نے اپنے کئی اشعار میں اپنے رب سے مدینے کی زیارت کے لئے دعا کی ہے۔

مثال:

پہنچ کر شہر طیبہ میں دل حسرت زدہ میرا وہاں سے پھر کرے رحلت نمی دانم نمی دانم

☆

دکھائے خدا ایسا دن مجھ کو خاکی کروں اپنا سب کچھ نثار مدینہ

☆

اسی ایک امید پر جی رہا ہوں میں دیکھوں گا اک دن مزار مدینہ

☆

سکوں ملتا ہے تاجدار مدینہ نظر آتا ہے جب دیار مدینہ

(سخن زار نعوت ص25)

حضرت خاکی بلگرامی ایک زود گو اور خوب گو شاعر ہیں۔ ان کی زود گوئی اور خوب گوئی کا میں نے بذات خود مشاہدہ کیا ہے مختلف بزموں میں۔ طرحی مصرع کتنا ہی سخت کیوں نہ دیا گیا ہو وہ اتنی قابلیت رکھتے ہیں کہ آدھا ایک گھنٹے کے اندر مکمل کلام بزم میں پوسٹ کر دیتے ہیں۔ حضرت شمس تبریز خاکی کے نعتیہ کلاموں میں مدحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہے اور مدح محبوبان نبی بھی، رد دشمنان اسلام بھی ہے اور اصلاحی پیغام بھی، آپ کے اشعار میں فصاحت بھی ہے اور بلاغت بھی، مضمون آفرینی بھی ہے اور معنویت کی فراوانی بھی، خوب صورت ترکیب الفاظ بھی ہے اور صنعت بلاغت بھی، تشبیہات واستعارات کی جلوہ گری بھی ہے اور علامات کی موجودگی بھی۔

(سخن زار نعوت ص30)

حضرت خاکی بلگرامی کی تخلیقی وفنی صلاحیتوں، اور اسلوب نگارش کی تعریف وتوصیف کرتے ہوئے امیر الشعراء حضرت میرزا امجد رازی رقمطراز ہیں:

خاکی ایک ایسا ہی تخلیق نگار ہے

جس نے ایسے کئی مجسّمے تخلیق کئے ہیں کہ ان کی قوتِ معانی و وسعتِ لطائف کسی بھی درجے کے صاحبِ ذوق کو متاثر کئے بغیر نہیں رہتی، جہاں مجسّمے اپنے حسنِ ظاہر کی دلآویزیوں کو ظاہر کر رہے ہیں وہاں ان میں موجود روحیں اپنے لطائف و دقائق کی ندرتوں سے عقلوں کو حیرتیں بخش رہی ہیں، خاکیؔ کے ادراک و وجدان کی زمین بہت زرخیز ہے، مٹی میں قدسی خوشبوئیں اور زرقائے توفیق کا پانی موجود ہے۔

میں خاکیؔ کے آنے والے اس مجموعہ نعت کا تہِ دل سے خیر مقدم کرتا ہوں اور امید رکھتا ہوں کہ خاکیؔ خاک سے یوں ہی قصورِ جناں کے نقشوں کو ترتیب دیتے رہیں گے۔

[سخن زار نعوت/ص 21]

ان عبارات و مضمون کے اقتباسات سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے حضرت خاکی صاحب قبلہ ایک بہترین تخلیق کار، فنی قلمی صلاحیتوں کے مالک زود نعت گو شاعر، نیز بہترین قلمکار بھی ہیں۔

نوٹ:۔ ’سخن زار نعوت‘ کو صراط پبلیکشن نے شائع کیا ہے۔ اس کتاب کو حضرت خاکی صاحب قبلہ سے بذریعہ ڈاک حاصل کر سکتے ہیں۔

☆☆☆

ڈاکٹر سراج احمد قادری (مدیر مجلّہ)

''بحضور رسالت مآب'' صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی عظمت و ہمہ گیریت کے آئینے میں

کوئی بھی تخلیق جب عصری تقاضے کے پیش نظر منظر عام پر آتی ہے تو اس کی افادیت و معنویت درخشندہ آفتاب و ماہتاب کی مانند ہوتی ہے۔ جس طرح سورج کی شعاعیں اور چاند کی چاندنی روئے زمین کے گوشے گوشے کو چمکانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتیں۔ بعینہٖ عصری تقاضے کے پیش نظر منظر عام پر آنے والی ہر وہ تخلیق بھی دلوں کو چھونے یا دلوں پر اپنے نقوش ثبت کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتی۔ دلوں کو اپنی گرفت میں لے لینا یا اپنا گرویدہ بنا لینا ہی کسی بھی تخلیق کی کامیابی کی دلیل ہے اور یہ شرف کلی طور پر مطمح نظر کتاب ''بحضور رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم'' کو حاصل ہے۔

''بحضور رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم'' جو اردو نعت گو شعراء کا ایک فقید المثال انتخاب ہے، جسے نابغۂ روزگار، محقق و ناقد پروفیسر عبدالحق صاحب، پروفیسر ایمیرٹس، دہلی یونیورسٹی، دہلی نے انتھک محنت و مشقت سے مرتب کیا ہے۔ اس کتاب کے بارے میں میرا ماننا ہے کہ اس کو تو بہت پہلے مرتب ہو کر منظر عام پر آ جانا چاہیے تھا مگر ہر چیز کے جلوہ افروز ہونے کا ایک وقت مقرر ہے اور وہ اپنے وقت مقررہ پر ہی جلوہ بار ہوتی ہے۔ ''بحضور رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم'' کی ترتیب و تدوین کی عظیم سعادت جب ربّ کریم جلّ مجدہٗ نے آپ کے نام لکھ رکھی تھی تو یہ دولت بے بہا کسی اور کو کیوں کر میسر ہوتی، بقول محسنؔ کاکوروی:

سخن کو رتبہ ملا ہے مری زباں کے لیے ‏ ‏ ‏ زباں ملی ہے مجھے نعت کے بیاں کے لیے
ازل میں جب ہوئیں نعمتیں تقسیم ‏ ‏ ‏ کلامِ نعتیہ رکھا مری زباں کے لیے

جہاں تک اس عظیم تخلیق پر تبصرے کی بات ہے تو مجھ بے بضاعت کا اس علمی و ادبی شاہکار پر لب کشائی کرنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہوگا۔ ہاں فخر و مباہات کے طور پر اتنا ضرور کہنا چاہوں

گا کہ اس کتاب کو شائع کرنے کا شرف ہمارے ادارے نعت ریسرچ سینٹر۔انڈیا کو حاصل ہے۔

یہ کتاب جب ماہ جولائی ۲۰۲۳ء میں طبع ہو کر منظر عام پر آئی تو ڈاکٹر صاحب نے اولاً اس کی پی۔ڈی۔ایف فائل دنیا بھر میں پھیلے اپنے تمام ارباب علم و دانش کو ارسال کی جس پر بہت سارے دانشوروں نے اپنے گراں قدر تاثرات اور تبصرے رقم کیے مگران تبصروں میں جس نے مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ صدف فاطمہ صاحبہ (پاکستان) کا ہے جسے انہوں نے نہایت ہی ایمان داری اور عرق ریزی سے تحریر کیا ہے، میرے اپنے خیال میں ''بحضور رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم'' پر یہ ایک وقیع اور جامع تبصرہ ہے اس تبصرے کے بعد مزید تبصروں کی گنجائش یک لخت مسترد ہو جاتی ہے، ان کا مکمل تبصرہ ملاحظہ فرمائیں:

> ''عشقِ رسول سے سرشار پروان چڑھتی صنف نعت اردو ادب کا ایک بڑا سرمایہ ہے۔اس سرمائے میں بلا تخصیص مذہب، فرقہ و ذات ہر دور میں اضافہ ہوا ہے۔نعت کی خاصیت یہ ہے کہ یہ علٰحیدہ جتنی مضبوط صنف ہے اُتنی ہی دیگر شعری اصناف سے مربوط بھی ہے۔مثنوی، قصیدہ، مرثیہ بذات صنف نعت نہیں لیکن روایت اور محبت نے ہر ایک کے ابتدائیے کو نعتیہ کلام سے مزین کیا ہے۔یہی وجہ ہے کہ اردو جیسی نئی اور کم عمر زبان میں بھی نعتیہ کلام کا نمایاں ذخیرہ ہاتھ آیا۔''

بحضور رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مُلّا داؤد (ولادت ۱۲۸۶ء) سے سید صبیح رحمانی (۱۹۶۵ء) تک اٹھاون شعراء کے نعتیہ انتخاب کا مجموعہ ہے۔ جسے ڈاکٹر عبدالحق نے حال ہی میں مرتب کر کے نعت ریسرچ سینٹر۔نڈیا سے شائع کیا ہے۔۱۸۳ رصفحات پر مشتمل مذکورہ انتخاب کے متعلق ڈاکٹر عبدالحق لکھتے ہیں:

''اس قید و بند کے زمانے میں ناچیز کو جو سہولت سے مل سکا وہ کلام انتخاب میں شامل ہے۔سوال پیدا ہوتا ہے کہ انتخاب میں زبان زد عام تاریخ کے مطابق امیر خسرؔو کے نعتیہ کلام سے آغاز کیوں نہیں کیا گیا۔اس ضمن میں ڈاکٹر عبدالحق کا نقطۂ نظر مختلف ہے۔'' بحضور رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم''، میں شامل گیارہ صفحاتی ''تقدیم''، میں ڈاکٹر عبدالحق رقم طراز ہیں:

> ''راقم نے عہد قدیم کے نعتیہ کلام سے انتخاب کا آغاز کیا ہے۔کیونکہ وہ ہمارا قدیم اور بہت ہی وقیع سرمایہ ہے۔ہماری ادبی تاریخ خسرؔو کے مشکوک اور

مشتبہ کلام سے نہیں شروع ہوتی۔ یہ ایک مغالطہ ہے ان کے اردو کلام کے وجود کا کوئی پختہ ثبوت نہیں ملتا۔ اس کے برخلاف انہیں کے معاصر مُلّا داؤد کا کلام معتبر اور تحقیق شدہ ہے۔ اس عہد کے مخطوطات کی موجودگی سے اس متن کی صحت میں کوئی شک نہیں رہتا۔ ہماری بدتوفیقی تھی کہ اردو کو صاف وشستہ اور شہری زبان بنانے کے شوق بے جا میں انہیں تسلیم کرنے سے گریز کیا گیا۔''

مرتب کا بیان قابلِ نظر انداز نہیں بلکہ قابلِ غور ہے۔ ڈاکٹر عبدالحق نے اپنے انتخاب کو تاریخی تسلسل سے ترتیب دیا ہے اور اس کا آغاز مُلّا داؤد کے نعتیہ کلام بعنوان ''مثنوی چنداین'' سے کیا ہے:

پُرُس ایک سر جس اُجیارا   ناؤ محمد جگت پیارا

انتخاب میں اٹھاون شعرائے کے نعتیہ کلام کو تاریخ وار اس طرح ترتیب دیا ہے کہ شاعر کے نام کے ذیل میں معلوم تاریخ پیدائش و وفات مع ماخذِ کلام اور عنوان نعتیہ کلام درج ہے مثلاً:

ولؔی دکنی

(۱۶۶۸ء۔۱۷۰۷ء)

کُلّیاتِ ولؔی

درنعتِ حضرت خیرالبشر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بعض شعراء کی تاریخ پیدائش یا وفات مشکوک ہے یا معلوم نہیں، ایسی صورتِ حال میں معلوم کوائف ہی درج کیے ہیں۔ مثلاً

مُلّا داؤد

(ولادت ۱۲۸۶ء)

انتخاب ''بحضور رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم'' دو پہلوؤں سے قارئین بالخصوص طلبہ کے لیے کارگر ہے۔ اوّل و اہم پہلو صنف نعت میں وقت کے ساتھ ساتھ ہئیتی و موضوعاتی ارتقاً ہے۔ تیرہویں صدی سے اکیسویں صدی تک اردو زبان نے خوب ارتقائی سفر طے کیا۔ اس سفر کے نقوش کا مطالعہ مذکورہ انتخاب کے توسط سے بالتخصیص نعت کیا جا سکتا ہے۔

''بحضور رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم'' کی روشنی میں دیکھا جائے تو نعت کے ابتدائی نقوش مثنوی کی ہئیت میں اور قدیم ناپختہ زبان کی صورت میں نظر آتے ہیں۔ مثلاً مُلّا داؤد کی مثنوی ''چنداین'' فخر دین نظامی کی مثنوی ''کدم راؤ پدم راؤ'' محمد فخرالدین ابن نشاطی کی مثنوی ''پھول بن'' وغیرہ۔ ان سب کی ہئیت و زبان اپنے اندر خوب دلچسپی لیے ہوئے ہے۔ موضوع کے اعتبار سے بھی نعت میں

دلچسپ ارتقا سامنے آتا ہے۔اس ارتقاءَ کی طرف ''تقدیم'' میں ڈاکٹر عبدالحق اشارہ کرتے ہیں:

''نعت میں محبت وارادت کی جگہ مقاصدِ رسالت کے حکیمانہ پیغام کو پیش کرنے کا جذبہ پیدا ہوا۔رحمتِ عالم کے ساتھ محسنِ انسانیت پر توجہ دی گئی۔۔۔ سیرت پاک کے اس انقلابی پہلو کو نعت میں خاص توجہ دی گئی۔۔۔گویا نعت نگاری میں کرۂ ارض کے معاملات کی ترجمانی نے ایک نئے عنوان کو متعارف کرایا اوران سُلگتے ہوئے مسائل کا شافی علاج دامنِ رسول میں پایا گیا۔''

''بحضور رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم'' چونکہ ڈاکٹر صاحب کی طرف سے چنندہ شعراء کے نعتیہ کلام کا انتخاب ہے،اس میں مزید شعراء اوران کے نعتیہ کلام کا اضافہ کیا جا سکتا ہے،جس سے اسکالرز کے لیے نعت میں موضوعی ارتقاءَ وضرورت کی ذیل میں تحقیق کا اہم باب وا ہوتا ہے۔

''بحضور رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم'' کا دوسرا اہم پہلو نصابی ضرورت کی تشفی وتکمیل ہے۔اردو ادب کی دیگر اصناف مثلاً افسانہ،انشائیہ،نظم وغیرہ کی نصابی کتب تو موجود ہیں لیکن طلبہ و مدارس نعت کے نصابی مجموعے کی کمی محسوس کرتے رہے ہیں۔نعت کی صنف کو شامل نصاب کرنا ازحد اہم ہے لیکن اس سے بھی اہم اس کا نصابی مجموعہ ترتیب دینا ہے تا کہ اس صنف کو جِلا ملے۔نعت کے نصابی مجموعے کی کمی ایسے اداروں میں زیادہ معلوم ہوتی ہے جہاں اردو ادب کو بطور ثانوی زبان پڑھایا جاتا ہے،یا جہاں کے طلبہ کی مادری زبان اردو نہیں ہے۔اس ضمن میں فیروز احمد سیفی،ڈائریکٹر نعت ریسرچ سینٹر۔انڈیا لکھتے ہیں:

''نعت کو شاملِ نصاب کیے جانے کے حوالے سے جب بھی ہماری گفتگو کسی دانشور سے ہوئی تو اس نے سب سے پہلا سوال یہی کیا کہ اس کی تو کوئی نصابی کتاب ہی نہیں ہے جسے ہم شاملِ نصاب کرکے پڑھیں پڑھائیں اور دیگر اصنافِ ادب کی طرح یہ فن بھی فروغ پا سکے۔''

مذکورہ دونوں پہلو ڈاکٹر عبدالحق کے انتخاب کی اہمیت پر دال ہیں جسے ادبی حلقوں میں خوب پذیرائی حاصل ہوگی۔''

صدف فاطمہ

ایم فل اردو

''تدوینات مکاتیب غالب: تقابلی جائزہ''

یقیناً مذکورہ نعتیہ انتخاب نعتیہ ادب کے علمی وادبی سرمائے میں ایک گراں مایہ اضافہ ہے۔ البتہ جو نعت گو شعراء اس انتخاب میں جگہ پانے سے رہ گئے ہیں اگر ان کی شمولیت ہو جاتی ہے تو بلا شبہ یہ نعتیہ ادب کا ایک جامع انتخاب ہوگا۔ (جیسا کہ ڈاکٹر صاحب نے کلیم عاجز وغیرہ شعرائے کرام کا ذکر دورانِ گفتگو اس ناچیز سے کیا۔) مجھے امید ہے کہ ڈاکٹر صاحب آئندہ ایڈیشن میں ان جیسے دیگر نعت گو شعرا کو بھی شامل کرنے کی کوشش فرمائیں گے۔ نیز اسی کے ساتھ ڈاکٹر صاحب سے یہ بھی التماس ہے کہ جس طرح آپ نے اس انتخاب کو تیار کیا ہے اسی طرح نعت گو شعرا کا ایک ایسا تذکرہ بھی مرتب فرما دیں جو ان کی حیات و خدمات اور ان کی نعتیہ کارکردگی پر مشتمل ہو، تاکہ یہ گوشہ بھی تشنہ بلب نہ رہ جائے۔ اگر یہ کام ہو جاتا ہے تو مجھے اللہ اور اس کے پیارے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات با برکات سے امید ہے کہ دانشوروں کا وہ طبقہ جو نعتیہ ادب کی تحقیق و تنقید کی طرف تا ہنوز متوجہ نہیں تھا وہ متوجہ ضرور ہوگا اور ان کے اس طرف متوجہ ہونے سے نعتیہ ادب کی تخلیق، تحقیق اور تنقید کے نئے در وا ہونگے جس سے اس کے ارتقائی فروغ میں ایک اہم پیش رفت ہوگی۔ جیسا کہ اس انتخاب نعت کو پڑھ کر بہت سے دانشور اور پروفیسر حضرات متاثر ہوئے اور اپنی آرا کا اظہار کیا ہے۔

مجھے امید ہے کہ ڈاکٹر صاحب میرے اس التماس کو شرف قبولیت ضرور عطا فرمائیں گے اس لیے کہ آپ نے آج تک میرے کسی التماس کو مسترد نہیں کیا ہے۔

☆☆☆

انس نبیل (برار، مہاراشٹر)

اقبال خلشؔ کی نعتیہ شاعری کا تجزیاتی مطالعہ

تعارف:

اقبال خلش مرحوم کا شمار علاقۂ برار کے نامور شعراء میں ہوتا ہے بلکہ بعض اہلِ فن انھیں میرِ برار کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ان کا تعلق بلوچستان کے درانی قبیلہ سے تھا لیکن ایک زمانے میں ان کے دادا تجارت کی غرض سے برار (مہاراشٹر، بھارت) آئے اور شہر آکوٹ میں مستقل رہائش اختیار کر لی۔یہیں 1 جولائی 1950 کو اقبال خلش کی ولادت ہوئی۔ان کے والد علامہ اقبال سے بہت متاثر تھے اسی لئے انھوں نے اپنے فرزند کا نام اقبال رکھا شاید یہ نام کی تاثیر ہی تھی کہ انھوں نے کم عمری ہی سے شاعری کا آغاز کر دیا اور حبیب ہاشمی مرحوم کی شاگردی اختیار کی۔انھیں غنی اعجاز مرحوم، خلیل فرحت کارنجوی مرحوم، محترم فصیح اللہ نقیب، محترم محبوب راہی وغیرہ برار کے باکمال شعراء کی صحبت حاصل ہوئی۔غزل اور نعت اقبال خلش کی محبوب اصناف رہی ہیں۔ان کے چھ شعری مجموعے منظرِ عام پر آچکے ہیں جن میں نعتیہ مجموعہ ''سراجِ منیر'' بھی شامل ہے۔اقبال خلش ان خوش نصیب شعراء میں سے ہیں جنھیں ادباء و ناقدین اور عام قارئین و سامعین دونوں ہی طبقوں سے بیک وقت پذیرائی حاصل ہوئی۔ انھوں نے 1983 سے مشاعرہ کے اسٹیج پر قدم رکھا اور ایک زمانے تک اپنے پرسوز کلام اور خوبصورت ترنم کے سبب وہ کل ہند مشاعروں پر چھائے رہے۔دو برس قبل (2021) رمضان میں اقبال خلش اس دارِ فانی سے رخصت ہو گئے اور اپنے پیچھے اپنے نعتیہ کلام کو بطورِ ثوابِ جاریہ چھوڑ گئے۔

اقبال خلش کی نعتیہ شاعری کی نمایاں خصوصیات:

1۔جمالیاتی پہلو:

اردو شاعری کے ابتدائی دور ہی سے اردو میں نعت گوئی کی روایت موجود ہے اردو شاعری میں نعت کے ابتدائی نقوش مثنویوں میں نظر آتے ہیں لیکن مثنویوں کے ان نعتیہ اشعار اور ان کے علاوہ

اردو کی ابتدائی دور کی نعتوں کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ اردو میں ایک عرصہ تک نعتیہ اشعار صرف رسمی طور پر ثواب و برکت کے حصول کے لئے کہے جاتے رہے ہیں جن میں شعریت یا جمالیاتی پہلوؤں کی کمی محسوس ہوتی ہے، شاید یہی وجہ ہے کہ ایک عرصہ تک اردو ادب کے ناقدین نے نعت کی جانب توجہ نہیں کی، لیکن پھر کئی ایسے نعت گو شعراء پیدا ہوئے جنھوں نے نعت میں شعری جمالیات کا خیال رکھا اور اس کے بعد ہی نعت کو ادبی حیثیت حاصل ہوئی اور یہ امرِ واقعی ہے کہ نعت کو ادب کی جمالیات پر پورا اترنا چاہیے۔

ابوالاعجاز حفیظ صدیقی صاحب نے اپنی کتاب ''ادبی اصطلاحات کا تعارف'' میں جمالیات کو جنم دینے والے عناصر بیان کئے ہیں جن میں تناسب و توازن، حواس و جذبات کو متحرک کرنے کی صلاحیت، رنگ، لطافت، ملائمت، نکہت، تحیر آفرینی کی صلاحیت، کمالِ اظہار وغیرہ شامل ہیں۔ اب ہم اقبال خلش کی نعتیہ شاعری کی طرف آتے ہیں۔ خلش مرحوم کی نعتیہ شاعری میں خوبصورت لفظیات، مضمون آفرینی عمدہ تراکیب، منفرد اسلوب، صنائع لفظی و معنوی کے استعمالات جابجا نظر آتے ہیں۔ تجنیس اور اس کی مختلف اقسام کی چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

آپ کے ذکر کی رفعت کے گواہوں میں ہیں یہ مؤذَن یہ موّذِن مرے مکی مدنی

(مؤذَن اور مؤذِن)

نعمتِ اتباعِ نبی مل گئی راستہ وہ ملا راستی مل گئی

(راستہ اور راستی)

جہاں ہر زباں پہ درود ہے وہاں روشنی کا ورود ہے
وہاں برکتوں کا وجود ہے وہاں شش جہات ہے روشنی

(درود اور ورود)

ان تمام اشعار میں تجنیس کی مختلف اقسام کے استعمال نے ایک عجیب حسن پیدا کر دیا ہے۔ اس کے علاوہ ان کی نعتوں میں تضاد، تشبیہ، استعارہ، تجسیم وغیرہ کی بھی عمدہ مثالیں موجود ہیں۔

اب ذرا رنگوں کا استعمال دیکھئے:

کالی کملی کو چومتے ہیں عمر گھر سے نکلے تھے لال پیلے سے

حضرت عمر کے ایمان لانے کا واقعہ کئی نعت گو شعراء نے بیان کیا ہے لیکن یہاں کالا، لال اور پیلا تینوں رنگوں کے استعمال نے اس مضمون کو منفرد انداز عطا کر دیا جو مضمون آفرینی کی مثال ہے،

وہیں ان تین رنگوں کے استعمال نے شعر میں وہ کیفیت پیدا کردی جسے انگریزی فیگر آف اسپیچ کی زبان میں ایمیجری کہا جاتا ہے اسی کے ساتھ ساتھ محاورہ ''لال پیلا ہونا'' کے خوبصورت استعمال نے بھی شعر کے حسن ورنگت میں اضافہ کردیا۔

اس کے علاوہ اقبال خلش کی کئی نعتوں کی ردیفیں نور، روشنی اور خوشبو ہیں جو جمالیات کے لازمی اجزاء قرار دئے جاتے ہیں۔ایک مطلع دیکھئے:

یہ گفتگوئے سراجِ منیر کی خوشبو ہے بے نظیر شہہِ بے نظیر کی خوشبو

اب آیئے مضمون آفرینی کی طرف۔مضمون آفرینی سے مراد روایتی مضامین میں کچھ نئے پہلو تلاش کرنا یا منفرد اسلوب سے روایتی مضامین کو تازگی عطا کرنا ہے۔جس کی ایک مثال پہلے بیان کی جا چکی ہے جس میں حضرت عمر کے ایمان لانے کے واقعہ کو رنگوں اور محاورہ کے استعمال سے تازگی عطا کی گئی۔کچھ اور مثالیں ملاحظہ فرمائیں۔

نبی کے وسیلہ سے خدا کی ذات کے عرفان کا مضمون بھی نعت کے روایتی مضامین میں سے ہے۔ اسی مضمون کو خلش مرحوم نے ایک خوبصورت دلیل دے کر نیا رنگ پیدا کردیا ہے:

نماز ہو نہیں سکتی بغیر التحیات خدائے پاک بھی ذکرِ نبی سے ملتا ہے

مزید ایک شعر دیکھئے:

آ ہوئے فکر کے ذرا کھل جائیں پیر ہی ہوجائے آج گلشنِ طیبہ کی سیر ہی

فکر کے پر کا استعمال تو بارہا ہوا ہے لیکن یہاں خلش نے فکر کے پر کی بجائے پیر کا استعمال کیا ساتھ ہی آ ہو کے استعارہ سے بھی ندرت وجدت پیدا کی۔

اب ذرا لفظیات بھی دیکھئے:

یہ جس سے نعتِ نبی لکھ رہا ہوں کاغذ پر خلش سیاہی نہیں ہے یہ روشنائی ہے

قلم کی سیاہی اور روشنائی دونوں ہم معنی الفاظ ہیں لیکن یہاں خلش مرحوم نے اس خوبصورتی سے ان میں معنوی بعد پیدا کیا کہ دل داد دینے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

2۔عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کیفیات:

عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر نعت کا ایک مصرع بھی کہہ پانا ممکن نہیں بلکہ نعت ہی کیا عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر دل میں ایمان کا پایا جانا بھی ممکن نہیں۔اقبال خلش عشقِ رسول

صلی اللہ علیہ وسلم میں ڈوب کر نعت کہتے ہیں۔ان کا ایک شعر ہی عاشقانِ نبی پر وجد کی کیفیت طاری کر دینے کے لئے کافی ہے۔کہتے ہیں:

مجھ کو جاروب کشی روضۂ اطہر کی ملے آپ مہتر کہیں مجھ کو تو لقب ہو جائے

سبحان اللہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دید کی خواہش کا اظہار دیکھئے:

دل ناز کے قابل ہے کہ بیمارِ نبی ہے واللہ اسے حسرتِ دیدارِ نبی ہے

نبی کے ہجر اور ہجرِ مدینہ میں تڑپنے کا ذکر بھی نعت گو شعراء کے یہاں کثرت سے پایا جاتا ہے۔ اقبال خلش کی شاعری میں یہ درد کس قدر نمایاں ہے ملاحظہ فرمائیں:

آرزو ہے کہ مدینے سے بلاوا آجائے منتظر ایک زمانے سے ہوں بستر باندھے
میں تو ہجرت کی تمنا میں بسر کرتا ہوں مستقل جس کی رہائش ہو وہی گھر باندھے
مفلسی پیر کی زنجیر بنی ہے لیکن طائرِ فکر کے کیسے کوئی شہپر باندھے

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجر میں تڑپتے ہوئے وہ اس مقام پر پہنچ جاتے ہیں کہ خود دردِ ہجر ہی کو مجسم کر کے گفتگو کرنے لگتے ہیں:

اے ہجرِ مدینہ یہ روداد کہیں کس سے ہم نے دلِ مضطر کو کس طرح سنبھالا ہے

مختصراً یہ کہ ان کے نعتیہ اشعار عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔

3۔سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بہترین عکاسی:

سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نعتیہ شاعری کی جان ہے بلکہ سیرت کا بیان ہی خالص نعت کہلاتا ہے۔تمام ہی نعت گو شعراء اپنی نعتوں میں سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے پیش کرتے ہیں۔ اقبال خلش نے بھی سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا گہرائی سے مطالعہ کیا اور اسے اپنی نعتوں میں پیش کیا انھوں نے سیرت کے سب سے نمایاں پہلو کو اپنی نعتوں میں بھی نمایاں حیثیت دی۔سیرت کا وہ حسین پہلو ہے آپ کی رحمت اور خوئے عفو و درگزر۔اب ذرا اس حوالے سے خلش مرحوم کے یہ نعتیہ اشعار دیکھئے:

بوجہل کو بھی جہنم سے بچانا چاہا دشمنِ جاں کے بھی محسن میرے مکی مدنی

☆

وحشی ہو ہندہ ہو چاہے بوسفیان بن کر آئے رحمتِ عالم سب کے لئے
آپ کے حق میں تپتے صحرا جیسے سب آپ مثالِ چشمۂ زم زم سب کے لئے

حضور کے مقصدِ بعثت اور آپ کے ذریعے سے برپا کئے گئے انقلابِ عظیم کا بیان بھی قابلِ دید ہے:

اک مہاجر کہ شہنشاہِ عرب ہو جائے — معجزہ یہ ہے کہ دس سال میں سب ہو جائے
انبیاء آئے جزئیات شریعت لے کر — آپ کرنے کے لئے دین کو کامل آئے
پیٹھ پر مہرِ نبوت ہے شکم پر پتھر — سرورِ دیں کا بھلا کیسے مماثل آئے
نصر اللہ سے منسوب ہے فتح مکہ — کس میں ہمت ہے کہ اب ان کے مقابل آئے
صحرا کے وحشیوں کو مہذب بنا دیا — تہذیب و آشتی کے پیمبر ہیں آپ ہی

4۔ سیرتِ صحابہ سے عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مثالیں:

نعتیہ شاعری میں صحابہ کا ذکر بھی عام ہے لیکن اکثر ذکرِ صحابہ اس انداز سے کیا جاتا ہے کہ اشعار نعت کے دائرے سے نکل کر منقبت کے دائرے میں چلے جاتے ہیں۔ اقبال خلش نے نعتوں میں ذکرِ صحابہ کرتے ہوئے اس بات کا خصوصی خیال رکھا ہے کہ اشعار نعت کے دائرہ سے خارج نہ ہوں جس کے لئے انھوں نے ذکرِ صحابہ کو عشقِ نبی سے جوڑ دیا اور صحابہ کی سیرت سے عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بہترین مثالیں پیش کیں۔ ظاہر بات ہے کہ صحابہ سے بڑا کوئی محبِّ رسول نہیں اور عاشقانِ رسول کو صحابہ ہی سے عشق کے آداب سیکھنے چاہئیں چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

الاماں شعبِ ابی طالب کے مشکل تین سال — کٹ گئے عشقِ رسولِ ہاشمی کے راستے

☆

نبی پہ تیر چلے اور سہے صحابہ نے — شعارِ حبِ نبی کا ہمیں شعور نہیں

☆

پوچھا گیا تو زید نے حارث سے یہ کہا — بن کر غلامِ شاہِ عرب خیریت سے ہوں

ایک نعت تو خلش مرحوم کے کلام میں ایسی ہے جو صحابہ کی نبی سے وفا کی مثالوں ہی سے مزین ہے:

کوئی نہیں ہے زمانے میں ماورائے وفا — مگر نبی کے دوانوں کی ہائے ہائے وفا
محاصرے سے نبی کو نکالنے کے لئے — خوشی سے آپ کے بستر پہ لیٹ جائے وفا
حضور زانوئے صدیق پر ہیں سوئے ہوئے — ڈسے ہے بارہا موذی کرے نہ ہائے وفا
نبی کے نام کا ہر تیر خود پہ جھیل لیا — احد نے پھر نہیں دیکھی وہ انتہائے وفا
اسے نبی کے نواسے کا پاس ہے لیکن — اذانِ ہجرِ نبی میں نہ پڑھنے پائے وفا

اس کے علاوہ اقبال خلش کے یہاں نعت گو صحابہ کا جس سلیقہ سے ذکر ملتا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ انھوں نے اپنے نعتیہ مجموعہ 'سراج منیر' کا انتساب حضرت حسان اور ان کے ہم عصر نعت گو صحابہ کے نام کیا اور پھر نعت گوئی کے حوالے سے نعت گو صحابہ سے اپنی نسبت کا فخریہ اظہار بھی بارہا کیا۔ چند مثالیں پیشِ خدمت ہیں:

رب پہ ایمان مصطفیٰ سے ہے دل مسلمان مصطفیٰ سے ہے
بخت میرا کہ اے خلش نسبت مثلِ حسان مصطفیٰ سے ہے

☆

ہم کو پہچان اس وسیلے سے ہم ہیں حسان کے قبیلے سے

☆

سخنوری کا شرف میرے نام تک پہنچا زہے نصیب کہ میں اس مقام تک پہنچا
علی سے ابنِ رواحہ سے ابنِ ثابت سے شعورِ نعت چلا مجھ غلام تک پہنچا

☆

حسان و بن رواحہ کی صف میں بہ فیضِ نعت محشر کے روز ہوگا ترا بھی شمار دل

5۔ اچھوتے مضامین:

اقبال خلش کی نعتیہ شاعری میں کچھ ایسے مضامین بھی دیکھنے کو ملتے ہیں جو میرے مطالعہ کی حد تک نعتیہ شاعری میں پہلی بار پیش کیے گئے۔

نعت میں طنزیہ اشعار کچھ شعراء کے یہاں نظر آتے ہیں جن میں اجتماعی سطح کا طنز پایا جاتا ہے اور کسی فرقہ کو نشانۂ طنز بنایا جاتا ہے جو میری ناقص رائے میں آدابِ نعت کے خلاف ہے۔ اقبال خلش کی نعتوں میں بھی کچھ طنزیہ اشعار تو پائے جاتے ہیں لیکن یا تو وہ طنز انفرادی سطح کا ہے یا اس میں کسی فرقہ کو نشانہ نہیں بنایا گیا ہے۔ ایک شعر دیکھئے۔ طنزیہ لہجہ میں بالکل اچھوتا مضمون:

اسے دیارِ نبی میں بھی مل گئی فرصت خرد وہاں سے بھی کیا کیا خرید لائی ہے

ایک اور شعر دیکھئے جس میں ان لوگوں پر طنز ہے جو نبی کی الفت کے دعوے کرتے ہیں، نعت بھی کہتے ہیں لیکن نبی کے پیش کردہ دین پر ایمان نہیں رکھتے۔ فرماتے ہیں:

ان پہ ایمان لائیے پہلے مدحِ آقا خلوص کے بن بھی

لیکن یہ بہت واضح ہے کہ اس شعر میں تنقید برائے اصلاح کا پہلو واضح ہے۔

ان طنزیہ مضامین کے علاوہ بھی کئی بالکل اچھوتے مضامین خلش مرحوم کی نعتوں میں مل جاتے ہیں۔ دو مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

سنتِ ریشِ مبارک میں وہ برکت ہے خلش   آدمی واجبِ تعظیم و ادب ہو جائے
یومِ جمعہ کا آپ نے تحفہ دیا ہمیں   جچتے نہیں تھے ہفتہ و اتوار مصطفیٰ

خلاصہ:

الغرض خلش مرحوم کی نعتیہ شاعری کے تجزیاتی مطالعہ کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اقبال خلش عصرِ حاضر کے ایک اہم نعت گو شاعر ہیں جن کی نعتوں میں مندرجہ بالا محاسن پائے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مرحوم کی نعت گوئی کو ان کی اخروی نجات کا ذریعہ بنائے۔ آمین

کتابیات:

۱- سراجِ منیر، اقبال خلش

۲- زمزمہ، اقبال خلش

۳- نگارِ خلش، اقبال خلش

۴- ادبی اصطلاحات کا تعارف، ابوالاعجاز حفیظ صدیقی

۵- نعت کی جمالیات، ڈاکٹر عزیز احسن

☆☆☆

ڈاکٹر سراج احمد قادری (مدیر مجلّہ)

حضرت شیخ الاسلام مفتی محمد انوار اللہ فاروقی کا عشق رسول ''انوار احمدی'' کی روشنی میں

شیخ الاسلام حضرت علامہ مفتی محمد انوار اللہ فاروقی ابن حضرت قاضی شجاع الدین فاروقی بمقام قندھار ضلع ناندیڑ (مہاراشٹرا) ۴؍ربیع الثانی ۱۲۶۴ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کی ولادت کے بارے میں منقول ہے کہ آپ ایک خدا رسیدہ بزرگ حضرت یقین شاہ مجذوب علیہ الرحمہ کی بشارت اور والدۂ ماجدہ کو خواب میں حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہوئی رویت مبارکہ کی سچی تعبیر تھے۔ ایسی صورت میں آپ کا عشق رسول سے سرشار ہونا یقینی ہے۔ حضرت شیخ الاسلام کی ولادت اور تعلیم و تربیت پر روشنی ڈالتے ہوئے حضرت علامہ مفتی عبدالحمید، سابق شیخ الجامعہ، نظامیہ و رکن تاسیسی آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ تحریر فرماتے ہیں:

> ''مولانا حافظ محمد انوار اللہ ۴؍ربیع الآخر ۱۲۶۴ھ کو بمام ناندیڑ پیدا ہوئے۔ ۵؍سال گزرنے کے بعد مولانا سید شاہ بدیع الدین صاحب رفاعی قندھاری سے قرآن شریف ناظرہ کی تکمیل فرمائی اور سات سال کی عمر میں حافظ امجد علی صاحب کے پاس قرآن مجید حفظ شروع فرمایا اور گیارہ سال کی عمر میں قرآن مجید کی سعادت سے بہرہ اندوز ہوئے۔ آپ نسباً فاروقی ہیں سلسلۂ نسب انچالیسویں پشت میں خلیفۂ دوم حضرت سیدنا فاروق اعظم پر منتہی ہوتا ہے۔''[1]

اس مقام پر میرے ذہن میں ایک سوال یہ پیدا ہو رہا ہے کہ حضرت شیخ الاسلام نے بسم اللہ خوانی کب اور کس برگزیدہ شخصیت کے پاس فرمائی؟ حضرت شیخ الاسلام علیہ الرحمۃ کی شخصیت اور ان کے علمی و ادبی کارناموں کے حوالے سے جو بھی کتابیں کرم گستر محترم جناب قاضی اسد ثنائی صاحب نے مجھے عنایت کی ہیں ان میں مجھے مذکورہ سوال کا جواب نظر نہیں آیا ممکن ہے کہ میری کم نظری کے سبب نظر

نہ آیا ہو۔ مگر میرا ماننا ہے کہ حضرت کی شخصیت اور ان کی عظمت کے پیشِ نظر اس طرح کے تمام تر سولات یا شکوک وشبہات کا ازالہ ہونا چاہیے جو کہ ان کی ذات کی رفعتوں کے امین ہیں۔ جہاں تک میرا قیاس ہے انہوں نے بسم اللہ خوانی یا تو اپنے والد ماجد یا اپنی والدہ ماجدہ کے پاس ہی کی ہوگی مگر قیاس اور علم یقینی میں بڑا فرق ہے۔ علم یقینی بہرحال علم یقینی ہوتا ہے۔

حضرت شیخ الاسلام علیہ الرحمہ اپنے زمانے کے ایک جید عالمِ دین اور صاحب کمال مصنف و شاعر گذرے ہیں جن کے علمی و ادبی کارناموں سے ان کی حیات مبارکہ سے لے کر تا ہنوز لوگ مستفیض ہو رہے ہیں اور صبح قیامت تک مستفیض ہوتے رہیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

حضرت شیخ الاسلام کے علمی وادبی کاناموں کے گوشے اور اس کی جہتیں اتنی ہمہ گیر اور وسیع ہیں کہ کسی ایک مقالے میں ان کا احاطہ کر پانا ناممکن تو نہیں مگر مشکل ضرور ہے۔ حضرت مولانا حافظ وقاری محمد شبیر احمد نظامی، استاذ جامعہ نظامیہ نے آپ کی ۱۴ر کتابوں کا ذکر کیا ہے:

”(۱) انوار احمدی (۲) مقاصد الاسلام (گیارہ حصے) (۳) حقیقۃ الفقہ (دو حصے) (۴) بشریٰ الکرام (۵) الکلام المرفوع (۶) افادۃ الافہام (دو حصے) (۷) انوار التجید (۸) شمیم الانوار (حمدیہ، نعتیہ وصوفیانہ کلام) (۹) انوار الحق (۱۰) کتاب العقل (۱۱) خدا کی قدرت (۱۲) انوار اللہ الودود (۱۳) مسئلۃ الربوا (۱۴) منظوم مسدس میلاد النبی۔“[۲]

بظاہر ان کی مذکورہ تصنیفات وتالیفات کی فہرست بہت مختصر سی لگ رہی ہے مگر یہ فہرست دریا کو کوزے میں سموئے ہوئے ہے۔ میں اپنے اس دعوے کی دلیل کہیں اور سے نہیں بلکہ خود حضرت شیخ الاسلام کی علیہ الرحمہ کی تصنیف لطیف ”انوار احمدی“ سے ہی پیش کرنا چاہتا ہوں اس لیے کہ یہ کتاب ان کے ایک طویل نعتیہ نظم (۶۲ر مسدسات) کے صرف ۷ر ابتدائی مسدسات کی توضیح وتشریح پر مشتمل ہے۔ اب آپ اسی سے اندازہ لگائیں کہ اگر ۷ر مسدس کی توضیح وتشریح ۲۹۴ر صفحات پر مشتمل ہوسکتی ہے تو ۶۲ر مسدسات کی توضیح وتشریح کتنے صفحات کو محیط ہوسکتی ہے؟

چونکہ میرے مقالے کا موضوع ”حضرت شیخ الاسلام کا عشق رسول ”انوار احمدی“ کی روشنی میں“ ہے اس لیے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ بطور تمہید عشق کی معنویت اور اس کے اثرات کی وضاحت کر دوں۔ اس لئے کہ کسی بھی منظر کو سمجھنے کے لیے اس کے پس منظر کا جاننا ضروری ہوتا ہے۔ عشق کی جمالیات اس کے فلسفے اور اثرات پر اتنا لکھا جا چکا ہے کہ اگر سب کو یک جا کیا جائے تو دفتر کے دفتر تیار

ہو جائیں گے۔ میں اس کی تفصیل میں نہ جا کر خلیفہ عبدالحکیم کی تحریر کا ایک اقتباس پیش کرنا چاہتا ہو جسے انہوں نے مشہوسر و معروف مغربی مفکر نکلسن کے حوالے سے تحریر کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

''یہ لفظ عشق نہایت وسیع معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ عشق کسی شے کو اپنے اندر جذب کر لینے اور اسے اپنا جز و حیات بنا کر اپنا لینے کا نام ہے۔''
عشق کا یہ مفہوم رومی کا خاص مضمون ہے اور زیادہ تر اسی تخیل کی دلکشی نے اقبال کو رومی کا مرید بنایا ہے۔ رومی کہتا ہے کہ تکوین اور ارتقائے حیات دونوں کا سرچشمہ عشق ہے۔ ذرّات مادّہ کے باہمی تجاذب سے تمام مادی عناصر اور اجرام فلکیہ قائم ہیں۔''[۳]

اگر بغور دیکھا جائے تو عشق'' کا لفظ نہایت ہی مشہور و معروف اور عام فہم ہے۔ اس کے عام فہم اور مشکل ہونے کی تمثیلات میں شاعر مشرق علامہ اقبالؔ کے شعر سے دینا چاہتا ہوں اس لیے کہ ان کے اشعار فکری اور قبولیت عامہ کا درجہ رکھتے ہیں۔ اولاً عام فہم بایں معنیٰ کہ یہ لفظ جب بھی کسی انسان کے گوش زد ہوتا ہے تو اس کے تخیل سے جو ایک وجدانی کیفیت پیدا ہوتی ہے وہ اسے یک گونہ فرحت و انبساط اور ایک ایسی قوت و طاقت کا احساس دلاتی ہے جس کی بدولت کائنات کی ہر ایک شے اس کی یعنی عاشق کی غلام نظر آتی ہے۔ چنانچہ وہ ایک مقام پر فرماتے ہیں:

عشق کی اک جست نے طے کر دیا قصہ تمام　　اس زمین و آسماں کو بے کراں سمجھا تھا میں

اور مشکل بایں معنیٰ کہ وہ فرماتے ہیں:

عشق کی مستی سے ہے پیکر گل تابناک　　عشق ہے صہبائے خام، عشق ہے کاس الکرام

عشق رسول ایک ایسا جذبۂ لطیف ہے کہ بغیر اس جذبے کے کوئی بھی بندۂ مومن، مومن کامل نہیں ہوسکتا۔ اب رہی بات اس کی شدّت اور انجذابیت کی تو جس بندۂ مومن میں جس شدّت کا عشق رسول ہوگا اس کو اسی قدر رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قرب بھی حاصل ہوگا۔ یوں تو عشق رسول کا جذبۂ ہر بندۂ مومن کو حاصل ہے مگر اس کی شدّت اور انجذابی کیفیت کے مقام و مرتبے کا تعین اس کے کرادار و عمل سے ہی کیا جا سکتا ہے۔ پروفیسر فاروق احمد صدیقی عشق رسول کی شدت اور اس کے اثرات کے بارے میں اردو کے مشہور و معروف دانشور قدرت اللہ شہابؔ کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں:

''ایک عامی مسلمان کا شعور اور لاشعور جس شدّت اور دیوانگی کے ساتھ شانِ رسالت کے حق میں مضطرب ہوتا ہے، اس کی بنیاد عقیدہ سے

زیادہ عقیدت پر مبنی ہے۔ خواص میں یہ عقیدت ایک جذبہ اور عوام میں ایک جنون کی صورت میں نمودار ہوتی ہے، یہ جذبہ نہ تو کسی منظّم تحریک کی پیداوار ہے اور نہ ہی کسی خاص برین واشنگ کا نتیجہ ہے۔ اس کے برعکس یہ تو ایک خود کار تخلیقی عمل کی طرح جنم لے کر فطرتِ انسانی کے ایسے نہاں خانوں میں پوشیدہ رہتا ہے جس کا بسا اوقات ہمیں خود بھی علم نہیں ہوتا۔'' ۴

اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ حضرت شیخ الاسلام علیہ الرحمہ کو آقا کریم علیہ السلام سے غائت درجہ عشق تھا۔ جو ہمیشہ ان کو مضطرب رکھتا تھا۔ یہاں پر میں عشق رسول اور دوسری ذوات وشخصیات کے مابین عشق کے فرقِ امتیازی کو واضح کرنا چاہتا ہوں جس سے کہ میرا موقف مبرہن ہوسکے۔

اس خاک دان گیتی پر جتنے بھی عشاق رسول گزرے ہیں ان کا شیوہ ہی رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کی حفاظت وصیانت اور اغیار کے ہر اس فعل قبیح کی مدافعت تھا جس سے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کسرِ شان کا پہلو نکلتا ہو۔

حضرت شیخ الاسلام علیہ الرحمہ نے اپنی تصنیف لطیف ''انوار احمدی'' میں رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات کی حفاظت وصیانت کا وہی طریقۂ کار اختیار فرمایا ہے جو طریقۂ کار اصحاب رسول اور سلف صالحین سے لے کر عصر حاضر تک جاری وساری ہے، بس فرق اتنا ہے کہ انداز بیاں بدلا ہوا ہے۔ حضرت شیخ الاسلام علیہ الرحمہ کے ان ۷؍ مسدسات سے عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جلوہ سامانیاں پیش کی جاتی ہیں، ملاحظہ ہو مسدس اوّل:

شکر حق اس نظم میں ہیں وہ مضامیں دلپذیر — جس سے ایماں تازہ ہو اور ہوں دلِ اعدا پہ تیر
ہے حدیثوں کا جو یہ مضمون بلا ریب ونکیر — جو محدث ہیں وہ اس کو مان لیں گے ناگزیر
گرچہ یہ اشعار ہیں شاعری اس میں نہیں — ترجمہ منقول کا ہے خودسری اس میں نہیں

اس مسدس کیے پہلے شعر کے پہلے مصرعے کی شرح میں فرماتے ہیں:

''امام سخاوی نے مقاصد حسنہ میں سفیان بن عینیہ کا قول نقل کیا ہے کہ **عند ذکر الصالحین تنزّل الرحمة**۔ جب عموماً صالحین کے ذکر کے وقت نزول رحمت ہو تو قیاس کرنا چاہئے کہ سید الصلحا والانبیا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذکر کے وقت کس قدر جوش رحمت ہوتا ہوگا۔'' ۵

دوسرے مصرعے کی شرح میں فرماتے ہیں:

''موہب لدنیہ'' اور اس کی شرح زرقانی میں روایت ہے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ جب

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عمرہ قضا کرنے کے لیے مکۂ معظّمہ میں داخل ہوئے اس وقت یہ حالت تھی کہ حضرت کے آگے آگے ابن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اشعار پڑھتے جاتے تھے۔ جس کا یہ ترجمہ ہے:

''ہٹو اے اولادِ کفار حضرت کے راستے سے آج ہم تم کو حضرت کی کتاب کے حکم پر وہ مار ماریں گے جو سروں کو گردنوں سے جدا کر دے اور دوست کو دوست سے بھلا دے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا اے ابن رواحہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روبرو حرم میں تم اشعار پڑھتے ہو۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عمر ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو کہ ان کے اشعار کفار کے دلوں پر تیر سے جلد سرایت کرتے ہیں۔''[۶]

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ حضرت شیخ الاسلام علیہ الرحمہ نے ''انوار احمدی'' کی بنیاد ہی مشہور صحابیِ رسول حضرت عبداللہ ابن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درج ذیل نعتیہ اشعار کی توضیح وتشریح پر رکھی ہے جو عشق رسول سے لبریز اور جاں نثاری کے جذبے سے سرشار ہے۔ حضرت عبداللہ ابن رواحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

خلوا بنی الکفّار عن سبیله   الیوم نضربکم علیٰ تنزیله
ضربا یزیل الهام عن مقیله   و یذهلالخلیل عن خلیله

حضرت شیخ الاسلام علیہ الرحمہ مزید اس کتاب کی اساس والتزام کے بارے میں فرماتے ہیں:

''اس کتاب میں التزام اس امر کا کیا گیا ہے کہ حتی الامکان احادیث و آثار کا مضمون لکھا جائے مگر کہیں کہیں بطور نکات کے اور مضامین بھی جو منقول ہی سے مستفاد ہیں بڑھائے گئے ہیں، باقی رہی یہ بات کہ سوائے صحاح ستہ کے اور کتب حدیث سے بھی احادیث اس میں نقل کی گئی ہیں۔''

اس کے بعد حضرت شیخ الاسلام علیہ الرحمہ نے دوسرے اور تیسرے مسدس کی شرح ایک ساتھ فرمائی ہے:

لکھا اس کو نظم میں ہر چند میں شاعر نہیں   کیونکہ خوش ہوتے تھے اکثر نظم ہی سے شاہ دیں
تھی یہی لِم جو محمد حسّان کے تھے روح الامیں   فیض رحمانی ہے نعت رحمۃ للعالمیں
ذکر ختم المرسلیں اس نظم سے مقصود ہے   جو ازل سے تا ابد ممدوح اور محمود ہے

ان دونوں مسدس میں حضرت شیخ الاسلام علیہ الرحمہ کی طبیعت کی جولانی اور ان کا عشق رسول سر چڑھ کر بولتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ اوّلاً ان کی سادگی ملاحظہ فرمائیں کہ وہ کس طرح اپنے آپ کو شاعر

ہونے کی نفی کرتے ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے وقت کے ایک قادرالکلام شاعر اور بہترین نعت گو تھے''انوار احمدی'' کے آخر میں تحریر ان کی فارسی نعتیہ غزلیں ان کے ایک پختہ کار شاعر ہونے کا منھ بولتا ثبوت ہیں، چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

حبّذا اے چشم کز تو دیدنیہا دیدہ ام — مرحبا اے گوش کز تو مژدہا بشنیدہ ام

اے نگاہم تا بطوف گنبد خضراستی — دل بصد جانست مصروف طواف دیدہ ام

چشم من فرشِ قدومت اے خیالِ یارِ من — کز تو شد بیدار بخت روزہا خوابیدہ ام

انورا اینجا فدائے خود خودم در بیخودی — سخت حیراں بودہ ام از حالت پیچیدہ ام [7]

نیز اس مسدس کی شرح بھی انہوں نے عشق رسول پر مبنی عظیم شاہکار''مواہب لدنیا'' شریف میں منقول ایک روایت سے کی ہے،جس کا ترجمہ نقل فرماتے ہوئے،تحریر فرماتے ہیں:

''مواہب لدنیہ میں قصہ حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آنے کا پورا پورا ذکر کیا گیا ہے مگر یہاں مختصر لکھا جاتا ہے کہ حضرت کعب بن زہیر جو بھاگے ہوئے تھے مسلمان ہو کر مدینہ طیبہ میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کعب بن زہیر تائب اور مسلمان ہو کر اس غرض سے آیا ہے کہ امن پائے اگر میں اس کو حاضر خدمت کروں تو کیا آپ اس کی عرض قبول فرمائیں گے؟ ارشاد ہوا ہاں،عرض کی کہ میں ہی کعب بن زہیر ہوں یا رسول اللہ۔ یہ سنتے ہی ایک شخص انصاری کھڑے ہو گئے اور عرض کیا یا رسول اللہ حکم دیجئے کہ میں اس دشمن خدا کی گردن ماروں۔حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں چھوڑ دو توبہ کر کے اشتیاق میں آیا ہے۔ چونکہ مہاجرین سے کسی نے سوائے خیر کے ان کے باب میں کچھ نہ کہا تھا۔انصاری کی اس حرکت سے وہ برہم ہوئے (اسی سبب قصیدہ میں انصار پر کئی قسم کی تعریض بھی کی ہے) پھر قصیدہ لامیہ پڑھا جس کا اوّل بانت سعاد ہے یعنی معشوقہ کی جدائی سے میرا دل بیمار ہے اور ذلیل غلام بنا ہوا اس کے ساتھ ساتھ جو فدیہ دے کر چھوٹ نہ سکا بلکہ پابہ زنجیر ہے کہ اس کے قید خیال سے نہیں نکل سکتا۔'' [8]

حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس پورے قصیدے میں عشق رسول کی جو وارفتگی اور سرشاری ہے وہ بے حدو بے کراں ہے۔حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ان کے جرم کو معاف

فرما دینا اور عشق رسول میں سرشاری کے سبب ان کے مذکورہ قصیدے کی سماعت کے دوران اپنی چادر رحمت عطا فرمانا کئی جہات سے متعدد فکری در وا کرتا ہے۔

چونکہ حضرت شیخ الاسلام علیہ الرحمہ نے اپنے مذکورہ مسدس میں فرمایا ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اکثر منظوم کلام کو سماعت فرما کر خوش ہوتے تھے اسی تناظر میں انہوں نے دیگر نعت گو شعرا کا بھی ذکر کیا ہے، چنانچہ نابغہ جعدی کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''نابغہ جعدی نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روبرو ایک طولانی قصیدہ پڑھا جس کے شعر قریب دوسو کے تھے۔ جب وہ ان شعروں پر پہنچے جن کا ترجمہ یہ ہے (نہیں ہے حلم میں کچھ خیر جب نہ ہو اس کے ساتھ حدت غضب، جو بچائے اس کے صافی مکدر ہونے سے، اور نہیں ہے علم میں کچھ خیر جب علم والا ایسا حلیم نہ ہو کہ کوئی امر پیش آئے تو اپنے مہلکوں سے روکے) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سن کر فرمایا کہ خدائے تعالیٰ تمہارے منھ کی مہر کو نہ توڑے یعنی تمہارے دانت نہ گریں اور منھ کی رونق نہ بگڑے۔

راوی کہتے ہیں کہ باوجودیکہ سو برس سے زیادہ ان کی عمر ہوئی مگر دانت ان کے سب اچھے تھے اور جب کوئی دانت ان کا گرتا تو اس کی جگہ دوسرا دانت نکل آتا۔ کُرز بن اسامہ کہتے ہیں کہ میں نے نابغہ کے دانت دیکھے اُولوں سے زیادہ سفید تھے، یہ اثر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعا کا تھا۔

اُصابہ میں لکھا ہے کہ نابغہ کی عمر میں اختلاف ہے، حاکم نضر بن شمیل سے اور وہ منتجع اعرابی کا قول نقل کرتے ہیں کہ میرے ملاقاتیوں میں سے سب سے بڑی عمر والے نابغہ جعدی تھے میں نے ان سے پوچھا تھا کہ ایام جاہلیت میں تمہاری عمر کتنی گذری تھی؟ کہا دودار، نضر بن شمیل کہتے ہیں کہ مراد اس سے دوسو برس ہیں، اور اصمعی کہتے ہیں نابغہ دوسوتیس برس زندہ رہے اور ابن قتیبہ کہتے ہیں کہ انتقال ان کا اصبہان میں ہوا اور اس وقت عمر ان کی دوسو برس تھی۔''[9]

اس کے بعد تیسرے مسدس کی شرح میں حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عمّ محترم حضرت سیدنا عباس رضی اللہ کے نعتیہ قصیدے کا ذکر فرمایا ہے۔ ان دونوں یعنی حضرت کعب بن زہیر اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نعتیہ قصائد کا ذکر فرمانے کے بعد نتیجہ اخذ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ''الحاصل ان تمام روایات سے ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اشعار سے خوش ہوتے تھے۔''[10]

اس مسدس کے آخر میں جسے خلاصۂ مسدس بھی کہا جا سکتا ہے کس قدر ان کے وجود پر عشق رسول

حاوی تھا آقا کریم علیہ السلام کی رفعت شان بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''پس اس سے معلوم ہوا کہ معنی وصفی متروک نہیں ہوتے بلکہ اکثر وضع بہ لحاظ معنی وصفی کے ہوا کرتی ہے۔ پس جب حق تعالیٰ نے حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام وضع فرمایا وقتِ وضعِ معنی وصفی مقصود تھے، یعنی (حمد کیا گیا) پھر جب تک نام مبارک عرش پر اور حق تعالیٰ کے پاس مسطور و مذکور ہے ازلاً وابداً حضرت کا ممدوح اور محمود ہونا مستمر ہے۔ فثبت المقصود۔''[۱۱]

چوتھے مسدس کا آغاز وہ بایں طور فرماتے ہیں:

ٹھہرا کفّارہ گناہوں کا جو ذکر اولیا ۔۔۔ اور از قسم عبادت ہے جو ذکرانبیاء
پھر ہو ذکر سرور عالم کا کیسا مرتبا ۔۔۔ جن کا ذکر پاک ہے گویا کہ ذکر کبریا
رفع ذکر پاک ثابت ہے کلام اللہ سے ۔۔۔ مطمئن ہوتے ہیں دل ذکر شہِ لولاک سے

اس مسدس میں حضرت شیخ الاسلام علیہ الرحمہ نے ایک حدیث پاک کے مفہوم کو نظم کیا ہے اور توضیح و تشریح میں اسی حدیث پاک کو نقل فرمانے کے بعد جو نتیجہ اخذ کیا ہے اس سے ان کے عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وارفتگی کا اندازہ ہوتا ہے، وہ فرماتے ہیں:

''روایت ہے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ فرمایا نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کہ ذکر نبیوں کا ایک قسم کی عبادت ہے اور ذکر صالحین کا (یعنی اولیاء اللہ کا) کفّارہ ہے گناہوں کا اور ذکر موت کا صدقہ ہے، اور یاد کرنا قبر کا نزدیک کرتا ہے تم کو جنت سے۔ الحاصل جب اولیاء اور سائر انبیاء علیہم السلام کا ذکر عبادت اور کفّارہ ہو تو سلطان الانبیا والا ولیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا ذکر کس درجہ کی عبادت اور کفّارہ گناہوں کا ہوگا، یقین ہے کہ اس ذکر پاک میں بحسب خصوصیت آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کچھ ایسی خصوصیت ہوگی کہ دوسرے میں ہرگز نہ ہو سکے۔''[۱۲]

اس کے بعد پانچویں مسدس کا آغاز فرماتے ہیں:

ذکر نام پاک سے نار جہنم سرد ہو ۔۔۔ اور سمی حضرت کا دوزخ میں نہ جائے گا کبھی
بوالبشر نے کی وصیت وقت آخر شیث کو ۔۔۔ کہ قرین ذکر حق ذکر محمد کیجیو
وحشت آدم گئی نام شہِ لولاک سے ۔۔۔ مردہ زندہ ہوگئے تاثیر نامِ پاک سے

یہ مسدس بھی حدیثوں کی ترجمانی پر مشتمل ہے۔ جن احادیثِ مبارکہ کے مفاہیم کو اس مسدس میں پرویا تھا توضیح وتشریح کے دوران ان کو نقل کر دیا ہے۔ مصرع اوّل:

''ذکر نام پاک سے نار جہنم سرد ہو''

کی شرح میں فرماتے ہیں:

''مواہب لدنیہ میں ہے۔ روایت ہے کہ ایک قوم حافظ قرآن دوزخ میں داخل ہوگی جس سے بھلا دے گا اللہ تعالیٰ ذکر محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا، پھر یاد دلائیں گے ان کو جبرئیل علیہ السلام، جب یاد کریں گے وہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تو آگ بجھ جائے گی اور ہٹ جائے گی۔''[۱۳]

دوسرے مصرعے:

''اور سمی حضرت کا دوزخ میں نہ جائے گا کبھی''

کی شرح بھی مواہب لدنیہ شریف کی ہی ایک روایت سے کرتے ہیں، فرماتے ہیں:

''روایت ہے (حضرت) انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کہ دو بندے روبرو اللہ تعالیٰ کے کھڑے کئے جائیں گے۔ حکم ہوگا لے جاؤ ان کو جنت کی طرف، وہ عرض کریں گے اے رب کس سبب سے ہم قابلِ جنت ہوئے حالانکہ کوئی عمل ہم نے ایسا نہیں کیا جس کا بدلا جنت ہو، ارشاد ہوگا جاؤ جنت میں، میں نے قسم کھائی ہے اپنی ذات کی کہ دوزخ میں داخل نہ ہو وہ شخص جس کا نام احمد یا محمد ہو، نیز فرمایا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ نے اپنے عزت و جلال کی قسم کھائی ہے کہ نہ عذاب کرے گا دوزخ میں اس شخص کو جو آپ کے نام کے ساتھ موسوم ہو۔''[۱۴]

دوسرے شعر کے پہلے مصرعے کی شرح بھی مواہب لدنیہ شریف میں مذکور روایت سے ہی کی ہے فرماتے ہیں:

''روایت ہے کہ آدم علیہ السلام نے اپنے فرزند (حضرت) شیث علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا کہ اے فرزند تم میرے بعد میرے خلیفہ ہو، پس خلافت کو عمارت تقویٰ اور دستگاہ محکم کے ساتھ لو اور جب یاد کرو تم اللہ تعالیٰ کو تو اس کے متصل نام محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر کرو کیونکہ میں نے

ان کا نام ساق عرش پر لکھا دیکھا ہے۔ جب میں روح وطین میں تھا پھر تمام آسمانوں میں پھر کر دیکھا کہ کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں نامِ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لکھا نہ ہو اور میرے رب نے مجھ کو جنت میں رکھا وہاں کوئی محل، کوئی بالا خانہ اور برآمدہ ایسا نہیں دیکھا جس پر محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام نہ لکھا ہو اور سینوں پر تمام حوروں کے اور جنت کے تمام درختوں، شجر طوبیٰ اور سدرۃ المنتہیٰ کے پتوں پر، پردوں کے اطراف اور فرشتوں کی آنکھ کے بیچ میں نام مبارک محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لکھا ہوا ہے اس لئے اکثر ان کا ذکر کیا کرو فرشتے قدیم سے ہر وقت ان کا ذکر کرتے ہیں۔

فائدہ: حضرت آدم علیہ السلام نے حضرت شیث علیہ السلام کو جو کثرتِ ذکر حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وصیت فرمائی اس کا منشا ایک تو یہ ہے کہ جب فرشتے ہمیشہ حضرت کا ذکر کیا کرتے ہیں تو ضرور ہے کہ وہ نہایت عمدہ عبادت ہوگی اور ایسی عبادت زیادہ کرنا بہتر ہوگا۔ دوسرا یہ کہ حق تعالیٰ کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ جیسی محبت ہے کسی کے ساتھ نہیں، ہر چند حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ ہیں مگر حبیب اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ محبت بھی کچھ اور ہی ہے، چنانچہ خود خلیل اللہ علیہ السلام معترف ہیں کہ میری خُلّت اس درجہ کی نہیں۔'' ۱۵۱

حضرت شیخ الاسلام علیہ الرحمہ عموماً مصرعہ یا شعر کی توضیح وتشریح حدیث مبارکہ کی روشنی میں کرتے ہیں، اس کے بعد استدلال کر کے جو نتیجہ اخذ کرتے ہیں وہ سراپا عشق رسول کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ مذکورہ مصرعے ہی کو دیکھیں کہ فرشتوں کا حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر کثرت سے کرنا اس بات کی بیّن دلیل ہے کہ وہ نہایت ہی عمدہ عبادت ہے اور دوسرے نکتے کے تحت فرماتے ہیں کہ ہر چند کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ ہیں مگر اُن کا یہ فرمانا کہ میری خُلّت اس درجے کی نہیں جو محبت اللہ جلّ شانہٗ کو حبیب اللہ علیہ السلام سے ہے۔

اس مسدس کے سبھی مصرعوں کی شرح حضرت شیخ الاسلام علیہ الرحمہ نے بالتفصیل احادیث مبارکہ کی روشنی میں کی ہے پوری تفصیل کو یہاں پر تحریر کیا جانا ممکن نہیں، ہاں مشتے نمونہ از خروارے تحریر کر دیا گیا ہے۔

چھٹے مسدس کی ابتدا حضرت شیخ الاسلام علیہ الرحمہ بایں طور فرماتے ہیں:

حضرت آدم نے اُس فرزند سے یہ بھی کہا میں تفرج کے لیے جب آسمانوں پر گیا
دیکھا ذکر احمدی میں ہر مَلَک مصروف تھا اور ہر اک پتے پہ جنّت کے ہے نام ان کا لکھا
سینے حوروں کے ملائک کی جبینیں تا بعرش ہر جگہ اس نام کا ہے عالمِ علوی میں نقش

اس مسدس کی شرح میں فرماتے ہیں:

’’تسدیس ثالث میں (حضرت) کعب احبار کی روایت مذکور ہوئی جس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نامِ پاک کے ساتھ حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نامِ مبارک کہاں کہاں لکھا ہوا ہے، آسمانوں پر ہر جگہ، جنت کے در و دیواروں پر، حوروں کے سینوں پر، سدرۃ المنتہیٰ، طوبیٰ اور اشجار جنت کے پتے پتے پر، پردوں کے اطراف اور فرشتوں کی آنکھوں کے بیچ میں اور یہ بھی مذکور ہوا کہ فرشتے ہر وقت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذکر میں مصروف ہیں اور سوائے اس کے اور روایت مرفوعہ بھی اس کی موئید۔ چنانچہ امام سیوطی نے خصائص کبریٰ میں ذکر کیا ہے۔

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کوئی درخت جنت میں ایسا نہیں جس کے پتوں پر **لا الٰہ الّا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ** نہ لکھا ہو۔‘‘[16]

اس کے بعد آقا کریم علیہ السلام کی رفعت شان کو تفصیلی طور پر بیان کرتے ہوئے آخر میں حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک واقعہ بیان کر کے عشق رسول میں تڑپ کر جو اپنی قلبی واردات بیان کرتے ہیں اسے پڑھ کر ایمان تازہ ہو جاتا ہے، فرماتے ہیں:

’’روایت ہے (حضرت) جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک بار (حضرت) عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے توراۃ کا نسخہ لا کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ توراۃ کا نسخہ ہے۔ حضرت خاموش ہو گئے۔ وہ لگے پڑھنے، ادھر چہرۂ مبارک متغیر ہونے لگا، (حضرت) ابوبکر نے یہ دیکھ کر کہا اے عمر تم تباہ ہو گئے، کیا چہرۂ مبارک کو نہیں دیکھتے۔ (حضرت) عمر یہ دیکھتے ہی کہنے لگے میں پناہ مانگتا ہوں خدا اور رسول کے غضب سے۔ ہم راضی ہیں اپنے پروردگار اور دین اسلام اور اپنے نبی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے، فرمایا حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے: قسم ہے اللہ کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر موسیٰ تم میں ظاہر ہوتے اور تم لوگ مجھے چھوڑ کر ان کی پیروی کرتے تو ضرور گمراہ ہو جاتے۔ اگر موسیٰ اس وقت زندہ ہوتے اور میری نبوت کے زمانہ کو پاتے تو میری اطاعت کرتے۔

اور روایت احمد و بیہقی میں وما وسعہ الّا اتّباعی ہے۔ یعنی سوائے میری اتباع کے ان سے کچھ نہ بن پڑتا۔

اب ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جب (حضرت) عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سے صحابی با اخلاص کی

صرف اتنی حرکت اس قدر ناگوار طبع غیور ہوئی تو کسی زید و عمرو کی اس تقریر سے جو خود خاتمیت میں شک ڈال دیتی ہے، کیسی اذیت پہنچی ہوگی۔ کیا یہ ایذا رسانی خالی جائے گی، ہرگز نہیں۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے

(انّ الّذین یوئذون اللّٰہ و رسولہٗ فی الدّ نیا والآخرۃ وَعد لھم عذباً مھیناً۔)

ترجمہ: جو لاگ ایذا دیتے ہیں اللہ کو اور اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو لعنت کرے گا ان کو اللہ دنیا اور آخرت میں اور مہیا کر رکھا ہے ان کے واسطے ذلّت کا عذاب۔'' ۱۷

کتاب کا اختتامیہ حضرت حضرت شیخ الاسلام علیہ الرحمہ نے ساتویں مسدس پر فرمایا ہے۔ اس مسدس پر پہنچ کر ان کا عشق رسول شباب پر پہنچ گیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

ہے درود پاک بھی ذکر شہِ عالی مقام ہر طرح سے جس کا خالق کو ہے منظور اہتمام
بھیجتا ہے خود درود اس فخرِ عالم پر مدام اور فرشتے دائماً مشغول ہیں جس میں تمام
کیسی طاعت ہوگی وہ جس میں ہو خود حق بھی شریک
ہے جو طاعت سے بری جس کا نہیں کوئی شریک

مذکورہ مسدس کی توضیح وتشریح حضرت شیخ الاسلام علیہ الرحمہ نے ر 235 صفحات کی ضخامت پر کی ہے جسے پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ جل مجدہٗ نے انہیں جس قدر بھی علم نافع عطا فرمایا تھا اس کا انہوں نے حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ کی عظمت ورفعت بیان کرنے میں صرف بھی کیا اور اپنے موقف کو روشن کرنے کی ہر ممکن کوشش کی تاکہ کسی طرح کی کوئی کجی نہ رہ جائے، خاص بات یہ کہ اغیار کے تمام طرح کے شکوک وشبہات کا معقول جواب دیتے ہوئے ان کے خام نظریات کا محاسبہ بھی نہایت ہی مدلل ومبرہن انداز میں کیا اور ایسی بالغ نظر بحث کی کہ جسے پڑھ کر ہر کسی کے عشق رسول کا سمندر ٹھاٹیں مارنے لگتا ہے۔ اس مختصر سے مقالے میں ان سب پر روشنی ڈالنا تو ممکن نہیں مگر ایک ایسا اقتباس نقل کیا جاتا ہے جو آپ کے قلب کو گرمانے اور روح کو تڑپانے کا کام ضرور کریگا، ملاحظہ ہو:

''فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کہ میں وہ چیزیں دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے اور وہ سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے۔ آسمان بوجھ کے سبب سے چرچراتا ہے اور یہ بات اس کو سزاوار ہے کیونکہ اس میں کوئی چار انگل کی ایسی جگہ نہیں ہے جس میں کوئی فرشتہ پیشانی رکھے ہوئے سجدے میں نہ ہو۔ انتہیٰ۔

اور حاکم نے مستدرک میں روایت کیا ہے **عن عبد اللّٰہ بن عمر انّ اللّٰہ تعالیٰ جزآ الخلق عشرۃ آجزاِ فجعل الملٰئکۃ تسعۃ آجزاً و سائر الخلق جزٔ۔** ترجمہ: روایت

ہے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہ حق تعالیٰ نے تمام مخلوقات کے دس حصے کیئے، نو حصے فرشتے بنائے اور ایک حصہ تمام مخلوقات۔ انتہیٰ۔

اور سوائے اس کے کئی حدیثیں اور ہیں جن سے یہ بات ثابت ہے کہ ملائک اس کثرت سے موجود ہیں اور ہمیشہ پیدا ہوتے جاتے ہیں کہ جس کا شمار نہیں اگر اس کی تفصیل پر مطلع ہونا ہو تو "**الحجائك فى اخبار الملائك**" جو خاص ملائک ہی کے احوال و میں امام سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھی ہے اس کو دیکھ لیجئے۔

حاصل یہ ہے کہ اس قدر مقربان بارگاہ الٰہی جن کی تعداد تمام عالم کے موجودات سے کئی حصہ بڑھ کر ہے ہمیشہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود پڑھنے میں مصروف ہیں اور خود حق تعالیٰ ہمیشہ کے لیے اس کام میں اپنی مشغولی بلا کیف ظاہر فرماتا ہے تو تھوڑے سے آدمیوں کا درود وہاں کس قطار و شمار میں ہوسکتا ہے مگر زہے شانِ رحمۃ للعالمین کہ باوجود اس کے امتیوں سے اس تحفۂ محقرہ کی درخواست فرماتے ہیں اور وہ بھی کس خوبی کے ساتھ کہ اگر تم ایک بار درود پڑھو گے تو خدائے تعالیٰ تم پر ستّر بار درود بھیجے گا اور تمام فرشتے تمہارے حق میں دعائیں کریں گے اور کل حاجتیں دینی و دنیاوی تمہاری روا ہوں گی۔ اگر انصاف ہو تو معلوم ہو کہ یہ صرف بندہ نوازی ہے۔ ورنہ چہ خاک را نسبت را بہ عالم پاک۔ وہاں یہ تحفۂ محقرہ کس قطار و شمار میں۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ خود شاہِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جن سے ہر طرح کی امیدیں ہیں ایک اس قسم کا ہدیہ ہم سے طلب فرمائیں اور اس کی کچھ پرواہ نہ کی جائے، پھر یہ بھی نہیں کہ اعتراف قصور ہو مخالفانہ ایسی دلیلیں قائم کی جائیں جس سے یہ بات ثابت ہو کہ اگر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رغبت کے موافق عمل کیا جائے تو اس میں قباحتیں لازم آئیں گی۔ **نعوذ باللّٰه من ذالك**۔

واقع میں اُدھر سے کسی قسم کی کوتاہی نہیں مگر اِدھر جب تنگی حوصلہ ہو اور قابلیت و استعداد نہ ہو تو اس کا کیا علاج؟ سچ ہے:

''طُعمۂ ہر مرغکے انجیر نیست''

الٰہ العالمین جیسا تو نے اپنے حبیب کو ہماری خیر خواہی کی طرف متوجہ فرمایا ایسا ہی ان کے طفیل ہمیں فہم سلیم بھی عطا کیجئے کہ ان کی نوازشوں اور خیر خواہیوں کو سمجھیں اور تیری اور ان کی قدر کریں۔'' ۱۸

الحاصل ''انوار احمدی'' حضرت شیخ الاسلام علیہ الرحمہ کی اس عظیم شہکار کا نام ہے جو عشق رسول کا منبع و مخزن ہے۔ یہ کتاب اس خاک دانِ گیتی پر بسنے والے بنی نوع انساں کے ذہن و فکر کو صبح قیامت تک

تابندگی عطا کرتی رہے گی نیز شاعر مشرق علامہ اقبالؔ کے لب و لہجے میں یہ روحانی پیغام بھی دیتی رہے گی:

قوت عشق سے ہر پست کو بالا کردے
دہر میں اسم محمد سے اُجالا کر دے

مراجع:

۱۔مجلّہ الانصار (شیخ الاسلام نمبر) ادارہ الانصار، حیدرآباد، صفحہ ۴۵
۲۔مجلّہ الانصار (شیخ الاسلام نمبر) ادارہ الانصار، حیدرآباد، صفحہ ۳۱
۳۔مطالعہ اقبال۔ گوہر نوشاہی، بزم اقبال لاہور، صفحہ ۱۶۶
۴۔مقالاتِ فاروقی۔ پروفیسر فاروق احمد صدیقی، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، صفحہ ۵۶
۵۔انوار احمدی۔ حضرت شیخ محمد انوار اللہ فاروقی، مجلس اشاعت العلوم، جامعہ نظامیہ، حیدرآباد، صفحہ ۱۱
۶۔انوار احمدی۔ حضرت شیخ محمد انوار اللہ فاروقی، مجلس اشاعت العلوم، جامعہ نظامیہ، حیدرآباد، صفحہ ۱۲
۷۔ انوار احمدی ۔حضرت شیخ محمد انوار اللہ فاروقی، مجلس اشاعت العلوم، جامعہ نظامیہ، حیدرآباد، صفحہ ۳۰۶، ۳۰۷
۸۔انوار احمدی۔ حضرت شیخ محمد انوار اللہ فاروقی، مجلس اشاعت العلوم، جامعہ نظامیہ، حیدرآباد، صفحہ ۱۵، ۱۶
۹۔انوار احمدی۔ حضرت شیخ محمد انوار اللہ فاروقی، مجلس اشاعت العلوم، جامعہ نظامیہ، حیدرآباد، صفحہ ۱۸
۱۰۔انوار احمدی۔ حضرت شیخ محمد انوار اللہ فاروقی، مجلس اشاعت العلوم، جامعہ نظامیہ، حیدرآباد، صفحہ ۲۰
۱۱۔انوار احمدی۔ حضرت شیخ محمد انوار اللہ فاروقی، مجلس اشاعت العلوم، جامعہ نظامیہ، حیدرآباد، صفحہ ۲۵
۱۲۔انوار احمدی۔ حضرت شیخ محمد انوار اللہ فاروقی، مجلس اشاعت العلوم، جامعہ نظامیہ، حیدرآباد، صفحہ ۲۷
۱۳۔انوار احمدی۔ حضرت شیخ محمد انوار اللہ فاروقی، مجلس اشاعت العلوم، جامعہ نظامیہ، حیدرآباد، صفحہ ۲۷
۱۴۔انوار احمدی۔ حضرت شیخ محمد انوار اللہ فاروقی، مجلس اشاعت العلوم، جامعہ نظامیہ، حیدرآباد، صفحہ ۳۱/۳۲
۱۵۔انوار احمدی۔ حضرت شیخ محمد انوار اللہ فاروقی، مجلس اشاعت العلوم، جامعہ نظامیہ، حیدرآباد، صفحہ ۳۳/۳۴
۱۶۔انوار احمدی۔ حضرت شیخ محمد انوار اللہ فاروقی، مجلس اشاعت العلوم، جامعہ نظامیہ، حیدرآباد، صفحہ ۴۴/۴۵
۱۷۔انوار احمدی۔ حضرت شیخ محمد انوار اللہ فاروقی، مجلس اشاعت العلوم، جامعہ نظامیہ، حیدرآباد، صفحہ ۵۶/۵۷
۱۸۔انوار احمدی۔ حضرت شیخ محمد انوار اللہ فاروقی، مجلس اشاعت العلوم، جامعہ نظامیہ، حیدرآباد، صفحہ ۱۰۲/۱۰۳

☆☆☆

سلیمان خان (موتی نگر، بنگلور)

بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں غیر مسلم نعت گو شعراء کا خراج عقیدت

رحمت عالم، سرور کونین، سید الاوّلین والآخرین، محبوب رب العالمین، رحمۃ للعالمین، احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہستی حقیقی معنوں میں تمام عالمین کے لئے رحمت ہے اور اسی حیثیت سے اللہ رب العالمین نے آپ کے ذکر مبارک کو بھی رفعت و بلندی عطا فرمائی ہے کہ فرمایا "**وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ**" (اور ہم نے آپ کا ذکر آپ کے لئے بلند کر دیا)۔(1)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مبارکہ اور اس دنیائے رنگ و بو میں آپ کی آمد صرف مسلمانوں کے لئے نہیں ہوئی تھی بلکہ آپ کو تمام عالم انسانی کے لئے مبعوث فرمایا گیا ہے، آپ کی شخصیت آفاقی و دائمی ہے اور اسی طرح آپ کی محبت بھی آفاقی ہے، کسی بھی ہستی کے ذکر کو رفعت عطا کرنے کے لئے اس کی محبت کو بھی اسی طرح کی رفعت عطا کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر خیر بھی مسلمانوں تک محدود نہیں ہے اور نہ ہی آپ کی محبت پر صرف مسلمانوں کی اجارہ داری کا دعویٰ کیا جاسکتا ہے، اگر چہ کہ محبت محبوب کبریا، مؤمن کے لئے ایمان کی شرط اوّلین ہے لیکن آپ کی عظمت و سربلندی کا یہ عالم ہے کہ آپ کی محبت کے دعویداروں میں صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ ہر قوم، مذہب اور برادری سے تعلق رکھنے والے افراد اس میں شامل ہیں، چنانچہ کنور مہندر سنگھ بیدی سحر (ولادت 1909ء وفات 1998ء) رقم طراز ہیں:

عشق ہو جائے کسی سے کوئی چارہ تو نہیں ۔۔۔ کچھ مسلماں کا محمد پہ اجارہ تو نہیں

اسی مضمون کو چندر اپر کاش جوہر بجنوری (ولادت 1923ء) نے اس طرح ادا کیا ہے:

نہیں ذکر محمد کے لئے تخصیص مذہب کی ۔۔۔ یہ کس نے کہہ دیا، یہ صرف مسلم کی زباں تک ہے

چودھری دلورام کوثری ہندو ہونے کے باوجود، اپنی زبان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

توصیف کو حق بجانب قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں:

کچھ عشق پیمبر میں نہیں شرط مسلماں ہے کوثری ہندو بھی طلبگار محمد

کرشن موہن نے اعتراف کیا ہے:

کر رہے ہیں ان کی عظمت کے سبب برہمن بھی احترام مصطفیٰ

بابو رگھونندن رام کشور شوقؔ رامپوری کا کہنا ہے:

منم اے شوقؔ بیگانہ ز اسلام مگر کفر از انکار محمد

(ترجمہ: میں بھی اے شوق اسلام سے بیگانہ ہوں، مگر اصل میں کفر تو محمد کا انکار کرنا ہے)

غیر مسلم شعراء نے بار بار اس بات کا اعلان کیا ہے کہ رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکت مسلمانوں کے لئے محدود نہیں ہے بلکہ آپ کی مدح سرائی وثنا خوانی عرب وعجم کی جغرفیائی حدود سے ماوراء ہے۔ چنانچہ ستیہ پال اخترؔ رضوانی کا کہنا ہے:

از خاک عرب تا بہ عجم مانتے ہیں ہاں صاحب الطاف وکرم مانتے ہیں

ہم دید نشیں بھی ہیں تیرے مداح رہبر جو تجھے اہل حرم مانتے ہیں

اسی طرح کنور سورج نارائن سنہا ادبؔ سیتاپوری کہتے ہیں:

محمد ایک فرقہ کے نہیں ہیں محمد سب کے ہیں اور بالیقیں ہیں

ادبؔ لائے نہ کیوں ایمان ان پر محمد رحمۃ للعالمین ہیں

رگھوپتی سہائے گورکھپوری بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو امت اسلام تک محدود کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں:

انوار بے شمار محدود نہیں رحمت کی شاہراہ مسدود نہیں

معلوم ہے کچھ تم کو محمد کا مقام وہ امت اسلام میں محدود نہیں

ایک اور ہندو شاعر جو میوزک ڈائرکٹر بھی ہوئے ہیں، رویندر جین کا ماننا ہے:

آپ تکمیل مساوات، امین و صادق آپ ہیں افضل الانسان رسول اکرم

آپ کے ماننے والوں میں ضروری تو نہیں صرف شامل ہوں مسلمان رسول اکرم

نغمۂ محمدی

یہی وجہ ہے کہ غیر مسلم شعراء وادباء کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں ثناء خوانی کا سلسلہ زمان ومکان سے پرے ہر دور اور ہر خطہ زمین پر جاری وساری رہا ہے اور شعر ونثر

میں آپ کی حیات طیبہ کے نقوش کو واضح کرنے کے لئے ہر زمانہ کے اصحاب قلم نے دین و مذہب سے بالاتر ہو کر اپنے قلم کو جنبش دی ہے۔ اٹھارہویں صدی عیسوی کے مشہور جرمن شاعر اور مفکر جوہان وولف گانگ وان گوئٹے (ولادت 1749 وفات 1832ء) کی نظم Song of Mohammed کافی مشہور رہی ہے، اس نظم میں فنی ولسانی خوبیوں کے ساتھ احساسات وافکار کی پاکیزگی اور صداقت بھی بالکل واضح ہے۔ جرمن زبان میں تحریر کردہ اس نظم کو پاکستانی شاعر شان الحق حقی (ولادت 1917ء وفات 2005ء) نے اردو کا قالب عطا کیا ہے اور اس نظم کے منظوم ترجمہ میں اپنی بہترین فنی صلاحیتوں کا ثبوت پیش کیا ہے۔ پوری نظم ہی قابل مطالعہ ہے اور ایک جوش و مستی دل و دماغ میں بھر دیتی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

وہ پاکیزہ چشمہ
جو اوج فلک سے چٹانوں پہ اترا
درخشاں ستاروں کی تھی جوت جس کے بدن میں
سحابوں سے اوپر، بلند آسماں میں پرافشاں ملائک
کی چشم نگہدار کے سائے سائے
چٹانوں کی آغوش میں عہد برنائی تک جوئے جولاں بنا
چٹانوں سے نیچے اترتے اترتے
وہ کتنے رنگارنگ انکھڑ حرف ریزے
دامان شفقت میں اپنے سمیٹے
بہت سے سسکتے ہوئے، رینگتے، سست، کم مایہ سوتوں کو
چونکاتا للکارتا ساتھ لیتا ہوا خوش خراماں چلا
بے نمو وادیاں جاگ اٹھیں، لہلہانے لگیں
جس طرف اس کا رخ پھر گیا
اس کے فیض قدم سے بہار آ گئی
اس کے آگے ابھی اور صحرا بھی تھے
خشک نہریں بھی تھیں، اترے دریا بھی تھے
سب اسی سیل جاں بخش کے منتظر

جوق در جوق پاس اس کے آنے لگے
شور آمد کا اس کی اٹھانے لگے۔

نظم کے اس حصہ میں جو مضمون بیان کیا گیا ہے اس مضمون کو بابو برج گوپی ناتھ بیکلؔ امرتسری نے اپنے عمدہ ترین اشعار میں اس طرح بیان کیا:

اک جہالت کی گھٹا تھی چارسو چھائی ہوئی　ہر طرف خلق خدا پھرتی تھی گھبرائی ہوئی
شاخ دیدار کی بھی بے طرح مرجھائی ہوئی　لہلہا اٹھی تری جب جلوہ آرائی ہوئی
تیرے دم سے ہوگئیں تاریکیاں سب منتشر　پا گئی راحت تیرے آنے سے چشم منتظر

گو نیئے اپنی نظم میں آگے جناب رسالت مآب میں یہ عرض داشت پیش کرتا ہے:

راہبر ساتھ ہم کو بھی لیتے چلو
کب سے تھیں بستیاں ہم کو جکڑے ہوئے　راہ روکے ہوئے پاؤں پکڑے ہوئے
یاد آتا ہے مسکن پرانا ہمیں　آسمانوں کی جانب ہے جانا ہمیں
گرد آلود ہیں پاک کردے ہمیں　آ ہم آغوش افلاک کردے ہمیں

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آفاقیت اور آپ کے پیغام کی ازلیت وابدیت کو واضح کرتے ہوئے کہتا ہے کہ:

وہ رواں ہے، دواں ہے، رواں اب بھی ہے
ساتھ ساتھ اس کے اک کارواں اب بھی ہے
شہر آتے رہے شہر جاتے رہے
اس کے دم سے سبھی فیض پاتے رہے
اس کے ہر موڑ پر ایک دنیا نئی
ہر قدم پر طلوع ایک فردا نئی
قصر ابھرا کئے خواب ہوتے گئے
شاہ اور شاہیاں خواب ہوتی گئیں
ہے وہ رحمت کا دھارا مسلسل رواں
از فلک تا زمیں
از ازل تا ابد جاوداں، بے کراں

دست ودر گلشن وگل سے بے واسطہ
فیض یاب اس سے کل
اور خود کل سے بے واسطہ(2)

جہاں تک ہندوستان اور اردو زبان کا معاملہ ہے، ہر دور میں اس ملک میں اور اردو کی پیدائش کے بعد سے اس زبان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ثناء خوانوں کا ایک لامتناہی سلسلہ چلا آتا رہا ہے اور یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے ثناء خوانوں میں نہ صرف مسلمان شعراء وادباء رہے ہیں بلکہ غیر مسلم شعراء ادباء کا بھی اس خزانہ میں ایک بڑا حصہ شامل رہا ہے۔ پنڈت بال مکند عرش ملسیانی نے اپنی نعتوں کا ایک مجموعہ شائع کیا تھا جس کو انہوں نے ''آہنگ حجاز'' کا عنوان دیا اور اس پر حضرت مولانا عبدالماجد دریابادی، نے پیش لفظ تحریر فرمایا اور اس بات کا اعتراف کیا کہ ''مسلموں اور غیر مسلموں کو ملا کر جو مختصر فہرست نعت گو شعراء کی تیار کی جائے گی، یقین ہے کہ ذوق سلیم اس میں بھی ایک جگہ ان کیلئے (عرش ملسیانی کے لئے) مخصوص رکھے گا'' اس سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ اگر ایک مختصر سی فہرست بھی نعت گو شعراء کی تیار کی جائے تو اس میں مسلمانوں کے ساتھ غیر مسلم شعراء کا ذکر بھی ناگزیر ہوگا، مولانا عبدالماجد دریابادی کی تحریر کو نقل کرنے کے بعد جناب شمیم طارق رقمطراز ہیں کہ غیر مسلم شعراء کے لئے یہ اعزاز اور ان کی نعتیہ کاوشوں کے لئے یہ احترام کیا کم ہے کہ ایک مستند ادیب وزباں داں، عالم باعمل اور مفسر قرآن کے ذہن میں ''منتخب نعت گو شعراء کی مختصر فہرست'' کا جو تصور ابھرا، وہ صرف مسلم شعراء پر مشتمل نہ تھا، اس میں غیر مسلم نعت گو شعراء بھی شامل تھے۔(3)

نعت گوئی اصناف سخن میں سے ایک اہم ترین اور مقدس صنف ہے، عام طور پر لوگ کہتے ہیں کہ نعت گوئی کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ محبت وانتہائی عقیدت ضروری ہے اور یہ یقینی بات ہے مگر اس کے ساتھ بقول ڈاکٹر ظہیر الدین راہی فدائی ''نعت گوئی کے لئے شرط یہ ہے کہ شاعر کو فن شاعری پر دسترس حاصل ہو اور وہ اپنے ممدوح کے اوصاف وکمالات کا بخوبی علم وادراک رکھتا ہو، پھر اس علم کو جذبہ میں اور جذبہ کو شعر میں تبدیل کرنے کا میلان طبع اپنے اندر پاتا ہو، تو اس کی کہی ہوئی نعتوں میں دلکشی اور اثر انگیزی پیدا ہوگی، مزید برآں وہ لفظوں کی معنویت کو ملحوظ رکھتے ہوئے صنائع و بدائع کا استعمال اپنے اشعار میں مناسب طور پر کرے تو اثر آفرینی میں غیر معمولی اضافہ ہوگا اور یہ تأثر تادیر قائم بھی رہے گا۔''(4)

اس ضابطہ کی رو سے اگر دیکھا جائے تو غیر مسلم نعت گو شعراء نے نعت گوئی کا واقعتاً حق ادا کیا

ہے۔ مسدس، مثنوی، قطعہ، رباعی اور نظم غرض یہ کہ تمام اصناف سخن میں غیر مسلم نعت گو شعراء نے سخن آزمائی کی ہے اور بہت خوب کی ہے اور اس بات کی کوشش کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ کے مختلف واقعات، عظمت و مرتبہ، کردار و عمل اور زندگی کے مختلف پہلوؤں کو اور اوصاف حمیدہ کے مختلف گوشوں کو محبت افروز جذبات کے ساتھ لباس شعر میں ڈھالنے کی جستجو کی جائے۔ کہیں کہیں دعائیہ انداز بھی اختیار کیا گیا ہے تو کہیں ان غیر مسلم شعراء نے اپنے نعتیہ کلام کے ذریعہ خود متبعین رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب غفلت سے جگانے کی کوشش کی ہے، ان کے یہاں بھی نعتیہ شاعری کے وہ تمام محاسن پورے طور پر موجود ہوتے ہیں اور بعض مرتبہ والہانہ خود سپردگی کا انداز بھی دیکھنے کو مل جاتا ہے، بلکہ اکثر ان غیر مسلم نعت گو شعراء کے کلام کو پڑھتے ہوئے اگر اس کے ساتھ ان کے ناموں کی صراحت نہیں ہوتی ہے تو یہ گمان بھی نہیں گزرتا کہ یہ کسی غیر مسلم شاعر کا کلام ہے اور اگر معلوم ہو جائے تو یقین کرنا بھی مشکل ہوتا ہے کہ یہ واقعی کسی غیر مسلم کی طہارت فکر اور جوش عقیدت کا نتیجہ ہے۔ بقول جناب شمیم طارق: ''بعض کے کلام میں کوثر و تسنیم میں ڈھلی زبان کی ساری خوبیوں کے فنی شعری محاسن کے ساتھ محسوسات کی شدت، تاریخ کی ورق گردانی، اسلامی معتقدات کی فکری لہروں کی بھرپور روانی اور سیرت رسول اکرم کے بیشتر گوشوں سے کماحقہٗ واقفیت کی جھلک ملتی ہے۔(5)

چنانچہ پنڈت بال مکند عرشؔ ملسیانی (ولادت 1908ء وفات 1979ء) نے کیا خوب کہا ہے:

حاصل جلوۂ ازل، پیکر نور ذات تو شان پیمبری سے ہے سرور کائنات تو

عرشؔ ملسیانی کے والد اور استاذ پنڈت لبھو رام جوشؔ ملسیانی (وفات 1972ء) خود بھی ایک اچھے شاعر تھے اور انہوں نے نعت گوئی میں بھی طبع آزمائی کی ہے اور ان کے دوسرے کئی تلامذہ نے بھی عمدہ نعتیں کہی ہیں، چنانچہ ان کے ایک اور شاگرد کالی داس گپتا رضاؔ (ولادت 1925ء وفات 2001ء) کے یہ اشعار ملاحظہ فرمائیں:

جام و مینا سے نہیں ہم کو سروکار مگر آپ کے نام سے آجائے تو مستی اچھی
واسطے آپ کے جھیلوں تو ستم بھی اچھا عشق میں آپ کے آئے تو بلا بھی اچھی
سامنے سیرت نبوی کے کوئی کیا ٹھہرے نیک مقبول خوش اسلوب انوکھی اچھی

جوشؔ ملسیانی کے ایک دوسرے شاگرد امیر چند قیسؔی جالندھری کا یہ اعتراف بھی خوب ہے:

حیات سادہ کے اسباق دے کے عالم کو تکلّفات کے پردے اٹھا دیئے تو نے

کنور مہندر سنگھ بیدی سحرؔ نے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک کا مطالعہ کیا تو ان کا جذبہ

احترام چاہت و محبت میں بدل گیا، چنانچہ ارشاد فرمایا:

تکمیل معرفت ہے محبت رسول کی ہے بندگی خدا کی اطاعت رسول کی
انسانیت محبت باہم، تمیز عقل جو چیز بھی ہے سب ہے عنایت رسول کی

غیر مسلم نعت گو شعراء نے کسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ثناء خوانی کو اپنے لئے سعادت اور ذریعہ سربلندی و کامیابی قرار دیا ہے، بقول ڈاکٹر راہی فدائی ''حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے بلند ترین اخلاق اور اعلیٰ وارفع اقدار سے متاثر ہوکر کرشن بہاں نوؔر نے خود کو آپ کے قدموں میں ڈال دیا اور اس عمل کو اپنی معراج قرار دیا، اس طرح انہوں نے اپنے تخلص نوؔر کا گویا حق ادا کیا، ان کا قطعہ:

دیر سے نوؔر چلا اور حرم تک پہنچا سلسلہ میرے گناہوں کا کرم تک پہنچا
تیری معراج محمد تو خدا ہی جانے میری معراج کہ میں تیرے قدم تک پہنچا

غیر مسلم نعت گو شعراء اس حقیقت سے ضرور واقف ہیں کہ وہ اسلام کے عقیدہ توحید پر نہیں ہیں اور وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ آپ کی بھرپور تعریف و توصیف کرنے کے باوجود اصل دین اور توحید الٰہی کے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں کہلاتا اور اسے دیار رسول کی زیارت کا شرف حاصل نہیں ہوتا، اس کے باوجود ہم غیر مسلم شعراء کے کلام میں نہ صرف مدینۃ الرسول کی تعریف و توصیف دیکھتے ہیں بلکہ اس کی زیارت کے شوق کا اظہار بھی پوری شدت کے ساتھ ان شعراء کے کلام میں مل جاتا ہے۔ زیارت مدینہ منورہ کی آرزو میں بابو روشن لعل نعیمؔ ڈیرہ غازی خاں نے اپنے جذبات و تصورات کو اشعار کے قالب میں ڈھال کر اس طرح پیش کیا ہے:

للہ بلا لیجئے سرکار مدینہ مرجائے نہ یہ ہند میں بیمار مدینہ
حسرت ہے کہ دم نکلے در شاہ عرب پر مدفن ہو تہہ سایۂ دیوار مدینہ
اے شیخ تجھی کو رہ فردوس مبارک کافی ہے مجھے گوشۂ گلزار مدینہ
مرجائے نعیمؔ الفت سرور میں الٰہی تعویذ لحد ہو در دربار مدینہ

کتنے ہی ہندو نعت گو شعراء نے در مصطفیٰ کی زیارت اور اس خاک مقدس کا پیوند بننے کی تمناؤں کا اظہار اپنے اشعار میں کیا ہے، مثال کے طور پر چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

جی چاہتا ہے کوچۂ انوار میں چلوں اپنے رسول پاک کی سرکار میں چلوں
(پنڈت ہری کشور شرما نظؔر)

جب کبھی جاتے ہیں مل کر سوئے طیبہ خوش نصیب
کارواں کے ساتھ گرد کارواں ہوتا ہوں میں

(کنور مہندر سنگھ بیدی سحؔر)

دل محو ہے ہمارا مدینے کی سیر میں گھر بیٹھے ہو رہی ہے زیارت رسول کی

(رامیشور ناتھ عیشؔ، الہ آبادی)

کئی غیر مسلم شعراء کو اس حسرت کا احساس بہت شدید بھی ہوتا تھا کہ وہ دنیا میں دیار رسول پاک کی زیارت سے محروم ہیں، اسی حسرت و یاس کا اظہار اس طرح کیا جاتا ہے:

میں اگر خاک نشین در احمد ہوں گا رفعت عرش کی ہمسر میری پستی ہوگی
جیتے جی روضۂ اقدس کو نہ آنکھوں دیکھا روح جنت میں بھی ہوگی تو ترستی ہوگی

(منشی شنکر لال ساقی)

ساقی نے اپنے ان جذبات کا اظہار فارسی اشعار میں بھی کیا ہے چنانچہ کہتے ہیں:

ساقؔی اگرچہ جامۂ ہند است برتنم خاکم مگر نے یثرب و کوئے محمد است

(ترجمہ: ساقؔی اگرچہ کہ ہندوستانی لباس میں ملبوس ہیں، مگر میری مٹی تو یثرب اور کوئے محمد کی ہے)

ٹھاکر دامودر ذکی محبوب نگری (تلنگانہ) نے محرومی کے احساس کے ساتھ ہی اپنی شدید خواہش کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے:

اتنی سکت کہاں ہے میں آسکوں وہاں تک تو خواب میں تو آجا اک بار اے مدینہ

عشق محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا تقاضہ اور ہندو نعت گو شعرا:

لیکن اس تمام شدت جذبات، اظہار وارفتگی، سوز و گداز، رقت اور خود سپردگی کا انداز، پر مغز و پر اثر اور پر خلوص و دلآویز، انتہائی خوبصورت تخیلات اور نادر انداز بیان کے باوجود جو غیر مسلم نعت گو شعراء کے کلام میں ہمیں دیکھنے کو ملتا ہے، اس کو ان کی طبع شاعرانہ کی فطری جولانگاہ تو کہا جا سکتا ہے مگر جناب شمیم طارق کی اس بات کو تسلیم نہیں کیا جا سکتا کہ یہ وہ ہندو اور سکھ شعراء ہیں جنہوں نے نہ صرف یہ کہ نبی برحق، رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے انتہائی خلوص و محبت کا والہانہ اظہار کیا بلکہ محسن انسانیت کے دامن رحمت سے مکمل وابستگی کو ہی انسانی زندگی کی معراج مانی اور اسی میں پناہ ڈھونڈی ہے۔" (6) یا یہ کہ "ہندو، سکھ نعت گو شعراء میں خاصا بڑا گروہ ایسا ہے جو آپ کو نبی برحق ہی نہیں آخری نبی بھی تسلیم کرتا ہے اور دیدہ و دل قربان کرتا ہے۔" (7) اگرچہ کہ "ان کے نعتیہ اشعار میں آپ صلی

اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ اور اوصاف حمیدہ کو بھی بالکل مسلمانوں کی طرح انتہائی بلیغ انداز میں پیش کیا ہے اور عظمت نام محمد کے انکار کو باقاعدہ کفر کہا گیا ہے۔"(8)

اس لئے کہ اگر واقعی وہ شعراء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حقیقی عشق میں گرفتار ہوتے تو اس کا لازمی نتیجہ تھا کہ وہ لوگ آپ کی ختم رسالت و نبوت کو تسلیم کرتے ہوئے آپ کے لائے ہوئے دین حقیقی کو بھی تسلیم کر لیتے اور اسلام کے دامن امن میں پناہ حاصل کرتے۔ چنانچہ ڈاکٹر ظہیر احمد راہی فدائی تحریر فرماتے ہیں کہ "ہم کسی شاعر کا نعتیہ کلام پڑھتے یا سنتے ہیں اور وہ دل کو چھو جاتا ہے تو فوراً کہہ اٹھتے ہیں شاعر نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق میں ڈوب کر شعر کہا ہے............، اس میں کوئی شک نہیں کہ نعت پاک کی طرف شاعر کا میلان اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس ذات و اعلیٰ صفات سے کسی نہ کسی حد تک لگاؤ اور تعلق ہے جس کے زیر اثر وہ نعت کہنے پر آمادہ ہوا ہے۔ اس لگاؤ اور ربط و تعلق کی تعبیر "عشق رسول" جیسے پر معنی و پر وقار لفظ سے کرنے کے بجائے چاہت اور احترام کے الفاظ سے کریں تو مناسب ہوگا، اس کی وجہ یہ ہے کہ محبت کے کئی درجے ہوتے ہیں، اس کا اعلیٰ درجہ عشق ہے اور ادنیٰ درجہ احترام۔ اسی احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے بہت سارے شعرائے کرام نے نعتیں کہی ہیں، جن میں غیر مسلم شعرا کی تعداد بھی معتد بہ ہے، ان غیر مسلم حضرات شعراء کے یہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں رطب اللسان ہونے کا جذبہ اسی احترام کے راستے سے در آیا ہے جسے احترام انسانیت کا نام بھی دیا جا سکتا ہے، کیونکہ آپ تمام اقوام عالم کے اہل علم و فضل اور اصحاب دانش و بینش کے نزدیک "انسان کامل" ہیں۔"(9)

یہ بات سمجھنے کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق و محبت ایمان کی سلامتی کے لئے لازمی و شرط اوّلین ہے نہ کہ نعت گوئی کے لئے، جیسا کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث مبارکہ میں ارشاد فرمایا ہے: **"لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیه من والده و ولده والناس اجمعین۔"** (متفق علیہ) یعنی تم میں سے کوئی بھی شخص اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اس کی ذات، اس کے ماں باپ، اس کی اولاد اور تمام انسانوں سے زیادہ اس کا محبوب نہ رہوں۔ اسی لئے ڈاکٹر راہی فدائی رقمطراز ہیں کہ غیر مسلم شعرا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی منور و مسعود شخصیت سے متاثر ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چاہت و احترام میں نعت گوئی پر از خود آمادہ ہو جاتے ہیں اور آپ کی ثنا خوانی و مدح سرائی میں رطب اللسان ہونے کو اپنی سعادت سمجھتے ہیں۔ اس جذبہ و احساس کو عشق و محبت کا نام دینا اور اس

شاعری کو عشقیہ شاعری کہنا جیسا کہ ہمارے عام نقادوں کا خیال ہے، غیر حقیقی رویہ بھی ہے اور بعید از قیاس رجحان بھی، اگر واقعتاً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے ان غیر مسلم شعراء کا عشق سچا اور پکا ہوتو ضرور انہیں حلقہ بگوش اسلام ہونے کی توفیق ملی ہوتی۔''(10)

چودھری دلورام کوثری:

اس سلسلہ کی ایک عمدہ ترین مثال چودھری دلورام کوثری (ولادت 1882ء وفات 1933ء) کی ہے جو حسار (اس وقت یہ ہریانہ میں ہے مگر برطانوی ہند میں یہ صوبہ پنجاب کا حصہ ہوا کرتا تھا) کے مذہبی ہندو گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ اس دور میں جب انگریز ہندو مسلمان کے درمیان مذہبی تعصب کے زہریلے بیج بو رہے تھے، کوثری ہندوستان کی گنگا جمنی تہذیب کی ایک جیتی جاگتی مثال تھے۔ انہوں نے عشق و مستی میں ڈوب کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں بے شمار نعتیں رقم کی ہیں اور ہزاروں اشعار پڑھے ہیں۔ دلورام کا شمار اردو کے ممتاز نعت گو شعراء میں ہوتا ہے اور انہیں پیر جماعت علی شاہ صاحب علی پوری نے ''حسان الہند'' کے خطاب سے سرفراز فرمایا تھا۔ کوثری نے دولت ایمانی سے محرومی کے زمانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں نعتوں کا نذرانہ پیش کیا، آل اطہار اور اصحاب کبار رضوان اللہ تعالیٰ علیہ اجمعین کی منقبتیں تحریر کیں، اسلامی روایات پر عمدہ ترین نظمیں قلمبند کیں اور زندگی بھر آپ کا یہی مشغلہ رہا، حیدرآباد، بھوپال، رام پور وغیرہ درباروں میں انہیں نعت خوانی کی دعوت دی جاتی تھی اور ان کی عزت افزائی کی جاتی تھی۔ ان کی اردو شاعری اس (بیسویں صدی کے ابتدائی) دور کے اردو اخبارات و رسائل میں پابندی کے ساتھ شائع ہوتی تھی۔ جولائی 1924ء میں ''ہندو کی نعت'' کے عنوان سے ان کی نعتوں اور اسلامی موضوعات پر مبنی دوسری نظموں کا مجموعہ شائع ہوا جس پر خواجہ حسن نظامی نے مقدمہ تحریر فرمایا تھا اور اس میں اس مجموعہ کی اشاعت کا مقصد یہ تحریر فرمایا ہے کہ عام ہندو کی اسلام موافق فطرت کو اجاگر کرنا ہے اگر چہ کہ کچھ انتہاء پسند تشدد کا شکار ہیں۔ یہ بھی فرماتے ہیں کہ مسلمان قوم چودھری دلورام صاحب کوثری کے مخلصانہ کلام کی جس قدر عزت کرے کم ہے اور میں مسلم قوم کی دلی شکر گزاری ظاہر کرنے کے لئے چودھری صاحب کا یہ کلام شائع کرتا ہوں۔''(11)

اس مجموعہ میں کل چالیس نعتیں ہیں، البتہ یہاں ان میں سے چند منتخب اشعار پیش کرنا مناسب ہوگا تاکہ ہم اس عشق و محبت اور وارفتگی کو سمجھ سکیں جو دلورام کوثری کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تھی:

کرائے ہندو بیان اس طرز سے تو وصف احمد کا مسلمان مان جائے سب لوہا شیخ مہند کا

لکھوں کیا کوثری میں کونسا قصہ ہے اب باقی محمد جب خدا کا ہے خدا ہے محمد کا

غرض سب سے اوّل خدا نے بالآخر محمد کو یاران جانی میں رکھا

اللہ رے! کیا رونق بازار محمد کہ معبود جہاں بھی ہے خریدار محمد

ہے پائے محمد سر دلورام یہ نسبت میرے اوج پر دال ہے

پہلے شعر میں دلورام نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ وہ ایک ہندو ہیں مگر وہ یہ دعویٰ بھی کرتے ہیں کہ ان کی طرف سے جو وصف محمد کا بیان ہوگا تو مسلمان بھی ان کا لوہا ماننے پر مجبور ہو جائیں گے اور یہ یقیناً ایک حقیقت ہے۔ ایک دلچسپ بات یہ بھی ہے کہ دلورام اپنے نام کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کی نسبت تلاش کرنے کی مختلف کوششیں کرتے ہیں چنانچہ رقمطراز ہیں:

محمد اور دلورام میں نقطہ نہیں کوئی کہ ہے مداح اور ممدوح میں یہ رابطہ کس حد کا

اسی طرح کہتے ہیں:

جدا کیا لام دلو ہے میم محمد سے تعلق سو طرح کا ہے مشدد سے مشدد کا

دلورام نے یہاں لال اور میم دونوں پر تشدید کو دلو اور محمد میں ربط کو ظاہر کرنے کے لئے استعمال کیا ہے، اسی طرح ایک اور نظم میں انہوں نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ محمد نام کی انتہاء حرف دال سے ہوتی ہے اور دلورام کے نام کی ابتداء اسی حرف سے ہوتی ہے۔ دلچسپ بات یہ بھی ہے کہ چودھری دلورام کوثری کو اس بات کا صد فیصد کی یقین تھا اور اس کا اظہار وہ بار بار اور مختلف انداز میں کرتے ہیں کہ محشر کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ثنا خوانی کے صدقہ میں وہ بخش دیئے جائیں گے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وہ بھی جنت میں جائیں گے، چنانچہ فرماتے ہیں:

رحمت اللعالمین کے حشر میں معنی کھلے خلق ساری شافع روز جزا کے ساتھ ہے

کوثری تنہا نہیں ہے مصطفیٰ کے ساتھ ہے جو نبی کے ساتھ ہے وہ کبریا کے ساتھ ہے

لے کے دلورام کو حضرت گئے جنت میں جب غل ہوا ہندو بھی محبوب خدا کے ساتھ ہے

ایک اور جگہ اس طرح اپنی امید کا اظہار کرتے ہیں:

محشر میں نبی مجھ کو بچالیں گے یہ کہہ کر چھیرو نہ اسے یہ تو ہے دیوانہ ہمارا

ایک بڑی ہی خوبصورت اور تاثراتی نظم میں دلورام کا ایقان بھی جھلکتا ہے اور عرفان بھی:

محشر میں دی فرشتوں نے داور کو یہ خبر ہندو ہے ایک احمد مرسل کا مدح گر

ہے بت پرست گرچہ وہ لیکن ہے نعت گو احمد کی نعت لکھتا ہے دنیا میں بیشتر
ہے نام دلورام تخلص ہے کوثریؔ لے جائیں اس کو خلد میں یا جانب سقر
سنتے ہی یہ ملائکہ سے اک انوکھی بات فرمایا ذوالجلال نے جنت ہے اس کا گھر
اللہ اکبر احمد مرسل کا یہ لحاظ کی حق نے لطف کی سگ دنیا پہ بھی نظر(12)

دلورام کوثریؔ کو یہ اعتماد بھی ہے کہ دوزخ میں اگر وہ چلے بھی جائیں تو اس کی آگ انہیں جلا نہیں سکے گی، اس لئے کہ وہ مداح رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، جس کا اظہار انہوں نے اس طرح کیا ہے:

ہندو سمجھ کے مجھ کو جہنم نے دی صدا میں پاس جب گیا تو نہ مجھ کو جلا سکا
بولا کہ تجھ پہ کیوں میری آتش ہوئی حرام کیا وجہ تجھ پہ شعلہ جو قابو نہ پا سکا
کیا نام ہے تو کون ہے مذہب ہے تیرا کیا حیران ہوں میں عذاب جو تجھ تک نہ جا سکا
میں نے کہا کہ جائے تعجب نہیں ذرا واقف نہیں تو میرے دل حق شناس کا
ہندو سہی مگر ہوں ثنا خوان مصطفیٰ اس واسطے نہ شعلہ تیرا مجھ تک آ سکا
ہے نام دلورام تخلص ہے کوثریؔ اب کیا کیوں بتا دیا جو کچھ بتا سکا(13)

کہا جاتا ہے کہ ''دلورام نے زبان و بیان میں ہنر مندیاں دکھانے کے ساتھ ایک غیر منقوط نعتیہ دیوان بھی موزوں کیا، یعنی ایسا مکمل دیوان ترتیب دیا جس میں شامل کسی بھی نعت کے کسی بھی لفظ میں کوئی بھی نقطہ والا حرف نہیں تھا۔ غیر منقوط نعت کہنے اور دیوان مرتب کرنے میں دشواریاں بھی آئیں لیکن وہ عقیدت ہی کیا جو دقتوں اور دشواریوں سے مغلوب ہو جائے!! سب سے بڑی مشکل تو یہی تھی کہ شاعر کے تخلص کوثریؔ میں حرف منقوط بھی تھا، انہوں نے اس مشکل کا حل یہ ڈھونڈا کہ ایسا تخلص ہی تج دیا اور ذاتی نام دلورام جس کا ہر حرف غیر منقوط ہے تخلص کے بطور مقطع میں نظم کیا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ چودھری دلورام کی طرف سے نعت کہنے کے نتیجہ میں ان کے ہندو دوست و رشتہ داران سے ناراض ہو گئے تھے اور وہ ان سے کہتے کہ تم نے ہمیں رسوا کر دیا ہے، ایک ہندو ہو کر مسلمانوں کے پیغمبر کی شان میں نعتیں کہتے ہو تو وہ کہتے کہ مجھے چھوڑ دو میں مجبور ہوں، اور جب اس مجبوری کے بارے میں سوال کیا جاتا تو کہتے میں عشق کی وجہ سے مجبور ہوں کہ مجھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق ہو گیا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ کبھی کبھی دہلی کے بازار میں سر بازار کھڑے ہو جاتے اور اپنی گردن اور پیروں میں زنجیریں باندھ لیتے اور وہاں سے گزرنے والوں کو چیخ چیخ کر کہتے ''محمد! محمد! محمد! جی ہاں محمد اللہ کے محبوب ہیں! محمد اللہ کے پہلے اور واحد محبوب ہیں! اگر اللہ تم سے محبت کرتا ہے تو وہ

اپنے محبوب کی وجہ سے کرتا ہے! کچھ لوگ ان کی اس حالت کو دیکھ کر ان پر پتھر برساتے اور وہ اکثر خون میں لتھڑے ہوئے گھر لوٹتے تھے مگر عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سرشار ہوتے۔ وقت کے گزرنے کے ساتھ ہی ایک نعت گو شاعر کی حیثیت سے ان کی شہرت پورے ہندوستان میں پھیلتی چلی گئی اور جب وہ اپنی طبعی زندگی پوری کر چکے تو آخری ایام میں سخت علیل ہوئے اور اس کی خبر ملک کے معروف اخبارات ورسائل میں شائع ہوئی جن میں رسالہ ''مولوی'' بھی شامل ہے جس میں پہلے ان کا کلام بھی شائع ہوا کرتا تھا۔ چودھری دلورام کوثریؔ کے انتقال کی خبر بھی اس رسالہ میں شائع ہوئی تھی اور اس کے ساتھ ایک دلچسپ وحیرت انگیز واقعہ کا بھی ذکر تھا، اس میں کہا گیا ہے کہ ''جب وہ اپنے بستر مرگ پر تھے، سخت علیل اور کمزور ہو گئے تھے، ان کے چاروں طرف ان کے اہل خانہ، دوست احباب اور معتقدین اور ان کی شاعری کے مدح جمع تھے، جن میں کئی شاعر بھی تھے۔ ضعف اتنا تھا کہ اپنے بستر پر سے اٹھ بھی نہیں سکتے تھے۔ حیرت انگیز طور پر وہ دروازہ کی طرف ٹکٹکی باندھے دیکھ رہے تھے اور تھوڑی دیر کے بعد ان کا چہرا کھل اٹھا اور وہ اٹھ کر اپنے پیروں پر کھڑے ہو گئے اور دونوں ہاتھ باندھ کر جو وہاں موجود تھے سب سے کہا کہ وہ بھی کھڑے ہو جائیں، حیران ہو کر لوگوں نے ان سے پوچھا کہ کیا ماجرا ہے؟ تو دلورام روتے ہوئے کہنے لگے کہ میں نے زندگی بھر جن کی مدح خوانی کی تھی وہ تشریف لائے ہیں، فاطمہ کے والد محترم، یہاں ہیں اور میری عیادت کے لئے تشریف لائے ہیں، حالانکہ میں نے ان کا دین بھی قبول نہیں کیا ہے، میرے محبوب کتنے شفیق ہیں! اسی حال میں روتے ہوئے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرنے لگے، اور پھر بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ ''دلورام تمہارا وقت بالکل تمہارے سر پر ہے اور ملک الموت تقریباً یہاں آنے والے ہیں، میں نہیں چاہتا کہ جس نے زندگی بھر میری ثناخوانی کی تھی وہ جہنم میں چلا جائے، میں چاہتا ہوں کہ تمہیں اپنے ساتھ جنت میں لے کر جاؤں، دلورام نے روتے ہوئے اسی وقت کلمہ شہادت پڑھ کر اللہ کی وحدانیت اور محمد کی رسالت وختم نبوت کی شہادت دی اور پھر روتے ہوئے کہا کہ میرے آقا! آپ نے مجھے کلمہ کی تلقین فرمائی ہے اب مجھے اپنی مرضی کا کوئی اسلامی نام بھی عنایت فرما دیں تو آپ نے انہیں کوثر علی کوثرؔ کا نام عطا فرمایا۔ اس تمام واقعہ کو اپنے ساتھیوں کے گوش گزار کرنے کے بعد دلورام کا انتقال ہو گیا۔ کہا جاتا ہے کہ برصغیر کے سنی علماء کے درمیان ان کا نام ایک ایسے عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلمکی حیثیت سے معروف ہے جنہیں عالم بیداری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی تھی اور یہ سعادت بہت کم خوش نصیبوں کو حاصل ہوتی ہے!

اس واقعہ کو پاکستان کے قاری ابوبکر چشتی نے دلورام کوثؔری پر ایک خطبہ کے دوران بیان کیا تھا اور اسے ایس ایم حسن نے دلورام کوثؔری (کوثر علی کوثؔری) اور ان کے دو قطعات کے عنوان سے ایک مضمون میں نقل کیا ہے۔ اس مضمون کو علی گڑھ اردو کلب کی نجمہ آفتاب کے حوالے سے امتہ ال ق فرحت نے 12 فروری 2013، کو اپنے بلاگ دی مسلم ٹائمس میں شائع کیا ہے۔ (14) اس کے علاوہ اس واقعہ کی تصدیق ہمیں کسی دوسرے ذریعہ سے حاصل نہیں ہوسکی ہے۔ واللہ اعلم بالثواب۔

غیر مسلم نعت گوشعرا کے کلام میں توحید:

بہر حال عرض یہ کرنا تھا کہ غیر مسلم نعت گوشعراء نے حیرت انگیز فصاحت و بلاغت اور جذب و دلآویزیوں کے ساتھ نعتیں کہی ہیں مگر ان کی نعتیں عشق حقیقی کا مظہر نہیں بلکہ صرف عمومی عقیدت و احترام کا نتیجہ ہے اور جن لوگوں نے واقعی عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ڈوب کر نعتیں کہی ہیں انہیں اللہ تعالیٰ نے دولت ایمان سے بھی سرفراز فرمایا ہے۔ اس کے باوجود یہ کہنے میں کوئی عار نہیں کہ جتنے بھی غیر مسلم نعت گوشعرا گزرے ہیں یہ آج بھی اپنے کلام کی جولانیاں دکھارہے ہیں ان کے کلام میں عقیدت و محبت، وارفتگی و شیفتگی، جذبات واحساسات کا سمندر، دلکشی و دل آویزی اور فن نعت گوئی کی جتنی بھی خصوصیات، کمالات اور محاسن ہیں ان سب کو دیکھا جاسکتا ہے بلکہ حیرت انگیز طور پر بعض غیر مسلم نعت گوشعرا کے کلام میں توحید کی حقانیت اور کفر واوہام پرستی کی ظلمت کا بھی کھل کر اظہار دیکھا جاسکتا ہے جیسے:

ہوئی کافور نور مصطفیٰ سے شرک کی ظلمت
سیاہی سے ندامت کی دل کفار کالا ہے
(منشی شنکر لال ساؔقی سہارنپوری)

رب بے مثل کا دنیا میں بٹھا کر سکہ
نقش اوہام پرستی کا مٹایا تو نے
(لالہ لال چند فلؔک لاہوری)

دی تو نے کفرزار میں توحید کی اذاں
بدلا ہے تو نے رنگ جہان خراب کا
وحدت کا ایک مغنی آتش نوا ہے تو
ہر نغمہ کفر سوز ہے تیرے رباب کا
(مخمور جالندھری)

اوّلین غیر مسلم نعت گوشاعر:

بعض حضرات کا کہنا ہے کہ سیرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نظم کے قالب میں ڈھالنے

والے پہلے شاعر لچھمی نارائن شفیقؔ تھے جنہوں نے معراج نامہ بھی کہا ہے لیکن سب سے پہلے نعت گو غیر مسلم شاعر ایکناتھ مہاراج ہیں، جنہیں مشہور محقق وادیب ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط صاحب نے کھوج نکالا ہے۔ ایکناتھ جی کی نعتیہ شاعری پہلی بار ڈاکٹر نشیط ہی کے توسط سے اہل علم میں روشناس ہوئی ہے۔

ڈاکٹر راہی فدائی رقمطراز ہیں:

> ''دکن کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ جس طرح اردو زبان کے اوّلین شاعر حضرت بندہ نواز گیسو دراز (ولادت 721ھ م 1321ء وفات 825ھ م 1421ء) گلبرگہ کی سرزمین میں آسودہ ہیں، اسی طرح اردو کے اوّلین نعت گو غیر مسلم شاعر جن کا نام نامی ایکناتھ مہاراج ہے، دکن ہی کی خاک سے اٹھے ہیں۔ ایکناتھ جی مہاراشٹرا کے متوطن تھے، مراٹھی کے قدیم واہم شعرا میں مہاراج کا شمار ہوتا ہے۔ انہوں نے مراٹھی کی صنف شاعری ''بھارود'' میں خوب طبع آزمائی کی ہے، ایک سنت ہونے کے اعتبار سے ان کا کلام عوام و خواص میں مشہور ہے۔ ایکناتھ جی کی ولادت حضرت بندہ نواز کے وصال کے ایک صدی بعد (1533ء-1599ء) ہوئی تھی۔'' (15)

ایکناتھ جی مہاراج کی ایک نعت کے کچھ اشعار ملاحظہ فرمائیں:

خیال کیا مچھلی والے و لیکن دریا و ڈھونڈے گووند محمد

کھیل کھلانے آیا محمد دشرتھ، رام رانا و لیکن

دیو چھرادے بند محمد کھیل کھلانے آیا محمد

لنکا پتی راون مارا و لیکن راجیہ دیا بھبیشن محمد

کھیل کھلانے آیا محمد

سیکڑوں غیر مسلم نعت گو شعرا:

اردو میں غیر مسلم نعت گو شعرا کی تعداد سیکڑوں میں ہے جن میں سے بعض درج ذیل ہیں:

چندر ابھان برہمنؔ، رام نارائن موزوںؔ، لکشمی نارائن شفیقؔ، چندو لال شاداںؔ، دیا شنکر نسیمؔ، نوبت رائے نظرؔ، کشن پرشاد شادؔ، برج موہن دتاتریہ کیفیؔ، رتن ناتھ سرشارؔ، دوارکا پرساد افقؔ، بشویشور پرشاد نورؔ لکھنوی، درگا سہائے سرورؔ، جگت موہن راون، برج نارائن چکبستؔ، تلوک چند محرومؔ (جگن ناتھ آزادؔ کے والد)، سورج نارائن مہرؔ، بال مکند عرشؔ ملسیانی، لبھو رام جوشؔ ملسیانی، گوپال متلؔ، ضیاؔ فتح آبادی،

رگھوپتی سہائے فراؔق گورکھپوری، کریشن موہن، امیر چند بہاؔر، بمل کرشنا اشکؔ، گلزاؔر دہلوی، کرشن بہاری نوؔر، چندراپرکاش جوہرؔ بجنوری، پریم وار برتنی، کالی داس گپتا رضاؔ، نریش کمار شاؔد، راجیند رمن چنداباؔنی، راج نارائن راؔز، کمار پاشیؔ، ساحرؔ ہوشیار پوری، آزاؔد گولاٹی، کرشن کمار طوؔر، ہیرانند سوزؔ، چندرا بھان خیاؔل، شراون کمار ورؔما، جمنا پرسادراہیؔ اور رام پرکاش راہیؔ، لالہ لال چند فلکؔ لاہوری، پنڈت رگھوندر راؤ جذبؔ رائچوری، منشی مہادیو پرساد ساؔمی جبلپوری، بشن نارائن حاؔمی بریلوی، پنڈت ہری چند اختؔر ہوشیار پوری، منوہر لال دلؔ کشمیری، حکیم بال کشن داس اکبرآبادی، راجہ مکھن لال مکھنؔ حیدرآبادی، منشی پیارے لال روؔنق دہلوی، ڈاکٹر کے مدنا منظرؔ تماپوری وغیرہ۔(16)

غیر مسلم نعت گوشعراء کے کچھ منتخب اشعار:

ویسے تو غیر مسلم نعت گوشعراء کے ہزاروں عمدہ ترین اشعار مثال کے طور پر پیش کئے جاسکتے ہیں مگر ہم نے یہاں صرف چند اشعار کا انتخاب کیا ہے:

یہ لکھتے ہیں نعت رسول خدا — مغیث الورا خواجۂ دوسرا
محمد ہیں محبوب پروردگار — محمد ہیں مطلوب پروردگار
(مہارانہ کلیان سنگھ عاشؔق دہلوی)

مرا ہر لفظ نعت احمدی سے درّ یکتا ہے — لکھا جو دائرہ ہے وہ مہ کامل کا ہالا ہے
صفات ذات احمد لکھ سکوں کیا میری طاقت ہے — خیال اہل دانش جب یہاں مکڑی کا جالا ہے
نعت لکھتا ہوں مگر شرم مجھے آتی ہے — کیا مری ان کے مدح خوانوں میں پیشی ہوگی
(منشی شنکر لال ساؔقی سہارنپوری)

قلب مطلع نور ہے کہ حرم میں جلوۂ یار ہے — دل ودیدہ محونظارہ ہیں کہ نہ گرد ہے نہ غبار ہے
بے سایہ نور باعث ایجاد و مغفرت — جس کے وجود جود سے رحمت نہال ہے
امت کا اپنی شافع روز جزا بنا — اب پرسش جواب نہ روئے سوال ہے
(پنڈت امرناتھ مون ساحؔر دہلوی)

مشغلہ نعت نبی کا ہے مجھے شکر خدا — بعد مدت کے یہ ہاتھ آیا ہے مقصد مجھ کو
کافر عشق محمد خلق کہتی ہے مجھے — سب مسلماں قدر کرتے ہیں میرے زنار کی
کافر ہوں کہ مومن ہو خدا جانے میں کیا ہوں — پر بندہ ہوں ان کا جو ہیں سلطان مدینہ

ہم خیال رخ پرنور میں حیراں ہوں گے
یاد آئیں گے جو گیسو تو پریشاں ہوں گے

لے گیا بخت اگر روضۂ اقدس کی طرف
جان و دل سے کبھی صدقہ کبھی قرباں ہوں گے

ہم کو تو گلشن طیبہ میں اڑا کر لے جا
ہم ترے باد صبا، بندۂ احسان ہوں گے

جب سے وحدت کا ہوا دل میں خیال
تھا جو بیگانہ، یگانہ ہوگیا

کفر چھوڑا پی کے مئے توحید کی
رنگِ شاد اب عاشقانہ ہوگیا

(مہاراجہ کرشن پرشاد شاؔد)

باعثِ فخر ہے عرفانِ عقیدت میری
جذبۂ دل میں مرے عظمت سرکار تو ہے

غم نہیں راحت دنیا جو میسر نہ ہوئی
زندگی تیرے تصور سے سکوں بار تو ہے

میرے جذبات میں ہے نعت رسول عربی
ریب آہنگ نہیں، ساز میں جھنکار تو ہے

(ماتا پرساد زیؔب بریلوی)

چاند سورج کو کوئی ہاتھوں پر میرے لا دے
کونین کی دولت میرے دامن میں چھپا دے

پر کالؔکا پرشاد سے پوچھے کہ تو کیا لے
تو نعلین محمد کو وہ آنکھوں سے لگا لے

(کالکا پرشاد)

پھیلا افق پہ نور رسالت مآب کا
ہیبت سے منھ اترنے لگا آفتاب کا

کونین کو کمال تجلی عطا کیا
قائل ہوں تیرے جلوہ آئینہ تاب کا

(سردار گربخش سنگھ مخمؔور جالندھری)

ہے عرش پہ قوسین کی جا، جائے محمد
رشک ید بیضا ہے کفِ پائے محمد

والشّمس تھا رخسار تو واللیل تھیں زلفیں
اک نور کا سورہ سراپائے محمد

عیسٰی سے ہے بڑھ کر لب گویائے محمد
یوسف سے ہے بڑھ کر رخِ زیبائے محمد

عصیاں سے بری ہو کے قیامت میں اٹھے گا
بے شک ہے بہشتی جو ہے شیدائے محمد

(جان رابرٹ جان)

ہے جس پرناز عالم کو وہ رحمت لے کے آئے ہیں
محمد حق سے اقرار شفاعت لے کے آئے ہیں

اُجالا حشر تک اس کے سواء نہ کوئی پھیلے گا
محمد آخری شمع نبوت لے کے آئے ہیں

(گنیش بہاری طرؔز لکھنوی)

حوالہ جات

(1) القرآن الکریم، سورہ الم نشرح، آیت نمبر 4
(2) نغمۂ محمدی، ولفگا نگ کوئٹے، منظوم ترجمہ، شان الحق حقی، نور وعطر، طرحی نعتوں کا مجموعہ، مدیر و مرتب: شکیل رضا، ادارہ ماشاءاللہ، بنگلور، ساؤتھ انڈیا مرکزی انجمن شمع ادب کرناٹک، 2012ء، صفحہ 160، 161
(3) ہندو اور سکھ نعت گو شعرا، شمیم طارق، نور وعطر، طرحی نعتوں کا مجموعہ، مدیر و مرتب: شکیل رضا، ادارہ ماشاءاللہ، بنگلور، ساؤتھ انڈیا مرکزی انجمن شمع ادب کرناٹک، 2012ء، صفحہ 146
(4) پیغمبر اسلام کی بارگاہ میں غیر مسلم شعراء کا خراج عقیدت، مولانا ڈاکٹر ظہیر احمد راہی فدائی باقوی، شواہد، ڈاکٹر راہی فدائی، الانصار پبلی کیشنز، حیدر آباد، 2017، صفحہ 7، 8
(5) ہندو اور سکھ نعت گو شعرا، شمیم طارق، نور وعطر، طرحی نعتوں کا مجموعہ، مدیر و مرتب: شکیل رضا، ادارہ ماشاءاللہ، بنگلور، ساؤتھ انڈیا مرکزی انجمن شمع ادب کرناٹک، 2012ء، صفحہ 146
(6) ہندو اور سکھ نعت گو شعرا، شمیم طارق، نور وعطر، طرحی نعتوں کا مجموعہ، مدیر و مرتب: شکیل رضا، ادارہ ماشاءاللہ، بنگلور، ساؤتھ انڈیا مرکزی انجمن شمع ادب کرناٹک، 2012ء، صفحہ 146
(7) ہندو اور سکھ نعت گو شعرا، شمیم طارق، نور وعطر، طرحی نعتوں کا مجموعہ، مدیر و مرتب: شکیل رضا، ادارہ ماشاءاللہ، بنگلور، ساؤتھ انڈیا مرکزی انجمن شمع ادب کرناٹک، 2012ء، صفحہ 151
(8) ہندو اور سکھ نعت گو شعرا، شمیم طارق، نور وعطر، طرحی نعتوں کا مجموعہ، مدیر و مرتب: شکیل رضا، ادارہ ماشاءاللہ، بنگلور، ساؤتھ انڈیا مرکزی انجمن شمع ادب کرناٹک، 2012ء، صفحہ 151
(9) پیغمبر اسلام کی بارگاہ میں غیر مسلم شعراء کا خراج عقیدت مولانا ڈاکٹر ظہیر احمد راہی فدائی باقوی، شواہد، ڈاکٹر راہی فدائی، الانصار پبلی کیشنز، حیدر آباد، 2017، صفحہ 8
(10) پیغمبر اسلام کی بارگاہ میں غیر مسلم شعراء کا خراج عقیدت، مولانا ڈاکٹر ظہیر احمد راہی فدائی باقوی، شواہد، ڈاکٹر راہی فدائی، الانصار پبلی کیشنز، حیدر آباد، 2017، صفحہ 12
(11) خواجہ حسن نظامی، ہندو کی نعت کی طبع اوّل کا دیباچہ، جون 1924، صفحہ 9
Dillu Ram Kausari : The Hindu poet who composed eulogies for the Prophet Muhammad
ثاقب سلیم، https://www.firstpost.com/living/، یکم دسمبر 2017
(12) ہندو اور سکھ نعت گو شعراء، شمیم طارق، نور وعطر، طرحی نعتوں کا مجموعہ، مدیر و مرتب: تشکیل رضا، ادارہ

ماشاءاللہ، بنگلور، ساؤتھ انڈیا مرکزی انجمن شمع ادب کرناٹک 2012ء، صفحہ 153

(13)

Dillu Ram Kausari : The Hindu poet who composed eulogies for the Prophet Muhammad

ثاقب سلیم، https://www.firstpost.com/living/، یکم دسمبر 2017

(14) https://thmuslimtimes.info/2013

(15) پیغمبر اسلام کی بارگاہ میں غیر مسلم شعراء کا خراج عقیدت مولانا ڈاکٹر ظہیر احمد راہی فدائی باقوی، شواہد، ڈاکٹر راہی فدائی، الانصار پبلی کیشنز، حیدر آباد 2017، صفحہ 13

(16) ہندو نعت گو شعرا، مسلم سلیم، کھوج خبر نیوز ڈاٹ کام،

http://cimirror.blogspot.com/p/hindu-naat-go-shuara -hindu-poets-of.html

☆☆☆

زاویۂ نگاہ

پروفیسر فاروق احمد صدیقی (مظفر پور، بہار)

''دبستانِ نعت'' شمارہ 7 کا تنقید مطالعہ

مدیر مکرم ڈاکٹر سراج احمد قادری صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

''دبستان نعت'' شمارہ-7 جنت نگاہ بنا۔ سرورق اتنا دلکش و دل افروز کہ:

''زیب دیتا ہے اِسے جس قدر اچھا کہئے''

گنبد خضریٰ اور اس کے قرب میں کھجور کا شجر ثمردار اور اُس کی سرسبز و شاداب ڈالیاں کس قدر روح پرور اور نظر افروز ہیں، ایک سچا مردِ مومن اور محبّ مدینہ ہی محسوس کر سکتا ہے۔ اس حُسنِ انتخاب کے لئے آپ کو مبارکباد۔

حسب عادت سب سے پہلے میں نے آپ کا ''اداریہ'' پڑھا جو بہت ہی پُر مغز اور بصیرت افروز ہے۔ آپ کے اس خیال سے شاید ہی کسی کو اختلاف ہو کہ:

''کسی بھی تحقیق و تنقید کو اس وقت رفعت و سربلندی کا مقام حاصل نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کو تنقید کی کسوٹی پر پرکھا نہ جائے۔'' (اداریہ صفحہ-9)

آپ نے اپنے اداریہ میں ڈاکٹر عزیز احسن کے اس عقیدۂ باطل کا بھی مدلل پیرائے میں ابطال کیا ہے کہ شانِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں لفظ ''ایلچی'' کا استعمال ہرگز ہرگز قابل قبول نہیں۔ اس لئے مولانا حالؔی کی مدافعت سے اُن کو باز آ جانا چاہئے۔ اس سلسلے میں پروفیسر ابوسفیان اصلاحی کی بھی آپ نے اچھی خبر لی ہے۔ مگر وہ ناقابلِ اصلاح ہیں۔ وہ اپنی کج فکری سے باز نہیں آئیں گے۔ اللہ ہدایت دے۔ اداریہ میں اور بھی موضوعات زیر بحث آئے ہیں۔ میں آپ سے صد بصد متفق ہوں۔

''تحمید و تقدیس'' کے تحت علامہ عبدالمصطفیٰ کا حمدیہ کلام پسند آیا۔ اس میں بڑی روانی اور برجستگی ہے۔ اس کو سہل ممتنع کا اعلیٰ نمونہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ فکر بلند اور فنِ لطف کا عمدہ نمونہ ہے۔ ''تابش فکر و نظر'' کے تحت پہلا مضمون پروفیسر عبدالحق کا ہے جس کی گراں مائیگی مسلّم ہے۔ اقبال شناسوں میں اُن کا

شمار ہوتا ہے۔ اس لئے اقبال کے اردو و فارسی کلام سے خوب خوب استفادہ کیا ہے۔

پروفیسر خواجہ اکرام الدین نے اپنے مضمون ''نعت کا حسنِ بیانیہ'' میں نعت کی فنی حیثیت پر معلوماتی گفتگو کی ہے۔ انہوں نے غیر مسلم نعت گو شعراء کے کلام سے بھی حوالے دیئے ہیں۔ مگر یہ سب اُن کے دماغ کی شاعری ہے دل کی نہیں۔ اگر دل کی آواز ہے تو ایمان کیوں نہیں لے آئے؟ ڈاکٹر داؤد محسن نے اپنے مضمون بعنوان ''سبحان اللہ و بحمدہٖ'' میں حمدیہ شاعری سے اچھی بحث کی ہے اور طاہر حسین طاہر سلطانی (کراچی) کے ذریعہ مرتب کردہ 42 حمدیہ مجموعوں کی فہرست شامل کر کے ہماری معلومات میں اضافہ کیا ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر افتخار شفیع (پاکستان) کی تحریر بھی بصیرت افروز ہے۔ انہوں نے اعلیٰ حضرت بریلوی کے مشہور مصرعے ''سرتا بقدم ہے تن سلطان زمن پھول'' کو عنوان بنا کر اچھی گفتگو کی ہے۔ ڈاکٹر عقیل ہاشمی نے ''عہد رسالت کے چند نعت گو شعراء'' سے متعارف کرایا ہے بہت خوب۔ مگر اس کو ابھی پھیلایا جا سکتا تھا۔

پروفیسر ابوسفیان اصلاحی کا مقالہ ''امام بوصیری کی نعتیہ شاعری۔ تحلیل و تجزیہ'' ہے تو بہت عمدہ مگر موصوف کی یہ فطرت ثانیہ ہے کہ وہ ہمیشہ شہد میں زہر ملا دیتے ہیں۔ یعنی اپنی بدعقیدگی کو کہیں نہ کہیں سے شامل کر ہی دیتے ہیں۔ مولانا اقبال اعظمی (گھوسی) ہمیشہ اُن کی عالمانہ گرفت کرتے رہتے ہیں، دلائل و شواہد کے انبار لگا دیتے ہیں مگر اُن پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ کبھی کبھی میں نے بھی بڑے سلیقے سے اُن کی اصلاح و تربیت کی کوشش کی ہے۔ مگر زمینِ شور سنبل بر نہ آرد کے مصداق تخم عمل ضائع ہو جاتا ہے۔ وہ مولانا فراہی اور مولانا اقبال سہیل کے علاوہ اور کسی کی سنتے ہی نہیں۔ کوئی بھی عالم و فقیہ ان کی نظروں میں معتبر و مستند نہیں۔ اُن کا ''تقویۃ الایمانی'' عقیدہ اُن کو صراط مستقیم سے بہت دور لئے جا رہا ہے مگر وہ اپنی ''فراہیت'' میں مست ہیں۔ اب یہی دیکھیئے کہ حضرت امام بوصیری علیہ الرحمہ نے کیا عمدہ اور ایمان افروز شعر کہا ہے:

فللنبوۃ اتمام و مبتداً ولـلـفـخـر تعجیل و تـاجیل

(صفحہ 111)

اس کا ترجمہ خود اصلاحی صاحب نے یوں کیا ہے۔

چنانچہ نبوت کی ابتدا اور انتہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے افتخار کے لئے یہ آغاز و اختتام ہے اب اس پر اُن کا ناقدانہ تبصرہ ملاحظہ ہو:

''امام بوصیری نے اس روایت سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے یہ خیال پیش کیا کہ حضرت آدم علیہ

السلام سے قبل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تخلیق کا آغاز ہو چکا تھا۔ گویا نبوت کا آغاز آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہوا۔ یہ روایت ضعیف ہے۔'' (صفحہ:111)

گویا روایت تو ہے مگر اُن کے نزدیک ضعیف ہے۔ جب کہ تمام علمائے سلف اور محدثین کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ باب فضائل میں ضعیف حدیث سے بھی استناد جائز ہے۔ اسی طرح حدیث پاک اوّل ما خلق اللہ نوری (اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرا نور پیدا فرمایا) کے تعلق سے بھی اُن کا تو تو ہب زدہ دماغ ضعف کا ہی قویٰ صادر کرے گا۔ ایک اور معروف حدیث ہے کہ ''میں اس وقت بھی نبی تھا جب حضرت آدم علیہ السلام آب وگل کی منزلیں طے کر رہے تھے۔ اس سلسلے میں مزید اطمینان کے لئے مفسر قرآن مولانا شبیر احمد عثمانی دیوبندی کا یہ بصیرت افروز بیان ملاحظہ ہو:

''عموماً مفسرین وانا اوّل المسلمین کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ اس امت محمد یہ کے اعتبار سے آپ اوّل المسلمین ہیں لیکن جب جامع ترمذی کی حدیث کنت نبیا وآدم بین الجسد والروح کے موافق آپ اوّل الانبیاء ہیں تو اوّل المسلمین ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔'' (بحوالہ قرآن کریم) شائع کردہ شاہ فہد قرآن کریم پرنٹنگ کمپلیکس، سعودی عربیہ، صفحہ:200)

ترجمہ: قرآن مولانا محمود الحسن دیوبندی، تفسری مولانا شبیر احمد عثمانی دیوبندی۔

ان کے علاوہ مولانا اشرف علی تھانوی نے بھی اپنی مشہور کتاب ''نشر الطیب'' میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک روایت نقل کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ''اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو (اے آدم) میں تم کو بھی پیدا نہ کرتا۔'' (نشر الطیب، صفحہ:14، مطبوعہ ورلڈ اسلامک پبلیکیشنز دہلی)

ان دونوں حضرات کے علاوہ مولانا قاسم نانوتوی جن کو دارالعلوم دیوبند کا بانی کہا جاتا ہے اپنے ایک نعتیہ قصیدے میں کہتے ہیں:

جو تو اُسے نہ بناتا تو سارے عالم کو نصیب ہوتی نہ دولت وجود کی زنہار

علامہ اقبال کہتے ہیں:

چشم ہستی صفتِ دیدۂ اعمیٰ ہوتی دیدۂ کن میں اگر نور نہ ہوتا تیرا

☆

ہو نہ یہ پھول تو بلبل کا ترنم بھی نہ ہو چمن دہر میں کلیوں کا تبسم بھی نہ ہو

امام اہلسنّت حضرت احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں:

ہے انہیں کے دم قدم سے باغ عالم کی بہار وہ نہ تھے عالم نہ تھا گر وہ نہ ہوں عالم نہ ہو

اس موضوع پر دلائل کا انبار لگایا جا سکتا ہے۔ سر دست اتنا ہی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ اصلاحی صاحب کے مضمون میں مقامات آہ وفغاں اور بھی ہیں۔ اُن کے ہر اعتراض کا جواب دیا جائے تو ایک کتاب تیار ہو جائے گی، لیکن فرصت کہاں کہ اس کی تمنا کرے کوئی۔

عتیق اثر ندوی اپنی تحریر ''نعتیہ شاعری (اردو) کے زمانی گوشے میں'' میں رقم طراز ہیں:

''مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے نعت نبی میں جوش وکوائف کی دنیا ہی بسا دی......ان کا مشہور نعتیہ سلام ''مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام'' زبان زد خاص وعام ہے۔ اسی کا ایک بند ہے:

جب کہ پیدا شہ انس و جاں ہوگیا دور کعبے سے لوث بتاں ہوگیا
مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام شمع بزم ہدایت پہ لاکھوں سلام

(صفحہ:145)

اطلاعاً عرض ہے کہ سلام ''مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام'' بند کی شکل میں نہیں ہے۔ ہر شعر اپنی جداگانہ اکائی کی حیثیت رکھتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ پہلا شعر یعنی ''جب کہ پیدا شہ انس و جاں ہوگیا'' امام احمد رضا کا شعر نہیں ہے۔ اثر ندوی صاحب نے اُن کے مجموعہ کلام حدائق بخشش کو بجائے کہیں اور سے نقل کر دیا ہے۔ یہ ذمے دارانہ رَوِش نہیں ہے۔ وہ اگلے صفحہ پر کسی ابنِ احمد نقوی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''نام نہاد عقید تمندوں .... ہمارے نعت گو شعراء کو توحید کے حدود سے نکال کر سرحد کفر وشکر تک پہنچا دیا۔'' (صفحہ:146)

یہ افتراء محض اور خیال باطل ہے۔ ان کو حوالے دے کر اپنے نقطہ نظر کو مدلل کرنا چاہئے۔ کسی بڑے اور ذمے دار نعت گو شاعر نے کبھی ایسا نہیں کیا ہے۔ سنی سنائی باتوں پر ریت محل نہیں تیار کرنا چاہئے۔ ابن احمد نقوی کی علمی وادبی دنیا میں کوئی حیثیت نہیں۔

ڈاکٹر محمد آصف کا مضمون ''بارگاہِ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں چینی شہنشاہ کا نذرانۂ عقیدت'' پسند آیا۔ اُن کی یہ اطلاع کہ چینی میں نعت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روایت مستحکم ہے، بہت خوشی ہوئی۔ اُن کو آئندہ بھی وہاں سے استفادہ کر کے ہم لوگوں کو شریک مطالعہ کرنا چاہئے۔ مولانا اقبال اعظمی کے خامۂ زرنگار نے کلام اعلیٰ حضرت بریلوی کی مختلف جہتوں کا بڑا خوبصورت اور سیر حاصل احاطہ کیا ہے۔

ڈاکٹر راہی فدائی نے بارہویں صدی ہجری کے ایک باکمال نعت گو فارسی شاعر علامہ معجز مدراسی پر

جم کر لکھا ہے۔ موصوف ایک صاحبِ علم و قلم کی حیثیت سے علمی و ادبی حلقوں میں کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ ان کا مقالہ بہت ہی عالمانہ اور عارفانہ ہے۔ آئندہ بھی ہم اُن سے ایسے ہی پُر مغز مقالے کی توقع رکھتے ہیں۔ حضور مفتی اعظم ہند کی حمد نگاری پر ڈاکٹر امجد رضا امجد کا مقالہ بہت ہی جامع ہے۔ حمدیہ شاعری عام طور پر شعری محاسن سے محروم ہوتی ہے۔ لیکن حضرت مفتی اعظم کا حمدیہ کلام فکر بلند اور فن لطیف دونوں کا حسین امتزاج لئے ہوئے ہے۔ اس لئے بار بار پڑھنے کو جی چاہتا ہے۔

''زاویۂ نگاہ'' کے تحت محترم اقبال اعظمی نے دریا بہادیئے ہیں دُر بے بہا دیئے ہیں۔ 56 صفحات پر مشتمل اُن کا مقالہ بہت ہی قیمتی اور ایمان افروز ہے۔ انہوں نے شانِ رسالت میں لفظ ''ایلچی'' کے استعمال کے قائلین ڈاکٹر عزیز احسن اور ابوسفیان اصلاحی کی خوب خبر لی ہے۔ بلکہ یوں کہا جائے کہ ان کے دماغ کے چودہ طبق روشن کر دیئے ہیں۔ اُن دونوں کی بے راہ رویوں پر وہ ہمیشہ کڑی نظر رکھتے ہیں۔ خدا اُن کو سلامت رکھے۔ اور ان لوگوں کو قبولِ حق کی توفیق بخشے۔ زاویہ نگاہ کے تحت راقم الحروف نے بھی ابوسفیان اصلاحی اور ڈاکٹر عزیز احسن کی فکری ضلالت پر کاری ضرب لگائی ہے۔ کاش وہ اصلاح پذیر ہوں م ''گلہائے عقیدت'' کے لئے آپ نے تقریباً اکتیس صفحات مختص کئے ہیں یہ بہت زیادہ ہوگئے۔ چار پانچ صفحات کافی ہیں۔ ان کی جگہ تنقیدی اور تحقیقی نوعیت کے مراسلات شائع ہوں تو بہتر ہے۔ صرف توصیفی اور تحسینی خطوط کی اشاعت بھی مناسب نہیں۔ ''دبستان نعت'' کے صفحات بڑے قیمتی ہیں۔ اس کا خیال رکھنا ہم سب کی مشترکہ ذمہ داری ہے۔

☆☆☆

پروفیسر شریف حسین قریشی (رام پور)

دبستانِ نعت شمارہ-6

ہر سال کی طرح اس سال بھی مورخہ 13/نومبر 2022ء کو مدرسہ جامع العلوم فرقانیہ، رام پور میں واقع خانقاہِ احمدیہ قادریہ میں تصوّف سے متلّق ڈاکٹر شعائراللہ خاں وجیہی نے ایک اہم سیمینار کا انعقاد کرایا تھا جس میں مُلک کے متعدّد نامور اُدباء اور صوفیاءِ مُنش حضرات نے شرکت کی تھی اور اپنے مقالات بھی پیش کیے تھے۔ اسی سیمینار میں برادرِ محترم ڈاکٹر سراج احمد قادری بھی تشریف لائے تھے اور انہوں نے اپنا بصیرت افروز مقالہ بھی پیش کیا تھا۔ اسی سیمینار میں اُنھوں نے مجھ پر کرم کرتے ہوئے ''دبستانِ نعت'' کا شمارہ نمبر 6 جنوری تا دسمبر 2021ء عنایت کیا تھا جو میرے لیے کسی گراں قدر اور متبرّک تحفہ سے کم نہیں۔ مَیں اس مُقدّس تحفہ کے لیے اُن کا نہایت ممنون و شکر گزار ہوں۔

فروغِ حمد و نعت کے کتابی سلسلہ کے تحت یہ شمارہ ضخامت کے اعتبار سے بھی قابلِ دید و لائقِ تحسین ہے اور نثری و شعری نگارشات کے لحاظ سے بھی اہمیت کا حامل ہے۔ اس شمارہ کے مطالعہ کے بعد یقینِ واثق ہے کہ سابقہ پانچوں شمارے بھی نہایت وقیع اور دستاویزی اہمیت کے حامل ہوں گے۔

مطالعہ کی سہولت کے پیشِ نظر ''نور و نکہت'' کے عنوان کے تحت اس شمارہ کو چھ حصّوں میں تقسیم کیا گیا ہے جس کے عنوانات تحمید و تقدیس، گوشۂ علاّمہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ، تابشِ فکر و نظر/افکارِ روشن، زاویۂ نگاہ، گُل ہائے عقیدت اور ستائش نامے ہیں۔ روایت کی پاسداری کرتے ہوئے اس شمارہ کا آغاز ڈاکٹر سراج احمد قادری کے اداریہ سے کیا گیا ہے۔ اس اداریہ ہی کے ذریعہ پتہ چلا ہے کہ سابقہ شماروں میں کوئی خاص گوشہ شائع نہیں کیا گیا ہے مگر اس شمارہ کا ایک گوشہ علاّمہ امام شرف الدین بوصیری رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب ہے جس کا عنوان ''گوشۂ علاّمہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ'' ہے۔ اس گوشہ میں دس اہم اور لائقِ مطالعہ مضامین کی شمولیت ہے۔ علاّمہ بوصیری کا شمار عربی قصیدہ گوئی میں نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ ان کے قصائد اسلوب اور فکر و فن کے اعتبار سے آج بھی منفرد تسلیم کیے جاتے ہیں۔ اُنھوں نے اُمراء و رؤساء کی شان میں متعدّد قصائد کہے ہیں لیکن جب اُن کا دل عشقِ رسول

سے منوّر رہُوا تو اُنہوں نے حضور کی شان کے علاوہ کسی اور کا قصیدہ نہیں لکھا۔اُن کے ذریعہ حضورِ رحمۃ اللعالمین کی توصیف میں کہا گیا قصیدہ ''قصیدۃ البردہ'' کی اہمیت کا اندازہ اسی سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس سے متعلّق نہ صرف بے شمار مضامین قلم بند کیے جاچکے ہیں بلکہ متعدّد نثری اور منظوم تراجم بھی وجود میں آچکے ہیں۔ دیگر مضامین کے علاوہ اس حصّہ میں شامل اقبال اعظمی، پروفیسر ابوسفیان اصلاحی، ڈاکٹر سیّد یحییٰ نشیط، پروفیسر سراج اجملی اور ڈاکٹر محمد اسماعیل آزادؔ فتح پوری کے مضامین نہایت اہم قرار دیے جاسکتے ہیں۔ مجھے یہ اعتراف کرنے میں ذرا بھی ہچک نہیں ہے کہ اس حصّہ کے بیشتر مضامین پڑھ کر مجھے اپنی بے بضاعتی کا احساس ہُوا ہے۔

حصّہ ٔ تابشِ فکر و نظر/افکارِ روشن کو اگر دبستانِ نعت کا قلب قرار دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ اس حصّہ میں شامل بیشتر مضامین نہایت گراں قدر اور معیاری ہیں۔ نعت کی تعریف، آغاز وارتقاء اور فروغ کے علاوہ متعدّد نعت گو شعراء کی نعت گوئی کی خصوصیات و انفرادیت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ پروفیسر عبدالحق نے اپنے مضمون بعنوان ''فکرِ اقبال کے عصری حوالے: سیرتِ رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے تناظر میں'' یہ ثابت کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے کہ علاّمہ اقبال کے فکر و فلسفہ کا محور آئینِ دینِ مصطفیٰ ہی تھا۔ اس حصّہ میں شامل محسنؔ کاکوری، علاّمہ سیّد غلام علی آزادؔ بلگرامی، اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں بریلوی، حضرت مصطفیٰ رضا خاں نوریؔ بریلوی، علاّمہ باقر آگاہ ویلوری، حضرت سیّد شاہ عبداللطیف ثانی ذوقیؔ ویلوری، حضرت نثار احمد عرف انور پاشا فدوی باقوی ویلوری، حضرت ابوالفتح ضیاالدین محمد عرف سیّد امجد حسین خطیب غزنوی الانبازی، حضرت عبدالواحد واحد نظیرؔ، حضرت عالم گیر خاں کیفؔ ٹونکی، محمد ادریس عنبرؔ بہرائچی، محمد سلطان جیلانی ادبؔ گلشن آبادی اور خانوادۂ عثمانی کے متعدّد مشائخ کے نعت گو شعراء کی نعتیہ شاعری کے اوصاف و محاسن سے بھی واقفیت ہوئی اور اُن میں سے بیشتر شعرائے کرام کی شخصیات کے متعدّد گوشے وا ہوئے۔ اسی حصّہ میں شامل محمد معزّ عالم اویسی نعیمی مرادآبادی کے مضمون بعنوان ''دبستانِ نعت کے پانچ شمارے: معروضات اور حاصلِ مطالعہ'' میرے لیے مفید ثابت ہوا۔ اس مضمون کے ذریعہ ''دبستانِ نعت'' کے سابقہ پانچوں شماروں سے متعلق بہت سی ضروری باتوں کا علم ہُوا۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی احساس ہُوا کہ دبستانِ نعت کے تمام شمارے ہر لائبریری اور ہر گھر میں ہونا چاہیے۔

''زاویۂ نگاہ'' کے تحت ''دبستانِ نعت'' کے پانچویں شمارہ سے متعلق متعدّد اہلِ قلم کے تعریفی و توصیفی تاثّرات اور تجزیاتی و تنقیدی مضامین پڑھ کر احساس ہُوا کہ مَیں پانچویں شمارہ کا بار بار مختلف

نظریات کے ساتھ مطالعہ کر رہا ہوں۔ اس حصّہ میں شامل اقبال اعظمی گھوسی، مؤ نے اپنے مضمون کے ذریعہ شعری نگارشات کے محاسن پر بھی روشنی ڈالی ہے اور فنّی لغزشوں کی طرف بھی متوجّہ کیا ہے۔ نوآموز و مبتدی شعراء کے علاوہ کُہنہ مشق فنکاروں کے لیے بھی یہ مضمون مشعلِ راہ ثابت ہوگا۔

حصّہ ٔ گُل ہائے عقیدت کے تمام صفحات عقیدت و محبت کے روشن چراغوں سے جگمگا رہے ہیں۔ اس حصّہ میں شامل بہزادؔ لکھنوی، عزیزؔ صفی پوری، مصباحؔ چشتی، شاطرؔ حکیمی، عقیلؔ ہاشمی، راہیؔ فدائی، ربابؔ رشیدی، سراجؔ احملی، مختارؔ تلہری کے علاوہ متعدّد شعرائے کرام کے نعتیہ کلام کی شمولیت ہے۔ اس حصّہ کی متعدّد نعتیں سرکارِ مدینہ سے عشق و عقیدت کا پُر خلوص اظہاریہ بھی ہیں اور سرکارِ دوعالم کے اوصافِ حسنہ نیز سیرت و معجزات کی عکّاس بھی ہیں۔

''دبستانِ نعت کا آخری حصّہ ستائش نامہ کے لیے مختص ہے۔ میرے نزدیک ستائش اس لیے بھی ضروری ہے کہ ستائشی کلمات سے مدیر و معاونین کے علاوہ مضامین نویس و مقالات نگار اور شعرائے کرام کی حوصلہ افزائی کے ساتھ اُنہیں قلبی سکون بھی حاصل ہوتا ہے۔ اس میں دورائے نہیں کہ نعت کے فروغ کے ساتھ نعت گوئی، نعت فہمی اور نعت کے تعلّق سے تحقیقی کام کرنے والوں کے لیے ''دبستانِ نعت'' کے تمام شمارے ممد و معاون بھی ہوں گے اور شائقینِ نعت کے لیے سکونِ قلب و نظر کا سامان بھی فراہم کریں گے۔

نور و نکہت سے مزیّن و معتبر اس وقیع اور دستاویزی ''دبستانِ نعت'' کے تمام شماروں کی اشاعت کے لیے مدیرِ محترم ڈاکٹر سراج احمد قادری، نگراں فیروز احمد صفی (نیویارک) اور دیگر اراکین و معانین کی خدمتِ عالیہ میں احسان مندی کے اظہار کے ساتھ مبارک باد پیش کرتے ہوئے مجھے بے پناہ مسرّت کا احساس ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ سبھی حضرات کے سینوں کو اپنی تجلّی اور سرورِ کونین کے عشق سے منوّر و مزیّن فرمائے اور مزید و مسلسل حوصلہ عطا کرتا رہے۔ یہ سچ ہے کہ:

اللہ اگر توفیق نہ دے انسان کے بس کی بات نہیں

☆☆☆

علامہ عتیق آثر ندوی (دریاباد، سنت کبیر نگر)

دبستان نعت ایک محتاط مطالعہ

اس سال نامہ مجلّہ کا مطالعہ باعث اجر ہونے کے ساتھ ساتھ وقیع معلومات میں اضافہ کا سامانِ عزیز بھی ہے۔ یہ شمارہ ہفتم (جنوری 2022ء) اس کتابی سلسلہ کا ایک اور درخشاں باب ہے جس کے محتویات کی ترتیب ماسبق ترتیبات کے تقریباً اسی نہج پر ہے جس پر رسالہ شروع سے گامزن ہے، مثلاً: ٹائٹل کے صفحہ کے بعد نعت نبی علیہ السلام کے ان اشعار کے ذریعہ آغاز کیا گیا ہے جن میں ایسی فدائیت اور والہانہ پن ہے کہ قاری کے لئے اُس کی مستیوں میں سفر کرنے کے درمیان جمعِ ہوش وحواس کی فکر دامن گیر ہونے لگتی ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ صاحب اشعار حضرت جگر مرادابادی ایک نعتیہ مشاعرہ میں اپنی بلانوشی کے سبب مدعو نہیں کئے جا رہے تھے اس لئے انتظامیہ کو بغیر تشہیر انہیں دعوت دینی پڑی تھی کیوں کہ کوئی مشاعرہ اُس زمانے میں اُن کی شرکت کے بغیر مقبول قرار پاتا ہی نہیں تھا۔ چنانچہ مشاعرہ شروع ہوا اور جب اچانک ناظم مشاعرہ نے اُنہیں دعوت سخن دی تو لوگ حیران رہ گئے اور پھر جب اُنہوں نے اپنے مخصوص اور مقبول ترنم کے ساتھ فدایانہ انداز میں نعت شروع کی جس کا مطلع یہ تھا:

اک رند ہے اور مدحت سلطان مدینہ ہاں کوئی نظر رحمت سلطان مدینہ

معاً بعد یہ شعر پڑھا:

دامانِ نظر تنگ و فراوانیِ جلوہ اے طلعتِ حق طلعتِ سلطانِ مدینہ

کہتے ہیں! کہ مجمع بے خود ہو گیا اور داد و تحسین کی بارش ہونے لگی۔ اس اژدحام نے اس توبہ شکن کی ایسی پذیرائی کی کہ جیسے اپنی جانب سے اُن کی ہر خطا معاف ہی کر دی گئی ہو، اسی نعت کے دو شعروں سے کتاب کے ابتدائی زیبائش کو چار چاند لگایا گیا ہے، پھر کتاب کو جنوبی ہند کے بارہویں صدی کے ایک مرد بزرگ حضرت سید شاہ ابوالحسن قربی دیلوری کے نام سے معنون کیا گیا ہے مدیر کی یہ جستجو اور انتخاب بھی بالغ نظری پر مبنی ہے۔

مضامین کے گوشے حمد و تقدیس، تابشِ فکر ونظر، زاویۂ نگاہ، گلہائے عقیدت اور ستائش نامے ترتیب سابق کے مطابق رکھے گئے ہیں۔ اداریہ جو کتاب کے شکر قلمرو کا مقدمۃ الجیش ہوا کرتا ہے اس بار بھی نہایت

وقیع ہے اور تحیر آمیز مسرت اس بات کی رہتی ہے کہ ایک شخص سرکاری خشک، بے کیف، کھردری ملازمت سے قوتِ لایموت کے بقدر نبھانے کی کوشش میں مصروف ہوتے ہوئے ذوق سلیم، فکر عمیق، ادب لطیف اور نعت شریف کی فراہمی اور نقاشی میں مصروف ہوا اور اس طرح اُس کے باغ و بہاراں کی کیفیتوں میں محو ہو کر فلاحِ دارین کا سامان مہیا کرنا کیا حصولِ صدر شک نہیں ہے؟ الحمد علی ذلک، اور کمال یہ ہے کہ ہم جیسے ذرّہٗ تافہ کو بھی اپنے میدانِ کارگاہ کا حصہ بنانے سے گریز نہیں کرتے۔ اس پر صد شکر و احسان شناسی لازم ہے۔

اداریے کے رجحانات کتاب کے تعلق سے ذاتی اور ادارہ جاتی دونوں ہو سکتے ہیں، اتفاق و اختلاف حدودِ علمی میں وقار و براہین کے ساتھ محمود و مستحسن ہیں، اداریہ میں محترم انور بھدرکی اور مکرم حامد امروہوی کا تعارفی اشاریہ ہمارے لئے اُن کی قدر و احترام تک پہنچنے کا ذریعہ ہے۔ اداریہ کی زبان شستہ و رُفتہ اور مدّعا نواز ہے، اداریہ چونکہ مدیر رسالہ کی فکر و نظر اور اُس کے ادارہ کی سمت کا آئینہ دار ہوتا ہے، اس لئے اس میں وسعت و رواداری کے ساتھ اُس کے حدود و امکانات کی نشاندہی ہوتی ہے، اس لئے تحریراتِ رسالہ میں اس بات کی پاسداری ضروری امر کے طور پر پیش نظر ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ عہد طفلی اور عنفوان شباب کے ماحول سے ذہن و دماغ کے لئے جو فضا بنتی ہے کبھی کبھی اُس سے باہر آنا سخت مشکل ہو جاتا ہے، کوشش یہ ہونی چاہیے کہ عقائد صحیحہ کے ساتھ مثبت فکری رجحانات کی حوصلہ افزائی کی جائے اور منفیاتِ فاسدہ سے احتیاط بھی ہو۔

جہاں تک تجاوزات کا تعلق ہے مقالہ نگاروں کی ذاتی تحقیقی آراء ہو سکتی ہیں جنہیں گوارہ کر کے آگے بڑھنا کشادگی راہ کا باعث ہے جب تک وہ ایک دم مخالف سمت میں نہ ہوں، یہ حوصلہ جناب ڈاکٹر سراج قادری کا طرہ امتیاز ہے کہ وہ مختلف ہونے کو تو راہ دیتے ہیں البتہ مخالف کو سدّ راہ نہیں بننے دیتے۔

اس رسالہ پر کسی رائے زنی سے قبل اُس کے محتویات اور اس کے افاضل مضمون نگاروں پر نظر ڈالنے سے قلم احتیاط کا دامن تھامے رہنا چاہتا ہے کیونکہ ایک طرف سے دکاترہ اور پروفیسران کا سلسلہ ہے اور اُن کے درمیان اپنی کھپت نکالنا جرأت مندی کی بات نظر آتی ہے، ایسی ضخیم اور قاموسی رسالہ کو سال بہ سال نئے موضوعات اور نادر تحقیقی رچے ہوئے اسالیب بیان سے مزین کر کے پیش کرتے رہنا جناب مدیر اور اُن کے رفیقِ سفر فیروز احمد سیفی حفظہما اللہ کا کارنامہ ہے، جنہیں تاریخ نعت نگاری ہمیشہ یاد رکھے گی۔ میں ان کی درازی عمر اور صحت جسم و جان کے لئے بصمیم قلب دعا گو ہوں۔

اس رسالہ میں تو سبھی مضامین تحلیل و تنقیح کے مراحل سے گزر کر ہی شائع ہوتے ہیں اور نگاہِ طلب سے دیکھے اور پڑھے جاتے ہیں مگر بالخصوص یہ مضامین دل و دماغ کو اپنی جانب متوجہ کئے بغیر

نہیں رہتے ،مثلاً: پروفیسر عبدالحق کا مضمون ''معراجِ رسول فکرِ اقبال کا محرکِ تخلیق'' اس میں شک نہیں کہ فکرا قبال کا محورا سلام اور قرآن نیز ذات رسول اور اُن کے فدا کاروں کی محبت اوران کی تاریخ عظیم الشان پر مبنی ہے جس پر ان کی غائر نظر نے کام کیا ہے۔ اور پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین کا مضمون ''نعت کا حسن بیانیہ'' نعت کے بیانیے کی وسعت اوراس کی صنعت وحسن کی اشاراتی تحریر ہے جواس موضوع پر مزید لکھے جانے کا حوصلہ عطا کرتی ہے۔ ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد فتح پوری کے دو مضامین شاملِ اشاعت ہیں۔ (1) آذر بائیجان کا قدآور شاعر خاقانی (2) میں اور میرے علمی اکتسابات۔ پہلا مضمون ایک سنجیدہ مطالعہ ہے جو ان کی شخصیت کے علمی رچاؤ کا مظہر ہے۔ دوسرے مضمون سے بہت کچھ اخذ کرنے اور علم کی دنیا میں تعیین راہ کے طور پر مدد ملتی ہے۔ عقیل ہاشمی کے مضمون ''عہد رسالت کے چند نعت گو شعرا'' اگر چہ بیانِ مضامین میں تازہ دریافت تو نہیں لیکن بازیافت ضرور ہے جو قندِ مکرّر سے کم نہیں ہے اور ڈاکٹر محمد واصف امراوَتی کا مضمون بھی خصوصی قرأت کا مستحق ہے۔

دبستانِ نعت کے ان معتبر شماروں کی اشاعت کے بعد قارئین کی نگاہ میں مذکورہ اُن دو شخصیات کا جو خاکہ ذہن میں اُبھرتا ہے وہ یہ کہ مدیر محترم اور نگرانِ رسالہ ظاہری طور پر بھی بڑی وجاہت ورعب و داب کے حامل ہوں گے، ہوسکتا ہے فیروز صاحب اس خاکہ منصور پر فٹ آتے ہوں کہ مجھے اُن سے ملاقات کا شرف حاصل نہیں ہے، سوائے ایک بار ٹیلیفون کے ذریعہ اُن کی نرم گفتگو کا استفادہ حاصل ہوا ہے۔ البتہ مردِ درویش ڈاکٹر سراج کی منکسر اور متواضع شخصیت اپنے اخلاق عالیہ کا ہالہ تو اپنے گرد رکھتی ہے مگر ظاہری ٹھسّے پن سے کوسوں دور ہے۔ گفتگو کا دھیما لہجہ، اپنائیت، تکریم اُن کی دل لبھانے والی صفات میں سے ہے جن سے وہ بہرہ ور ہیں اور فیض رساں بھی۔ میں اُن کے اس طبعی اخذ وقبول اور جذبۂ کمال کی تحسین کے لئے الفاظ نہیں رکھتا کیونکہ ان دو حضرات نے کتابیاتِ نعتِ رسول کا سلسلۂ مبارک دراز کر رکھا ہے اُس کی جتنی تحسین اور تحریض کی جائے کم ہے۔

بات یہ ہے کہ نعتِ مقدس میں حضورِ رسالت مآب کی جن صفاتِ عالیہ کا وِرد ہوتا ہے وہ انسانیت کی معراج کا درجہ رکھتی ہیں، لہٰذا اُن ضیا پاشیوں سے اکتسابِ عمل اُس کے فدائین کا طرۂ امتیاز ہونا ناگزیر ہے۔ اوراق کے ان دفاتر کی معنویت کا قلوب و جوارح پر اثر انداز ہونا فطری امر ہے، کیونکہ کوئی عطار صرف عطر فروش ہی نہیں خود بھی معطّر رہتا ہے، میں اپنے ان نفسانِ تازہ دم کی دیدہ ریزی اور مزید رَہ روی کا ہمیشہ متمنی رہوں گا۔ ان شاء اللہ۔

☆☆☆

ڈاکٹر محمد صدرالحسن ندوی مدنی (اورنگ آباد، مہاراشٹر)

دبستان نعت: جہانِ دوش وفردا کی بازیافت

فروغ حمد ونعت کے کتابی سلسلہ ''دبستان نعت'' کے مدیر محبّ گرامی ڈاکٹر سراج احمد قادری کی ذرہ شناسی اور معارف نوازی کے طفیل ''دبستان نعت'' کے سات سالنامے نظر نواز ہوئے۔ جس سلسلہ کا آغاز جنوری ۲۰۱۶ء سے ہوا تھا کامیابی کی منزلیں طے کرتا ہوا دسمبر ۲۰۲۲ء تک پہنچ کر اپنے تحقیقی وتنقیدی معیار، حمد ونعت کے فروغ وارتقاء کی راہ کی زہرہ گداز اور جاں گسل کاوشوں پر اہل علم، اصحاب قلم، صاحبان فکرو دانش اور بحر حمد ونعت کے غواصوں اور شناوروں سے خراج تحسین وصول کر چکا ہے اور اب آٹھواں سالنامہ اپنی تمام رعنائیوں کے ساتھ منصۂ شہود پر آ کر مہر وماہ ومہ انجم کو دعوت نظارہ دینے کے لیے بیتاب ہے۔

اس سلسلہ کے تمام سالنامے گنج ہائے گراں مایہ اور گنجینہ ہائے نقد ونظر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور نظر کو نور اور قلب کو سرور کی دولت بے بہاے ہم کنار کر کے عقل وشعور میں ایک پرسکون تموج وتلاطم برپا کر کے نکہت ونور کی ایسی وادیوں میں جادہ پیمائی پر مجبور کرتے ہیں جہاں کی فضائیں روح کو سامانِ تسکین اور لب تشنہ اور قلب محزون کو آبِ حیات اور مژدۂ جاودانی عطا کرنے میں شب وروز محو خرام نظر آتی ہیں۔

برصغیر میں ہماری شعری روایت نعت کے حوالہ سے بہت قدیم ہے۔ غزل، تضمین، مسدس، مثلث، مخمس، مربع، مستزاد، ترجیع بند، رباعی، قطعات، ترکیب بند، مثنوی اور قصیدے کے علاوہ طویل نظم نگاری اور نئی ہیئتوں کے تجربوں کے نتیجے میں آزاد اور نثری نظم اردو شاعری میں اپنی شناخت اور بقا کے لیے سرگرم جد وجہد ہے اور اس کی دشت نوردی رنگ لا رہی ہے۔

نعت گوئی کی روایت کو ہمارے شعراء نے نہ صرف یہ کہ باقی رکھا بلکہ اس کو پروان چڑھایا اور جدت طرازی اور ندرت بیانی نے اس صنف سخن کو اس قدر وسعت دی کہ ناقدین ادب کو بھی اس کی طرف توجہ کرنی پڑی اور اس صنف کی جامعیت، آفاقیت اور سحر طرازی نے ان کو مجبور کیا کہ وہ اس کو ایک صنف سخن تسلیم کریں اور دوسری صنفوں کی طرح اس صنف کو بھی اپنی ادبیات میں جگہ دیں۔ اس طرح عربی، فارسی اور اردو ادبیات میں اس کے وجود نے ایک جہانِ نَو کی بنیاد ڈالی۔

نعت کی اس صنف سخن کو میں گنجہائے گراں مایہ تصور کرتا ہوں لیکن اس حقیقت کا اظہار ضروری سمجھتا ہوں کہ یہ سارے خزینے کتب خانوں اور کتاب ومجلّات کے سینوں میں دفینے کی طرح موجود تھے اور ان سے استفادہ کی راہ مشکل نہیں تو بہت آسان بھی نہیں تھی۔ اس ضمن میں میرے نزدیک اس سلسلۂ دبستانِ نعت کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے ان دفینوں تک پہلے رسائی حاصل کی اور پھر انھیں مرقع کی شکل میں قارئین کے سامنے پیش کرنے کا نازک ترین فریضہ انجام دیا۔ اقبالؔ نے بہت پہلے کہا تھا:

میری تمام سرگزشت کھوئے ہوؤں کی جستجو
میں کہ مری نوا میں ہے آتش رفتہ کا سراغ

میں برادر بزرگ جناب فیروز احمد سیفی صاحب (نیویارک) اور محبّ گرامی ڈاکٹر سراج احمد قادری صاحب کے ذہن رسا، فکر بینا اور دل بریاں کو کتابیات کے اس سلسلہ کا موجد ومحرک تصور کرتا ہوں کہ اس کے بغیر خانہ نمائش میں لالہ وگل کی یکجائی ممکن نہیں۔ دبستان نعت کے مطالعہ سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میزبان نے خوان نعت پر حمد ونعت کے ذخیرہ سے قدیم وجدید شعراء وشاعرات اور امت اجابت اور امت دعوت کے گلہائے رنگ کے ایسے تابندہ اور درخشندہ نمونے چن دیئے ہیں کہ عقل محو حیرت ہے اور فکر سراپا استعجاب، بیکل اتساہی، آزاد بلگرامی، حافظ شیرازی اور مولانا جامی کے ساتھ کرشن کمار طور، سریش بھٹ اور تلک راج پارس کی شمولیت قابل داد، سزاوار دید اور لائق ستائش ہی نہیں بلکہ مرتب وسرپرست کی نظر ثاقب، فکر بلند، مستقبل شناسی اور قدر دانی کی دلیل دل پذیر ہے۔

اس سلسلہ سے ایک نئے افق کی تاسیس عمل میں آئی ہے۔ ہزاروں نعتیں ہماری دسترس سے باہر تھیں، ہمارے ذہن ودماغ اس فن کی وسعتوں سے بے بہرہ تھے، بڑے بڑے قادر الکلام شعراء تک ہماری رسائی نہیں تھی بلکہ ان شعراء کے کلام تک ہماری رہنمائی کرنے والے اصحاب قلم کے اسمائے گرامی بھی ہماری لوح ذہن پر مرتسم نہیں تھے۔ اس سلسلہ میں نہ صرف یہ کہ ان کی یاد جگادی بلکہ ان کے نقوش قلم کی تابانی سے ہمارے قلب ونظر کو روشنی عطا کی۔

شمال سے جنوب اور مشرق سے مغرب تک ہندوستان کے مختلف صوبوں اور ان صوبوں کے مختلف اضلاع اور علاقوں کے شعراء تک رسائی کے لیے یہ سلسلہ شاہ کلید کی حیثیت رکھتا ہے۔ اڑیسہ، بہار، راجستھان، جنوبی ہند، مدراس، گوالیار، دھولیہ، خیرآباد، برہان پور، کانپور، ودربھ، خاندیش اور حیدر آباد کی اس صنف سخن میں شمولیت کا راز سربستہ اسی دبستان نعت سے ہم پرواہوتا ہے۔

ڈاکٹر سراج احمد قادری صاحب نے فارسی نعت گوئی، عربی نعت گوئی اور اردو نعت گوئی کو اپنے اس سلسلہ میں یکساں اہمیت دی ہے اور ان فنون کے ماہر اصحاب قلم کی نگارشات کے ذریعہ اس سلسلہ کو

بام عروج تک پہنچا دیا ہے اور تحمید و تقدیس، تابش فکر ونظر، افکار روشن، زاویۂ نگاہ، کائنات نعت اور گلہائے عقیدت جیسے عناوین کے تحت فکر وفن کا حسین گلدستہ قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کی نعمت عظمیٰ حاصل کی ہے۔ کائنات نعت کے تحت مختلف اصحاب قلم کے تبصرے بھی اس سلسلہ کی اہمیت و افادیت کے روزن ہیں۔ کلیات صبیح رحمانی، کلیات عزیز احسن، دیوان وجیہ، ازہار مدینہ، وسیلۂ نجات، نفیر حرم، عکس معرفت، قصیدۂ بردہ اور قصیدۂ بانت سعاد کے تعارف و تبصرہ اور تنقیدی جائزہ کی شمولیت بھی اس سلسلہ کو علمی و آفاقی عظمت عطا کرتی ہے۔ ہندوستان بلکہ برصغیر میں نعتیہ دواوین کی اپنی اہمیت ہے۔ ہر نعت گو شاعر یا اس فن سے وابستگی اور دلچسپی رکھنے والے اصحاب قلم نے دواوین کی ترتیب و تنسیق کی طرف توجہ کی ہے۔ اس سلسلہ میں بعض کتب خانوں کے حوالہ سے نعتیہ دواوین پر ثمر آور تعارف کے ذریعہ قارئین کو دلچسپ معلومات فراہم کی گئی ہے۔

اس سلسلہ کا چھٹا شمارہ دیدہ زیب ہونے کے ساتھ ساتھ قامت اور قیمت دونوں اعتبار سے نظر نواز، ذہن ساز، ہنر پرور اور فکر انگیز ہے۔ اس شمارہ میں خاص طور پر چار نامور عربی نعت گو شعراء تک ہماری رسائی ہوتی ہے۔ حضرت کعب بن زہیر، امام بوصیری، حسان الہند علامہ سید غلام علی آزاد بلگرامی اور علامہ باقر آگاہ ویلوری مدراسی۔ دبستان نعت کے دوسرے شمارہ میں آزاد بلگرامی کے تفصیلی تعارف پر اکتفا کیا گیا تھا اس شمارے میں ان کے نعتیہ اشعار ترجمے کے ساتھ پیش کر دیئے گئے ہیں۔ آگاہ ویلوری کی شاعری پر بھی تفصیل سے گفتگو کی گئی ہے۔ اسی طرح علامہ بوصیری کی نعت اور قصیدہ بانت سعاد کے تقابلی مطالعہ سے ان دونوں قصیدوں کی اہمیت و معنویت کو قارئین کے سامنے پیش کرنے کی بار آور کوشش کی گئی ہے۔

سلسلۂ دبستان نعت کے یہ سات سالنامے، ہندوستان میں کسی ایک صنف میں سالناموں کی اشاعت کی تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ سالنامے اپنی وسعت، تنوع، آفاقیت، جدت، ندرت اور لسانی و تنقیدی نقطۂ نظر کے حوالے سے ایک دستاویز کی حیثیت کے حامل ہیں۔ ان تمام سالناموں میں شائع کردہ مقالات، مضامین، تبصرے اور گلدستہ ہائے حمد ونعت تاریخ ادبیات کا ناقابل فراموش اور ناقابل نظر انداز حصہ بن چکے ہیں۔ ہندوستان کی تاریخ ادبیات کا مرتب جب بھی صنف نعت کی تاریخ پر قلم اٹھائے گا تو ''دبستانِ نعت'' کے تذکرہ کے بغیر اس کی تاریخ ادھوری اور اس کا کالبد قلمی بے جان تصور ہوگا۔ اس دبستانِ نعت نے علمی دنیا میں اپنی ایسی شناخت بنائی ہے کہ اب صنف نعت اور دبستان نعت گویا لازم وملزوم ہوگئے ہیں۔ جب بھی اور جہاں بھی نعت کا تذکرہ ہوگا

دبستان نعت کا تصور ذہنوں میں گردش کرنے لگے گا اور جہاں بھی دبستان نعت کا تذکرہ ہوگا صنف نعت اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ وہاں جلوہ گر ہوگی۔ میں اس خارزار وادی کی پنہائیوں، پہنائیوں، پسپائیوں اور آبلہ پائیوں سے خوب واقف ہوں۔ ہر قدم پر طوق وسلاسل کی آویزش، ہر سانس پر یاس وناامیدی کی یورش، ہر جادہ پر ہم نفسوں اور کرم فرماؤں کی یلغار، ہر فکر پر آہوانِ دشت کی برہمی ونکتہ چینی، ہر سطر پر کلک خام کی خوردہ گیری و پردہ دری ناخواندہ مہمان کی طرح ہمارے استقبال کے لیے باہمہ ہوش وحواس ہراول دستے کی طرح چاق وچوبند دست بستہ ایستادہ نظر آئے گی۔

لیکن ہر دور میں ان ناخواندہ مہمانوں کی لن ترانیوں نے اصحاب فکر وفن کی تیز گامی کو وہ رفتار دی کہ کرم فرماؤں کی کرم فرمائیاں حواس باختہ اس منظر کا دور تک اور دیر تلک نہ صرف مشاہدہ کرتی رہیں بلکہ اپنی کرم فرمائیوں پر نادم بھی ہوئیں۔ دبستان نعت نے تنقید وتبصرہ کی شمولیت کے ذریعہ اس قدرے بند دروازے کو بالکل وا کردیا ہے:

کون ہوتا ہے حریف مئے مرد افگن عشق ہے مکرر لب ساقی پہ صلا میرے بعد

ان گذشتہ شماروں میں قیمتی مقالات، نادر مضامین اور ہزاروں نعتیہ اور حمدیہ اشعار نے ہمارے قلب ودماغ کے بند دریچوں کو وا کرنے میں جس اہم کردار کا مظاہرہ کیا ہے اس کا سہرا ڈاکٹر سراج احمد قادری صاحب کے سر جاتا ہے۔

مضامین کا حصول، اصحاب مقالات سے مسلسل ربط، نعت گو شعراء سے خط وکتابت، مضامین کی کمپوزنگ، ان کی پروف ریڈنگ پھر ان کی ترتیب وتنسیق، پھر طباعت کا جاں گسل مرحلہ اور سب سے بڑھ کر ان پر آنے والے مصارف کا نظم، یہ سارے مراحل-طول عمل اور طول امل- زہرہ گداز ہی نہیں بلکہ کوزہ پشتی کی راہ ہموار کرتے ہیں، لیکن ڈاکٹر قادری صاحب خندہ پیشانی کے ساتھ ان تمام مراحل سے سرخ رو نکلے ہیں اور دعا ہے کہ وہ ان شاءاللہ آئندہ بھی سالم وغانم ہی واپس آئیں گے۔

میں ڈاکٹر صاحب کو اس سنگلاخ وادی کو سر کرنے پر دل کی گہرائیوں سے مبارکباد پیش کرتا ہوں اور حکم کی تعمیل میں تاخیر پر سراپا ندامت ہوں۔ اس حسن طلب کے ساتھ کہ جلد ہی آٹھواں شمارہ شرف صدور لائے گا۔ دعاؤں میں یاد رکھیں۔ اس تبصرہ کے ساتھ میں منظوم تاثرات بھی ارسال کررہا ہوں۔ امید ہے کہ آٹھویں شمارہ میں اسے شامل فرما کر ممنون فرمائیں گے۔

☆☆☆

ڈاکٹر سعید احسن قادری (پونہ، مہاراشٹرا)

پروفیسر ابوسفیان اصلاحی کے تحلیل و تجزیہ کا ایک تجزیاتی مطالعہ

''دبستان نعت'' کا ساتواں شمارہ اس وقت میرے پیشِ نظر ہے جو ہندوستان سے شائع ہونے والے علمی و ادبی جرائد میں اپنی مثال آپ ہے۔ مجلّے کے مشمولات پر ایک نظر ڈالنے سے ہی اس کی عظمت و توقیر کا اندازہ ہو جاتا ہے کہ ادبی دنیا میں اس کا مقام و مرتبہ کیا ہے؟ موضوعاتی ادب پر اس طرح نوع بنوع مقالات و مضامین سے مزین کسی جریدے کا تسلسل کے ساتھ جلوہ بار ہونا حیرت کن ہونے کے ساتھ ساتھ اپنی عظمت کا بھی اعتراف کراتا ہے۔ بلا شبہ یہ مجلّہ مدیر محترم ڈاکٹر سراج احمد قادری مدّ ظلہٗ کی محنت شاقہ کا نتیجہ ہے۔ مستقبل میں جب بھی کوئی مورخ نعتیہ ادب پر قلم اُٹھائے گا تو اس کی توجہ ''دبستان نعت'' پر ضرو ہوگی اور وہ ڈاکٹر سراج احمد قادری کو جہاں ڈھیر ساری دعاوؤں سے نوازئے گا وہیں وہ اپنی تحریروں میں اس کو ریفرنس بک کے طور پر بھی پیش کرے گا۔

جس طرح یہ مجلّہ سال بھر میں ایک بار منظر عام پر آتا ہے ٹھیک اسی طرح اس کو پڑھنے اور اس پر لکھنے کے لیے بھی اتنی ہی مدت درکار ہے۔ جب ہم رواں صدی پر ایک نظر ڈالتے ہیں تو یہ صدی ہمیں مصروف ترین صدی نظر آتی ہے جسے بالفاظ دیگر یوں کہہ سکتے ہیں کہ یہ صدی انسانوں کے لیے جسمانی طور پر تو مصروف ترین ہے، ہی مگر ذہنی آزمائش و ابتلا کی بھی صدی ہے ایسے میں اتنے ضخیم و فخیم جریدے پر کچھ لکھنا کارے دراد کے مصداق ہے مگر پھر بھی حکم کی تعمیل کرتے ہوئے میں نے صرف پروفیسر ابوسفیان صلاحی صاحب کے مضمون ''امام بوصیری کی نعتیہ شاعری۔ تحلیل و تجزیہ پر ایک محاکمانہ گفتگو کرنے کی اپنی سی کوشش کی ہے۔

پروفیسر صاحب نے جہاں علامہ بوصیری علیہ الرحمہ کے افکار و نظریات و معتقدات پر تیشہ زنی کی ہے وہیں ان کی شعری خصوصیات کو بھی واضح فرمایا ہے اور ایک شعر کے تعلق سے تو یہاں تک کہہ دیا

کہ یہ الہامی شعر ہے۔ الہامی شعر کہہ دینے کے بعد بھی ان کے افکار و معتقدات پر چوٹ کرنا ''چور کی داڑھی میں تنکا'' کے مصداق ہے۔ کسی بھی حدیث طیبہ کو مطلقاً ضعیف کہہ دینا بہت بڑی جسارت کی بات ہے۔ یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ حدیث ضعیف کا اطلاق صرف راویوں کے ضعف کے باعث ہوتا ہے ورنہ حدیث مبارکہ بہر صورت حدیث ہے اور جس کی توضیح و تشریح شارحین حدیث کی جملہ کتابوں میں دستیاب ہے۔ نیز اسی ضمن میں یہ بھی عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ایک گروہ احادیث مبارکہ کو ضعیف کہنے میں عجلت سے کام لیتا ہے اور کبھی کبھی نوبت یہاں تک پہونچ جاتی ہے کہ وہ انکار حدیث بھی کرنے لگتا ہے جنہیں اصطلاح یا عرف عام میں منکر حدیث کہا جاتا ہے۔ پروفیسر صاحب کی تحریروں کو پڑھ کر ان کا منہج بھی منکر حدیث کی تقلید کا مظہر نظر آتا ہے۔

پیش نظر شمارے میں حضرت امام بوصیری علیہ الرحمہ پر کی نعتیہ شاعری پر وفیسر صاحب کا شائع مضمون ''امام بوصیری کی نعتیہ شاعری۔ تحلیل و تجزیہ'' پر میرا تجزیاتی مطالعہ نذر قارئین ہے۔

(۱) واقعۂ فیل پر پروفیسر صاحب کا تبصرہ ہے کہ علامہ بوصیری کا دعویٰ دلیل سے عاری دعویٰ ہے اور بے بنیاد ''خیال'' کچھ عرب شعرأ کو پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان اشعار کا واضح مطلب ہے کہ حج کے ایام تھے۔ جب کہ ساری دنیا کو معلوم ہے کہ ایّام حج ۸/ذوالحجہ سے ۱۲/ذوالحجہ تک ہیں اور یہ بھی مسلم ہے کہ قربانی کے جانور کے گلے میں قلادے ہوتے تھے جو کہ ہدی کی نشانی ہے اور یہ بھی مسلم ہے کہ واقعۂ فیل سے ۵۵/دن پہلے ولادت طیبہ پر اہلِ علم کا اتفاق ہے، تو ان اشعار کو علامہ بوصیری کے خلاف پیش کرنا خلافِ واقعہ ہے۔ واقعۂ فیل دراصل ماہ محرم میں وقوع پذیر ہوا۔ نفس الامر میں علامہ بوصیری کا داعیہ ہے کہ حضور کی ولادت اور قبلِ ولادت ایسے ایسے واقعات رونما ہوئے جن کو پڑھ کر قاری کے ذہن میں محبتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شمع روشن ہو جائے اس لیے کہ تاریخ کے اوراق میں یہ بھی ملتا ہے کہ نورِ نبوت دیکھ کر لوگ حیرت میں پڑ جاتے تھے۔ نیز کتب سیر میں یہ بھی ملتا ہے کہ جب آپ بطن آمنہ میں تھے تب بھی بہت سے محیر العقول واقعات رونما ہوئے اور بعد ولادت بھی معجزات کا ظہور ہوا اور نورِ نبوت کی برکتوں سے کون انکار کر سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جناب عبدالمطلب نے یہ قدم اُٹھایا کہ اہلِ مکہ اور خود پہاڑوں میں جا چھپے اور یہ کہ اپنے گھر کی حفاظت خود ربِّ کعبہ فرمائے گا یہ یقین و تیقن کی اعلیٰ منزل کو ثابت کرتا ہے۔ اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ عرب جیسی بہادر قوم اتنی بزدل کیسے ہو گئی۔ ڈاکٹر صاحب! کی یہ خام خیالی ہے۔ لگتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے اپنی ذات کو مثل بنا لیا جنہیں اللہ کے رازق ہونے پر قطعی یقین نہیں ہے ورنہ بانگ

دہل سرسیڈے کی مخالفت کرتے۔ مخالفت کیا کریں گے، اگر شام میں اس کے خلاف کوئی بیان یا تحریر عام کریں تو صبح ان کی حالت کیا ہوگی یہ وہ بخوبی جانتے ہیں۔ پھر طرہ یہ کہ اس عظیم یادگاری موقع پر خود کباب وقورمہ سے لطف اندوز ہونے میں پیچھے نہیں رہتے ہیں۔ پورے واقعۂ فیل کی تفصیل طلب ہو تو ''شرح زرقانی علی المواہب المقصد الاوّل عام الفیل وقصۂ ابرہہ صفحہ ۱۴۶ کا مطالعہ کریں، تو جناب عبدالمطلب کے ایقان وتیقن کا اندازہ لگانا مشکل نہ ہوگا نیز ابنِ کثیر کا مطالعہ فرمائیں تو ان کے اس اقدام کو بآسانی سمجھا جاسکتا ہے۔

دوسری بات یہ بھی ہے کہ مکۂ معظّمہ دارالامن تھا وہاں کشت وخون اہلِ مکہ کو ناپسند تھا اور تیسری سب سے بڑی وجہ یہ کہ اسی بلد امین میں نور مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی تمام تر جلوہ سامانیوں کے ساتھ موجود تھا جس کا تحفظ بھی ضروری تھا۔ اسی نورِ مبین پر یقین کرتے ہوئے اس طرح کا فیصلہ لیا۔

(۲) علامہ بوصیری ایک شعر میں عرض کرتے ہیں'' آپ انہیں آیات کریمہ کی تلاوت کرتے رہے اور تلوار ان کی گردنوں پر لہراتے رہے۔'' اس پر جناب نے بڑی بے باکی سے یہ کہہ دیا کہ سیرت کا تقدس مجروح ہوتا ہے جو کہ رحمت عالم کے منافی ہے۔

ان کی فہم وفراست پر ہنسنے کو دل کرتا ہے۔ نقد وجرح کرتے کرتے کہاں پہنچ گئے۔ علامہ بوصیری نے کب کہا کہ یہ وہی تلوار تھی جو جنگ وجدال میں چلا کرتی ہے۔ یہ تو استعارہ ہے کہ حضور اپنے اخلاق واخلاص اور دعوتِ دین اور عظمتِ توحید کو پیش کرتے رہے اس لیے کہ اسی شعر میں یہ رُخ واضح کرنے کے لیے کافی ہے کہ مستقل آیات کریمہ کی تلاوت کرتے رہے۔ محترم یہی آیت الٰہیہ تو انقلاب برپا کرتی تھیں اور مشرکین مکہ اسی لیے اپنے کانوں میں روئیاں ڈال لیا کرتے تھے تاکہ نہ سنیں گے اور نہ ہی انقلاب بپا ہوگا۔ یہ تلوار کفر کی زنجیروں کو کاٹ دیتی تھی نہ کہ گردنوں کو اس پر کتنے واقعات شاہد ہیں سیرتِ نبوی پر لکھی جانے والی ہر کتاب میں موجود ہے۔ چنانچہ ان آیتوں کو سن کر لوگ دامن کفر سے علاحدہ ہوکر دامنِ مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں پناہ لیتے تھے۔

محترم! یہ دُنیاوی تلوار کی بات نہیں ہے بلکہ یہ الٰہی تلوار تھی جو آیتوں کی شکل میں رونما ہوتی تھی اور آپ نے اُسے دنیاوی تلوار سمجھ لیا اور علامہ بوصیری کے مقدس خیال اور پاکیزہ جذبات کو مجروح کردیا۔ ایک بات اور واضح کرتا چلوں کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی دعا سے یہ شہر دارالامن ہے۔ چنانچہ ان کی اس دعا کے بعد ۲۲۰۰ رسال تک کسی نے خانۂ کعبہ پر حملہ نہیں کیا۔ مستند روایت سے یہ ثابت ہے کہ جس سال خانۂ کعبہ پر حملہ ہوا اُسی سال آپ کی ولادت ہے۔ اس کو آپ یوں بھی سمجھ

سکتے ہیں کہ خانۂ کعبہ پر حملہ ہونا اور اسی سال ولادت طیبہ کا ہونا محض اتفاق نہیں سمجھا جا سکتا بلکہ خدائے تعالیٰ کہ یہ فعلی شہادت ہے کہ دشمن اسلام کو اسی طرح سزا دی جائے گی۔ اس سلسلے میں افادات تفسیر کبیر کا مطالعہ مفید ہوگا۔

(۳) امام بوصیری نے ایک مدحیہ شعر میں امام الانبیا علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی نبوت کے تعلق سے تحریر فرمایا ہے جس پر پروفیسر صاحب نے ضعیف ہونے کا الزام لگا کر یہاں تک کہنے کی جسارت کی کر دی کہ امام بوصیری نے متعدد اشعار میں بے معنی اور موضوع ''روایتوں کو پیش کیا ہے۔'' اسے قلیل المطالعہ ہی کہا جا سکتا ہے۔

اب اس حدیثِ پاک کی نوعیت کیا ہے اور اسے کن کن محدثین نے کیا کہا ہے تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔ **كنت نبيا وآدم بين الروح و الجسد احمد البخارى فى تاريخ ابن السكن وغيره و الحاكم فى المستدرك جلد دوم صفحه 208 واقفهٔ الزهبى۔**

و عن ابى هريرة قالوا يا رسول اللّه متىٰ وجبت لك النبوة قال وآدم بين الروح و الجسد ترمذى صحيح غريب مناقب و صحه الحاكم جلد دوم صفحه 609، انظر المقاصد الحسنه صفحه 325 كنت نبيا و آدم بين الروح و الجسد

سیدنا میسرۃ الفجر (عبداللّٰہ بن ابی جدی تمیمی) فرماتے ہیں۔ **قلت يا رسول اللّه متىٰ كنت نبيا قال كنت نبيا وآدم بين الروح و الجسد۔** میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول (تقدیر میں) کب سے لکھا گیا کہ آپ نبی ہیں؟ فرمایا آدم ابھی روح و جسم کے مراحل میں تھے کہ میری نبوت لکھی جا چکی تھی۔ **التاريخ الكبرىٰ جلد 7 صفحه 373 مسند امام احمد المعجم الكبير للطبرانى جلد 20 صفحه 353، القدر للفريابي صفحه 17، سنده صحيح۔** اس حدیث کے تعلق سے حافظ ابنِ حجر فرماتے ہیں: **و هذا سند قوى الاصابه فى تميز الصحابه** جلد 6 صفحہ 189، امام حاکم نے صحیح الاسناد اور حافظ ذہبی نے صحیح کہا ہے۔

عن ابى هريرة قال قالوا يا رسول اللّه متىٰ لك النبوة وجبت قال وآدم بين الروح و الجسد ۔ رواه الترمذى و الحاكم و قال ابو عينى هذا حديث حسن صحيح ۔ وقال الهشيمى رواه احمد و الطبرانى و رجاله رجال الصحيح ۔

اس کے علاوہ ترمذی نے اپنی سنن میں احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں، **حاكم** نے **المستدرك**، **ابن ابى شيبه** نے المصنف میں، ابوسعد نیشاپوری نے **شرف المصطفىٰ**، **طبرانى** نے

معجم الاوسط اور **معجم الکبیر** میں، ابونعیم نے **حلیة الاولیا** میں اور **دلائل النبوہ** میں، بخاری نے **تاریخ الکبیر** و **الخلال فی السنه** میں، اسناد صحیح اور ابن عاصم نے السنہ میں اسنادہ صحیح ۔شیبانی نے **الآحاد والمثانی** میں،، عبداللہ بن احمد نے السنہ میں اسناد صحیح، اور ابن سعد نے **طبقات الکبریٰ** میں، ابن حبان نے **الثقات** میں، ویلمی نے مسند الفردوس میں، ابن عساکر نے تاریخ مدینہ ودمشق میں، عسقلانی نے **تھذیب التھذیب** میں، ذہبی نے **سیر الاعلام و النبلا** میں **وقال ھذا حدیث صالح السند** ، **ابن کثیر** نے بدایہ والنہایہ میں، سیوطی نے **خصائص الکبریٰ** میں و **ذکرہ الا لبانی فی سلسلة الاحادیث الصحیحه** وغیرہ۔

ان تمام حوالہ جات کی روشنی میں پروفیسر صاحب کو رجوع کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ منکرین حدیث کے گروہ سے خدارا باہر آئیں اور عظمت وتقدس رسالت کو اوّلین خاطر رکھیں تو زیادہ بہتر ہوگا۔

منکرین حدیث اور ہمہ وقت ضعیف کی رٹ لگانے والے حضرات کا مقصد اوّلین یہی ہوتا ہے کہ جہاں جہاں عظمت مصطفیٰ کی بات آئے وہاں کچھ ایسا کر دیا جائے کہ امّت مسلمہ شک وشبہ میں پڑ کر روز قیامت شفاعت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محروم ہو جائے۔

☆☆☆

حلیم صابر (کولکاتا)

دبستان نعت: کامیابی کے ہفت آسمان پر

''دبستان نعت'' فروغ حمد ونعت کا کتابی سلسلہ اپنے سابقہ سلسلے کی کڑیوں سے آراستہ ہو کر کامیابی کی ساتویں منزل کا سفر طے کر کے منصۂ شہود پر جلوہ نما ہوا جس کے مطالعے سے ذہن ودل پر ایمان وایقان کے مثبت نقوش اثر پذیر ہوئے۔ یہ بات خلاف توقع ہے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی حمد وثنا زیب مطالعہ ہو، نعتیہ ادب کے تعلق سے معلومات افزا اور ایمان افروز مضامین وغیرہ مطالعے کی زینت بنیں اور اس کا اثر غلامان محمد مصطفیٰ قبول نہ کر پائیں ایسا ہو نہیں سکتا۔ لہٰذا پچھلے شمارے نمبر 6 ضخامت 960 صفحات کے مقابلے میں زیر نظر شمارہ اپنی کم ضخامت کے اعتبار سے 520 صفحات پر مشتمل ہے، لیکن اس میں مستعمل مضامین اور حمدیہ ونعتیہ منظومات روح کو تازگی اور ایمان کو پختگی عطا کرتے ہیں۔

نعت پاک مدحت سرور کائنات کے تعلق سے دنیا کی ساری زبانوں میں کہی گئی، اسلام کو جب عالمی مذہب کا درجہ حاصل ہوا تو ہر ملک میں آباد ہر زبان سے وابستہ شعراء نے حمد ونعت کہنے کی کوشش کی جن کی کامیابی کی دلیل کتابی اور مخطوطات کی شکل میں لائبریریوں میں محفوظ ہے۔ سب سے پہلی نعت تو اللہ نے اپنے نور سے جب نور محمدی کی تخلیق کی تو کہی جس کا ذکر راقم الحروف نے اپنے ایک نعتیہ شعر میں یوں کہا ہے:

کر کے تخلیق نورٌ علیٰ نور کی نور خالق بھی اس پر فدا ہو گیا

مزید برآں فرشتوں اور جنات بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں مدح سرائی کی اور نبی کریم کی شان میں درود وسلام کا نذرانہ پیش کرتے ہیں جس کا ذکر اللہ نے قرآن میں کیا ہے اور زبور، توریت اور انجیل میں بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات اور ان کے پیغمبر آخر الزماں ہونے کا انکشاف ہوتا ہے۔ نعت کی تعریف میں مشاہیر ادب کے بے شمار مضامین موجود ہیں۔ زیر نظر مجلّہ میں پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین (نئی دہلی) کا ایک مضمون بعنوان ''نعت کا حسن بیانیہ'' کا ابتدائی اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔ نعت ایک پاکیزہ اور مقدس صنف ہے جس کی روایت دنیا کی بڑی زبانوں میں موجود

ہے، لیکن نعت کی روایت صرف ادبیات عالم میں نہیں بلکہ تمام آسمانی صحائف اور کتابوں میں نعت نبی موجود ہے؛ کیونکہ ان آسمانی کتابوں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی بشارت کے ساتھ ساتھ ان کی تعریف وتوصیف بھی موجود ہے۔ رہی بات دنیا کی زبانوں کی تو ہر زبان میں صنف نعت اپنی اپنی زبان کی لطافت کے لحاظ سے موجود ہے۔

یہ بات بھی نعت گوئی کے تعلق سے صادق آتی ہے کہ جن کا مدح خواں خود حق تعالیٰ ہو اس ذات اقدس کی مدح سرائی کوئی کما حقہ کیونکر کرسکتا ہے۔ ہاں ہر محبّ نبی دینی عقیدت اور اپنی بساط بھر کوشش کرتا ہے کہ سرورِ دوجہاں کی شان میں درود وسلام اور نعتوں کا نذرانہ پیش کرے۔ اس شمارے میں بھی تقریباً ڈھائی درجن شعراء کی عقیدت سے بھرپور نعتیں شامل ہیں جن میں ڈاکٹر صوفی غازی امان، ڈاکٹر مبشر احمد، حضرت شاہ جمال الدین البہجت، راز الہ آبادی، سید محمد اشرف مارہروی، سید خالد اشرف کچھوچھوی، تنویر پھول، ڈاکٹر راہی فدائی، ساجد خیر آبادی، محمد آیت اللہ قادری، مولانا نثار احمد نثار فدائی باقوی، ڈاکٹر رضوان الرضا رضوان، قسمت سکندر پوری، فاطمہ زہرا، ڈاکٹر شاہد جمال شاہد، اوشا بھدوریہ، ثروت سلطانہ، رضیہ امروہوی، نور جہاں بنت احمد عرب، ڈاکٹر جعفر جری، شنکر رام سنکر، پنڈت کیفی دہلوی، سرکشن پرساد شاد، رانا بھگوان داس، جگن ناتھ آزاد، محمد افضل حسین استاد بریلوی، حافظ سعود محمود آبادی اور شیخ عباد اللہ رنج معروف بہ شیخ بادل صاحبان نے رسول پاکؐ کی شان میں اپنی بھرپور عقیدت کا اظہار نعتوں کی شکل میں کیا ہے جن میں برادران وطن کی نعتیں بھی متاثر کرتی ہیں۔

گوشۂ نعت میں جب نصف درجن غیر مسلم شعراء کی نعتوں کا مطالعہ کیا تو ہمارے نبیؐ کو اللہ نے رحمتہ اللعالمین بنا کر بھیجا تو آپ صرف رحمۃ المسلمین کیونکر ہوتے جس کا اظہار مسلم اور غیر مسلم دونوں شعرا کرتے ہیں۔ غیر مسلم شاعروں نے بھی ایسی نعت کہی ہے جس کی حیثیت آفاقی ہوگئی ہے بطور نمونہ بالترتیب سادھو رام آرزو سہارنپوری کا ایک شعر اور کرشن بہاری نور کا ایک قطعہ ملاحظہ فرمائیں۔

ہزاروں جبرئیل الجھے ہوئے ہیں گردِ منزل سے — نہ جانے کس بلندی پر ہے کا شانہ محمد کا

دیر سے نور چلا باب حرم تک پہنچا — سلسلہ میرے گناہوں کا کرم تک پہنچا

ان کی معراج کہ وہ عرش بریں تک پہنچے — میری معراج کہ میں ان کے قدم تک پہنچا

اب تک نعت کے تعلق سے باتیں پیش کی گئیں اور ضروری ہے کہ نعت سے متعلق مشاہیر ادب اور ناقدین کے مضامین جو شامل کئے گئے وہ بھی بڑی اہمیت کے حامل ہیں جن سے نعت گوئی کے لوازمات اور فنی تقاضوں کو عقیدت کی روشنی میں سمجھنے کی سعادت نصیب ہوئی ہے جو نعت گو شعراء کو درجہ

اعتبار عطا کرتے ہیں۔عنوان کے ساتھ ان کے نام ملاحظہ فرمائیں جس کے لائق مطالعہ نعتیہ مضامین اس مجلّے کی قدر و قیمت میں اضافہ کرتے ہیں۔''معراج رسولؐ کا فکر اقبال کا محرک تحریک (پروفیسر عبدالحق)، نعت کا حسن بیانیہ (پروفیسر خواجہ اکرام الدین)، سبحان اللہ و بحمدہ (ڈاکٹر داؤد محسن داد نگرے)، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی ایک نعت (پروفیسر فاروق احمد صدیقی)، سرتا بقدم ہے تن سلطان زمن پھول (ڈاکٹر محمد افتخار شفیع)، عہد رسالت کے چند نعت گو شعراء (ڈاکٹر عقیل ہاشمی) امام بوصیری کی نعتیہ شاعری۔تحلیل و تجزیہ (پروفیسر ابوسفیان اصلاحی)، نعتیہ شاعری (اردو) کے زمانے گوشے (علامہ عتیق اثر ندوی) بارگاہ رسالت مآب (ڈاکٹر محمد آصف)۔

بارہویں صدی ہجری کے ایک باکمال نعت گو فارسی شاعر علامہ معجز مدراسی پر ڈاکٹر راہی فدائی کا مضمون 20 صفحات پر مشتمل نمونہ فارسی کے ساتھ بڑی اہمیت رکھتا ہے جس سے معلومات کے چشمے ابلتے ہیں نیز ڈاکٹر راہی فدائی کی نعتیہ شاعری پر ڈاکٹر عبدالستار ساحر کے علاوہ ضیاء الملت حضرت علامہ امانیؒ کی مختصر سوانح اوران کی یادگار مثنوی ''گلشن سیرت'' پر حضرت مولانا نثار احمد نثار فدائی باقوی کی تحریر تاریخی حیثیت رکھتی ہے۔مزید برآں بارہویں صدی ہجری کے مایہ ناز نعت گو شاعر حضور شاہ قربی ویلوریؒ پر مولوی حافظ بشیر الحق ابن محمد نور آل قریشی (ویلور تمل ناڈو) کا مضمون لائق تحسین ہے جو جنوبی ہند کے دو ایسے شاعروں کو پوری اردو دنیا سے متعارف کرانے کا فریضہ ادا کرتا ہے جو گمنامی کی دھند میں کھو گئے تھے۔اس کے علاوہ آذر بائیجان کا قد آور شاعر حسان العجم خاقانی کی نعتیہ شاعری (ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد)، دبستان نعت کے اداریے (انور بھدرکی)، نعت صرف ایک موضوعی صنف نہیں ہے (غوثیہ سلطانہ)، راجستھان کا ایک گمنام نعت گو واجد حسین واجد (ڈاکٹر شاہد احمد جمالی)، عین المعارف پر: عرفان وآگہی کی نظر (ڈاکٹر رضوان الرضا رضوان)، حضور مفتی اعظم ہند کی حمد نگاری (ڈاکٹر محمد امجد رضا خان)، لکھنؤ کے مایہ ناز نعت گو شاعر ہمسر قادری لکھنوی کی تقدیسی شاعری کا جائزہ (ڈاکٹر رضوان امجدی)، حضرت خواجہ مصباح الحسن چشتی حیات اور نعتیہ شاعری (عابد چشتی)، امرومہ کے چند مشاہیر نعت گو (ڈاکٹر مصباح احمد صدیقی) اور میں اور میرے علمی اکتسابات نعت نبی کے خصوصی مطالعہ کے ساتھ (ڈاکٹر اسماعیل آزاد)۔

اب تابش فکر ونظر/ افکار روشن کے باب میں دو ایسے مضامین نگاروں عظیم انصاری اور ڈاکٹر الف.انصاری کے اسمائے گرامی آتے ہیں جنھیں میں خراج تحسین پیش کرتا ہوں جنھوں نے بنگال کے نعتیہ ادبی منظر نامے علی الترتیب، نعت گوئی: روایت اور فنی ارتقا (ارض بنگالہ میں اردو زبان وادب

کے حوالے سے) پیش کر کے بنگال کے 75 نعت گو شعرا جن کے نعتیہ مجموعے شائع ہوئے انھیں پہلی بار دبستان نعت کے حوالے سے پوری اردو دنیا کو متعارف کرانے کا فریضہ ادا کیا ہے۔ عظیم انصاری نعتیہ ادب کے تعلق سے تحقیقی فریضہ بھی انجام دے رہے ہیں جس سے نعتیہ ادب کا کا پورا منظر نامہ سامنے آجائے گا اور مٹیا برج (کلکتہ) میں نعتیہ قصیدہ نگاری پر ڈاکٹر الف انصاری کا تحقیقی مضمون بھی پہلی بار دبستان نعت کی زینت بنا جس کیلئے وہ مبارک باد کے مستحق ہیں۔ میں انہیں بھی خراج تحسین پیش کرتا ہوں کہ مٹیا برج کلکتہ جہاں کی پچھلی 8 دہائیوں سے نعتیہ قصیدہ خوانی کی محفلیں ربیع الاول کے مبارک مہینے میں گلی گلی کوچے کوچے آراستہ کی جاتی ہیں جس کی مثال دیگر صوبوں میں نہیں ملتی اور جتنے نعتیہ قصیدہ نگار بنگال میں تھے اور ابھی تک موجود بھی کتنے نعتیہ قصیدہ نگار ہیں وہ ملک کے کسی حصے میں نظر نہیں آئیں گے کیونکہ نعتیہ قصیدہ نگاری نعت سے الگ ایک فن ہے جس میں تشبیب اور اس کے بعد گریز کا بطور احسن مطلع ثانی کہا جاتا ہے جسے کہنہ مشق اساتذہ سخن ہی انجام دے سکتے ہیں۔

بہر حال ڈاکٹر سراج احمد قادری کے اداریہ اور علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی علیہ الرحمہ، ڈاکٹر غنی وبھا نازلی اور مولانا مظہر علی مظہر کی تحمید و تقدیس کے ساتھ ڈاکٹر سراج احمد قادری کی ادارت اور فیروز احمد سیفی، نیویارک کے زیر نگرانی شائع ہونے والا دبستان نعت، نعتیہ ادب کو فروغ دینے میں معاون ثابت ہو رہا ہے جس کیلئے مجلس مشاورت میں شامل پروفیسر عبدالحق، ڈاکٹر آصف آدر گلاسکو، ڈاکٹر احمد القاضی، جامعہ ازہر مصر، ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد، ڈاکٹر راہی فدائی، ڈاکٹر شعائر اللہ خاں، پروفیسر ڈاکٹر مقصود احمد، فاروقی احمد جائسی، ڈاکٹر جعفر جری، ڈاکٹر رضوان انصاری اور قاضی اسد ثنائی والے صاحبان بھی مبارک باد کے مستحق ہیں۔ اللہ تعالی ان تمام حضرات کے نیک عزائم کو سلامت رکھے اور دبستان نعت آئندہ بھی آب و تاب کے ساتھ شائع ہوا کرے۔

☆☆☆

محمد اشرف رضا قادری (چھتیس گڑھ)

دبستانِ نعت کے شمارہ (7) پر ایک تحقیقی نظر

''دبستان'' ایک مخصوص ادبی و شعری اصطلاح ہے۔ حالات کے پیشِ نظر کسی مخصوص نظریہ کی ترجمانی کرنے والے ادبی گروہ کو ''دبستان'' کہا جاتا ہے۔ یعنی جب بہت سارے ادباء اور شعرا ایک مخصوص علاقے اور زمانے کی طرز و فکر اور سماجی اقدار سے متاثر ہو کر ادب میں کسی مخصوص طرزِ فکر اور اندازِ نظر کو اپناتے ہیں تو اسے ''دبستان'' کہا جاتا ہے۔ جیسے دبستانِ دہلی، دبستانِ لکھنؤ، دبستانِ عظیم آباد وغیرہ۔ ''دبستانِ نعت'' کو ہم اسی تناظر میں دیکھ سکتے ہیں۔ قابلِ تعریف ہیں برصغیر پاک و ہند کے وہ شعرا و ادبا اور اصحابِ فکر و قلم جنھوں نے اردو ادب میں اپنی محنتِ شاقہ سے ''نعتیہ دبستان'' کی بنیاد ڈالی اور نعت سے متعلق مختلف جہتوں پر روشنی ڈال کر اس کے شعری اور نثری سرمایوں میں قابلِ قدر اضافہ فرمایا۔ 552 صفحات پر مشتمل ''دبستانِ نعت'' کا یہ ساتواں شمارہ پیشِ نظر ہے، جو حسبِ سابق نہایت آب و تاب اور صوری و معنوی خوبیوں سے آراستہ ہو کر منظرِ عام پر آیا ہے اور اس کا ''انتساب'' جنوبی ہند کے مردِ حق آگاہ، شہنشاہِ کشورِ نعت حضرت سید شاہ ابوالحسن قربؔی ویلوری علیہ الرحمہ کے نام کیا گیا ہے اور ان کے دو غیر مردف شعر بھی نموتاً پیش کیے گئے ہیں، جو کچھ اس طرح ہیں:

عین اعیانِ دو عالم ہے محمد مصطفیٰ مہرِ موجِ استقامت، ماہِ برجِ اصطفا
دانشِ مطلق کا منبع ہے یا محمد تو نچہ ہے قربؔی قرباں کو تیرے علمِ مطلق کر عطا

آخری مصرعے میں ایک حرف کی کمی محسوس ہوتی ہے۔ نیز ''تو نچہ'' کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا۔ اسی طرح دوسرے شعر میں ''یا محمد'' سے جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب درست معلوم نہیں ہوتا کیونکہ آیتِ کریمہ **"لا تجعلوا دعاء الرسول بينكم كدعاء بعضكم بعضا"** کی صراحت کے مطابق علمائے اسلام و فقہائے عظام نے ''یا محمد'' سے خطاب و ندا کو ناجائز بلکہ حرام لکھا ہے، جس سے احتراز و اجتناب بہر حال لازم ہے۔

اکیسویں صدی کو ''نعت کی صدی'' کہا جا رہا ہے، جو بہت حد تک درست ہے۔ کیوں کہ گذشتہ

چند صدیوں کے مقابلے میں موضوعات و اسالیب کے لحاظ سے صنفِ نعت میں کافی تبدیلی و ترقی دیکھنے کو مل رہی ہے۔ آئے دن نعتیہ مجموعہ ہائے کلام زیورِ طباعت سے آراستہ ہو کر محبینِ نعت کے ذوقِ سلیم کو فرحت و تازگی فراہم کر رہے ہیں۔ نعتیہ ادب کی ترویج و توسیع میں نمایاں خدمات انجام دینے والوں اور اس کے فروغ و استحکام میں فکری و عملی کوششیں کرنے والوں میں پیکرِ علم و حکمت، آبروئے قلم جناب ڈاکٹر سراج احمد قادری کا نام اب محتاجِ تعارف نہیں رہا۔ وہ گذشتہ چند برسوں سے نہایت مشقت و انہماک اور جذب و کیف کے عالم میں ڈوب کر نعت کی خدمت کر رہے ہیں اور اس موضوع پر دوسروں کو بھی کام کرنے پر مسلسل ابھار رہے ہیں۔ ڈاکٹر سراج احمد اسم بامسمیٰ شخصیت کا نام ہے۔ وہ علم و ادب کا سراج (چراغ) ہیں اور ''نعتِ احمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم'' کے بےلوث خادم ہیں۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان محدث بریلوی علیہ الرحمہ کی نعتیہ شاعری پر ان کی تحریر کردہ کتاب اہلِ علم و ادب کی نظروں میں قبولیت کی سند پا چکی ہے۔ خالص علمی، ادبی اور تحقیقی ذہن و فکر کے مالک ہیں۔ ان کی ادبی بصیرت، تنقیدی شعور اور تحقیقی رنگ کا ایک زمانہ معترف و مداح ہے۔ مضبوط قلم، پختہ فکر اور تحریر و صحافت کا گہرا تجربہ رکھتے ہیں۔ ''دبستانِ نعت'' ان کی ادبی و صحافتی بصیرت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ نعتیہ ادب کی ترسیل اور اس کے فروغ و استحکام میں ''دبستانِ نعت'' کا کردار قابلِ قدر اور لائقِ رشک ہے۔ راقم کی محدود معلومات کے مطابق ہندوستان کا یہ واحد علمی و تحقیقی مجلّہ ہے جو خالص فروغِ نعت کے حوالے سے کام کر رہا ہے اور ادبی حلقوں میں اپنی شناخت بنا رہا ہے۔ آنے والی نسلوں کو اس سے بہت کچھ سیکھنے کا موقع ملے گا۔ ''دبستانِ نعت'' کو ہندوستان کا ''نعت رنگ'' اور ڈاکٹر سراج احمد قادری کو ہندوستان کا ''صبیح رحمانی'' سمجھنا چاہیے۔ غوثیہ سلطانہ کی یہ رائے بڑی مثبت اور حقیقت آمیز معلوم ہوتی ہے، جس میں انہوں نے کہا ہے:

> ''دبستان نعت'' کا اداریہ پڑھتے ہوئے ایسا لگتا ہے جیسے جناب فیروز احمد سیفی اور جناب ڈاکٹر سراج احمد قادری نے جاگتی آنکھوں سے حمد و نعت کو جس مقام تک لے جانے کا خواب سجایا ہے، اس کی حسین تعبیر ہمارے سامنے ہے اور ان کی وسیع و عمیق مطالعہ کی روشنی میں طویل عرق ریزی کا عطر بیز اور تحقیقات عالیہ کا بیش بہا مرقع بصورت ''دبستان نعت'' ہماری آنکھوں کو روشن و منور، مشامِ جاں کو عطر بیز کر رہا ہے۔ تحقیق و تنقید کی جہتوں، سمتوں اور سطحوں کو ڈاکٹر صاحب نے جس صلاحیت،

تندہی اور بیداری کے ساتھ پیش کرنے کی کوشش کی ہے، آنے والے وقتوں میں محققین اور نقاد نہ صرف مستفیض ہوں گے بلکہ آنے والی نسلیں نئی راہیں تلاش کرنے میں بھی کامیاب ہوں گی۔"

شمارہ کے آغاز میں ص:4 پر "دبستانِ نعت (نورونکہت)" کے عنوان سے قمر اجلال، اورنگ آباد، مہاراشٹر کی "تہنیتی نظم" شائع ہوئی ہے۔ پہلے شعر کے پہلے مصرعے کا پہلا لفظ غالباً سہوِ کتابت سے "حسیں" کی بجائے "حسین" ہوگیا ہے، جس سے وزن متاثر ہورہا ہے اور اسی شعرِ اول کا مصرعِ اوّل بحر سے خارج ہے۔ تیسرے شعر کے پہلے مصرعے میں بھی کوئی لفظ چھوٹ گیا ہے اور مصرع وزن میں نہیں آرہا ہے۔ آئندہ اس قسم کی معمولی فروگذاشتوں پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ 9 صفحات کو محیط مدیرِ دبستان کا پُر مغز "اداریہ" کافی اہم معلومات افزا اور ان کے تنقیدی شعور کا آئینہ دار ہے۔ محترم مدیر کے اس قول سے سو فیصد اتفاق کیا جاسکتا ہے کہ ماہرینِ شریعت اور نعتیہ ادب کے محققین نے جس لفظ کو تحقیق و تنقید کی کسوٹی پر پرکھنے کے بعد اس کے استعمال کو شانِ رسالت کے منافی قرار دے دیا ہے، پھر لغات و تفاسیر کا سہارا لے کر اس کے جواز کی راہ تلاش کرنا کسی طرح بھی درست نہیں۔ یہ طرزِ عمل نعتیہ ادب کا فروغ نہیں، بلکہ ایک قسم کا انسدادی رویہ ہے۔ اس سلسلے میں انہوں نے ڈاکٹر عزیز احسن اور پروفیسر ابوسفیان اصلاحی کو خصوصیت کے ساتھ تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ "اداریہ" کا یہ اقتباس پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے:

جب ہم نعت کی تاریخ پر ایک گہری نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں اس موضوع پر دیگر اصنافِ ادب سے کم سرمایہ نظر نہیں آتا اور اس کے انتقادی نقوش تو روزِ اوّل سے ہی روشن و تابندہ نظر آتے ہیں۔ چنانچہ مشہور صحابیِ رسول، شاعرِ دربارِ رسالت حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شعر:

ان الرسول لنور یستضا بہ ‏ ‏ ‏ مھند من سیوف اللہ مسلول

کی اصلاح فرما کر خود سرورِ کائناتِ حضور احمدِ مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس فن کے نقد و نظر کی بنیاد رکھی۔ وہ نبیِ محترم و محتشم جو منبعِ علم و حکمت اور خزینۂ علم و معرفت ہیں، جن کے بارے میں رب تبارک و تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے: **و علمك ما لم تكن تعلم۔** دیگر اصنافِ ادب کی قدروں کا تعین اس فن کے ناقدین یا ماہرینِ فن نے کیا ہے۔ مگر نعت پاک کی نقد و نظر کا تعین خود اس ذات والا صفات نے کیا ہے جن سے نعت پاک کا وجود وابستہ ہے۔ حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے مذکورہ بالا شعر میں "سیوف اللہ" کی جگہ "سیوف الہند" کا لفظ استعمال کیا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ

تعالی علیہ وسلم نے اس کی اصلاح یا تنقید فرماتے ہوئے سیوف الہند کو ''سیوف اللہ'' سے بدل دیا۔ یہاں پر میں اہلِ علم اور ناقدینِ ادب سے دست بستہ استفسار کرنا چاہتا ہوں کہ جب سرورِ کائنات صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ تعالی عنہ کے مذکورہ شعر کے مصرعۂ ثانیہ کے لفظ سیوف الہند کو ''سیوف اللہ'' سے بدل دیا تو کیا عہدِ رسالت سے لے کر آج تک کسی بھی شاعر نے سیوف الہند کے لفظ یا اس مفہوم پر مشتمل کسی اور لفظ کا استعمال کیا؟ میری دانست میں آج تک عربی، فارسی اور اردو کے کسی بھی شاعر نے سیوف الہند کا لفظ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے استعمال نہیں کیا ہے۔ اس سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہوگئی کہ جب کسی بھی ادب پارے کی قدر کا تعین اس کے ماہرین حقائق کی روشنی میں کردیں تو اس پر ہر ایک کا کاربند ہونا ناگزیر ہوجاتا ہے۔ جیسا کہ آقا کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے لفظ سیوف الہند کی تنقید فرما کر اس بات کا تعین کردیا کہ ذاتِ اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے لیے اس لفظ کا یا اس لفظ کے مفہوم پر مشتمل کسی بھی لفظ کا استعمال آپ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے لیے روا نہیں۔ بعینہ اگر نعت کے حوالے سے ناقدینِ ادب نے کسی لفظ کے استعمال کے لیے ممانعت کردی ہو تو اس کے بعد اس لفظ کے استعمال کے لیے وجہِ جواز تلاش کرنا نعت کی تنقید کا فروغ نہیں بلکہ اس راہ میں انسداد پیدا کرنا ہے۔ مشہور محقق و ناقد جناب ڈاکٹر عزیز احسن صاحب کا حالی کی مدافعت میں روحی فدا جناب احمدِ مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کے لیے لفظ ''ایلچی'' کے استعمال کو تفاسیر و لغات کا سہارا لے کر جائز ٹھہرانا، نعت کی تنقید کو سمتِ راست سے منحرف کرنا اور اس کو ژولیدہ بنانا ہے۔

(دبستانِ نعت، شمارہ: 7 ص: 9، 10)

''اداریہ'' کے علاوہ اس خیابانِ نعت کو انواع و اقسام کے پھولوں (وقیع مضامین و مقالات) اور مختلف ابواب سے سجایا گیا ہے۔ بابِ اوّل ''تحمید و تقدیس'' میں علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی علیہ الرحمہ، ڈاکٹر تلنی و بھانا زلّی اور مولانا مظہر علی مظہرؔ کی حمدیں شامل ہیں۔ دبستانِ نعت کا یہ تازہ شمارہ مطالعہ کر کے آج پہلی بار معلوم ہوا کہ مندرجہ ذیل حمد کے شاعر حضرت علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی علیہ الرحمہ ہیں:

پوچھا گل سے یہ میں نے کہ اے خوب رو   تجھ میں آئی کہاں سے نزاکت کی بو
یاد میں کس کی ہنستا مہکتا ہے تو   ہنس کے بولا کہ اے طالبِ رنگ و بو

اللہ اللہ اللہ اللہ

عرض کی میں نے سنبل سے اے مشک بو   صبح کو کر کے شبنم سے تازہ وضو

جھوم کر کون سا ذکر کرتا ہے تو سن کے کرنے لگا دم بدم ذکرِ ھو

اللہ اللہ اللہ اللہ

بابِ دوم، جس کو ''تابشِ فکر ونظر/ افکارِ روشن'' کا نام دیا ہے، میں مندرجہ ذیل شخصیات کے مضامین شمارے کی اہمیت و معنویت میں اضافہ کرتے ہیں۔ پورے رسالے کی جان اور شان یہی باب ہے، جس کی اجمالی فہرست کچھ اس طرح ہے:

(1) معراجِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم/ پروفیسر عبدالحق (2) نعت کا حسنِ بیانیہ/ پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین (3) سبحان اللہ وبحمدہ/ ڈاکٹر داؤد محسن داؤ دنگرے (4) اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کی ایک نعت کا تجزیاتی مطالعہ/ پروفیسر فاروق احمد صدیقی (5) سرتا بقدم ہے تنِ سلطانِ زمن پھول/ پروفیسر ڈاکٹر محمد افتخار شفیع (6) عہدِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چند نعت گو شعرا/ ڈاکٹر عقیل ہاشمی (7) امام بوصیری کی نعتیہ شاعری: تحلیل و تجزیہ/ پروفیسر ابوسفیان اصلاحی (8) اردو نعتیہ شاعری کے زمانی گوشے/ علامہ عتیق آثر ندوی (9) بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم/ ڈاکٹر محمد آصف (10) کلامِ رضا بریلوی کی مختلف جہتیں/ اقبال اعظمی (11) بارہویں صدی ہجری کے ایک باکمال شاعر/ ڈاکٹر راہی فدائی (12) آذربائیجان کا قدآور شاعر: حسان العجم خاقانی/ ڈاکٹر اسماعیل آزاد فتح پوری (13) دبستانِ نعت کے اداریے/ انور بھدرکی (14) نعت صرف ایک موضوعی صنفِ سخن نہیں/ غوثیہ سلطانہ (15) نعت گوئی : روایت اور فنی ارتقا / عظیم انصاری (16) راجستھان کا ایک گمنام شاعر/ ڈاکٹر شاہد احمد جمالی (17) عین المعارف پر عرفان وآ گہی کی نظر/ ڈاکٹر رضوان الرضا (18) حضور مفتیِ اعظم ہند کی حمد نگاری/ ڈاکٹر محمد امجد رضا خان (19) مٹیا برج کلکتہ میں نعتیہ قصیدہ نگاری/ ڈاکٹر الف انصاری (20) لکھنؤ کے مایۂ ناز نعت گو شاعر ہمسر قادری / ڈاکٹر رضوان احمد (21) حضرت خواجہ مصباح الحسن چشتی : حیات و خدمات/ عابد چشتی (22) امروہہ کے چند مشاہیر نعت گو/ ڈاکٹر مصباح احمد صدیقی۔

یوں تو بابِ اوّل کے سارے مضامین ونگارشات قابلِ قدر اور لائقِ مطالعہ ہیں لیکن ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین کی تحریر ''نعت کا حسنِ بیانیہ'' ڈاکٹر عقیل ہاشمی کا معلوماتی مضمون ''عہدِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چند نعت گو شعرا''، پروفیسر ابوسفیان اصلاحی کا وقیع مقالہ ''امام بوصیری کی نعتیہ شاعری: تحلیل وتجزیہ''، عظیم انصاری کی معلومات افزا تحریر ''نعت گوئی: روایت اور فنی ارتقا'' اور ڈاکٹر رضوان الرضا کا مضمون ''عین المعارف پر عرفان وآ گہی کی نظر'' کافی اہمیت کے حامل ہیں۔

دورِ حاضر کے ادبا و محققین کا نعتیہ ادب پر ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ صنفِ نعت میں زبان و بیان کی لطافت، اسلوب کی ندرت، فن کی جولانیاں اور تخیل کی بلند پروازیاں نہیں پائی جاتیں۔ نعت گو شعرا محض رسمی انداز میں اپنی بات پیش کر کے کلام مکمل کر دیتے ہیں، اس لیے ادبی و فنی محاسن کا نعتیہ شاعری میں فقدان ہے لیکن یہ محض دعویٰ ہے اور معترضین کی کوتاہ نظری کی دلیل ہے۔ خواجہ اکرام الدین صاحب نے اس قسم کے لغو الزام و اعتراض کا مدلل اور مسکت جواب دیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

> ''اکثر ناقدین یہ کہتے ہیں کہ نعتیہ شاعری فنی جمالیات سے خالی ہے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ نعتیہ شاعری میں فنی اعتبار سے جدت و ندرت دیکھنے کو نہیں ملتی کیونکہ یہاں بیشمار پابندیاں ہیں اور موضوعات بھی طے ہیں۔ یہاں حدِ ادب کو ملحوظ رکھنا ہوتا ہے اور نعتیہ شاعری میں مبالغہ اور تخیل کی کارفرمائی کی گنجائش بھی نہیں۔ نعت گو شاعر کے ذہن میں ہمہ وقت یہ بات رہتی ہے کہ شانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں کوئی گستاخی نہ ہو جائے۔ نعتیہ شاعری میں ذرا سی لغزش شاعر کو گمراہی اور ضلالت کی طرف لے جا سکتی ہے۔ اس لیے شاعر محض اپنے عقیدے کا اظہار کرتا ہے۔ لہٰذا اس طرح کی شاعری میں اسلوب و بیان کی جولانیوں کی بجائے سیدھا سادہ بیان اور اسلوب دیکھنے کو ملتا ہے۔ فن کی نیرنگیاں اور زبان و بیان کی لطافتیں نعتیہ شاعری میں عموماً مفقود ہیں لیکن یہ تمام باتیں یکسر غلط ثابت ہو جاتی ہیں جب ہم نعتیہ کلام کا بہ غائر مطالعہ کرتے ہیں۔''

(دبستانِ نعت شمارہ: 7، ص: 37)

دنیا کی تمام ترقی یافتہ زبانوں میں عربی زبان کی اہمیت وفضیلت اور اس کی قدامت و جامعیت مسلم ہے۔ فارسی و اردو کی شاعری اپنے تمام انواع و اقسام کے ساتھ عربی کی رہینِ منت ہے۔ عربی زبان و ادب نے دنیا کی تمام زبانوں پر ہمہ گیر اثرات مرتب کیے ہیں اور ان کی تعمیر و تشکیل میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ خصوصیت کیساتھ عربی شاعری نے دیگر زبان و ادب کی لفظیات و اسالیب اور اس کے تعبیرات و تمثیلات میں خاطر خواہ اضافے کیے۔ تعصب اور ہٹ دھرمی کے سبب موجودہ ترقی یافتہ السنہ کے نمائندگان اس بات کو تسلیم نہ کریں، لیکن حقیقت وہی ہے جو اوپر بیان ہوئی۔ پروفیسر ابوسفیان اصلاحی نے اپنے وقیع مقالہ میں عاشقِ رسول حضرت امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کی عربی شاعری کی تحلیل و تجزیہ اور اس کا بھرپور تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے مندرجہ ذیل معلومات افزا گوشہ نذرِ قارئین کیا ہے۔

آپ بھی پڑھیں اور عربی زبان وادب کی عظمت کا اندازہ لگائیں:

''عربی نعتیہ شاعری نے زبان وادب کی زرخیزی میں اہم رول ادا کیا۔لفظیات ولسانیات اور تعبیرات وتمثیلات کے اعتبار سے زبان و بیان کو استحکام بخشا۔عربی زبان و بیان کی تقویت کے ساتھ دنیا کی دیگر زبانوں کو نئے لفظیات اور نئے لب ولہجہ سے آباد کیا۔اردونعتیہ شاعری کی تجسیم وتعمیر میں عربی نعتیہ شاعری کا خاصا رول رہا ہے۔الفاظ کے ساتھ آداب والقاب عطا کیے۔اردونعتیہ شاعری کا فکری اعتبار سے انحصار عربی نعتیہ شاعری پر ہے۔ طریقۂ تقدیم جدا ہوسکتا ہے لیکن مضامین ومطالب کے تعلق سے اردو زبان ہمیشہ عربی زبان وادب کی دریوزہ گر رہی ہے۔شاید یہ کہنا حق بجانب ہو کہ عربی نعتیہ شاعری نے جس قدر عالمی زبانوں کو متاثر کیا ہے بلکہ ایک تہذیب اور فہم وشعور سے جس قدر آراستہ کیا ہے، وہ کسی اور صنف نے نہیں کیا۔عربی نعتیہ شاعری کے تراجم نے دیگر زبانوں کی مادی اور فکری تجسیم میں وہ مراحل طے کیے ہیں کہ جنھیں نظر انداز کیا جانا کارِ دشوار است۔''

(مرجعِ سابق،ص:89)

ڈاکٹر داؤد محسن داونگرے (کرناٹک) کا علمی وتحقیقی مقالہ بہ عنوان ''سبحان اللہ وبحمدہٖ'' صوری و معنوی لحاظ سے قابلِ قدر اور معلومات افزا ہے، جس میں انہوں نے ''حمد نگاری'' کے آغاز وارتقا پر بڑے محققانہ انداز میں گفتگو کی ہے۔حمد گوئی جتنی اہم، ہمہ گیر، مقدس اور مہتم بالشان فن ہے، اس سے اتنی ہی غفلت اور بے اعتنائی برتی گئی ہے۔شعرا حضرات نے محض تبرک کے طور پر اس میں طبع آزمائی کی ہے، یہی وجہ ہے کہ ادب میں اس کی سمت ورفتار کافی دھیمی ہے۔نعت، منقبت، قصیدہ اور مثنوی و مرثیہ میں تو خوب طبع آزمائی کی گئی لیکن حمد کو تیمناً اور تبرکاً استعمال واختیار کیا گیا۔فارسی اور اردو میں حمد نگاری کا حال تقریباً یکساں ہے۔اردو کا پہلا حمدیہ مجموعہ سرورؔ لاہوری کا ''دیوانِ یزدی'' کے نام سے 1328ء میں لکھنؤ سے شائع ہوا ہے۔دوسرا مجموعۂ حمد مضطرؔ خیر آبادی کا ''نذرِ خدا'' 1909ء میں کان پور سے شائع ہوا۔ جب کہ تیسرا مجموعۂ حمد ''بابِ کرم'' جس کے شاعر امت اللہ تسنیمؔ ہیں، 1954ء میں منظرِ عام پر آیا۔ پاکستان میں پہلا اور ترتیب کے لحاظ سے چوتھا حمدیہ مجموعہ ''پتھر میں آگ'' 1980ء میں شائع ہوا۔ فاضل مضمون نگار نے بڑی محنت اور عرق ریزی کے ساتھ ان تمام مجموعہ ہائے حمد کی فہرست پیش کی ہے، جو اب تک اردو میں دستیاب ہیں۔ان کے بیان کے مطابق اب تک

اردو میں پچاس کے قریب حمدیہ مجموعے وجود میں آئے ہیں۔ آزادی سے قبل صرف دو حمدیہ مجموعے شائع ہوئے تھے لیکن آزادی کے بعد اس کی ترقی اور رفتار میں خاطر خواہ اضافہ ہوا۔ مضمون نگار نے طاہر حسین سلطانی کے حوالے سے لکھا ہے کہ ہندوستان سے اب تک صرف چار حمدیہ مجموعے منظرِ عام پر آئے ہیں، باقی پاکستان سے شائع ہوئے ہیں۔ اس موضوع پر مزید تحقیق کی ضرورت ہے کیوں کہ طاہر سلطانی نے جس وقت قارئینِ ادب کو یہ معلومات فراہم کی تھی، اس وقت ہندوستان میں شائع ہونے والے حمدیہ مجموعوں کی تعداد کم رہی ہوگی، لیکن اب ہندوستان سے بھی آئے دن حمدیہ مجموعے منظرِ عام پر آرہے ہیں۔ داؤد محسن صاحب کا یہ مقالہ کافی اہم اور وقیع ہے اور اس تناظر میں ہماری بے حسی کو اجاگر کرنے والا ہے۔ آج ضرورت اس بات کی ہے کہ نعوت و مناقب کی حمدیہ نگاری پر بھی زیادہ سے زیادہ توجہ دی جائے اور اس کی توسیع و ترقی کے راستے ہموار کیے جائیں۔

بابِ سوم ''زاویۂ نگاہ'' کے عنوان سے معنون ہے اور اس میں آٹھ نام ور اہلِ علم و قلم کی نگارشات ''دبستانِ نعت'' کے قدیم شماروں پر روشنی ڈالتی ہیں۔ اقبال اعظمی، پروفیسر فاروق احمد صدیقی، پروفیسر سعید احسن، اسلم عمادی، پروفیسر مجید بیدار، محمد سلمان رضا خان، حلیم صابر اور ڈاکٹر شبانہ نکہت انصاری نے ''دبستانِ نعت'' کی علمی، ادبی، تحقیقی، تنقیدی اور فنی قدر و قیمت متعین کر کے اس کی نعتیہ خدمات کا کھلے دل سے اعتراف کیا ہے۔ بابِ چہارم، جو گلہائے عقیدت کے نام سے موسوم ہے، میں برصغیر پاک کے تیس (30) شعرائے اسلام کی نعتیں شامل ہیں، جن میں سے بعض مشاہیر کے اسما یہ ہیں: ڈاکٹر صوفی غازی امان، ڈاکٹر مبشر احمد نشتؔر، حضرت شاہ محمد جمال الدین بہجتؔ، رازؔ الہ آبادی، سید محمد اشرفؔ قادری، سید خالدؔ اشرف کچھوچھوی، تنویر پھول، ڈاکٹر راہی فدائی، قسمت سکندر پوری، جگن ناتھ آزاد، محمد افضل حسین استادؔ بریلوی، پنڈت کیفیؔ دہلوی، سرکشن پرشاد شادؔ، شنکر رام شنکرؔ، حافظ مقصود محمود آبادی، ساجدؔ خیر آبادی، ثروت سلطانہ ثروتؔ اور رضیہ انور امروہوی وغیرہ۔ شمارے کا آخری باب ''ستائش نامے'' مختصر ہے اور مکتوبات پر مشتمل ہے۔ مکتوب نگاروں میں ڈاکٹر ارشد اعظمی، سید محمد اختر چشتی مصباحی، محمد افضل حسین برکاتی، ڈاکٹر لطیف اکبر آبادی، حاجی سید مفیض الدین قادری ہیں۔

زیرِ نظر شمارہ مجموعی اعتبار سے قابلِ قدر اور لائقِ مطالعہ ہے۔ پاکستان میں ''نعت رنگ'' تقریباً دو دہائی سے نعتیہ ادب کے فروغ کی خدمت انجام دے رہا ہے لیکن ہمارے ملک میں اس نوعیت کا کوئی مجلّہ شائع نہیں ہو رہا تھا۔ اس جہت سے رسالہ ''دبستانِ نعت'' پورے ملک کی طرف سے فرضِ کفایہ کا کردار ادا کر رہا ہے۔ آخر میں ادارتی عملہ سے ایک گذارش کروں گا کہ سال کے اندر ہند و پاک سے

شائع ہونے والے ایسے چھ نعتیہ مجموعوں کا انتخاب کیا جائے، جو فکری و معنوی اور ادبی لحاظ سے قابلِ قدر ہوں اور ان پر جامع انداز کے تبصرے مجلّہ میں شائع کیے جائیں۔ اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ قارئین سال کے اندر شائع ہونے والے کامیاب ترین نعتیہ مجموعوں سے واقف ہو سکیں گے اور معاصر ادبی رسائل کے نہج پر یہ ''تبصراتی کالم'' مجلّہ میں شامل ہونے کے سبب عام قارئین کی دلچسپیوں میں اضافہ بھی کرے گا۔ اس وقیع مجلّے کی طباعت و اشاعت پر ادارتی ٹیم کو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

☆☆☆

گلہائے عقیدت

صلِّ علیٰ نبیّنا

بڑھی رحمت کی تابانی، لطافت بھی بلا کی ہے
چراغ انصار کا ہے، روشنی صلِّ علیٰ کی ہے

شہنشاہِ دوعالم، سرور کونین کی مرضی
''نعم'' کی حکمرانی ہے، کہیں پر شان ''لا'' کی ہے

گواہی آپ کے نعلین اقدس کے کرشموں پر
فضا اوپر فضا کی ہے، خلا اندر خلا کی ہے

سکھائی آپ نے جو عالمِ ارواح میں سب کو
سریلی میٹھی میٹھی وہ صدا ''قالوا بلا'' کی ہے

سراپا آپ کا معجز، صفات و ذات نورانی
کوئی ہو بے ادب، گستاخ ہو، اس کی ہلا کی ہے

چھپاتا ہے منافق وصف آقا کے شمائل کو
نبی کی بات ہم نے جو بھی کی ہے، برملا کی ہے

گرہ میں باندھ لیں عشاقِ شاہِ دوجہاں، اس کو
جہاں توہین سنّت ہو، جگہ وہ انخلا کی ہے

اسی مٹّی کی جرأت رب نے اہل صدق میں رکھ دی
جہاں دیکھو وہاں تاثیر خاک کربلا کی ہے

دل و جاں سے تو ہم نے عشق کا دعویٰ کیا راہیؔ
مکمل حکم آقا کی اطاعت کب بھلا کی ہے

ڈاکٹر راہیؔ فدائی (بنگلور)

صلی اللہ علیہ وسلم

سکونِ قلب ونظر بن کے چار سو ہیں حضور
مِری نگاہ میں ہیں، میرے روبرو ہیں حضور
نجوم وشمس وقمر میں اُنہیں کا پَرتَو ہے
چمن میں غنچہ وگُل بن کے رنگ وبو ہیں حضور
جو والضحیٰ ہے وہ چہرہ تو زلف ہے واللّیل
خدا گواہ زمانے سے خوبرو ہیں حضور
وہ قولِ حق ہے جو فرمان ہے شہِ دیں کا
کلامِ پاک کی تفسیر ہوبہو ہیں حضور
مَیں عشقِ سرورِ کونین میں ہوں دیوانہ
مِری طلب ہیں نبی، میری آرزو ہیں حضور
فقط ہے اُن کا سہارا گُناہ گاروں کو
گُناہ گاروں کی محشر میں آبرو ہیں حضور
نگاہ ودل میں نہیں کوئی اور ان کے سِوا
شریفؔ میری لگن، میری جستجو ہیں حضور

پروفیسر شریف حسین قریشی (رامپور)

ﷺ

گدائے کوچۂ خیرالانام ﷺ ہم بھی ہیں
بفیضِ لطفِ نبی ﷺ شاد کام ہم بھی ہیں

عطا ہمیں بھی ہو زید و بلال کا صدقہ
جہاں میں آپ ﷺ کے ادنیٰ غلام ہم بھی ہیں

ہمیں ہو خواب میں دیدار بار بار آقا ﷺ!
اسیرِ آرزوئے نا تمام ہم بھی ہیں

زبانِ اشک سے کہتے ہیں داستاں اپنی
گو لب خموش ہیں، محوِ کلام ہم بھی ہیں

ہماری نعت اے آقا ﷺ! قبول ہو جائے
کہیں کہ حاملِ نَیلِ مرام ہم بھی ہیں

ہمارے حق میں دعا ہو، فلاح ہم پائیں
فریبِ وقت میں اب زیرِ دام ہم بھی ہیں

نبی ﷺ کو پہنچے یہ نذرانۂ درود و سلام
مُحبِّ شاہ ﷺ علیہ السلام ہم بھی ہیں

خدایا! قبر میں، محشر میں اُن ﷺ کی دید ملے
لئے دعا یہ لبوں پر مدام ہم بھی ہیں

عطا ہمیں بھی ہو دیدار مصطفیٰ ﷺ کا جام
برائے دیدِ نبی ﷺ تشنہ کام ہم بھی ہیں

جو دل میں جذبہ ہے، اے پھولؔ! کیسے ہو ظاہر
اسی خیال میں اب صبح و شام ہم بھی ہیں

تنویر پھولؔ (نیویارک)

صلی اللہ علیہ وسلم

بُریدہ ناف ہے، مختون ہیں سرکار کیا کہنے لبِ لعلیں کی جُنبش، وہ حسیں گفتار کیا کہنے
یدِ قدرت کی پُرکاری کا وہ شہکار کیا کہنے زمیں بننے لگی رشکِ جناں گلزار کیا کہنے
حبیبِ حق فلک کی سمت اک اُنگلی اُٹھاتے ہیں
جہاں میں رحمت لِلعالمیں تشریف لاتے ہیں

شمیمِ گیسوئے والّیل کی خوشبو مہک اُٹھی دُکھی صدیوں سے تھی یہ سرزمیں قسمت چمک اُٹھی
نسیمِ رحمتِ باری سے ہر بلبل چہک اُٹھی عرب کے ریگزاروں میں مئے وحدت چھلک اُٹھی
قسیمِ کوثرِ محشر بہ رحمت مسکراتے ہیں
جہاں میں رحمت لِلعالمیں تشریف لاتے ہیں

وہاں حورانِ جنّت جشن میں خوشیاں مناتی ہیں مبارک، مرحبا، اہلاً و سہلاً گنگناتی ہیں
خدا کے حکم سے فردوس کے پردے اُٹھاتی ہیں فضائیں خلد کی عطر و مہک میں ڈوب جاتی ہیں
گلابوں کو تبسم کی ادا سِکھلانے آتے ہیں
جہاں میں رحمت لِلعالمیں تشریف لاتے ہیں

زمیں پر حکمرانوں کے سروں کے تاج بکھرے ہیں سحر کے روح پرور کیف میں اِنعام اُترے ہیں
شفق پھولی، کرن پھوٹی، تبسّم ریز چہرے ہیں وہ آئے جن کے تزئینِ جہاں میں نقش گہرے ہیں
زمیں پر قاسمِ خلدِ بریں جلوہ دِکھاتے ہیں
جہاں میں رحمت لِلعالمیں تشریف لاتے ہیں

اچانک آسماں پر چاند سورج کہکشاں چمکے شہِ قوسین منزل آگئے کون و مکاں چمکے
نمودِ نورِ مِن نوری سے ساتوں آسماں چمکے سراپا نور کی آمد ہے کیوں نا ہر مکاں چمکے
شبستانِ جہاں روشن ہُوا جن سے وہ آتے ہیں
جہاں میں رحمت لِلعالمیں تشریف لاتے ہیں

قسَم اُس صبح کی جو مطلعِ انوارِ رحمت ہے
قسَم اُس صبح کی جو شاہدِ اسرارِ قدرت ہے
قسَم اُس صبح کی جو جلوۂ نور و لطافت ہے
قسَم اُس صبح کی جو مژدۂ اِتمامِ نعمت ہے

لئے آنکھوں میں سُرمہ سیّدِ کونین آتے ہیں
جہاں میں رَحمت لِلعالَمیں تشریف لاتے ہیں

وِلادت باسعادت کا مَلَک اعلان کرتے ہیں
حسیں آراستہ فردوس کو رِضوان کرتے ہیں
کہیں جبریل پورا اب دلی ارمان کرتے ہیں
طلوعِ اوّلیں کا ذِکر وہ ذیشان کرتے ہیں

زمانے راہ تکتے تھے سَدا جن کی وہ آتے ہیں
جہاں میں رَحمت لِلعالَمیں تشریف لاتے ہیں

زمیں پر آسماں سے نور کی بارش برستی ہے
یہ وہ ساعت ہے جس میں کُفر کی دنیا جھلستی ہے
شہِ دیں باعثِ تخلیقِ عالَم جن کی ہستی ہے
اَزَل سے جن کی آمد کیلئے دنیا ترستی ہے

جہاں میں دھوم ہے نشتؔر وہ آتے ہیں وہ آتے ہیں
جہاں میں رَحمت لِلعالَمیں تشریف لاتے ہیں

ڈاکٹر مبشر احمد نشتؔر (حیدر آباد، تلنگانہ)

ﷺ

یقیں ہو سامنے تو کیا کوئی گماں ٹھہرے
قریبِ نور کہاں کفر کے نشاں ٹھہرے

مہ و نجوم نہ کیوں چومیں ان کے نقشِ قدم
حریمِ ناز میں جب رب کا میہماں ٹھہرے

ترے جمال کی تابش میں گم ہوئی تلوار
عمر کے باطل ارادے جو تھے کہاں ٹھہرے

بکھر کے رہ گیا آتے ہی کفر کا لشکر
کہاں اجالوں میں ظلمت کا کارواں ٹھہرے

اُسی سے مانگے نہ کیوں روشنی کی بھیک قمر
جو نور خالقِ عالم کا رازداں ٹھہرے

پسند خالقِ کونین کو عمل ہے یہی
ترے درود کی منزل پہ ہر زباں ٹھہرے

نہیں کچھ اور نہیں وہ ہیں تیرے پاک قدم
زمین والوں کی خاطر جو آسماں ٹھہرے

سفر میں اور کہیں بیٹھ کر نہ دم لے وہ
ترے دیار میں ایماں کا کارواں ٹھہرے

ہے آرزو کہ درِ قدس پر ہو زیست کی شام
اس التفاتؔ کی منزل وہی مکاں ٹھہرے

ڈاکٹر التفاتؔ امجدی، خانقاہ امجدیہ سیوان (بہار)

صلی اللہ علیہ وسلم

ہم مطمئن بہت ہیں اس اپنی زندگی میں — کٹتے ہیں دن ہمارے اک اُن کی روشنی میں
ہم بھی مدینہ جائیں عشق محمدی میں — دیدار کی ہے حسرت آنکھوں کی اس نمی میں
ہے روز و شب پہ ٹھہرا بس ایک ذکر ان کا — قرآن کہہ رہا ہے ہر لفظ کاغذی میں
جو کچھ کہ نارسا تھا آخر رسا ہوا ہے — نام ان کا آ گیا ہے اس میری بولتی میں
غار حرا سے لے کر ان آسمانوں تک اب — انوار کی ہے بارش ہر جادۂ نبی میں
دنیا نے سر جھکایا شق القمر کے باعث — اللہ نے رکھ دیا ہے کیا شان سرمدی میں
ہم سرخ رو ہوئے ہیں اک ان کے ہی طفیل اب — رحمت کی روشنی ہے اس کاسۂ تہی میں
جاہ و جلال آقا دنیا کے سامنے ہے — معراج تھی ضروری راہ پیمبری میں
خیرالبشر کا دامن ہم سے کبھی نہ چھوٹے — ان کی رضا ہے شامل اپنی ہر اک خوشی میں
دنیا کا دل جو چاہے ان کو قبول کر لے — کچھ شعر ہو گئے ہیں شان محمدی میں

تحریک خیر کی ہے اس نام نامی سے اب
افراط دیکھتا ہوں اے طورؔ ہر کمی میں

کرشن کمار طورؔ (دھرم شالہ، ہماچل پردیش)

ﷺ

اندھیرو! دُور ہی رہنا شبستانِ مقدّر سے
کہ ہم نے لو لگالی ہے سراپا نور پیکر سے

ہماری پیاس کی کرتا ہے دریا بھی قدم بوسی
ہماری پیاس کو نسبت رہی ہے شاہِ کوثر سے

برستا ہے یہاں یکساں سبھی پر ابر رحمت کا
اُسے کب یہ گوارہ ہے ،کوئی بھیگے کوئی تر سے

ابھی تو نام ہی طیبہ کا آیا تھا مرے لب پر
بجھے جاتے ہیں راہوں میں میری کیوں ماہ واختر سے

بھلا کیوں ہاتھ پھیلاؤں میں دنیا کے کسی در پر
مجھے خیرات ملتی ہے درِ محبوبِ داور سے

پھر ہم نے انجمن آرائی کی ہے نعت خوانی کی
پھر ابرِ رحمتِ عالم جھما جھم جھوم کر برسے

دعا ہے یا الٰہی شافعِ محشر کے صدقے میں
بلائیں ساری ٹل جائیں سرِ سجّادِ گوہرؔ[1] سے

دعا ہوگی مرے حق میں بھی بے شک شاہِ والا کی
کریں گے شاد مجھ کو بھی وہی فتح و مظفر سے

حبابؔ اِک قافلہ سُوئے مدینہ جانے والا ہے
اُٹھو، رختِ سفر باندھو، چلو نکلو بھی اب گھر سے

[1] گوہرؔ جمالی۔رائے پور

حبیب راحت حبابؔ (کھنڈوا)

ﷺ

ذکر رسول کی جو سعادت نصیب ہے
یا رب ترا کرم کہ یہ نسبت نصیب ہے

ہم ان کے امتی ہیں جو قرآن لے کے آئے
خوش بخت ہیں کہ ہم کو تلاوت نصیب ہے

کرتے ہیں پاک آمدنی کو زکوٰۃ سے
رزق حلال کی ہمیں قسمت نصیب ہے

پڑھتے ہیں ان کی ذات پہ ہر پل درود ہم
عشاق ہیں سو ہم کو یہ دولت نصیب ہے

اللہ کے سوا نہ کہیں سر جھکائیں گے
مغرور ہیں کہ شرک سے نفرت نصیب ہے

شیطاں عدو ہے فتنہ، فساد وستم میں مست
ہم کو صفا و صدق و شرافت نصیب ہے

بس دل میں بھر گئی ہے مدینہ کی روشنی
اسلم درِ رسول کی الفت نصیب ہے

یا رب کرم! ہماری دعائیں قبول ہوں
ہم کو ترے حبیب کی چاہت نصیب ہے

اسلم عمادی (حیدرآباد)

صلی اللہ علیہ وسلم

میرے سینے میں جو یہ دل ہے وہ ہے گھر ان کا — میرے شانوں پہ یہ جو سر ہے وہ ہے سر ان کا
بحر و بر شمس و قمر گلشن و صحرا ان کے — یعنی ہر خشک انہیں کا ہے ہر اک تر ان کا
سارے ہیرے ہیں جواہر ہیں زر و سیم ان کے — ہے جو دریا میں صدف ان کا ہے گوہر ان کا
ان کی نظروں سے کوئی چیز چھپائے نہ چھپے — پیش منظر سب انہیں کا پس منظر ان کا
ان کے ہی در کی غلامی سے ہے سب کی نسبت — ان کے اصحاب ولی ان کے قلندر ان کا
ان کے کوچے کے جو ذرّے ہیں وہ ہیں شمس و قمر — حکمراں سر کو جھکاتے ہیں وہ ہے در ان کا
کشتیاں نام پہ ان کے ہی چلا کرتی ہیں — ان کا ساحل ہے بھنور بھی ہے سمندر ان کا
ٹھیک کر دیں گے حساب اپنے کرم سے آقا — میرے اعمال ہیں جس میں وہ ہے دفتر ان کا
فضل سے تیرے الٰہی مجھے حاصل ہو جائے — سایۂ دامنِ رحمت سرِ محشر ان کا

میری پرواز انہیں کی ہی عطا ہے رضوانؔ
میرے بازو بھی انہیں کے ہیں مرا پَر ان کا

ڈاکٹر رضوان الرضا رضوانؔ (لکھنؤ)

صلی اللہ علیہ وسلم

سوزش عشق کا ہے الگ ہی مزا جس کو مل جائے قسمت کی معراج ہے
ان کی فرقت کا غم اور آنکھوں میں دم کیفیت یہ محبت کی معراج ہے

دل محبت میں ان کی سلگتا رہے جاں پگھلتی رہے جسم جلتا رہے
ان کو تکتا رہوں دم نکلتا رہے موت یوں ہو تو رحلت کی معراج ہے

لامکاں کا سفر شاہ کونین کا فاصلہ کیا کہوں کیا تھا مابین کا
اتنا جتنا کہ ہے قاب قوسین کا، قربت اتنی کہ قربت کی معراج ہے

ان کے صدقے میں جنت سجائی گئی نور ونکہت میں ان کے نہائی گئی
ایسی جنت میں آقا جو رکھ دیں قدم حق یہی ہے یہ جنت کی معراج ہے

انبیاورسل صف بہ صف ہیں کھڑے میرے آقا امامت کو آگے بڑھے
مقتدی ویسے ہوں اور ایسے امام یہ امامت جماعت کی معراج ہے

اک جفاکش صحابی کا ہے واقعہ لکڑیاں کاٹتے ہاتھ تھا کھردرا
ہاتھ کو ان کے آقا نے بوسہ دیا دیکھ لو دست محنت کی معراج ہے

ایک عالی نسب علم جس کا غضب جس کی نسبت سے ہیں مستند سب کے سب
نام احمد رضا اعلیٰ حضرت لقب مل گئے اہل سنت کی معراج ہے

واقعہ ہے جبل پور کی بزم کا اس میں خطبہ رضاؔ نے کچھ ایسا دیا
جلوہ گر ہو گئے بزم میں مصطفیٰ یہ خطیب وخطابت کی معراج ہے

نعت احمد سبھی دل کو مرغوب ہے وہ مکرم ہے جو ان سے منسوب ہے
تو بھی امجدؔ رضا نعت کی راہ چل ہاں یہ مداح ومدحت کی معراج ہے

ڈاکٹر محمد امجد رضا امجدؔ (پٹنہ)

صلی اللہ علیہ وسلم

سن اے زمانہ! کہ جو کچھ ترے سوال میں ہے
جواب اس کا اُسی معنیٔ کمال میں ہے

ہر ایک نے رخِ احمد سے اقتباس کیا
وہ تازگی جو کسی کے بھی خد و خال میں ہے

وہ صرف کہنے کو اُمّی مگر وہ بحرِ علوم
فلاسفہ کے مباحث میں قیل و قال میں ہے

نبیٔ پاک سے بے پایاں اُلفتوں کے سبب
تمیزِ اسوۂ جاناں مرے خصال میں ہے

امینِ آمنہ مامون کر گیا اُن کو
جنہیں شغف اسی آئینۂ جمال میں ہے

زباں سے دعویٔ الفت عمل سے مہجوری
یہ مدعیٔ محض جانے کس خیال میں ہے

کسے عطا ہوا قدرِ مکارمِ اخلاق
بنائے اُنس کہو اور کس مجال میں ہے

سپردگیٔ جوارح حضورِ قلب بھی ہو
وگرنہ ہجر کا مطلب نہ کچھ وصال میں ہے

ہے امر اُس کا نہی اُس کی اور اس کے سوا
کسی کے امر میں حجت نہ امتثال میں ہے

اُسی کے بول ہر اک بول سے ممیّز ہیں
کہ دل کشیٔ بلاغت ہر اک مثال میں ہے

وہ جس کی رفعت ازلی پہ ہے شہادتِ حق
اُسی کا ذکرِ ترفّع مرے منال میں ہے

پس از شہادتِ اَن لا الہ الا اللہ
وہ عبدہ و رسولہ ہر ایک حال میں ہے

فدائیت ہو صحابہ کے مثل اگر ہم میں
تو پھر کمال اگر ہے تو اس کمال میں ہے

یہود! یہ تری شاید اُڑان ہے آخر
حماس، ایک فتیلہ ترے حبال میں ہے

خزاں ہو کیوں مرے باغ و بہار پر طاری
اثرؔ اگر وہی بوٗ سبزہ و نہال میں ہے

ہر ایک لفظ مرا اور ہر ایک معنیٔ لفظ
اثرؔ عدو پہ ہے ایسا کہ جو نصال میں ہے

علامہ عتیق اثرؔ ندوی (دریاباد، سنت کبیر نگر)

صلی اللہ علیہ وسلم

چمن میں پھر سے بہاروں کا اعتبار ہوا
زمین پھول بنی سنگ آبدار ہوا

خدا نے عرش بریں پر جسے بلایا تھا
زمیں پہ سب سے زیادہ وہ بردبار ہوا

جو گلہ باں تھے انہیں مسندیں ملیں کیا کیا
قدم سے آپ کے سرسبز رہ گزار ہوا

وجود ذات گرامی سے مل گئی راحت
زمیں کے حق میں شجر بھی تو سایہ دار ہوا

نکیل حضرت جبریل نے سنبھالی تھی
عجب ہی شان سے شاہانہ وہ سوار ہوا

تمام دن وہ ہدایت کا نور پھیلا کر
جناب باری میں راتوں کو اشکبار ہوا

خدا کی ذات اکیلی ہے ما سوا سب کے
شہادتین پہ ایماں کا انحصار ہوا

زمیں تا آسماں ساری فضا معطر تھی
خدا کے عرش پہ مہماں کا انتظار ہوا

خلاف ان کے کیا ہے نبی نے تب اقدام
خلاف عہد ہمیشہ ہی جب نثارؔ ہوا

مولانا نثار احمد فدائی (بنگلور)

مہاجرِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام

رحمان کی سلامتی
وہ جن کے روئے تاباں کا وسیلہ دے کر
ابو طالب سرخ بادلوں کے سیہ مست ہونے کی دعائیں کرتا تھا
شب و روز کے فاصلے مٹانے والے
بلال و صہیب کے مولیٰ
انگلیاں کانپتی ہیں لکھتے ہوئے
میرے مہاجر آقا ﷺ
ترے اَسفار بھی نرالے ہیں

پہلا دن
جب دن کے پیدا ہونے میں کچھ دن باقی تھے
کسی کے ارادۂ خاص سے جدا ہو کر
نور کی شکل اختیار کرنے میں
اور پھر فاصلے کچھ اور ہوئے

وہ دن
سجدے کا دن
تسلیم و انکار
نیکی و بدی کے ظہور کا دن
جنت کا سفر
اور جنت سے وہاں
جہاں کوئی نہ تھا

آباد کرنا
ابوالبشر اور امّ البشر کا
سلسلۂ روز وشب کی طولانی
پاک بطون
نورانی پیشانی
پانی کا طوفان
مسند آتش
حلق پر چھری
جسم پر آرے
ایک منزل صلیب کی آئی
پھر جو منزل قرار کی پائی
کعبہ مسکن
زمزم غذا
ہاتھی والوں کا آنا
اور
کھائی ہوئی بھس میں تبدیل ہونا
مگر کتنے عرصہ کی اقامت؟
داغ یتیمی کے سایے میں
ایک انجان دایہ
جس سے ابھی ابھی شناسائی ہوئی
لاغر اونٹنی کی سواری
منہ بولے بھائی
مثل یوسف صحرا و بیاباں کی سیر
واپسی
ماں کی آغوش

اور آخر کو وہ بھی دن آیا
باپ کے مرقد پر
ماں کا طواف
ایک جھرجھری
پسینے سے شرابور
ماں کی لڑکھڑاتی آواز
شاید! وہ الوداع کہتی تھی
ایک طویل سفر پر نکلنے کا
ابواء کے خشک پتھر
اور دور سے دیکھتے پرندوں کی بھیگی آنکھیں
بتاتے ہیں
لونڈی ام ایمن
تازہ ٹھنڈی ہوئی لاش سے
دُرِّ یتیم کو جدا کرتی تھی
پتھروں سے مخدومہ کے جنازے کو ڈھانکنا
اور، اُس کے بچے کو تسلی بھری باتوں سے
ابواء کی وادی کہتی ہے کہ وہ بچہ
جب وہاں سے چلا
تو حد نظر
وہ جا رہا ہے کوئی، مڑ مڑ کے دیکھتا ہے
اس کو امید ہے کہ شاید کوئی پکارے
اور پھر
سارے سفر آسان ہو گئے
بکریوں کی غلہ بانی
شام کی تجارت

غار کی تنہائی
مکے کی اذیت ناک گلیاں
طائف کے خوں ریز پتھروں کا سفر
اور معراج
راز داروں کو خوب معلوم ہے
تیرے اسفار کے رموز شہا
اسی لیے
امت کی تقویم کا پہلا دن
ایک سفر کا دن بنا
یا ابوالقاسم!
انسانیت آج بھی
طائف کے بے سروسامان صحرا میں کھڑی ہے
جستجو کس کی ہے جانا کہاں معلوم نہیں
ایک مدت سے ہم انسان سفر کرتے ہیں
خوف ہے
کہیں
تھک نہ جائیں............

ڈاکٹر قمر الزماں صدیقی قمؔر علیگ
(گوالیار، ایم پی)

صلی اللہ علیہ وسلم

لفظ یاقوت بنے فکر نگینہ بن جائے
کارِ مدحت جو عقیدت کا قرینہ بن جائے

ہر نظر سامنے پاؤں ترے روضے کا جمال
چشمِ نمناک میں تصویرِ مدینہ بن جائے

تو جو چاہے مرے اللہ تو میرا جینا
الفت سرورِ کونین کا زینہ بن جائے

آپ کی خاص عنایات ہوں اس عاجز پر
مجھ سا بیکار بھی شفاف نگینہ بن جائے

اپنے عصیاں کو جو تنقیدی نظر سے دیکھوں
روح مجروح ہو خوں میرا پسینہ بن جائے

ہم پہ الطاف و کرم کی رہے بارش یا رب
ہر مہینہ ہی شفاعت کا مہینہ بن جائے

اب تو شہزاؔد میں ساحل پہ پہنچ ہی جاؤں
موجِ بیتاب کوئی میرا سفینہ بن جائے

ڈاکٹر شہزاؔد بیگ (فیصل آباد، پاکستان)

ﷺ

کرتی ہے معطر جو مدینے کی ہوا ہے
ہے خوب مہک اس کی تو انداز جدا ہے

احسان ہے فیضان ہے یہ میرے نبی کا
صد شکر کہ لب پر مرے بس مدح و ثنا ہے

جاؤں جو مدینے تو نہ پھر لوٹ کے آؤں
رہ جاؤں وہیں پر یہ مرے دل کی دعا ہے

چوکھٹ پہ رہے تیرا یہ عاجز یہ خطا کار
خواہش کی صدا ہے یہ تمنا کی صدا ہے

ہو اذن حضوری شہ کونین مجھے بھی
طیبہ سے جدائی تو بڑی سخت سزا ہے

عاصی پہ گنہ گار پہ رحمت کی پھوہاریں
انداز نرالے ہیں یہ کیا خوب ادا ہے

سنتے ہیں کہ بخشش کے مناظر ہیں نرالے
کہتے ہیں کہ مہکی ہوئی طیبہ کی فضا ہے

چہرے پہ مرے نور ہے دل میں بھی مرے نور
ماحول پہ چھائی ہوئی پرکیف ضیاء ہے

کیا جانئے کیا پائی ہے اظہار کی رفعت
دل میرا جھکا ہے تو مرا سر بھی جھکا ہے

سچ پوچھئے مجھ سے تو یہ سب ان کا کرم ہے
یہ نعت امیرؔ اپنی تو فیضان عطا ہے

فقیر مصطفیٰ امیرؔ (فیصل آباد)

ﷺ

سب کو سینے سے لگانے مرے سرکار آئے
لے کے پہلو میں غمِ اُمّتِ نادار آئے

مظہرِ ذات خدا وہ شہِ ابرار آئے
خلق میں بہتر و افضل وہی اخیار آئے

شرک اور کفر کی وادی میں بھٹکتی دنیا
مژدہ توحید کا لے کر مرے سرکار آئے

ورطۂ کفر سے ہم نکلے بفضلِ مولیٰ
ہاتھ میں جب سے شہِ دین کے پتوار آئے

ان کے خادم نے کیا خشک سمندر جاری
بن گئے شاہ زمانہ جو بھی لاچار آئے

ظلمتِ دہر کو دنیا سے مٹانے کے لئے
حکمِ یزدی سے وہی مطلعِ انوار آئے

رشکِ فردوس بریں ہے ترا کوچہ دیار
شہر طیبہ سے پلٹ کر تو ہم بیکار آئے

وہ منافق ہی کی بستی تھی جہاں ٹھہرے تھے ہم
اپنی سب بازی کو جا کر وہاں ہم ہار آئے

جس نے بھی ایک جھلک دیکھی ہے آقا کی مرے
ان کی صحبت میں ہی رہ کر کے وہ سرشار آئے

اپنی اُمّت کو پڑھایا ہے تواضع کا سبق
ان کا عاشق ہی نہیں جس کو کہ طومار آئے

بس مدینے کا سفر میرا نصیبہ بن جائے
میری قسمت میں سعادت یہی سو بار آئے

نقص سے سارے منزّہ ہے انہیں کی ہستی
ایسا کوئی ہے کہ جو پیکرِ اطوار آئے

ان کی صحبت نے بنا ڈالا ہے رائی کو پہاڑ
پھول بن کر کے ہی مہکے جو وہاں خار آئے

عشقِ سرکار میں گر موت بھی آ جائے فریدؔ
کوئی صورت ہی نہیں راستے میں نار آئے

آنے والے تو بہت آئے مخیّر جابرؔ
ان سے بڑھ کر کے نہیں کوئی بھی غمخوار آئے

مولانا جابر حسین جابرؔ صدیقی بستوی
(ہزاری باغ، جھارکھنڈ)

صلی اللہ علیہ وسلم

اُسی کے دم سے ہوئی بزمِ قدس کی تخلیق
اُسی کی ذات سے قائم حقیقتوں کا وجود

وہی نذیر و بشیر و محمد و احمد
وہی ہے طٰہٰ و یٰسں و حامد و محمود

نبوت کیا، ولایت کیا، امامت کیا، شہادت کیا
ہزار عنوان ہیں اور ایک افسانہ محمد کا

ہزاروں جبرئیل اُلجھے ہوئے ہیں گردِ منزل سے
نہ جانے کس بلندی پر ہے کاشانہ محمد کا

بدل جائے نظامِ بزمِ گیتی آن واحد میں
کوئی ضد پر اگر آجائے دیوانہ محمد کا

آرزو سہارنپوری (سہارنپور، یوپی)

صلی اللہ علیہ وسلم

نُورِ خُدا ہیں رَہبر و سالار آپ ہیں
ہر تیرگی میں مَطلعِ اَنوار آپ ہیں

اُمّت کے آقا مالِک و مُختار آپ ہیں
خیرُ الانام نبیوں کے سَردار آپ ہیں

حَسن و حسینؑ، فاطمہؓ، شیرِ خُدا علیؓ
جِس باغ کے یہ گُل ہیں وہ گُلزار آپ ہیں

دُشمن کے ساتھ آپ کا جو پُرسشِ مزاج
ثانی نہیں ہے جِس کا وہ کِردار آپ ہیں

جِنّ و بَشر ہیں آقا سَبھی آپ پر فِدا
اس رَبِّ ذُوالجلال کے دِلدار آپ ہیں

اَحقر ہے یہ نفیسؔ ابھی نعت گوئی میں
ہو جائے گا کرم مرے سَرکار آپ ہیں

نفیسؔ ناندوروی (ماندور، مہاراشٹر)

صلی اللہ علیہ وسلم

کہاں ہو سکے گی ہم سے شاہ انبیاء کی مدحت
کہ نہیں ہے ان سے بڑھ کر جہاں میں کسی کی سطوت

تیری ہم سے اتنی الفت تیری اس قدر عنایت
کہا تو نے یہ خدا سے میری بخش ساری امت

وہ عظیم ذات جس نے کیا دور ظلمتوں کو
یہ خدا کی مہربانی وہ خدا کی ایک رحمت

وہ عرب کا اُمّی جس نے دیئے درس کل جہاں کو
ہوئیں دور ظلمتیں سب جو دیا پیام وحدت

جو بشر تھے خوں کے پیاسے انہیں ایک کر دکھایا
یہ انہیں کا معجزہ ہے کہاں اور کسی کی قدرت

اے حبیب پاک تو ہی تو ہے روشنی کا منبع
وہ ہے بدنصیب جس کو نہ ملی تمہاری صحبت

تیرا ذکر گر نہیں ہے تو جہاں میں کچھ نہیں ہے
تیرے نام ہی کے باعث ہے جہاں کی ساری عشرت

تیری یاد سب کے دل میں تیرا نام ہر زباں پر
نہیں ہو سکے گی غافل کبھی تجھ سے تیری امت

سیمیں برلاس

صلی اللہ علیہ وسلم

تمھیں دلوں کی فضائیں سلام کہتی ہیں
نظر نظر کی ضیائیں سلام کہتی ہیں

تری نگاہ ہر اک زخم دل کا مرہم ہے
دکھے دلوں کی صدائیں سلام کہتی ہیں

ضرورت نگہہ التفات ہے سب کو
ہر اہل دل کی وفائیں سلام کہتی ہیں

ملی ہے آپ کی خاطر زباں نگاہوں کو
چھپیں کہ سامنے آئیں سلام کہتی ہیں

تمہارے نام پہ ہر شاخِ گل ہے سجدے میں
کلی کلی کی حیائیں سلام کہتی ہیں

ہوائیں جھوم کے ہر سمت پڑھ رہی ہیں درود
برس برس کے گھٹائیں سلام کہتی ہیں

سحر کا وقت ہے تو بھی درود پڑھ محجوبؔ
نکھر نکھر کے فضائیں سلام کہتی ہیں

نور بانو محجوبؔ

صلی اللہ علیہ وسلم

گونگے لفظوں کو صدا کی نغمگی تجھ سے ملی
میرے فانوسِ ہنر کو روشنی تجھ سے ملی

زندگی کا حبس کے مارے گُھٹا جاتا تھا دم
ایسے موسم میں ہوا کی تازگی تجھ سے ملی

صبحِ نو کا جب فلک پر بھی نہ تھا نام و نشاں
اندھی راتوں کو بھی اس دم روشنی تجھ سے ملی

دندناتا پھر رہا تھا ظلم جب چاروں طرف
ایسے عالم میں جہاں کو آشتی تجھ سے ملی

یہ کرم کیا کم ہے تیرا مجھ پہ اے شاہِ عرب
میرے جسم و روح کو پاکیزگی تجھ سے ملی

مکتب تخلیق آدم سے تھا یکسر بے ہنر
آدمی کو آدمیت، آگہی تجھ سے ملی

شہرِ شب میں جس کو افشاںؔ ڈھونڈھتی پھرتی رہی
چودھویں کے چاند کی وہ چاندنی تجھ سے ملی

افشاںؔ عباسی (ملتان، پاکستان)

صلی اللہ علیہ وسلم

میں بھی آنکھوں سے کبھی گنبدِ خضریٰ دیکھوں
آرزو ہے، شہِ بطحا کا میں روضہ دیکھوں

پہلے مکے میں رہوں، پھر میں مدینے جاؤں
کعبے کو دیکھ کے میں کعبے کا کعبہ دیکھوں

مجھ کو بھی اپنی غلامی کا شرف دو آقا
خاکساروں میں میں یہ نام بھی لکھا دیکھوں

سر بہ سجدہ جہاں رہتے ہیں فرشتے ہر دم
میں بھی سرکارِ دوعالم کا وہ روضہ دیکھوں

مجھ پہ بھی شاہِ دوعالم کی نظر ہوجائے
اوج پر اپنے مقدر کا ستارہ دیکھوں

ڈاکٹر انجنا سندھیر (رُڑکی، یوپی)

ﷺ

بشر کیا لکھ سکے گا نعت پر عظمت محمد کی
خدا قرآن میں کرتا ہے خود مدحت محمد کی

نہ کیوں روشن تریں ہو عزت و حرمت محمد کی
عیاں ہے سورۂ والشّمس سے صورت محمد کی

تمنا خون بن کر دوڑتی پھرتی ہے رگ رگ میں
مری ہستی کی گویا روح ہے الفت محمد کی

ھو اللہ احد کا نعرہ سن کر بت ہوئے اوندھے
تعال اللہ چھائی اس طرح ہیبت محمد کی

اسامہ سے، انس سے اور بلال و زید سے پوچھو
کہ ان سب پر رہی ہے کس قدر شفقت محمد کی

کھلے جنت کے دروازے، بڑھے رضواں بھی لینے کو
گنہگاروں کو لے کر آئی جب رحمت محمد کی

ہوئی معراج، پہنچے عرش پر، خالق سے باتیں کیں
یہ عزت ہے محمد کی، یہ ہے رفعت محمد کی

قسم کھا کر کہا ہے نحن اقرب کہنے والے نے
وہ مجھ سے دور ہے جس پر نہیں رحمت محمد کی

بیگم عروج بدایونی

صلی اللہ علیہ وسلم

رُخِ مصطفیٰ کا جمال اللہ اللہ
زباں کا وہ حُسنِ مقال اللہ اللہ

نگاہوں پہ جادو دِلوں پر تسلط
جمال اللہ اللہ جلال اللہ اللہ

جہاں کے لئے مژدۂ عیدِ عرفاں
عرب کے فلک کا ہلال اللہ اللہ

جہاں ذکرِ احمد سے لبریز مستی
سرورِ مئے وجد و حال اللہ اللہ

جہالت کی ظلمت ہر اک دل سے بھاگی
یہ تنویرِ شمعِ خیال اللہ اللہ

یہ نورِ ہدایت یہ تفسیرِ وحدت
عمل سے بھی افضل خیال اللہ اللہ

سزاوارِ فیضِ درِ مصطفیٰ ہے
سوالی کا دستِ سوال اللہ اللہ

اُتر آئے خود عرش و کرسی سے جلوے
نبوت کا اَوجِ کمال اللہ اللہ

پنڈت بال مکند عرشؔ ملیسانی

ﷺ

الفت سرکارِ بطحیٰ چاہیے
اب سوا اس کے ہمیں کیا چاہیے
مال و زر لے کر کروں گا کیا بھلا
آپ کی سرکار کرپا چاہیے
عیش دنیا سے رہوں کیونکر نہ دور
مجھ کو عقبیٰ میرے شاہا چاہیے
آپ کی الفت سند جنت کی ہے
یہ سند شاہِ مدینہ چاہیے
حوضِ کوثر پر پہنچنے کے لئے
آپ سے مضبوط رشتہ چاہیے
حشر میں دیدار ہو سرکار کا
بس یہی رکھنی تمنّا چاہیے
آتش دوزخ سے آتشؔ کو بچا
زندگی سُکھ سے گزرنا چاہیے

ڈاکٹر رمیش پرساد گرگ، بنارسی

صلی اللہ علیہ وسلم

کیا شان ہے جنابِ رسالت مآب کی
نظریں جھکی ہوئی ہیں مہ و آفتاب کی

بخشا کلام پاک سے رنگِ حیات نو
تعلیم کہہ رہی ہے مقدس کتاب کی

مذہب کو زندگی کے عمل سے ملادیا
ممنونِ التفات ہے امّت جناب کی

قرآنِ پاک اس کی صداقت پہ ہے گواہ
تھی کن بلندیوں پہ رسائی جناب کی

مرہون لطف صرف مسلمان ہی نہیں
منت کشِ کرم ہے خدائی جناب کی

میرے بھی حال زار پہ ہو اک نگاہ لطف
بگڑی بنانے والے جہانِ خراب کی

اکمل کہیں مقام ادب ہاتھ سے نہ جائے
توصیف لکھ رہے ہیں رسالت مآب کی

رام پرتاب اکمل جالندھری

صلی اللہ علیہ وسلم

خاک اوجِ ثریا کے آغاز پر
آ گئی، نور کی ایک آواز پر
کن کی تائید میں قل کی تصدیق ہے
ناز نازاں ہے کس ناز سے ناز پر
سبز سائے تلے رقص کرنے لگا
ہجر کا سوز بھی وصل کے ساز پر
آسماں کا نظارہ الگ ہے یہاں
ہے سواری کبوتر کی شہباز پر
ایک نسبت سے گرہیں کھلیں ذات کی
ایک دامن سے پردہ پڑا راز پر
چودہ صدیاں نسیمیؔ بسر ہو گئیں
ایک آمد کے جلووں کے انداز پر

نسیمیؔ تاجی (ناگپور)

صلی اللہ علیہ وسلم

اُنہیں کے واسطے تخلیقِ دوعالم خدا نے کی
یہ پہلا باب ہے تاریخ میں ہر اک زمانے کی

نبی کے آستانے سے ہے ضو ہر آستانے کی
اِک آئینے سے زینت ہے ہر اک آئینہ خانے کی

شبِ معراج تھی یہ وجہ بستر گرم پانے کی
جہاں تھی بس وہیں ٹھہری رہی گردش زمانے کی

خدا سے عرش پر کیا بات محبوبِ خدا نے کی
رسائی کب یہاں تک ذہن نے ،فکرِ رسانے کی

نہ ہو حکم نبی جب تک اجازت مل نہیں سکتی
نہ غنچے کو چٹکنے کی نہ گل کو مسکرانے کی

مدینے کے خس وخاشاک کو چُن چُن کے رکھتا جا
بنا ڈالیں گے باغِ خلد میں یہ آشیانے کی

تقاضا وقت کا ہے شآد نعتِ مصطفٰی کہیے
سخن ور نبض کو پہچان لیتے ہیں زمانے کی

شآد ککرالوی (ککرالہ، بدایوں)

صلی اللہ علیہ وسلم

محبت ہی محبت لے کے پیارے مصطفیٰ آئے
یتیموں بے کسوں کی زندگی کا آسرا آئے

پلٹ کر منزلِ کونین سے جب مصطفیٰ آئے
نمازوں کا حسین تحفہ لئے خیرالوریٰ آئے

کھڑے کیسے نہ ہوں سارے نبی اب مقتدی بن کر
جہانِ بندگی میں وہ امام الانبیاء آئے

چمک اٹھا انھیں کے فیض سے ہر گوشۂ عالم
خوشا شمس الضحیٰ، بدر الدجیٰ، نور الہدیٰ آئے

دعائیں دشمنوں کو دیں جھکائے سر محبت سے
جہاں سے مختلف ہمراہ لے کر وہ ادا آئے

اَندھیروں سے اُجالوں کی طرف لے آئے دنیا کو
ہدایت کے لئے قرآں جو لے کر مصطفیٰ آئے

جو پہنچے بابِ اقدس پر مقدّر سے وہی اے زیدؔ
جہانِ عشق میں کیا خوب لے کر وہ ضیاء آئے

زید احمد زیدؔ خیرآبادی

سلام

سلام اے سیّدِ عالم سلام اے روحِ انسانی
تری آمد سے آئی جانِ انساں میں فراوانی

سلام اُس خانۂ کعبہ کے دیدہ زیب منظر پر
جو ہر سو قہر تھا دنیا کے ہر سلطانِ جابر پر

سلام اُس نور پر جو آلِ ابراہیم کہلایا
توہم کی اندھیری رات میں جو روشنی لایا

سلام اُس پر ضعیفوں کو گلے جس نے لگایا ہے
یتیموں کے سروں پر دستِ شفقت بھی پھرایا ہے

سلام اُس نور کے اُن چاہنے والوں پہ ہو دائم
بلندی پر جنھوں نے کردیا اِسلام کو قائم

شہریار ککرالوی (ککرالہ، بدایوں)

سلام

اے شہنشاہِ دوعالم، الصلوٰۃ والسلام
نورِ حق، نورِ مجسّم، الصلوٰۃ والسلام

پیکرِ کردارِ روشن، نورِ ذاتِ کبریا
وجہِ تخلیقِ دوعالم، الصلوٰۃ والسلام

رونقِ بزمِ رسالت، آفتابِ معرفت
زینتِ عرشِ معظّم، الصلوٰۃ والسلام

فخرِ یحیٰ، فخرِ موسیٰ، فخرِ عیسیٰ، فخرِ نوح
فخرِ حوّا، فخرِ آدم، الصلوٰۃ والسلام

آپ ہیں بدرالدّجیٰ، صدرالعلیٰ، نورالہدیٰ
سب سے بہتر، سب سے اعظم، الصلوٰۃ والسلام

بے کسوں کو اپنے سینے سے لگایا آپ نے
بے بسوں کے خاص ہمدم، الصلوٰۃ والسلام

پیکرِ حلم و عطا و منبعِ جود و سخا
محسنِ بزمِ دوعالم، الصلوٰۃ والسلام

سامنے ہو سبز گنبد، روح تن سے ہو جدا
لب پہ ہو جانِ دوعالم، الصلوٰۃ والسلام

روزِ محشر پیشِ داور، جب مَیں پہنچوں اے شریف
کاش ہونٹوں پہ ہو پیہم، الصلوٰۃ والسلام

پروفیسر شریف حسین قریشی (رام پور)

ستائش نامے

محمد افضل حسین برکاتی (اتراکھنڈ اوپن یونیورسٹی، ہلدوانی)

عزت مآب عالی جناب ڈاکٹر سراج احمد قادری صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

الحمدللہ! امید ہے آپ بخیر ہوں گے!

520 صفحات پر دبستان نعت 2023 کا شمارہ موصول ہوا۔ یہ مجلّہ نعتیہ میدان میں اپنی مثال آپ ہے۔ اس میں شامل مضامین سلسلۃ الذہب کی مثال پیش کرتے ہوئے انسان کے قلوب و اذہان کو عشق رسول سے سرشار کرتے ہیں۔ عموماً لوگ اپنے آپ کو نعت گوئی اور نعت خوانی کی حد تک محدود رکھتے ہیں لیکن نعتیہ مواد کو قادری صاحب کی ادبی ورثہ کے طور پر نسل نو کے لئے محفوظ کرنے کی سعی قابلِ ستائش ہے۔ یہ اپنی نوعیت وحیثیت کا منفرد کام ہے۔ بارگاہ رب العزت میں دعا گو ہوں یہ مجلّہ اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ دن بدن عروج کا سفر طے کرتا رہے۔

الحاج سیّد محمد مفیض الدین قادری (شاہ جہاں پور)

۱۱ر جمادی الآخر ۱۴۴۵ھ

۲۵ر دسمبر ۲۰۲۳ء بروز پیر

عالی مرتبت جناب ڈاکٹر سراج احمد قادری دام اقبالکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بیش از پیش شکریہ ''خانقاہ عالیہ قادریہ بشیریہ'' شاہ جہانپور کے کتب خانہ ''قادریہ بشیریہ'' کے لئے 'دبستانِ نعت' کا ساتواں شمارہ موصول ہوا۔

رواں صدی میں نعتیہ ادب کو فروغ دینے میں دبستان نعت ایک اہم کردار ادا کر رہا ہے۔ اس کے تمام سابق شماروں کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ قلیل مدت میں ہندو پاک کے معیاری ادبی حلقے میں اس نے اپنی منفرد ادبی حیثیت کا لوہا منوالیا ہے۔

جناب مدیر ڈاکٹر سراج احمد قادری دبستانِ نعت کے پہلے شمارے کے اداریہ میں بڑی تحقیقی اور پتے کی بات لکھتے ہیں:

''جب ہم نعت کی تاریخ پر ایک گہری نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں اس موضوع پر دیگر اصنافِ ادب سے کم سرمایہ نظر نہیں آتا اس کے انتقادی نقوش تو روزِ اوّل سے ہی روشن وتابندہ نظر آتے ہیں۔''

اس تحریر کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ نعتیہ ادب پر تحقیقی مقالے بھی لکھے گئے ہزاروں کتابیں بھی اس پر شائع ہوئیں بے شمار دیوانِ نعت بھی چھپے لیکن نعت کے میدان میں ''دبستانِ نعت'' نے قلیل مدّت میں جتنا منظّم کام کیا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس سے تحقیق کی اور بھی راہیں ہموار ہوں گی کہتے ہیں ''شمع سے شمع روشن ہوتی ہے'' ان شاء اللہ دبستانِ نعت اس اُردو محاورے کے مصداق ثابت ہوگا۔

اس وقت ہمارے پیشِ نظر فروغ حمد ونعت کا کتابی سلسلہ دبستانِ نعت کا ساتواں شمارہ جنوری تا دسمبر ۲۰۲۳ء ہے اپنی روایت کے مطابق اس میں شامل تمام مضامین و مقالات بہت عمدہ اور معیاری ہیں منفرد موضوعات پر قلمکار حضرات نے اپنے علم و ہنر کے دلکش جوہر دکھائے ہیں۔ تابشِ فکر ونظر / افکارِ روشن میں شامل مضامین بڑے سلیقے اور محنت سے لکھے گئے ہیں۔ جس کے مطالعے سے فکر ونظر کے میدان وسیع ہوجاتے ہیں۔ زاویۂ نگاہ محققین کی بلیغ نظر کا ثبوت ہے۔ گلہائے عقیدت میں شامل نعت فنی اور لسانی اعتبار سے کامیاب اظہارِ محبت ہے۔ آخیر میں شیخ عباد اللہ رنج معروف بہ شیخ بادل کا سلام بھی عشقِ معراج ہے۔ حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

محمد کی محبت دینِ حق کی شرطِ اوّل ہے
اسی میں اگر ہو خامی تو سب کچھ نامکمل ہے

آیئے علامہ اقبال کے اس شعر پر غور کریں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر تمام صفاتِ کاملہ کے ساتھ ایمان لانا اور آپ کی عظمت و رفعت کو تسلیم کرنے کے بعد اپنے اذہان وقلوب کو عشقِ رسول سے معمور کرنا اسلام کے بنیادی عقائد میں شامل ہے جس کے بغیر ایمان کامل نہیں ہوسکتا۔ قرآن مجید میں بھی اللہ رب العزت نے جگہ جگہ حضور کی مدح سرائی فرمائی۔ محمد رسول اللہ (سورہ فتح) "**اِنّا ارسلنٰك شاهداً و مبشراً و نذيراً۔**" (سورہ احزاب) "**انا اعطينٰك الكوثر۔**" (سورہ کوثر) وغیرہ میں جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کو بیان کیا ہے۔

صحابۂ کرام کا یہ عشق ہی تو تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کے پانی اور لعاب دہن کو اپنے چہروں سے مَلتے تھے۔ صحابہ حضور کی ہر ادا کے اسیر تھے اور آپ کی عظمت ومحبت کے ثناخواں تھے۔ صحابہ کا یہ عشق تابعین تبع تابعین اور ہر دور کے اولیاء کرام سے ہوتا ہوا وراثتاً ہم سب تک پہنچا ان اکابرین نے عشقِ رسالت مآب کو ہی اپنا نصب العین بنایا۔ حضرت الحاج سیّد محمد استخار الدین قادری

یعقوب بدایونی ثم شاہ جہانپوری قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

دوجہاں کی ہیں رفعتیں تم سے دونوں عالم کا سلسلہ تم ہو

حضرتِ صفیہ رضی اللہ عنہا بارگاہ رسالت میں جب نعت پیش فرماتیں آقا تبسم فرماتے اور حضرت حسّان بن ثابت جو ''شاعر رسول'' کے معزز لقب سے نوازے گئے اپنا نعتیہ کلام خود رسول اللہ کے حضور پیش فرماتے تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے نعت لکھنا یا پڑھنا صحابۂ کرام کا عمل ہے۔

المختصر دبستانِ نعت عشق ومحبت کا ایک حسین گلدستہ ہے جو روحانی سکون کا سامان ہے۔ جناب مدیر اور مجلس مشاورت سے وابستہ اراکین کو ہم اپنی ''خانقاہ عالیہ قادریہ بشیریہ'' شاہجہانپور کی جانب سے اس شاندار مجلّہ کی اشاعت کے لئے مبارکباد پیش کرتے ہیں اور دعا گو ہیں رب کریم اس سلسلے کو وسیع فرمائے اور اپنے حفظ وامان میں رکھے۔ آمین

ایک خط۔ صبیح رحمانی کے نام

ندیم صدیقی (ممبئی)

بہ خدمت: سید صبیح صاحب رحمانی

مدیر ''نعت رنگ'' کراچی (پاکستان)

عزیزم! سلام ورحمت

آج جی میں آیا کہ ''اب خط لکھنا ہم بھول رہے ہیں، کیا اس کی تجدید نہیں کی جاسکتی؟''

نیک کام میں تاخیر نہیں کی جانی چاہیے، سو حاضر ہوں۔

آپ سے تعارف کا سبب آپ کی نعت گوئی، نعت خوانی اور پھر اسی سلسلے کی ایک توانا کڑی ''نعت رنگ'' جیسا مجلّہ ہے۔ مجموعی طور پر یہ تعارف کس قدر اہم اور پُر وقار تھا، کراچی اور پھر ممبئی میں آپ سے ملاقاتیں ذہن میں اب تک تازہ ہیں، یہ خوشی کی بات ہے کہ ممبئی میں بھی آپ کا کلام، آپ کی آواز میں گونجتا رہتا ہے، یہاں آپ کیلئے اعزازی تقریب جو آپ کا حق تھی، خوب تھی کس توجہ اور انہماک سے لوگ آپ کو سُن رہے تھے، آپ کے ایک ایک شعر پر محبانِ رسالت سَر دُھن رہے تھے۔ ملتان کا وہ سفر جو آپ ہی کے توسط سے ہم نے کیا، جس کو ایک دہے سے زیادہ مدت گزر رہی ہے، وہ بھی زندگی کا ایک ناقابلِ فراموش واقعہ ہے، ملتان کی محفل میں کیسے کیسے نعت خوانوں کو سنا بلکہ اب بھی

اُن کی آواز کی بازگشت دِل میں کہیں ہوتی رہتی ہے۔

ہوسکتا ہے کہ کچھ لوگ یہ باتیں مرعوبیت سے تعبیر کریں، مگر بعض حقیقتیں کسی بھی نکتہ چینی کے باوجود اپنی اصل میں مزید کشش کی حامل ہو جاتی ہیں۔

یہاں (ہند میں) بھی نعت گوئی اور نعت خوانی ویسی نہ سہی جیسی آپ کے ہاں عام ہے مگر ہو تو رہی ہے۔ بے شک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور جو کچھ پیش کیا جائے وہ ہم جیسوں کے نزدیک اُن کے شایانِ شان ہونا لازمی ہے مگر بسا اوقات محسوس ہوتا ہے کہ عقیدت بھی نفس کا روپ دَھار لیتی ہے۔ یہی دیکھئے ہمارے ہاں بعض سنجیدہ اشخاص بھی نعت کی نسبت سے تنقید کو بے ادبی سمجھتے ہیں، جس کی وجہ ان اشخاص کے نزدیک 'تنقیدِ نعت' ایک معیوب عمل ہے، خیر کسی کے اخلاص و نیت پر ہم کچھ بھی کہنے کے اہل نہیں مگر نقد و نظر کی اہمیت بلکہ یہ عمل نعت کے ضمن میں ضروری سمجھتے ہیں بلکہ نعت کے لیے بھی ایک اصول اور ضابطے ہی نہیں بلکہ حدود کے ہم قائل اور اس پر مائل بھی ہیں۔ نعت پر جو مضامین آپ کے جریدے (نعت رنگ) میں نظر نواز ہوئے اُس نے اس صنفِ مبارک کے حق میں ذہن کو سوچنے اور غور کرنے کی سمت دِکھائی، ادب ہی کیا، زندگی میں بھی اختلاف کی اہمیت سے انکار 'سادہ لوحی' ہی سمجھا جائے گا، اختلاف ہی تو رنگا رنگی اور صحت کی وجہ بنتا ہے اور صحت و رنگینی کس صاحب ِنظر کے نزدیک بے وقعت ہو سکتی ہیں؟ البتہ نفس ہر شعبے میں اپنے دخل پر کل بھی قادر و قوی رہا ہے اور رہے گا، لہٰذا ہم چوکنّا رہیں کہ:

نفس نیکی میں بھی شیطان سے جا ملتا ہے یہ کسی طور بھی اُبھرے اُسے مارا جائے

اس بات کو محض شعرِ ندیم سمجھ کر نظر انداز نہ کیا جائے کیونکہ اس شعر کی اصل تو اکابر و اسلاف سے نسبت رکھتی ہے۔ اس نفس نے ہماری تقدیس و تحریم کے عوامل میں بھی کیسے کیسے فتنے پیدا کیے جو، صاحبانِ فہم و نظر پر کھلے ہوئے ہیں۔ اس ضمن میں ہم نے جب جب سوچا تب تب اس نتیجے پر پہنچے کہ ہمارے ہاں احساسِ تقدیس و تحریم نے شعور کی رَو پیدا نہیں کی بلکہ اس کے برخلاف ایک قسم کا جنون ہم میں دَر آیا اور یہ مرض نسل دَر نسل ہماری وراثت بن گیا اور اس مرض کو ہمارے غرور اور انا نے بھی شدید تقویت پہنچائی، ورنہ سوچنے کی جا، ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت رکھنے والی بات نزع و فساد تک کیوں کر پہنچ جاتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہی نہیں بلکہ ہمارے نزدیک تو اُن کا تصور بھی رحمت ہی رحمت ہے مگر ہم جب اپنے معاشرے پر دور و نزدیک نظر ڈالتے ہیں تو 'رحمت' کے حرفِ اوّل پر نقطہ لگا کر اس کی معنویت کو عرش سے فرش پر پھینک دیتے ہیں، یہ لیجیے اپنے شکوۂ حق

کے ساتھ حضرتِ افتخار عارف یاد آ گئے:

رحمتِ سیدِ لولاک پہ کامل ایمان   اُمتِ سیدِ لولاک سے خوف آتا ہے

اس صورتِ حال سے برِصغیر کے مسلمان جس قدر متاثر و مغضوب ہیں اس کی مثال دُنیا کے دیگر ممالک میں کم کم ہے اور اس کی وجہ ہماری 'فہم نا کی' اور ہمارا (خودساختہ) مذہبی غرور ہے۔

ان معاملات میں اہلِ علم میں اختلاف عجب نہیں ہوتا مگر جب یہ اختلاف عوام میں پھیلتا ہے تو اس کی نوعیت عمومی نہیں رہتی بلکہ اکثر اوقات وہ جنونی بن جاتی ہے اور جنون کے مظاہر کیسے ہوتے ہیں؟ یہ ہر صاحبِ فہم پر عیاں ہے اور یہ جنون نیا نہیں، بزرگوں سے چلا آتا ہے:

''علامہ علی بن سلطان محمد القاری لکھتے ہیں:

شعبی بیان کرتے ہیں: میں ایک مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا، میرے پاس ایک لمبی داڑھی والا شخص بیٹھا وعظ کر رہا تھا، اس کے گرد لوگوں کا ایک بڑا حلقہ تھا، اس نے بیان کیا:

''فلاں نے فلاں سے اور فلاں نے فلاں سے اور اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث بیان کی: اللہ تعالیٰ نے دو صور بنائے ہیں اور ہر صور دو مرتبہ پھونکا جائے گا، ایک بار پھونکنے سے لوگ بے ہوش ہوں گے اور دوسری بار قیامت کے لیے پھونکا جائے گا''، شعبی کہتے ہیں: مجھ سے برداشت نہ ہوا، میں جلد نماز ختم کر کے اس کی طرف مڑا اور کہا: شیخ! اللہ سے ڈرو اور غلط بیانی نہ کرو، اللہ تعالیٰ نے صرف ایک صور پیدا کیا ہے، اسی کو دو بار پھونکا جائے گا، اُس شیخ نے کہا: اے فاجر! مجھ سے فلاں، فلاں نے یہ حدیث بیان کی ہے اور تُو مجھ پر ردّ کرتا ہے، پھر اس نے اپنی جوتی اُٹھا کر مجھے پیٹنا شروع کر دیا اور اس کی پیروی میں اس کے تمام مریدوں نے بھی مجھے اپنے جوتوں سے مارنا شروع کر دیا۔ بخدا! ان لوگوں نے مجھ کو اس وقت تک نہیں چھوڑا جب تک کہ انہوں نے مجھ سے یہ نہیں کہلوالیا کہ اللہ تعالیٰ نے تین صور پیدا کیے ہیں۔''

(موضوعاتِ کبیر)۔از: مفتی منیب الرحمان۔روزنامہ جسارت کراچی۔3 اکتوبر 2022

ہند میں فی زمانہ ہم مسلمان ذِلّت و خواری کی حالت سے گزر رہے ہیں، مگر اسی ملک کی تاریخ گواہ ہے کہ وہ ہمارے ہی بزرگ تھے کہ اگر گاؤں میں کسی ہندو اور مسلمان کے درمیان کوئی تنازعہ ہوتا تھا تو اس کے فیصلے کے لیے 'میاں جی' ہی کو بلایا جاتا تھا۔ روایت ہے کہ کھیت کی ایک زمین کے ٹکڑے پر ایک ہندو اور مسلمان کے درمیان تنازعہ تھا اور پنچایت کسی کے حق میں فیصلے پر نہیں پہنچ پا رہی تھی، تو فریقین میں سے جو ہندو تھا، اُس نے کہا کہ پنچو! گاؤں کی جُمّہ (جامع) مسجد کے بغل میں جو بزرگ

'میاں جی' رہتے ہیں وہ ہمارے پُرکھوں اور ہماری زمین جائداد کے بارے میں اچھی طرح جانتے ہیں، اُن کو بُلا کر پوچھا جائے، پنچوں نے مسلم فریق سے پوچھا، تمھیں تو میاں جی کی گواہی پر کوئی آپتّی (اعتراض) نہیں ہوگی۔ مسلمان سے جواب ملا کہ وہ ہمارے بزرگ ہیں، ہم اُن کی گواہی پر کیسے اعتراض کر سکتے ہیں۔ مختصر یہ کہ میاں جی کی گواہی ہوئی اور وہ فیصلہ ہندو فریق کے حق میں ہوا۔

مگر اب صورتِ حال اس کے برعکس ہے ہمارا مسلم نام سُن کر یہاں کے متمول علاقوں کے کسی اپارٹمنٹ میں ہمیں فلیٹ خریدنے نہیں دِیا جاتا، جس پر ہم چیں بجبیں تو خوب ہوتے ہیں، عام طور پر تعصب کا شکوہ بھی کرتے نہیں تھکتے مگر ہمارے بڑے اذہان یہ سوچنے کی زحمت نہیں کرتے کہ اسی ملک میں جہاں مسلم حکمرانوں نے برسہا برس راج کیا، اب ایسا کیوں ہے کہ ہم من حیث القوم اپنے ہی ہم وطنوں میں غیر و حقیر ہو کر رہ گئے ہیں۔ اب ہماری گواہی تو کجا ہمیں ملیچھ سمجھا اور کہا جا رہا ہے۔ ماضی بعید کی نہیں ماضی قریب کے بزرگوں سے ہم سُن چکے ہیں کہ کل ہم اور ہمارے ہندو پڑوسی کسی تقریب میں کھانا تو الگ الگ کھاتے تھے یعنی ہماری تھالی اور رکابی الگ ضرور ہوتی تھیں مگر دل ایک تھے۔ اب ہمارا ہندو پڑوسی تو کجا خود ہمارا کلمہ گو بھائی بھی ہم پر اعتبار نہیں کرتا، آخر کیوں، کیوں؟

غالباً محترمہ زہرہ نگاہ کا شعر ہے جو اِس وقت ہمارے سامنے آئینہ بنا ہوا ہے:

دی جس نے محمد کی رسالت پہ گواہی   اب اُس کی گواہی پہ بھروسہ نہیں ہوتا

ہمارے مِلّی انتشار کا عالم یہ ہے کہ یہاں کے بعض علاقوں کی مساجد میں اگر کسی مسلمان نے نماز پڑھ لی اور دوسرے مصلیوں کو کسی طور پتہ چل جائے کہ یہ ہمارے مسلک کا نہیں ہے تو اس سے پوری مسجد نہ صرف دُھلوائی جاتی ہے بلکہ اس کے ساتھ تشدد بھی کیا جاتا ہے، دوسرا منظر یہ ہے کہ ہمارا دشمن جب حملہ آور ہوتا ہے تو وہ ہمیں دیوبندی، بریلوی یا شیعہ سنی سمجھ کر نہیں مارتا، اس کی نگاہ میں تو ہم صرف اور صرف مسلمان ہوتے ہیں جبکہ ایک اللہ اور ایک رسول کے ماننے والے ایک دوسرے کو کافر سمجھ رہے ہیں۔ ہم اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کا خوب چرچا کرتے ہیں مگر یہ اخلاق ہماری عمومی زندگی سے کافور ہو چکا ہے۔ ہم کس درجے پر پہنچ گئے ہیں کہ اب ہم کسی کو کچھ دیتے ہوئے، امداد کرتے ہوئے بھی اس کا دِین دھرم ہی نہیں مسلک پر بھی نظر رکھتے ہیں، جہاں ہم نے اُوپر یہ بتایا کہ ہمیں اب یہاں متمول علاقوں میں مسلم ہونے کے سبب مکان خریدنے نہیں دِیا جاتا تو وہیں یہ عملی مثالیں بھی ہیں جن کا ذکر آپ کے سامنے ضروری جانتے ہیں کہ آپ کو یاد ہوگا کہ چند برس قبل (غالباً 1997 تھا) حج کے زمانے میں مِنیٰ میں آگ لگ گئی تھی، نجانے کتنے خیمے اور حجاج اُس آتش زدگی کی نذر ہو گئے

ہمارے دوست اور مشہور ادیب وصحافی شمیم طارق بھی اسی سال حج کیلیے گئے تھے، اُس زمانے میں موبائیل اگرآ بھی گیا تھا تو وہ عام نہیں ہوا تھا، جب مِنیٰ میں آتشزدگی کی اطلاع یہاں پہنچی تو ظاہر ہے کہ ہر وہ فرد پریشان ہوا جس کے اعزہ یا متعلقین سفرِ حج پر گئے تھے۔ بات شمیم طارق کی ہو رہی ہے تو عرض کرنا یہ تھا کہ اُن کے گھر سب سے پہلے شمیم طارق کی خیریت دریافت کرنے کے لئے جس شخص کا فون آیا تو وہ مشہور وممتاز ادیب وشاعر اور محقق شری کالیداس گپتا رضؔا تھے اور انہوں نے شمیم صاحب کی بیگم کو تاکید بھی کی کہ وہاں سے جب بھی شمیم میاں کی خیر خیریت کی اطلاع آئے تو مجھے فوراً بلکہ رات دیر گئے بھی مطلع کیجیے اور اگر کسی طرح کی کوئی بھی ضرورت ہو تو ہر تکلف سے بے نیاز ہو کر مجھ سے کہیے۔

واضح رہے کہ کالیداس گپتا رضؔا کے تعلق سے یہاں یہ تاثر عام تھا:

''وہ ہندوؤں کے کٹّر طرزِ فکر کے حامل ہیں۔''

اسی طرح ہمارے ایک عزیز ایڈوکیٹ شمیم احسن ہیں، جنہوں نے بڑی کسمپرسی کی حالت میں تعلیم حاصل کی، طالب علمی ہی کے زمانے کا ایک واقعہ وہ بیان کرتے ہیں کہ میرے پاس کالج کی فیس جمع کرنے کے لیے روپے نہیں تھے بلکہ مستقبل قریب یا مستقبل بعید میں بھی اُس رقم کا جمع ہونا ممکن نہیں تھا، اُس وقت اُن کے والد بھی شدید بیمار تھے اور پورے کنبے کی کفالت کا واحد ذریعہ بریڈ، بٹر بسکٹ، ٹافی اور چاکلیٹ کی چھوٹی سی دُکان تھی اور اُس دُکان کے اصل سیلز مین یہی شمیم احسن تھے، مختصر یہ کہ شمیم میاں نے کالج جانا ترک کر دیا، ہفتہ بھر گزرا ہوگا کہ ایک شام انہوں نے دیکھا کہ اُن کے کالج کے پرنسپل اور پولیٹکل سائنس کے اُستاد شری پرشوتم یشونت اولٹیکر (Mr,Parshotam OltikarYashvant) اُن کی دُکان کے سامنے کھڑے ہیں اور استفسار کر رہے ہیں کہ ''تم کالج کیوں نہیں آ رہے ہو؟'' اور شمیم میاں کی خموشی پر انھوں نے خود ہی کہا: کالج کی فیس کا مسئلہ ہے؟ اور پھر شریمان نے حکم دیا کہ کل سے آپ کالج آیئے اور یہ کہہ کر وہ رُخصت ہو گئے، دوسرے دِن جب عزیزم شمیم احسن کالج پہنچے تو پتہ چلا کہ پرنسپل شری پی وائی اولٹیکر نے پورے سال کی فیس ہی کالج میں نہیں جمع کی بلکہ کچھ ایسا انتظام بھی کر دیا ہے کہ شمیم میاں کو آئندہ بھی کالج کے جملہ اخراجات کی پریشانی نہ ہو۔

شمیم میاں ہی بتاتے ہیں کہ پرنسپل مسٹر پی وائے اولٹیکر ہندوؤں کی سخت گیر جماعت آر ایس ایس کے نظریات کے حامل تھے، مگر ایک سیدزادے کے تئیں ایک 'کافر' کا سلوکِ احسن، کیا توجہ طلب نہیں ہے، بقول شمیم میاں مَیں تاعمر اولٹیکر صاحب کا احسان بھول ہی نہیں سکتا، واضح رہے کہ اُس وقت بھی شمیم میاں کے خاندان اور اعزہ میں ایسے ضرور تھے جن کے لیے فنؔا نظامی کانپوری کہہ گئے ہیں:

ساحل کے تماشائی ہر ڈوبنے والے پر افسوس تو کرتے ہیں امداد نہیں کرتے

یہی ایڈوکیٹ سید شمیم احسن بتاتے ہیں کہ ایک دن میرے پاس ایک معمر عیسائی خاتون آئی اور خبر لائی کہ ”اس کے پڑوس میں ایک اوسط درجے کا ہندو خاندان رہتا ہے جس میں ماں باپ کے ساتھ تین بیٹے اور تین بہوویں ہیں سب سے چھوٹی بہو نے معمولی سی بات پر جذبات میں بہہ کر اپنے آپ کو نذرِ آتش کرلیا اور فوت ہوگئی، پولیس کیس بن گیا ہے اور پورا خاندان اس وقت جیل میں ہے، اُن میں ایک بہو حاملہ ہی نہیں بلکہ پورے نویں مہینے میں اس کا حمل پہنچ چکا ہے۔ وکیل صاحب کسی طرح اس کی ضمانت کی کوشش کیجیے وہ لڑکی بے قصور ہے۔ مختصر یہ کہ ایڈوکیٹ شمیم میاں نے کسی طرح عدالت سے اس حاملہ کی ضمانت کروادِی۔ دو تین دن کے بعد اُن کے دفتر میں ایک معمر شخص کالی ٹوپی پہنے ہاتھ جوڑے نمستے کرتے ہوئے، دھنئے واد (شکریہ) ادا کرنے حاضر ہوا، وہ اُس حاملہ کا باپ تھا، اور فیس کے نام پر کچھ دینا چاہتا تھا نیز دوسرے ملزمین کی جن میں اس کا داماد بھی شامل تھا، ضمانت کی گزارش کر رہا تھا۔ شمیم میاں نے فیس لی یا نہیں مگر یہ ضرور کہا کہ دھنئے واد تو آپ اُس کرسچین عورت کا ادا کیجیے جو آپ کی بیٹی کی ضمانت کیلئے میرے پاس آئی تھی۔ حاملہ خاتون کا باپ جب دوسری بار شمیم میاں کے دفتر آیا تو اُس کے سَر پر کالی ٹوپی نہیں تھی۔ واضح رہے کہ آر ایس ایس سے وابستہ اکثر ہندو حضرات کالی ٹوپی ضرور پہنتے ہیں، شمیم میاں نے اس شخص سے اُس کی ٹوپی کا سوال کرلیا تو اس کا جواب تھا۔

وکیل صاحب! میرے دل میں مسلمانوں اور عیسائیوں کے تعلق سے ایک کانٹا تھا، آپ کے سلوک نے وہ کانٹا ہی نہیں نکالا بلکہ راشٹریہ سیوک سنگھ (RSS) کی ٹوپی بھی اُتار دِی، میں نے اب ہمیشہ کے لیے وہ کالی ٹوپی پھینک دی ہے، یہ کہہ کر اُس معمر شخص نے وکیل صاحب کے چرن چھونے کی کوشش کی جس پر شمیم میاں نے اسے فوراً روک لیا۔

شمیم میاں کا کہنا ہے کہ مسلمانوں کے خلاف اس کے دل میں جو کانٹا تھا وہ میں نے نکالا یا نہیں مگر اس کے ذہن وقلب میں ایک مسلمان کے کردار کا وہ نقش بنانے کی کوشش ضرور کی جو خدا نے چاہا تو کبھی مٹ نہ سکے گا۔

اب یہاں ہمارا (ندیم صدیقی کا) سوال ہے کہ شمیم میاں کا یہ عمل کیا کسی تبلیغ سے کم ہے؟ ہمارے خیال سے تبلیغ کے لیے پہلے ذہن وقلب کی زمین ہموار کرنا بھی سنتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ جبکہ تبلیغ کے نام پر پورے ہندستان (بلکہ تمام برِصغیر) میں ایک جماعت سرگرم ہے، جس پر ہم کوئی تبصرہ یا کمنٹ نہیں کرتے مگر طریقِ تبلیغ ضرور توجہ طلب ہے۔

اہلِ بیت میں ممتاز شخص حضرت امام جعفر کا یہ قولِ صادق بھی قلبِ ندیم میں روشن ہے:

(مفہوم) ''کوشش کرنا کہ تم کو تبلیغ کے لئے زبان سے کچھ نہ کہنا پڑے۔''

اِس وقت ہند میں ہم مسلمانوں کے تعلق سے ذہنوں میں جو سیاہی بھری ہوئی ہے اس میں ہمارے دشمنوں کا کردار کتنا ہے، ہمیں اس سے زیادہ یہ سوچنا چاہیے کہ ہم اس 'جنگ' میں کہاں ہیں اور کیا کر رہے ہیں؟

کلکتے سے عزیزم امین میاں نے کل ہی ہمیں اپنے دس روزہ سفر راجستھان و دہلی کی روداد فون پر سنائی جس میں ایک واقعہ تو ہمارے لیے بھی سبق بن گیا۔ یاد آتا ہے کہ بزرگوار حکیم انجم فوقی بدایونی نے ہمیں تاکید کی تھی کچھ سیکھنے سمجھنے میں چھوٹے بڑے کی تفریق کو اپنے لیے کفر جاننا، کیونکہ صریح ہدایت ہے کہ 'علم تمہاری میراث ہے جہاں سے ملے اُٹھا لو' اس میں کسی قسم کی تخصیص نہیں کی گئی ہے۔

تو ہم نے اپنے بھتیجے امین میاں کے بیان پر لمحہ بھر کے لیے بھی غفلت نہیں کی۔ واضح رہے کہ امین میاں شکل وضع سے دور ہی سے مسلمان ہونے کا اعلان ہیں۔ دہلی سے وہ کلکتے کے لیے سفر کر رہے ہیں، ائیر کنڈیشنڈ ٹرین کے ٹو ٹائر کمپارٹمنٹ میں کانپور سید و مہیلائیں (خواتین) ماتھے پر تلک لگائے (ماں بیٹی) داخل ہوئیں، جن کی دو برتھیں امین میاں کے سامنے ہی تھیں، انہوں نے باریش امین اور برقعے میں اُن کی بیگم کو دیکھا تو اُن کے چہرے پر ایک خوف آمیز پریشانی جھلکنے لگی، اِن میں سے جو بڑی بی تھیں انہوں نے ٹرین کی پوری بوگی میں دیگر مسافروں سے درخواست کی کہ کوئی ان کی برتھوں سے اپنی برتھ بدل لے مگر کوئی مسافر اپنی سیٹ (یا برتھ) بدلنے پر آمادہ نہیں ہوا تو چارونا چار وہ اپنی برتھ پر آ گئیں۔ اب امین میاں نے اُن ماں بیٹی کے ساتھ جو سلوک کیا تو جب وہ کئی گھنٹوں بعد اپنی منزل بَردوَان پر ٹرین سے اُتریں تو بڑی بی امین میاں کو دعائیں دیتے ہوئے اور بیٹی ہاتھ جوڑ کر شکریہ ادا کر کے رخصت ہوئی۔

اس کے برعکس اسی ٹرین میں کوئی 'جماعت' بھی سفر کر رہی تھی، جن میں بعض تہجد کے وقت نماز پڑھنے کے بعد بآواز بلند تلاوتِ قرآن میں لگے ہوئے تھے جبکہ دیگر مسافروں میں جو سو رہے تھے ان میں سے بعض کی نیند سے آنکھیں کھل گئیں، امین میاں نے تلاوت کرنے والوں کو اشارے سے ٹوکا تو انھیں ٹکا سا جواب ملا، تم داڑھی رکھ کر بھی قرآن کا پیغام پہچانے سے روک رہے ہو۔

اب آپ ہم سوچتے رہیں کہ اس طرح قرآن کا پیغام پہنچے گا یا اہلِ قرآن کے تعلق سے ایک نفرت پیدا ہوگی؟

سچ تو یہ ہے کہ ہم اپنے 'غرورِ ایمان' کے نتیجے میں بھول گئے ہیں کہ 'مدعو' قوم کے سامنے 'داعی قوم'

کا کردار کیسا ہونا چاہیے۔

ہم میں سے اکثر مسلمان اخلاق سے متعلق بہت باتیں کرتے پائے جاتے ہیں بلکہ اِس ضمن میں اُن کے قول دُہراتے نہیں تھکتے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ آج اُن کے قول تو اکثر کو از بر ہیں اس کے برعکس اُن کے کردار کی ضرورت ہے، جس سے ہم اکثر غافل ہیں، رہا استثنٰی تو یہ استثنٰی تو اہلِ کفر میں بھی مل جاتا ہے جس کی بعض مثالیں آپ نے اوپر پڑھ لیں۔

آج ہم مسلمانوں اور بالخصوص برِ صغیر کے مسلمانوں میں اعراض وصبر کا مادّہ جیسے ناپید ہو چکا ہے، ہم اجازت اور حکم کے معاملات کو خلط ملط کر چکے ہیں، ہمیں اپنے حق کی طلب تو شدید ہے مگر دوسروں کے تئیں ہمارے کیا فرائض ہیں؟ ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں۔ جب یہ رویہ عام ہو جائے تو اس کا نتیجہ کیا نکلے گا وہ ہر ذی ہوش شخص سمجھ سکتا ہے۔ جب ہم اپنے کلمہ گو بھائیوں کے ساتھ مروّت نہیں کر سکتے تو کس منہ سے اپنے حق میں رعایت کے طالب ہو سکتے ہیں۔ پاکستان کے بارے میں تو نہیں کہیں گے مگر چونکہ ہند میں ہم مسلمان اقلیت میں ہیں اور اکثریت سے رعایت اور اپنے حقوق کی طلب رکھتے ہیں اس کے برعکس جو صورتِ حال ہے وہ بھی توجہ طلب ہے کہ ہم مسلمانوں میں جو حلقے اپنے عقائد کے سبب اقلیت میں ہیں ہم ان کو رعایت کا ہرگز مستحق نہیں گردانتے، اب ذرا سوچیے کہ پھر یہاں اکثریتی طبقے کے دھارمک لوگوں سے ہمیں کیا حق پہنچتا ہے کہ ہم اُن سے اپنے حقوق یا مروت کے طالب ہوں اور وہ اس پر کیوں کر راضی ہوں کہ ہم بھی اپنے اقلیتی طبقے کے حق میں اس پر ہرگز راضی نہیں اور یہ بھی ذہن میں رہے کہ اہلِ ہنود ہمارے دین ومسلک کے اختلافی تنازعات سے بے خبر نہیں، اُن میں جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدحت کا حق ادا کرنے میں ہم سے کم نہیں تو وہ اسلام ومسلمان کے بیچ جتنی خلیج ہیں وہ سب اُن کے علم میں ہیں۔ بزرگ کہہ گئے ہیں کہ دشمن کو کمزور یا غافل سمجھنے والا، یقین کر لیجیے کہ وہ خود غفلت کا شکار ہے۔

اُردو کے ممتاز ادیب و محقق مالک رام کو اُردو دُنیا میں کون نہیں جانتا، جن لوگوں نے اُن کو دیکھا یا جنہیں اُن سے نیاز حاصل رہا ہے وہ بغیر کسی تردد، کہیں گے کہ وہ مجسم مسلم تہذیب وتمدن کا تشخص رکھتے تھے، ہم نے بھی انہیں ٹوپی اور شیروانی کے بغیر نہیں دیکھا، وہ ایک مدت تک انڈین فارن سروس سے وابستہ رہے، اور مصر، عراق، ترکی جیسے مسلم ملکوں میں انہوں نے خدمات انجام دیں۔ معتبر حضرات کا کہنا ہے کہ وہ اسلامیات کا اچھا خاصا عالمانہ درک رکھتے تھے۔ ان کی تین درجن سے زاید (بشمول غالبیات) علمی کتابیں یادگار ہیں جن میں (چار جِلدوں میں) 'تذکرۂ ماہ وسال' کو خاصی

شہرت ملی لیکن اسلامیات، المراۃ فی الاسلام کے ساتھ ’عورت اور اسلامی تعلیم‘ جیسی کتابیں بھی ان ہی کے قلم سے نکلی ہیں۔ موصوف کی وضع قطع اور اُن کی گفتگو ایسی تھی کہ اگر نام نہ بتایا جائے تو اُنہیں دیکھنے اور سننے والا اُن کو حضرتِ مالک الدین ہی سمجھتا، وہی پرانوں کی شستہ زبان اور شائستگی کے ساتھ ماشا اللہ، اِن شااللہ اور اللہ اکبر جیسے کلمات احسن ان کی عام گفتگو کا حصہ ہوتے تھے۔ اِسے اُن کی اسلام سے رغبت یا مسلم دوستی سے تعبیر کریں یا کوئی اور نام دیں کہ ان کے بچوں میں تین کے عربی نام ہیں۔ دو بیٹے آفتاب اور سلیمان جبکہ ایک بیٹی کا نام بشریٰ ہے۔ (کوئی بھی شخص اس سلسلے کی تفصیلات ’ریختہ‘ کی ویب سائیٹ پر دیکھ سکتا ہے۔) اُن کی اسلامیات سے رغبت اور مسلم تہذیب سے وابستگی کے سبب ایک بات عام تھی کہ وہ ’ایمان دار‘ ہیں، اگر ہمارا حافظہ خطا نہیں کرتا تو عرض ہے کہ اُردو کے کسی رسالے میں پڑھا تھا کہ ایک بار مشہور محقق اور شاعر و ادیب کالیداس گپتا رضا جو دہلی میں ان کے گھر کھانے پر مدعو تھے، عشائیہ کے دوران گپتا رضا صاحب نے اُن سے دبے لہجے میں سوال کرلیا کہ سُنا جاتا ہے کہ آپ نے اسلام قبول کرلیا ہے؟ کھانے کی میز پر بیگم وِدیا وتی مالک رام کو یہ بات ناگوار ہوئی اور انہوں نے اپنے شوہر سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا کہ اب یہ نوبت آ گئی ہے کہ لوگ آپ کا دین دھرم بھی دریافت کرنے لگے ہیں۔

اُردو کے مشہور ادیب جنابِ فاروق ارگلی بتاتے ہیں کہ حضرتِ مالک رام نے، وفات کے بعد اپنے جسد کو جلانے کے بجائے تدفین کی وصیت کی تھی، فاروق صاحب کا کہنا ہے کہ جنابِ خلیق انجم نے ان کی وصیت پر عمل درآمد کروانے کی کوشش بھی مگران کے بیٹوں نے اس وصیت کے برخلاف عمل کیا۔

اسی تحریر میں لکھنؤ کے گنیش بہاری طرز بھی مذکور ہیں، بعض ثقہ حضرات سے روایت ہے کہ طرز لکھنوی کی نعت و منقبت اور سلام وغیرہ سننے کے بعد ان سے بھی سوال کیا گیا تھا کہ ’’آپ مسلمان کیوں نہیں ہوجاتے؟‘‘ تو گنیش بہاری نے جواباً کہا تھا: مسلمان ہونے کی تو مَیں بھی سوچتا ہوں مگر یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ سُنّی بنوں یا شیعہ بنوں، بریلوی بنوں یا اہلِ حدیث!!۔۔۔رہنے دیں میرا مولا میرا آقا ’طرزِ ایمان‘ سے خوب واقف ہے۔

مالک رام اور گنیش بہاری طرز کے تذکرے کے بین السطور میں بھی بہت کچھ مخفی ہے۔ ہمارے ایک بزرگ منشی ربّانی کہا کرتے تھے کہ ’’ہمارے لوگ مسلمانوں کو تو مسلمان رہنے نہیں دیتے، ذرا ذرا سی بات پر کفر کے فتوے صادر کرتے ہیں، سو یہ شریف مالک رام یا گنیش بہاری جیسوں نے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان نہیں کیا، کیا بُرا کیا، اہل ایمان ہونا اور ’ایمان دار‘ ہونا اب ایک نہیں رہا۔‘‘

ہمارے ہاں کی ایک مثال یہ بھی آپ تک پہنچے۔ایک عزیزِ ندیم جن کی اُردو، موروثی تو ضرور ہے، مگراس کی نوعیت علمی نہیں ایک دن عام سی گفتگو ہورہی تھی زبانِ ندیم سے۔۔۔'ہمارا رسول'۔۔۔نکل گیا دو لفظ کا یہ فقرہ انھیں اس قدر ناگوار ہوا کہ سلام ودعا ترک کردی اور قطع تعلق کرلیا۔اس بات کو برسہا برس گزر گئے موصوف ہمیں اب تک گستاخِ رسول سمجھ رہے ہیں۔جیسا کہ ہم نے بتایا کہ ان کی اُردو، علمی نہیں بلکہ موروثی یا سُنی سنائی سے زیادہ نہیں، جنابِ والا شعروشاعری کے دلدادہ تو ضرور ہیں مگر عقیدت و محبت کے باوجود فاضل بریلوی جنابِ احمد رضاؔ خان کی نعتیہ فکر واظہار سے دور قریب کا بھی کوئی تعلق نہیں ورنہ وہ کون باذوق ہوگا جس نے اعلیٰ حضرت کے مشہورِ عالم یہ دو مصرع نہ پڑھے یا نہ سنے ہوں:

سب سے اولیٰ و اعلیٰ ہمارا نبی سب سے بالا و وَالا ہمارا نبی

مگر کیا کِیا جائے کہ نفس کا شکار ہونا ہی جب مقدر ہو چکا ہو۔

اس کے برعکس جہاں شعور اور عقیدت کی بنیاد علم وعرفان کی زمین پر ہو وہاں معاملہ کچھ اور ہی ہوتا ہے، اس ضمن میں کانپور کے مشہور اور بہرلحاظ بزرگ حضرتِ کوثرؔ جائسی اور اُن کے شاگردِ انورؔ کا یہ واقعہ بھی قابلِ ذکر ہے:

''مولانا انور شاکری دادا میاں کی مسجد (واقع بیکن گنج۔کانپور) میں امامت کے منصب پر فائز اور قلی بازار (کانپور) کے ایک مدرسے میں معلم تھے، یہ بات بھی واضح رہے کہ وہ، کوثرؔ جائسی کے حلقۂ تلامذہ میں ایک امتیازی حیثیت کے حامل تھے۔ہوا یوں کہ حضرتِ کوثرؔ جائسی نے کسی مشاعرے میں ایک نعت پڑھی جس کا ایک شعر:

جو مصطفیٰ کو لباسِ بشر میں دیکھتے ہیں وہ کم نظر ہیں کسی دیدہ وَر کی بات کرو

اس مشاعرے میں مولانا انور شاکری نے بھی یہ شعر سنا تو دوسرے دِن موصوف، کوثرؔ جائسی کے گھر گئے اور اُن سے مذکورہ شعر کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے قرآنِ کریم کی ایک آیت پڑھی جس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت پر کلام کیا گیا تھا۔

جنابِ کوثرؔ جائسی نے مسکرا کر کہا کہ خوشی ہوئی آپ کی اس توجہ پر، اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔ مَیں پہلا مصرع بدل دوں گا اتنے میں اندر سے چائے آئی اور دونوں چائے پینے لگے اور کوثرؔ جائسی نے اسی دوران چند لمحوں میں اپنا مصرع بدل لیا اور مولانا انور شاکری کو نئے مصرع کے ساتھ شعر یوں سنایا:

جو مصطفیٰ کو حدودِ بشر میں دیکھتے ہیں وہ کم نظر ہیں کسی دیدہ وَر کی بات کرو'

فکر وابلاغ کے درمیان ذراسی بھی غفلت یا سہو کہیں سے کہیں پہنچا ہی نہیں دیتا بلکہ بسا اوقات

کھائی میں بھی گرا دیتا ہے۔ اسی طرح مدت ہوئی کسی بزرگ شاعر کی نعت کا ایک شعر ہماری نظر سے گزرا جس کا پہلا مصرع محلِ نظر تھا:

اَزَل سے عشقِ محمد میں مبتلا ہوں مَیں (ملے گا روزِ قیامت مجھے خطاب الگ)

اس مصرع میں لفظ ''مبتلا'' نے مدحِ رسول کو ایک ایسی ضرب لگائی کہ شعر کی پوری عمارت متزلزل محسوس ہوئی۔ شاعر 'مبتلا' کی معنویت سے بے علم نہ سہی مگر وہ مصرع کی بُنت کرتے وقت اس لفظ کی منفی کیفیت سے غافل رہا جبکہ یہ مصرع بہت آسانی سے یوں بھی کہا جاسکتا تھا (یا اِس سے اچھا بھی):

ازل سے عشقِ محمد میں دِل دھڑکتا ہے

اور جنوبی ہند کے ایک شاعر کی نعت میں جب یہ شعر:

جلوسِ ذکرِ شاہِ دیں ہمارے لب سے کیا نکلا مُسلّط دل کی دھڑکن پر رہا نشّہ محمد کا

نظر سے گزرا تو اُن کے ''مُسلّط'' نے بہت بدمزا کیا۔

برادرِ بزرگ عبدالعزیز خان المعروف عزیزؔ احسن جو اعلیٰ نعت گو ہی نہیں بلکہ نعتیہ تنقید کا گہرا شعور بھی رکھتے ہیں، ان کی کتاب 'ہنر نازک ہے' پڑھتے ہوئے ایک دہے سے زیادہ مدت گزر گئی انہیں کا ایک نعتیہ شعر اور جنابِ ندیم عیسیٰ کا اُس شعر کے ایک لفظ پر توجہ دِلانا، ندیم عیسیٰ کی باریک بینی اور اُن کے تئیں حد درجہ احتیاط و احترام اب تک یاد ہے اور ہمارا خیال ہے کہ جنابِ عزیزؔ احسن نے اپنے شعر میں جو لفظ لکھا اور اُس معنوی عمومیت جس کی جانب جنابِ ندیم عیسیٰ نے متوجہ کیا اُس طرف اچھے خاصے لوگوں کی نظر (شاید) نہ جائے، مگر وہی کہ جن کا نفس پاک و مطہر ہوتا ہے اور جو نقد و نظر کی اہمیت وضرورت کے قائل ہوتے ہیں تو قدرت بھی اُن کی مددگار بن جاتی ہے۔ یہاں ضروری ہے کہ وہ شعر، وہ تنقید اور اُس تنقید پر جنابِ عزیز کی خوئے تسلیم کا ذکرِ احسن اور عطائے قدرت مذکور ہو:

نعت کہنا ہی مِرا مشغلہ بن جائے عزیز جب لکھوں لذتِ دیدار چشیدہ لکھوں

اس شعر میں لفظ ''مشغلہ'' پر جنابِ ندیم عیسیٰ کا کہنا کہ ''مقطع محتاجِ اصلاح ہے۔'' اور پھر جنابِ منصورؔ ملتانی کا متوجہ کرنا، جس پر بھائی عزیزؔ احسن کا یہ لکھنا کہ ''۔۔۔اُس عہد میں مجھے اپنے جہل کا ادراک نہیں تھا۔'' یہی عمل ہمارے نزدیک نفس کے مطہر و پاک ہونے کی دلیل ہے ورنہ ہم جیسے نفس پرور ہوتے تو نجانے کتنی تاویل کرتے مگر جس کا قلب احسن ہو اور جس کا ذہن غرور وانا جیسے امراض سے عاری ہو تو ایسے ہی لوگوں کو لفظ ''مشغلے'' کی عمومیت کی اِکراہ کا احساس ہوگا ورنہ تو شاعرانہ نفس کے سامنے تو بڑے بڑے چت ہوگئے اور اُنھیں اس شکست کے احساس سے بھی محروم رکھا گیا، شکرِ ربی

کہ جنابِ عزیز کو ُخاں صاحبی‘ سے بچالیا گیا، ورنہ راجپوتی علاقے کے عبدالعزیز خان کو یہ کہتے کیا دیر لگتی کہ ’مستند ہے میرا فرمایا ہوا‘‘۔۔۔اس خاں صاحبی نے تو ہم ایشیائی مسلمانوں میں کیسے کیسے فتنے پیدا کیے، جو،توانا ہوکراب اپنے پھول پھل بھی دے رہے ہیں۔قدرت جن پر مہربان ہوتی ہے انہیں کوایسے نوازتی ہے جیسے عزیز احسن کولفظ مشغلے کی جگہ ’’وظیفہ‘‘ عطا کر کے شعر کی معنویت ہی باقی نہیں رکھی گئی بلکہ شعر میں اِس لفظ’’ وظیفہ‘‘ نے حرمت کی فضا کوعمق و وسعت بھی دے دی:

نعت لکھنا ہی وظیفہ مِرا بن جائے عزیز جب لکھوں لذتِ دیدار چشیدہ لکھوں

ہمیں یاد آتا ہے کہ ایک صاحبِ تمول سورج غروب ہونے کے بعد گھر سے نکلتے ہی نہیں تھے چاہے کوئی سانحہ ہو جائے ، بہت دنوں بعد اُن کے ایک قریبی دوست نے بہت شریفانہ انداز میں اس راز سے پردہ سرکایا تو سیانوں نے سراغ پایا۔موصوف اپنے احباب اوراعزہ میں بہت شریف النفس اور پاکیزہ کردار کے لیے مشہور تھے ، وہ غروبِ آفتاب کے بعد، اپنے خاندان کے اراکین سے بھی نہیں ملتے تھے چونکہ گھر غیر معمولی طور پر بڑا تھا،کئی بہو بیٹوں اور پوتے پوتیوں پر مشتمل بڑا کنبہ تھا، شام ہونے کے بعد صرف اُن کی بیگم تھیں جو اُن کی اس خلوت میں بھی حقِ رفاقت ادا کرتی تھیں، دوست نے صرف اتنا فرمایا: بھائی شب میں وہ جلد سونے کے اصول پر کاربند رہتے تھے اور پھر اُن کے کچھ شغل واشغال ہوتے تھے۔

سیانے ٹوہ میں لگے تو اصل معاملہ کھلا کہ وہ شب میں ’شغل‘ فرماتے تھے اور بعداز غروبِ آفتاب ان کا شغل انھیں اس کی اجازت نہیں دیتا تھا کہ وہ اُس حالت میں باہر جائیں۔

پتہ چلا کہ مے نوشی کیلیے بھی شغل جیسا لفظ مستعمل ہے تو پھر نعت میں شغل ہی کے بطن سے نکلنے والا لفظ مشغلہ کیسے قبول کیا جاسکتا ہے۔

اب اگر ہم نفس کی گرفت سے آزاد ہو چکے ہوں تو تنقیدِ نعت کے عمل پر ضرور سوچیں گے ورنہ تو جہل پر بھی یہ کہہ کر نام نہاد نیکی کا عمامہ باندھے رہیں گے کہ ’’میاں! نیت دیکھی جاتی ہے۔‘‘

بیشک شیطان کے مشوروں کی کشش وتاثیر کے سامنے کون ٹِک سکتا ہے۔

☆☆☆

بڑودہ (گجرات) کے ہمارے محسن اور بزرگ خلش بڑودوی (مرحوم) ایک نعتیہ مشاعرے میں کلام سنارہے تھے ہم بھی اگلی صف میں سامعین کے ساتھ بیٹھے تھے، محترم نے ایک شعر کے پہلے مصرع میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفاتِ حسنہ بیان کیں اور دوسرے مصرع میں انھیں ’عادت‘ کہا۔

پورا مجمع موصوف کوداد دے رہا تھا اور ہم خاموشی سے سَر جھکائے بیٹھے تھے ہمارے گمان میں بھی نہیں تھا کہ خلشؔ صاحب کی نظر نے ہماری یہ حالت دیکھ لی ہے، مرحوم ہمارے تئیں ایک شفقت کے حامل بزرگ تھے اُس مشاعرے میں ہم اُنہیں کے گھر مہمان تھے، دوسری صبح اُنہوں نے استفسار کیا کہ ''ندیم میاں! کیا بات تھی ہماری نعت کے اُس شعر میں؟''

ہم نے بات ٹالی مگران کا اصرار کہ ''بتاؤ کوئی بات تو تھی تم کیوں خموشی سے سَر جھکائے بیٹھے تھے؟''

ان کا اصرار جب بڑھا تو ہم نے عرض کیا: بزرگوار! عادت تو اختیاری ہوتی ہیں مثلاً کل تک ہم سگریٹ پیتے تھے اب سگریٹ نوشی ترک کر دِی۔

اوررسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صفاتِ مبارکہ 'عادت' کیسے ہوسکتی ہیں؟ محترم نے کچھ توقف کے بعد جواب دِیا کہ ''میاں! قافیے کی مجبوری تھی۔''

ہم نے عرض کیا: اگر اجازت ہو تو نعت کا ایک شعر عرض کریں، موصوف نے کہا ضرور، ہم نے سادہ سا یہ شعر پڑھا:

ظلم سہہ کر بھی مسکراتے ہیں اُن کی عادت نہیں، یہ فطرت ہے

بڑے لوگ بڑے ثابت بھی ہوتے ہیں، شعر سنتے ہی خلشؔ صاحب اُٹھے اور یہ کہتے ہوئے گلے لگالیا کہ ''حیرت ہے کہ 'عادت' کی جگہ 'فطرت' کا قافیہ مجھے کیوں نہیں سوجھا؟ اور پھر یہ دُعا بھی دی کہ اللہ تمہارے تنقیدی شعور کو باقی ہی نہیں بلکہ توانا تر رکھے۔''

اس ذکر کو خودستائی نہ سمجھا جائے سچ تو یہ ہے کہ ہمارے ہاں اگر کوئی ایک کرن بھی ہے تو وہ ہمارے حصولِ علم کے سبب ہرگز نہیں بلکہ سچ اور سولہوں آنے سچ کہ یہ بزرگوں کی نظر اور اُن کی صحبت کے طفیل ہی ہے ورنہ کوئی جانتا ہے یا نہیں مگر ہم پر تو اپنی اصل کھلی ہوئی ہے۔

خلشؔ صاحب ہی کی طرح رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی 'عادت' کا صَرف آپ کے ہاں کے اکبرآبادی ایک بزرگ شاعر کے ہاں بھی ملا۔

سید صبیحؔ صاحب! آپ کے ہاں کا ایک مشہور نعتیہ شعر:

میرے ہاتھوں سے اور میرے ہونٹوں سے خوشبوئیں جاتی نہیں
مَیں نے اسمِ محمد کو لکھا بہت اور چوما بہت

جس پر کورنگی (کراچی۔ پاکستان) کے مشہور اور اُردو کے مؤقر شاعر و ادیب اور استاد حکیم انجم فوقی بدایونی سے کسی نے رائے جاننی چاہی تو انھوں نے کہا تھا: ''شاعر کا مافی الضمیر ۔'خوشبوئیں نہیں جاسکتیں'۔

کہنے سے ادا ہوتا ہے، ورنہ حاصلِ شعرا کتاہٹ، ناکامی اور پچھتاوا ہے، تعریف وتوصیف نہیں''۔

ہم نے ان کے اِس جواب کے بعد عرض کیا تھا کہ ایک ممتاز ادیب اور ناقد نے تو سلیم کوثر صاحب کے اس شعر پر تنقید نہیں بلکہ تحسین کی ہے۔'تو موصوف نے جو کچھ کہا وہ ہم سب کیلیے توجہ طلب ہے۔

فرمایا مولانا نجم فوقی بدایونی نے:

''مَیں بے خبر نہیں آپ کے تصور میں جو صاحب ہیں وہ تو شاعر بھی ہیں مگر اُن کے ہاں زبان وبیان کی ایسی غلطیاں ہرگز نہیں ملیں گی۔''

کچھ توقف کے بعد موصوف نے جو سوال اٹھایا وہ یقیناً نوٹ کرنے کا ہے۔

''کاش آپ لوگوں کو یہ راز معلوم ہو سکے کہ زبان و بیان کے سلسلے کی بے راہ روی اور نام نہاد جدیدیت کو سراہنے والے صرف وہی لوگ ہیں جو تاریخِ ادب میں خود نمایاں رہنا چاہتے ہیں، ورنہ سوچیے بار بار سوچیے کہ غلطیوں کو سراہنے یا نظر انداز کرنے والے اپنے کلام میں صحتِ لفظ و معنی کا اہتمام کریں، آخر ایسا کیوں؟''

یہ بات عام طور پر لوگوں کی زبان پر ہوتی ہے کہ ''نعت گوئی مشکل اور نازک کام ہے۔'' اس ضمن میں ہم نے ایک اخباری انٹرویو میں حکیم انجم فوقی (صاحب) سے سوال کیا تھا:

آپ کے دونوں شعری مجموعے 'اُجالے' اور 'مہر وماہ' ہم نے پڑھے ہیں، مگر نعتیہ کلام نہ تو اُجالے میں ملا اور نہ ہی 'مہر وماہ' میں، تو کیا آپ نعت نہیں کہتے؟ تو انھوں نے جواب دیا تھا:

''نعت مَیں کہنا ضرور چاہتا ہوں مگر کہہ نہیں پاتا، چونکہ (عام طور پر) جو کہتے ہیں، انھیں دیکھ رہا ہوں، جس کے ہاں دیکھو 'مدینے کے آقا'۔۔۔ 'مدینے کے مولا' والی بات ملتی ہے۔ ذرا توجہ کیجیے کہ آقائے کون ومکاں کو 'مدینے کے آقا' کہیں، یہ توہین نہیں تو کیا مدحت ہے، کیا نعت ہے؟ پھر نعت گو سے زیادہ قابلِ تذکرہ (نام نہاد) صوفی ہے۔ آپ مزامیر پر کسی گلوکار سے ذرا یہ شروع کرائیے:

مدینے کے آقا مدینے بلا لو   مدینے کے شاہا مدینے بلا لو

آپ دیکھیں گے کہ سب سے زیادہ 'عاشقِ رسول' یہ صوفی ثابت ہوگا۔ بے اختیار جھومنے لگے گا، رقص کرنے لگے گا، اس کی بوٹی بوٹی تھِرکتی نظر آئے گی۔ تُف ایسے 'حال' پر جو توہینِ رسول پر بھی آئے۔

دراصل میرا ذوق روایاتی نعت کو قبول نہیں کرتا۔ رہے دوسرے شعرا تو جن لوگوں کے اعمال میں 'سُنّت وسیرت' کا غلبہ نہ ہو، ان کی نعت گوئی 'مظاہرۂ فن' ہے، اظہارِ عقیدت یا نعت نہیں!۔۔۔ آپ

اب استفسار سے زیادہ دُعا کریں کہ مَیں نعت کہنے لگوں۔‘‘

۔۔۔یہ انٹرویو روزنامہ انقلاب ممبئ میں 1982 میں چھپا تھا۔کوئی گیارہ برس بعد کراچی سے انھوں نے استغاثہ کے پیرائے میں ایک نظم (بعنوانِ ’گزارش!‘) اشاعت کے لئے ہمیں بھیجی جو ہمارے پاس آج بھی ان کی ہینڈ رائٹنگ میں محفوظ ہے:

’’میری حالت
ڈوبتا سورج
گھر کا عالَم
اللہ ہو
دُنیا جیسے اُکھڑی سانس
کون نکالے، ہِردے پھانس
کوئی نہیں ہے
کس کو پکاروں
ٹوٹ چکی ہے
آس!
پھر بھی ہر دُکھ درد کے درماں
شاہِ دوعالَم
آپ!
یا مولٰی وتاج المولٰی
سب سے برتر
سب سے اولٰی
صلی اللہ علیہ وسلّم
کچھ میری بھی
لاج!
کچھ میری بھی۔۔۔لاج۔‘‘

(14 جون 1993ع)

اور انہیں حضرت کی ایک نظم اور ہے جو انھوں نے عمرے کے بعد مدینہ منورہ سے واپسی پر کہی تھی، جو اپنی کیفیت و تاثیر کے سبب آج بھی خون میں تیرتی محسوس ہوتی ہے، کیا ہی اچھا ہو کہ آپ اپنے حلقے کے کسی نعت خواں سے اسے پڑھوایئے اور ریکارڈ کر کے ہمیں بھی سنوایئے:

بعنوان: عکسِ نشاط

وہ لمحہ لمحہ آہٹیں
ہَوا کی سنسناہٹیں
وہ جھُٹ پٹے قیاس کے
دِیے ملن کی آس کے
جو بجھ سکے
نہ جل سکے
عجیب دل کا حال تھا
خیال دَر خیال تھا
حیات دَر حیات تھی
وُہی تو ایک رات تھی
ارے شبِ برات تھی
جو ہچکیوں میں
کٹ گئی
جو سِسکیوں میں
بٹ گئی
وُہی تو ایک رات تھی
ارے شبِ برات تھی
------------حیات دَر حیات تھی۔

(18 جولائی 1985ع)

☆☆☆

گزشتگان میں کیسے کیسے لوگ تھے، اس وقت محمود دُرّانی ذہن میں اُبھر رہے ہیں، کیا شاعر تھے

اور سب سے بڑی بات یہ کہ شاعرانہ طمع وحسد وغیرہ سے پاک شخصیت کے حامل بزرگ، اُن کی وضعداری اور دین داری کا جلوہ بھی آپ تک پہنچے، وہ نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ شب میں بادہ و ساغر سے کھیلتے تھے اور نڈھال ہوکر گھر لوٹتے تھے، مگر مجال ہے کہ کوئی ایک قدم بھی غلط پڑ جائے، عمر کے تفاوت کے باوجود برسوں کی ہماری دوستی تھی ہمیں نہیں یاد کہ کبھی اُن کی زبان سے نشے کی حالت میں بھی کوئی لفظِ مغلّظ نکلا ہو۔ رمضان کا چاند دیکھتے ہی وہ صوم صلوٰۃ کے پابند ہوجاتے تھے اور عید کی شام وہ تمام قیود سے آزاد، اپنے ساقی کے پاس ہوتے تھے۔

شعر جس تیزی سے وہ کہتے تھے تو بسا اوقات لگتا تھا کہ ذہن نہیں بلکہ کوئی سانچہ ہے کہ ڈھلے ڈھلائے مصرع یوں زبان سے نکلتے تھے کہ سننے والا بیساختہ داد دینے پر مجبور ہوجائے، محمود دُرانی کی قادرالکلامی، مشاقی اور مشکل پسندی کی ایک مثال ملاحظہ کریں، کسی شخص سے اُنھوں نے حضرتِ ادیب مالے گانوی کی غزل کا یہ مطلع سنا:

دیکھ رہی ہے چشمِ زمانہ یہ منظر حیرانی سے　　　سورج کا دِل ڈوب رہا ہے ذرّوں کی تابانی سے

تو محمودؔ دُرانی نے غزل کے اس مطلع کے مصرعِ ثانی پر نعت کا مصرع لگا کر اسے تقدیسِ جاویدانی دیدی، جو یوں ہے:

خاکِ مدینہ جب سے تُو نے پاؤں نبی کے چومے ہیں
''سورج کا دِل ڈوب رہا ہے ذرّوں کی تابانی سے''

ایسے تھے محمود دُرانی۔۔۔!!

اسی قبیل کے مرزا عزیز جاوید کو بھی ہم زندگی بھر بھول نہیں پائیں گے، شام ہوتے ہی مرزؔا کے ہاتھ کا رعشہ۔ دیکھتے ہی کوئی بھی اُنھیں دو چار روپے دیدیتا تھا اور وہ روپے میخانے کی نذر ہوجاتے تھے۔ شدیدلَت یَر شرابی تھے مرزؔا، مگر کس طرح کی ذہنی تربیت تھی، کیسا علم اُنھیں ملا ہوگا!! ہم آج تک سوچتے ہی رہ گئے، جس طرح ہمیں اللہ کی مرضی کے بغیر رزق نہیں ملتا تو کیا توفیقِ شعر اُس کی منشا کے بغیر مل سکتی ہے؟ جواب نفی میں ہوگا۔ اب مرزؔا کا ایک شعر پڑھیے اور اللہ کی رضا وعطا پر سوچتے رہیے:

تمام آیاتِ قرآنی کا مَیں حافظ نہیں لیکن　　　''تجھے'' جب دیکھتا ہوں سورۂ رحمان پڑھتا ہوں

اسی طرح رگھو وِیر سَرَن جو دِوا کر راہیؔ کے نام سے خاصے معروف ہیں، جن کے کئی شعر ضرب المثل بن چکے ہیں، اب ذرا اِس آنجہانی کا یہ شعر پڑھیے اور پھر جو آپ کے ذہن میں آئے:

دیکھیں گے ہم بھی کوفیو! میدانِ حشر میں　　　آنا ذرا حسین کے نانا کے سامنے

ممبئ میں کوکنی برادری کے ایک شخص عارف احمد جی گزرے ہیں، تھے تو وہ بیشک کوکنی مگر لکھنوی اسکول سے وابستگی کے سبب ان کی اُردو ایسی تھی کہ ہم نے ویسی صحیح اور مراٹھی لہجے سے پاک اُردو، کسی دوسرے اہلِ کوکن سے نہیں سنی عارف احمد جی کے تشخص کے کئی پہلو تھے۔ وڈالا کے مشہور صوفی بزرگ حضرت شیخ مصری کی درگاہ کی سجادنشینی، ممبئ میونسپل کارپوریشن میں اپنے علاقے کے عوام کی نمائندگی (کارپوریٹری) اور شاعری کے مثلث نے ان کی شخصیت میں وقار کے کئی رنگ بھر دِیے تھے اور اِن رنگوں کو اُن کے اُستادِ محترم محمود سروش (تلمیذ علامہ آرزؔو لکھنوی) نے ایسا چوکھا اور گہرا کر دِیا تھا کہ ہم جب بھی اُن کی گفتگو یا اُن کے شعر سنتے تو۔۔۔ بس سنتے رہتے۔ گمان یہ تھا کہ موصوف دہلی یا اس کے گرد و نواح کے ہوں گے مگر جب یہ پتہ چلا کہ وہ تو ''خالص مُمبیا کوکنی ہیں'' تو ہمیں یقین نہیں آیا کہ ان کی مصفاّ زبان اور ٹکسالی لہجہ اُن کے کوکنی ہونے کی تردید کرتا تھا۔

عارف احمد جی سے بارہا ہماری ملاقات رہی ہے۔ نہ تو ہم نے ان کے لہجے پر کبھی مراٹھی کی عام کرختگی محسوس کی اور نہ ہی ان کی زبان پر کبھی مراٹھی رنگ کی جھلک دیکھی ہر چند کہ وقتِ ضرورت اُنھیں مراٹھی بولتے ہوئے سنا بھی ہے۔ لوگ بتاتے تھے کہ ہاؤس (میونسپل کارپوریشن) میں وہ مراٹھیوں کو مراٹھی ہی میں جواب دیتے تھے۔

ہمارے ایک سوال کے کئی ماہ بعد ایک شعری نِشست میں اُنھوں نے ہمیں مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ ندیم! ذرا ہمارا یہ شعر تو سنو:

رواں ہے وقت بھی، ہم بھی مگر خیال رہے یہ اُس کے ساتھ چلے گا جو اِس کے ساتھ چلے

ہم نے واہ کے ساتھ یہ بھی کہا کہ ''عارفؔ صاحب! آپ تو خوب چلے۔''

ہمارے اس جملے پر اُنہوں نے غزل کا دوسرا شعر یوں پڑھا:

مِری نگاہ ہے منزل پہ راستے پہ نہیں جسے ہو خواہشِ منزل وہ میرے ساتھ چلے

جس پر پوری محفل ان کے ساتھ چل پڑی اور ہم منہ میں اپنی زبان لئے خموش بیٹھے رہ گئے۔

سچ ہے جو سعی کرے گا وہی صفا سے مروہ پہنچے گا۔ عارفؔ احمد جی اس عمل کی جیتی جاگتی مثال تھے۔ ان کی ایک نظم جو مشاعروں میں اُن سے بہ اصرار پڑھوائی جاتی تھی۔ اس وقت بے طرح یاد آتی ہے اور اسی کے ساتھ اُن کی شعری قرأت کہ وقتِ ضرورت مصرعوں کے درمیان ان کے وقوف اور کہیں مدھم لہجہ اور پھر کہیں آہنگ کا بلند ہونا۔۔۔ یہ ساری باتیں آج بھی ہماری نگاہ میں منظر بنی ہوئی ہیں کہ عارف احمد جی 'مدینہ' سنا رہے ہیں:

''مدینہ
کرۂ ارضی میں سب سے پاک زمین
زمین!
جسمِ رسولِ خدا ﷺ کی جو ہے امین
رَسُول!
دونوں جہاں کیلیے سراجِ مبین
جہان!
جس میں ہیں محدود سب مکان و مکین
مکاں کا ایک تصوّر
مکان اپنا گھر
مکاں کی دوسری تصویر
''کعبہ''
رب کا گھر
یہ اپنا گھر کہ جہاں خود ہمیں پناہ نہیں
وہ رب کا گھر
جو ہے سب کی نظر میں سب کا گھر
یہ اُس کا گھر ہے کہ جو لا مکاں میں رہتا ہے
ہمارے آپ کے قلبِ تپاں میں رہتا ہے
ہمارا آپ کا قلبِ تپاں ہے رب کا گھر
اسے بنا کے ذرا دیکھئے تو سب کا گھر
یہ لا مکاں کی حدوں تک بھی پھیل سکتا ہے
حریمِ ناز کی چوکھٹ پہ سجدہ فرض سہی
مگر جب آنا
وہاں سے اُتار کر ''احرام''
تو اپنے قلبِ تپاں پر بھی سجدہ کر لینا

کہ اپنا قلبِ تپاں

کعبہ ہے!

مدینہ ہے!

اور مدینہ کرۂ ارضی میں سب سے پاک زمین‘‘

☆☆☆

یہاں یہ بات بھی محلِ نظر رہے کہ عارف صاحب نے یہ نظم سفرحجاز سے قبل کہی تھی اور سعادتِ حج انھیں بعد میں نصیب ہوئی۔ دوسرے کی کیا کہیں جب بھی یہ نظم ہمیں یاد آتی ہے تو ہم اپنے قلب و ذہن کے ساتھ وہیں پہنچ جاتے ہیں جہاں کی حسرت کسی بھی مومن کے قلب میں مچلتی رہتی ہے۔

’نگاہ اور آئینے کے درمیان‘ کے زیرِ عنوان اُن کا شعری مجموعہ سنہ 2000 میں شائع ہوا تھا۔ جس میں مرحوم کا کلام لکھنوی اسکول سے ان کی وابستگی کا شاہد بنا ہوا ہے۔

11 مارچ 1927 کو (ممبئی میں) پیدا ہونے والے عارف احمد جی 2003 میں **لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ** لبیک پڑھتے ہوئے حجاز روانہ ہوئے اور وہاں سے سعادتِ حج کی سرفرازی کے ساتھ لوٹے اور اسی سال جولائی میں اُنھوں نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا، **بِحَمْدِ لِلّٰہِ** خوش بختی یہ بھی رہی کہ حضرتِ شیخ مصری کے قدموں ہی میں آخری آرام گاہ پائی۔

ممبئی سے قریب بھیونڈی جیسے ٹاؤن کے ایک اور کوکنی عبدالحیٔ ہانی (21 مئی 1907 تا 22 اپریل 1982) جو بطورِ شاعر ظریف نظام پوری اپنے دیار میں مشہور تھے ہمارے ذہن و قلب میں اپنے اس نعتیہ مطلع کے سبب اب تک جگہ بنائے ہوئے ہیں:

مَیں اور مجالِ شعر رسالت مآب پر　　شبنم دَھری نہ جائے کفِ آفتاب پر

ظریف ہی یہ بھی کہہ گئے ہیں:

بہ اعدادِ کلماتِ مولیٰ سلام　　بہ تعدادِ مخلوق تجھ پر درود

ظریف نظام پوری اُردو زبان کے اُن شعرا میں شمار کیے جائیں گے کہ جنھیں شہرت تو نہیں ملی مگر اُن کے یہ شعر جب بھی اہلِ ذوق کے سامنے آئیں گے تو ان کی زبان خاموش نہ رہ سکے گی، دیکھا جائے تو یہی شاعر و فنکار کی اصل کامیابی ہے:

خلا نورد خلوئے خلا کا لائے پتہ　　خبر نہیں کہ زمیں ہے کہاں کہاں خالی

لگے ہیں جھوٹے سخن وَر خیال دزدی میں　　’’لپک چلو کہ ہے میدانِ امتحاں خالی‘‘

ظریفؔ نظام پوری کا ایک شعری مجموعہ ’مآلِ سکوت‘ 2005 میں چھپ چکا ہے۔ جس کے اوّلین صفحات پر نعت کا مذکورہ مطلع ہی نہیں پوری نعت شامل ہے۔

☆☆☆

پھر تنقید کی طرف رُخ کرتے ہیں کہ زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جہاں تنقید کی ضرورت نہ ہو، دراصل ’تنقید‘ تو توانائی اور صحت کی طرف لے جانے والا ایک بیش قیمت عمل ہے اور یہ ’تنقید‘ تو خود نعت کے پیرائے میں بھی ملتی ہے۔ جنابِ قمر رعینی کا یہ شعر تو آپ کی نظر سے بھی گزرا ہوگا:

مقصدِ زیست رہے آپ پہ قرباں ہونا ورنہ کچھ کام نہ آئے گا مسلماں ہونا

اور مشہورِ عالم ہے: ’’باخدا دیوانہ باش، با محمد ہوشیار‘‘ ہم تو اس انتباہ کو بھی تنقید ہی کا ایک رُخ سمجھتے ہیں۔

آپ کو یاد ہوگا کہ کراچی میں ہم دونوں، برادرِ گرامی مولانا کوکبؔ نورانی کے گھر کی طرف بڑھ رہے تھے اور گفتگو بھی جاری تھی جس کا موضوع یہی تھا جو اِس تحریر میں ہے۔ ایک جگہ ہم نے حضرتِ رشید کوثر فاروقی کا ’’ڈھنڈورا‘‘ جیسے قافیے کا حامل شعر سنایا تو آپ کی خموشی اور چہرے کے تاثر ہمارے لیے دیدنی تھے، کیا ہی اچھا ہو کہ رشید کوثر صاحب کی وہ پوری نعت ہی یہاں مذکور ہو جائے، سچ تو یہ ہے کہ یہ نعت، تنقید و خود احتسابی کی ایک نظیر بنی ہوئی ہے اور ایسی چیزوں کا ہمارے آپ کے نزدیک آموختہ بھی کسی ٹانِک سے کم نہیں، آپ کے ہاں دورِ حاضر میں نعت کو جو عروج و ترقی ملی اس سے انکار کفر جیسا ہے مگر ہم جو عمومی سطح پر افلاس زر و مال اور زبان و ادب سے (بمقابلہ آپ کے) دور ہیں اور آپ ہی کے ہاں کے لوگوں نے ہم پر پھبتی بھی کسی تھی کہ ’’میاں! آپ کے ہاں مسافرانِ مدینہ تو ملتے ہیں مگر ان میں سے اکثر جمبو جیٹ جیسے جہازوں کے دَور میں بھی اونٹ پر بیٹھے سفر کرتے ہیں، اُن کے لب پر نعت کے نام پر آج بھی یہی ہے:

’’میرے مولا! بلالو مدینے مجھے۔‘‘

ہم اس پھبتی پر چپ رہے مگر حضرتِ رشید کوثر (مرحوم) کی یہ گزارش و التجا یا اظہارِ ندامت کس قدر شدت لیے ہوئے ہے اور جو لوگ ہندی یا پوربی سے واقفیت رکھتے ہیں وہ اس التجائے بہ حضور رسولِ کریم، کی شبداوَلی اور انکسارِ لفظی کو یقیناً محسوس کریں گے:

میری بھی سُن لیجے پیتا، مَیں بے حد شرمندہ ہوں مَیں بے حد شرمندہ ہوں شاہا! مَیں بے حد شرمندہ ہوں

توبہ کرکے خدا کے گھر سے آپ کے دَر تک آ تو گیا بیاکُل جی اب تک نہیں ٹھہرا، میں بے حد شرمندہ ہوں

حال تو مکّے میں بھی بُرا تھا پر کچھ کچھ کھُلتی تھی زباں
ٹانگیں تھر تھر کانپ رہی ہیں سَر لڑتا ہے ستونوں سے
سنتا ہوں نہ سمجھتا ہوں کچھ، مجھ کو یہ بھی ہوش نہیں
مُنہ سے رسول اللہ کہوں تو یا اللہ نکلتا ہے
جیسے کوئی اَن پڑھ اعرابی، جیسے کوئی اَن گھڑ بدوی
کہتے ہوں گے اہلِ مدینہ، جانے کہاں سے یہ آ نکلا
شُبہ رہا ہے مجھ کو ہمیشہ اپنے منافق ہونے کا
ثروتِ دُنیا سب کچھ سمجھی، دولتِ ایماں کچھ بھی نہیں
اَے اپنے اسلاف سے برتر، آپ سے مجھ کو نسبت کیا
دادا عالم، نانا عارف، ماں صدیقہ، باپ وَلی
مجھ سے کسی کو پیت نہیں ہے کوئی میرا میت نہیں
چھوڑ کے قرآں، جہلِ جہاں پر کتنے برس برباد کیے
کھیل، تماشا، سیر، سپاٹا، راگوں، راگنیوں کی دُھن
موج اُڑانا رنگ جمانا، دُکھیاروں کا درد نہیں
سُوٹ بھی پہنا بوٹ بھی پہنا، پوچھنے والا کوئی نہیں
پھینک کے چَپّو مور کھ ناوک جس نیّا میں چھید کرے
ہندوستان میں رہ کر میں نے کیسا نمونہ پیش کیا
نعت بھی لکھی تو نیّت یہ، سب میری تعریف کریں
کاش میں کوئی پکھیرو ہوتا، کاش خسِ خود رَو ہوتا
کاش نہ جنتی مجھ کو مری ماں یا نہ پلاتی دودھ مجھے
آپ کا پیار وِشال سَمُندَر تھاہ کنارا کوئی نہیں
مَیں اندھا مری لاٹھی بھی گُم، رَین اندھیاری کوس کڑے
پھرتا تھا جو بھاگا بھاگا میں، ہوں وہی تن کا موہی
اور جو نہ آتا کس دَر جاتا کس دوارے کی شَرَن لیتا
اس پاپی کے کرتوتوں کی گھور سیاہی کیسے مِٹے

یہ میرا مُنہ اور مدینہ! میں بے حد شرمندہ ہوں
آنسو جھَر جھَر منظر دُھندلا، میں بے حد شرمندہ ہوں
کس نے ٹوکا کس نے ہٹایا، میں بے حد شرمندہ ہوں
جیسے سِڑی، پاگل، دیوانہ، میں بے حد شرمندہ ہوں
حدِّ ادب سے بھی بے بہرہ، میں بے حد شرمندہ ہوں
ہکلا، بہرا، لولا، اندھا، میں بے حد شرمندہ ہوں
اور مسلماں کہتی ہے دُنیا، میں بے حد شرمندہ ہوں
اتنا اوچھا اتنا چھچھورا، میں بے حد شرمندہ ہوں
مَیں نے لُٹا دی عزّتِ آبا، میں بے حد شرمندہ ہوں
مَیں کم بخت، کپوت، کمینہ، میں بے حد شرمندہ ہوں
یا گم نام ہوں یا ہوں رُسوا، میں بے حد شرمندہ ہوں
خبطِ خرد کو دانش سمجھا، میں بے حد شرمندہ ہوں
کیسا گن رسیا اَنکھ رسیا، میں بے حد شرمندہ ہوں
ایسا جینا کس مصرف کا، میں بے حد شرمندہ ہوں
کملی گدڑی والے مولا! میں بے حد شرمندہ ہوں
اُس نیّا کا کون کھویّا، میں بے حد شرمندہ ہوں
کیسا اُٹھایا دین کا جھنڈا، میں بے حد شرمندہ ہوں
آپ کے نام پہ اپنا ڈھنڈورا، میں بے حد شرمندہ ہوں
جرحِ قیامت سے بچ جاتا، میں بے حد شرمندہ ہوں
کاش میں جھولے میں مَر جاتا، میں بے حد شرمندہ ہوں
میری آنکھیں گنگا جمنا، میں بے حد شرمندہ ہوں
آپ کا چاروں کھونٹ اُجالا، میں بے حد شرمندہ ہوں
مَن کے ہاتھوں پکڑا آیا، میں بے حد شرمندہ ہوں
اور کہاں ملنا تھا ٹھکانا، میں بے حد شرمندہ ہوں
اس کے سوا اب اور کہے کیا، میں بے حد شرمندہ ہوں

مَیں نے خدا سے دُنیا چاہی، دے دی، لیکن روٹھ گیا اب کس منہ سے مانگوں عقبیٰ، میں بے حد شرمندہ ہوں
چھین کے سب، جو مجھ کو دِیا ہے، اپنی خوشنودی دیدے آپ کا رب اور میرا داتا، میں بے حد شرمندہ ہوں
یہ تو کس برتے پہ کہوں مَیں میری شفاعت فرمادیں کالے مُنہ سے بہ مشکل نکلا، میں بے حد شرمندہ ہوں
بیوی، بچے، دوست، اقارب سب کے مَن میں جھانک لیا آپ بھی کیا دیں گے نہ سہارا، میں بے حد شرمندہ ہوں
لاکھوں کروڑوں گُن وَانوں میں اک چاکر نرگُن بھی سہی آقا، آقا، میرے آقا، میں بے حد شرمندہ ہوں
'اور ے غلام' کچھ آواز آئی ہم کو یہ تیری ادا بھائی روئے جا اور یوں ہی رَٹے جا، میں بے حد شرمندہ ہوں

برادرِ سید صبیح! نجانے یہ نعت کتنی بار پڑھی اور ہر بار گریہ کی کیفیت نے اپنی گرفت میں رکھا، ایسے اشعار کے بعد کچھ کہنے کی نہ استطاعت ہے اور نہ ہی محل مگر اُن کے تعلق سے باتیں تمام کہاں ہوسکتی ہیں۔

حضرتِ رشید کوثر فاروقی کا نام آپ لوگوں کیلیے نیا ہوسکتا ہے مگر ایک اور اسم تسنیم اپنے شعر کے ساتھ یاد آیا، اس شعر کو کوئی نصف صدی سے زاید مدت گزر رہی ہے جس پر کہنگی کی گرد نہیں پڑی بلکہ اپنے طرزِ بیان اور غزل کے پیرائے کے سبب وہ شاعری کے ایک درس سے کم نہیں۔ معراج النبی جیسے موضوع پر آپ نے کئی اچھے شعر سنے اور پڑھے ہوں گے مگر ہمارے تسنیم فاروقی نے تلمیح میں جو حسنِ کنایہ پیدا کیا وہ اپنے آپ میں صناعی کی ایک مثال بن گیا ہے:

اسے کہکشاں نہ کہیے، یہ غبارِ کارواں ہے انہی وادیوں سے ہو کر کوئی رہنما گیا تھا

تسنیم صاحب کا ایک نعتیہ شعری مجموعہ 'رحل' چھپ چکا ہے، اپنے زمانے میں انھیں اسٹیج پر شہرت و مقبولیت بھی ملی اور اہل نظر نے تحسین کی۔ حضرتِ رشید کوثر فاروقی ان کے برادرِ بزرگ تھے، اللہ دونوں بھائیوں کے درجات بلند کرے۔ آمین

جنوبی ہند میں ایک بزرگ ہیں مختار بدری، اُردو حلقوں سے دور تمل ناڈ کے ایک قصبے 'کرشنا گیری' میں اُردو کی شمع لیے بیٹھے ہیں، کئی برس اُدھر کا قصہ ہے کہ حضرت کی ایک کتاب 'اُردو شاعری میں جانور' موصول ہوئی، کتاب کے نام نے ہماری خود ساختہ نفاست کو ٹھیس پہنچائی، سو، اخبار میں کتاب کا تعارفی شذرہ چھاپ کر، اُسے کہیں رکھ کر بھول گئے، ایک مدت بعد گھر میں اچانک کتاب پر جب نظر پڑی تو محسوس ہوا کہ اُس نے سلام کیا۔ ہم نے کتاب اُٹھالی اور ورق گردانی شروع کی تو کتاب کے مندرجات کی اصل ہم پر اب کھلی، تو اپنے سابقہ عمل پر شدید خفت بھی محسوس ہوئی۔ کتاب کیا تھی، اِجمالی تحقیقی کام تھا، مثلاً صاحبِ مختار نے ایک جانور 'بکری' کو لیا، پہلے اس کی صفات وافادیت بیان کیں اور اس کے بعد قرآنِ کریم میں کہاں کہاں اس جانور کا ذکر ملتا ہے اور حدیثِ مبارکہ میں بھی بکری کہاں کہاں اور کیسے

کیسے مذکور ہے اور پھر اخیر میں اُردو شاعری میں اس جانور کو کیسے پیش کیا گیا ہے۔

تو آپ نے محسوس کیا ہوگا کہ ہم اپنے نفس کے کیسے شکار ہوتے ہیں اور اپنے آپ کو بڑا کتاب داں بھی سمجھتے رہتے ہیں، ہمارے ایک بزرگ ہمیں بچپن میں 'قابلول' کہا کرتے تھے، اللہ اُن کے درجات بلند کرے، انھوں نے کیا سچی بات کی تھی، ہم اب تک 'قابلول' ہی بنے ہوئے ہیں۔

ہم مسلمان بہ حیثیتِ قوم تمام دُنیا میں اکثر اپنی خوش فہمی اور غرورِ علمی کے سبب کیسی شبیہ رکھتے ہیں، کیا یہ بتانے کی ضرورت ہے۔

اسی کتاب میں ایک جگہ ہماری آنکھیں 'شہد کی مکھی' پر جم گئیں، اس واقعے کو کوئی ایک دہے کی مدت گزر رہی ہوگی، مگر شہد کی مکھی کا وصف اور کردار جو ہم سب جانتے ہیں مگر جس طرح اس کتاب کے ایک شعر میں فیض بھوپالی نے بیان کر دِیا وہ ناقابلِ فراموش بن گیا۔ فیض بھوپالی حکیم وطبیب تھے یا نہیں مگر اپنے شعری نسخے میں انہوں نے حکمت وطب کا فارمولہ اس قدر اِجمال میں بیان کر دیا ہے کہ شاید ہی کوئی صاحبِ فہم اس سے صرفِ نظر کر سکے۔ پرانے طبیبوں کا ایک اصول تھا کہ وہ پہلے مرض کا سبب ڈھونڈتے تھے اور پھر اس کی تشخیص کے بعد مشورۂ تجویز پر آتے تھے۔ ذرا توجہ فرمائیں کہ فیض بھوپالی نے ایک صادق وحاذق حکیم کی طرح پہلے مصرع میں مرضِ اصلی کی کیسے تشخیص کی اور پھر کس طرح علاج تجویز کیا، ہم اگر ذرا بھی طب کے اصول کا فہم رکھتے ہیں تو اس نسخے کی فیض رسانی کے منکر نہیں ہو سکتے:

صیہونیت ہے سینۂ ہستی کا زہرباد اِس کا علاج شہد کی مکھّی کا اِتحاد

ہمارے اکثر شعرا نے شاعری سے اپنے فکر وخیال اور مشق وریاضت کے باوصف اپنے نفس کو تو خوب موٹا کیا اور شہرت کی عبا وقبا پہن کر زرِداد حاصل کر کے مطمئن ہو گئے۔ اس کم فہم کے ذہن میں یہ سوال بھی کبھی اٹھا کہ اُن کی مدح تو کر لی مگر مدحِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اصل تقاضا تو اُن کے مشن کی ترویج وتبلیغ تھی اس ضمن میں تم نے کیا کِیا۔

جس پر (کم از کم ہمیں) سوائے شرمندگی کچھ نظر نہیں آیا۔

ہماری زبان کا یہ اقبال ہی تو ہے جس نے اپنی شاعری کی اساس ہی مشنِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی زمین پر رکھی اور جیسا چمن وہ اس زبان میں کِھلا گیا اس کی دوسری مثال ہماری زبان میں اب تک کہیں نہیں ہے۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی نہیں 'محمد اقبال' کی پوری شاعری مشنِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر محیط ہے۔

اُن کی مدحت اور اُن کا ذکر 'نعت' ہی میں ممکن ہے، ایسا تو ہے نہیں، اگر ہمارا حافظہ خطا نہیں کرتا تو آپ کے جریدے 'نعت رنگ' میں کہیں احسان دانش اور بزرگوار ابوالخیر کشفی (مرحوم) کا واقعہ پڑھا

تھا جس میں احسان دانش کی غزل کا ایک شعر اور پھر صاحبِ خیر پر شعر کی نعتیہ کیفیت کا منکشف ہونا، اور کشفی صاحب کا اصرار کہ یہ نعت کا شعر ہے اور احسان دانش کا انکار کہ یہ نعت نہیں غزل کا شعر ہے اور کچھ وقفے کے بعد احسان دانش ہی کا اقرار کہ ''کشفی صاحب! واقعتاً یہ شعر تو نعت ہی کا ہے'':

ہوائیں ماری ماری پھر رہی ہیں کسی کے نقشِ پا کو ڈھونڈنے میں

اس شعر کے پورے قصے سے یہ بھی ثابت ہوا کہ بسا اوقات ہم ہی پر ہمارے قول کی اصل نہیں کھلتی، دوسری بات کہ اگر آپ اپنے افکار و کردار میں مطہر و پاک ہیں تو قدرت بھی کس طرح اپنے انعام و اکرام آپ پر نچھاور کرتی ہے جو ہمارے سان و گمان میں بھی نہیں ہوتے، جس کی مثال اس واقعے میں احسان کی 'دانش' بنی ہوئی ہے۔

دراصل ہم (استثنیٰ سے قطع نظر) ذکرِ جلی و خفی کی ترکیب و تفریق سے بے بہرہ ہو چکے ہیں ورنہ اس ترکیب کے اِجمال میں تو نجانے کیا کچھ بیان ہو چکا ہے۔

گزشتہ سطروں میں فیض بھوپالی کے شعر کا تذکرہ ہوا ہے، اسی انداز کا ایک شعر اور یاد آتا ہے کہ جس میں براہ راست رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر تو ہر گز نہیں مگر سننے اور پڑھنے والے کے ذہن میں اگر اُن کا ذرا سا بھی تصور ہو تو وہ فوراً ادراک کی منزل پر پہنچ جائے گا، جنابِ جمیل مُرصّع پوری کا یہ شعر اُن کی ایک غزل ہی میں ہے مگر مطلوبِ مفہوم پر متوجہ رہیں تو اس کے اصل معنیٰ وہی ہیں جو احسان دانش کے شعر میں تھے:

اپنی روداد ہے مختصر، دوستو! اُن کا دَر چھُٹ گیا در بدر ہو گئے

ہمارے باوا جمیل صاحب ہی نے بتایا تھا کہ کسی مشاعرے میں اُنہوں نے شعر پڑھتے وقت عام شعرا کی طرح سامعین سے توجہ کی درخواست کر لی تو بعد از مشاعرہ اُن کے استادِ محترم حکیم انجم فوقی بدایونی نے تلقین کی تھی:

شعر میں جس طرح شاعر کی فکر و خیال اور سلیقۂ اظہار کا امتحان ہوتا ہے بالکل اسی طرح اچھا شعر، سامعین کے فہم و اِدراک کی بھی آزمائش ہوتا ہے، اور پھر انھوں نے عام داد و تحسین پر مسکراتے ہوئے خواجہ مجذوبؔ کا یہ شعر پڑھا تھا:

قدر مجذوبؔ کی خاصانِ خدا سے پوچھو شہرتِ عام تو اِک طرح کی رسوائی ہے

مگر ہم جیسے لوگوں نے ہر چیز کو بازار کی شے بنا دیا ہے اُن کے لیے 'خاصان خدا' کی کیا اہمیت و ضرورت! یہی وجہ ہے کہ ہم میں سے بعضوں کی عزت و وقار کا پھریرا لہراتا تو بہت ہے مگر اُسے ہَوا کس وقت

کہاں اُڑا کر پھینک دیتی ہے اس کا ہمیں پتہ بھی نہیں چلتا یا پھر ہم خود کافور بن کر ہَوا ہو چکے ہوتے ہیں۔

برادرِ سید! ہم بھی کہاں کی اور کیسی روداد لے کر بیٹھ گئے، آدمی عمر کے آخری پائیدان پر جب قدم رکھ چکا ہو اور اسے احساس بھی ہو گیا ہو کہ منزل سامنے ہے یا نہیں مگر راستہ ضرور تمام ہو رہا ہے تو وہ اپنے پیچھے آنے والوں کو یہی سب کچھ سمجھاتا ہے، اور تسلیم کہ کل تک تو ہم بھی اُڑ ہی رہے تھے۔

تلمیذِ سائلؔ دہلوی محشرؔ امروہوی کس آسانی سے کہہ گئے ہیں:

آج دُنیا سمجھ میں آئی ہے　　آج دُنیا سے جا رہے ہیں ہم

آپ چاہیں تو بقول شمس الدین زاہدؔ دھولیوی، ہماری بڑ کو اُڑا سکتے ہیں:

سمجھتا کم ہے، سمجھاتا بہت ہے　　دلِ برباد کا عالَم نہ پوچھو!

☆☆☆

ماضی قریب میں ایسے بزرگ گزرے ہیں جن کی قادرالکلامی اور زبان دانی مثالی تھی اُن میں ایسے بھی تھے جو صحیح معنوں میں معروف بھی نہ ہو سکے، ان کا مجلسی مزاج تھا مشاعرے میں کلام سنایا، داد پائی اور بس ۔۔۔، البتہ یہ ضرور تھا کہ اُس زمانے کے (عام) سامعین بھی کم فہم نہیں تھے۔

ہمارے کرم فرما اور صوفی خاندان کے ممتاز فرد اور دورِ جدید کے مشہور و ممتاز افسانہ نگار جو خیر سے شعر بھی خوب کہتے ہیں، جنابِ سید محمد اشرف نے حال ہی میں اپنے بچپن کا ذکر کرتے ہوئے ایک محفل میں بتایا کہ ہم بزرگوں کی اُنگلی پکڑ کر نعتیہ مشاعروں میں جاتے تھے، اُس وقت شعر فہمی تو کیا تھی البتہ شعر کیلیے ذہن و قلب کی زمین نم ضرور تھی، اسی نمی کا نتیجہ ہے کا بچپن میں، شفاؔ متھراوی کے یہ نعتیہ شعر سنے تھے جو، اب تک حافظے کو روشن کیے ہوئے ہیں:

اِدھر اُمّت کھڑی ہوگی، اُدھر رحمت کھڑی ہوگی　　قیامت میں عجب شانِ شفاعت کی گھڑی ہوگی

گناہ کی بات تو اِک بات میں آئی گئی ہوگی　　شفاؔ! تم دیکھ لینا، بات والا ہے نبی اپنا

زبان کا ذکر ہوا ہے تو یاد آتا ہے کہ ممبئی میں لکھنؤ کے مشہور کائستھ گنیش بہاری طرزؔ ہوتے تھے، اُن سے پہلے نظامؔ رامپوری کا ذکر ضروری ہے جو اپنے ایک مطلع کے سبب ہر باادب کے ذوق کا نظام باقی رکھے ہوئے ہیں:

دیکھا جو مجھ کو چھوڑ دِیے مسکرا کے ہاتھ　　انگڑائی بھی وہ لینے نہ پائے اٹھا کے ہاتھ

کم از کم ہم اپنے لیے تو کہہ سکتے ہیں کہ اس زمین میں نعت کا تصور ہمارے ہاں نہیں بنتا، مگر جسے اللہ بخشے، گنیش بھائی نے اپنے لکھنوی 'طرز' کا خوب مظاہرہ کیا اور اس زمین میں اُن کی نعت ہمارے

ذہن میں ایک مدت سے منور ہے،اُس نعت کا پہلے یہ شعر پڑھیے:

مصروفِ گفتگو ہے خدا سے خدا کا نور ٹھہرا ہوا ہے وقت،ادب سے اُٹھا کے ہاتھ

اور پھر مقطع میں گنیش بھائی کس ایقان کا اظہار کر گئے:

سویا ہوں طرزؔ اوڑھ کے برقِ ردائے حق دیکھے کوئی ذرا بھی مجھے اب لگا کے ہاتھ

یہاں کے مشہور فلمی موسیقار رِوندر جینؔ بھی اپنے ایک مطلع کے سبب ہمارے محسن بنے ہوئے ہیں۔ایک چھوٹا سا واقعہ یہ بھی بیان ہوجائے،ممبئ سے قریب شہر بھیونڈی میں بارہ ربیع الاوّل کو نعتیہ مشاعرے کی قدیم روایت تھی۔اس موقع پر ہونے والے ایک کُل ہند مشاعرے کا کنوینر اِیں خاکسار تھا،ہندستان بھر سے شعرا مدعو کیے گئے،آخر میں مہتمِ مشاعرہ برادرم نصیر مومن نے کہا:

''ندیم!مشاعرے کی صدارت کیلیے بھی شعرا ہی میں سے کسی کا انتخاب کر لینا۔''

ہمارے ذہن میں خیال آیا کہ کیوں نہ کسی نامسلم شاعر کو نعتیہ مشاعرے کا صدر بنایا جائے،پہلے تو کالیداس گپتا رضاؔ کا نام سامنے آیا اُن سے بات کی گئی،اُنہیں دنوں وہ عارضۂ قلب میں مبتلا ہوئے تھے تو موصوف نے یہ کہہ کر معذرت کر لی کہ صدر کو مشاعرے کے آخر تک بیٹھنا ہوتا ہے اور مَیں اپنی علالت کے سبب رات دیر گئے تک یہ خدمت نہ کر سکوں گا،لہٰذا مجھے معاف کریں۔

رِوندر جین کی نعتیں ہم سُن چکے تھے،سواُن سے فون پر بات کی تو وہ راضی ہوگئے۔ہم دونوں ممبئ سے بذریعہ کار تیس کیلومیٹر کا فاصلہ طے کر کے جب بھیونڈی کے مشاعرے کے اسٹیج پر پہنچے تو کسی دوست نے سرگوشی کی:

''ندیم!شعرا تم سے ناراض ہیں۔''

ہم نے وجہ دریافت کی تو پتہ چلا کہ''ایک سے ایک سینئر مسلم شاعر کے ہوتے،اس نعتیہ مشاعرے کی صدارت کیلیے تم نے نامسلم شاعر کا انتخاب کیا۔!!''

خیر،ہم مسکرا کر رہ گئے۔بھیونڈی کا یہ نعتیہ مشاعرہ،تاریخی ثابت ہوا،کہ اس میں ایک چینی نژاد ڈاکٹر وائی وی لیو عرف شیداؔ بھی شریک ہوئے تھے۔(جن کے نعتیہ شعر ہم بعد میں آپ تک پہنچائیں گے۔) مشاعرہ چلتا رہا،رئیس ہائی اسکول (بھیونڈی) کا پورا میدان محبانِ رسول اور باذوق افراد سے بھرا ہوا تھا،مشاعرہ جب آخری مرحلے میں پہنچا تو صدرِ مشاعرہ نابینا رِوندر جین سے بارگاہِ رسالت میں اپنا نذرانہ پیش کرنے کا التماس کیا گیا۔وہ مائک کے سامنے تشریف لائے اور کہنے لگے کہ''ممبئ سے بھیونڈی آتے ہوئے ندیمؔ میاں نے مجھے ایک پرانی نعت یاد دِلا دی تو مَیں سب سے پہلے وہی نذر کروں گا۔''

صبیح صاحب! واضح رہے کہ روِندر جین نہایت خوش گلو واقع ہوئے تھے اور اُن کی آواز کا بم خوب تھا، بلکہ ہمارا خیال ہے کہ اگر وہ پاکستان میں ہوتے تو ربیع الاول میں پاکستانی نعت خوانوں کیلیے وہ ایک مسئلہ بن جاتے۔ خیر، روِندر جین نے مذکورہ نعت (......ایمان، رسولِ اکرم۔ فرمان، رسولِ اکرم) اپنی پہاڑی آواز میں شروع کی، حسبِ شعر اُنھیں داد ملتی رہی اور جب وہ اس شعر پر پہنچے:

آپ کے چاہنے والوں میں ضروری تو نہیں صرف شامل ہوں مسلمان، رسولِ اکرم!

مسلمانوں کی اکثریت والے اس شہر کے تمام سامعین نے بہ یک زبان صدائے تحسین بلند کی۔ مقطع کے بعد روِندر جین مائک سے لَوٹنے کے لیے مڑے تو سب کی زبان پر ''ایک اور ایک اور'' کی تکرار تھی۔ روِندر جین نے دوسری نعت پڑھنے سے قبل صرف اتنا کہا کہ اُن لوگوں سے بالخصوص، استدعا ہے، جو اُن کے دَر پر حاضری کا تصور رکھتے ہیں، توجہ فرمائیں اور پھر علیگڑھ کے اس سپوت نے جب نعت کا مطلع پڑھا تو رئیس ہائی اسکول کے میدان میں موجود ہر شخص نے احتراماً کھڑے ہو کر دادِ تکریم پیش کی۔ وہ مطلع یوں تھا:

تم اپنے دِل میں مدینے کی آرزو رکھنا پھر اُن کا کام ہے، جذبے کی آبرو رکھنا

ہم نے پلٹ کر اُن شعرا پر نظر ڈالی جو 'نعتیہ مشاعرے' کی نامسلم صدارت پر چیں بجبیں تھے، اُن سب کے سَر جھکے ہوئے تھے اور بعض کی آنکھیں نم تھیں۔ اسی مشاعرے میں کرشن بہاری نوؔر لکھنوی بھی شریک تھے اُن کے نعتیہ اشعار پر بھی لوگ سَر دُھنتے رہے، یہ شعر تو ہمیں آج تک یاد ہے:

گلزارِ مدینہ کیا کہنا، بازارِ مدینہ کیا کہنا ایمان کا سِکّہ چلتا ہے، فردوس کا سَودا ہوتا ہے

اور کرشن بہاری کا یہ مقطع بھی توجہ طلب رہا:

وہ نوؔر کی نظریں ہوتی ہیں، گنبد سے جو ٹکرا جاتی ہیں
مِل جاتا ہے جو چوکھٹ سے ترِی وہ نور کا سجدہ ہوتا ہے

اور جب ڈاکٹر وائی وی لیو عرف شیدؔا مائک پر آئے تو اُن کی شکل پر چینی نقوش دیکھ کر ہر فرد ایک دوسرے کا منہ تک رہا تھا، جب انھوں نے نعت کا یہ شعر پڑھا تو لوگوں نے بیساختہ داد دِی:

یہ نکتہ کاروانِ جہل سمجھا ہے نہ سمجھے گا زمیں ہو یا فلک ادنیٰ سا ہے صدقا محمد کا

ہماری آنکھیں وہ منظر نہیں بھولتیں کہ جب شیدؔا چینی نے مقطع سنایا تھا تو مسلمانوں کا سارا مجمع احساسِ ندامت کے سبب سَر جھکا چکا تھا:

راہِ حق سے بھٹکتے دیکھ کر آج اہلِ ایماں کو خدا شاہد بہت دلگیر ہے شیدؔا محمد کا

کچھ لوگ یہ کہتے بھی سنے جاتے ہیں کہ اہلِ کفر کو ایسے شعر کیسے مل جاتے ہیں!!
شاید ہم یہ کہتے ہوئے بھول جاتے ہیں کہ وہ قادر و مالک ہے جسے چاہے، اور جو چاہے کسی کو بھی دے سکتا ہے، کیا مال و دُنیا کی عطا صرف مسلمانوں ہی پر تمام ہو رہی ہے، اس کے علاوہ ہم یہ کیوں نہیں سوچتے کہ علم و ہنر یا جدید دَور کی ٹیکنالوجی کن کو قادرِ مطلق عطا کر رہا ہے اور ایک مدت سے اور کیوں، ہم اس کے نزدیک اس عطاوکرم کے مستحق کیوں نہیں ہیں؟

☆☆☆

ہم میں شاید ہی کوئی ایسا ہو جس کے ہاں یہ تمنّا نہ ہو کہ اُن کے دَر پر کسی طور جائیں اور وہیں تمام ہو جائیں، وہیں کی خاک ہو جائیں تو یہ کسی سعادتِ ابدی سے کیا کم ہو گی، اکثر شعرا نے اس خواہش کا اظہار اپنے اپنے طور پر، اپنے اپنے انداز سے کیا ہے، حسرتِ احقر اِس وقت بھی لب پر ہے:

میرے آقا! یہ میری حسرت ہے خاک ہو جاؤں مَیں مدینے کی

دوسروں کے ہاں تو اس سے کہیں عمدہ پیرائے میں یہ حسرت بیان ہوئی ہے مگر ناگپور کے ایک اُستاد طرفہؔ قریشی، (3 مارچ 1913–7 جولائی 1981) جن کا سلسلۂ تلمذ داغ اسکول سے تھا، وہ علامہ سیمابؔ اکبر آبادی کے سند یافتہ شاگرد تھے، اُن کا ایک نعتیہ مجموعہ ''فانوسِ حرم'' شائع ہو چکا ہے، طرفہؔ مرحوم نے اس حسرت کی ایسی نفی کی کہ ہم جیسے سادہ مزاج منہ تکتے رہ گئے:

حیات مانگ کے لائیں گے ہم مدینے سے درِ رسول پہ مرنے کی آرزو کیسی؟

طرفہؔ قریشی نے اس حسرت کی جس طور نفی کی اور جس طرح حیات کی وسیع تر معنویت کی پرتیں سامنے رکھی ہیں وہ بھی کم از کم ہماری نگاہ میں بے مثل ہیں۔ اللہ، عبدالوحید طرفہؔ قریشی کے درجات بہر طور بلند کرے۔ آمین

☆☆☆

برسوں قبل ممبئی میں ایک فلم بنی تھی 'کہرا' جس میں قابلؔ اجمیری کی زمین میں شکیلؔ بدایونی کا ایک نغمہ تھا، جسے ہیروئن وحیدؔہ رحمان کے لیے فلم میں ہیرو بسواجیت گاتا ہے:

زندگی کتنی خوب صورت ہے آیئے آپ کی ضرورت ہے

ایک ندیمِ دوست جو مِتر ستیارتھی (SatyarthiMitr) کے نام سے معروف ہیں، اُن کا بیان اُنہیں کے لفظوں میں پڑھیے:

فلم 'کہرا' دیکھے ہوئے ایک زمانہ گزر گیا، بارہا یہ نغمہ ریڈیو پر بھی سنا، مگر بعض اوقات آدمی کی

کیفیت عجب ہوتی ہے وہ کہاں پہنچ جائے کہا نہیں جاسکتا، یہی ہُوا اِس نغمے کے ساتھ، برسوں بعد یہ نغمہ ریڈیو سے نشر ہو رہا تھا کہ اچانک ہم پر ایک کیفیت طاری ہوئی اور لگا کہ۔

'آیئے آپ کی ضرورت ہے'

۔۔۔یہ تو اُن کے لئے کہا گیا ہے۔

مختصر یہ کہ اس زمین میں نعتیہ مصرے موزوں ہونے شروع ہوئے، کوئی تیس پینتیس مصرے تو ہو گئے ہوں گے۔

جس کا ایک مطلع یوں ہوا:

آسماں پر نبی کی دعوت ہے　　یہ شرف آدمی کی قیمت ہے

ایک قطعہ بند سے پہلے یہ شعر اور فلمی مصرعوں پر تضمین بھی عرض کروں گا:

اُن کے اقوال عام ہیں لیکن　　اُن کے کردار کی ضرورت ہے

☆☆

سارا عالم یہی تو کہتا تھا　　''آیئے آپ کی ضرورت ہے''
آپ آئے تو یہ ہُوا معلوم　　''زندگی کتنی خوب صورت ہے''

حضرتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اِنسانی تاریخ میں سب سے اہم امتیاز یہ ہے کہ انہوں نے جو کہا وہ کیا بھی بلکہ پہلے کِیا، اور کہا بعد میں، قبل از بعثتِ نبوت چالیس سالہ اُن کے کردار کی گواہی تمام اہلِ مکہ نے دِی اور صادق و امین سے ملقب ہوئے۔ بیشک قرآنِ کریم، کلامِ خداوندی ہی نہیں بلکہ سیرتِ نبوی کا آئینہ بھی ہے، اللہ کی قدرت اور حکمت کا کیسا مظاہرہ ہے کہ جب قرآنی قاعدے بلکہ اُردو کے حروف کی گردان کرائی جاتی ہے تو اِن حروف میں جیسے 'اَلِف' کے بعد 'ب' آتا ہے، یعنی 'ب' پہلے نہیں ہے، اسی طرح حرف 'س' بھی پہلے اور 'ش' بعد میں ہے۔ اِن حروف کی ایسی ترتیب کیوں ہے؟ اس سوال پر سوچا تو یہ قِطعہ عطا ہوا:

'س' اوّل ہے 'ش' آخر ہے　　اس کی ترتیب میں بھی حکمت ہے
یوں ہیں ممتاز ہیں وہ زمانے میں　　پہلے 'سیرت' ہے پھر 'شریعت' ہے

اس نعت میں ایک قافیے پر ایک پاکستانی بزرگ سے یوں داد ملی:

'میاں! اس زمین میں تو ہم نے غزل کہہ رکھی ہے مگر 'قیامت' جیسا قافیہ ہمارے ذہن میں نہیں آیا، آپ نے نعت میں اس قافیے کو خوب استعمال کرلیا، جیتے رہیے:

اب نبی دوسرا نہ آئے گا آنے والی یہاں قیامت ہے

جس پر حضرتِ بلالؔ انصاری (مرحوم) نے تشطیر بھی کہی:

اب نبی دوسرا نہ آئے گا ''وقت جتنا ہے وہ غنیمت ہے

اپنے اعمال پر نظر کر لو' آنے والی یہاں قیامت ہے

☆☆☆

مدیرِ نعت رنگ صبیح صاحب!

یہ مترستیارتھی خود آ گاہی کی کس منزل میں تھے نہیں معلوم مگر اسی نعت میں یہ بھی کہہ گئے کہ جس کی معنویت دل میں اب بھی گونجتی رہتی ہے:

فن کی معراج مَیں نہیں کہتا نعت کہنا تو بس سعادت ہے

☆☆☆

اس تحریر میں کئی جگہ ہم سے خودستائی جیسی حرکت سرزد ہوئی ہے یقیناً اس کی سزا ہمیں ملنی چاہیے مگر ہم چاہیں گے کہ آپ کو فردِ جرم عاید کرنے میں دشواری نہ ہو لہٰذا تھوڑی سی 'خودستائی' اور ہو جائے:

رائے پور میں ایک نعتیہ مشاعرہ اور اس کی بعض یادیں ذہن میں روشن ہو رہی ہیں۔ ہمارے نعتیہ مشاعرے بھی عام مشاعروں کی طرح ہوتے ہیں جب شعرا کی فہرست بنتی ہے تو اس ترتیب کو ملحوظ رکھا جاتا ہے کہ اس میں مترنم شعرا کتنے ہیں تا کہ عام سامعین کے ذوق کی بھی تسکین ہو سکے۔ ہمارے خیال سے آپ کے ہاں اس ذوق کے حامل لوگوں کی سیرابی نعت خواں حضرات بخوبی کر رہے ہیں جس کا ایک مثبت نتیجہ، یہ کہ عوام میں جو لوگ شعر کی فہم نہیں رکھتے وہ آواز کے توسط سے نعتیہ عقیدت کی تسکین کے لئے کچھ روحانی غذا فراہم کر لیتے ہیں ہمارے نزدیک یہ عمل ہرگز بُرا نہیں۔ یہاں کی صورتِ حال جو بھی ہے وہ آپ سب پر کھلی ہوئی ہے۔ رائے پور کے نعتیہ مشاعرے کی صدارت کچھوچھہ کے مشہور اشرفی خانوادے کے فردِ معروف مثنیٰ میاں کر رہے تھے واضح رہے کہ یہ بزرگوار مشہور و مقبول مقرر ہاشمی میاں اور مدنی میاں کے برادر تھے اور اپنے علم و فضل کے باوصف امتیازی تشخص کے حامل بھی۔ مشاعرے کا آخری آخری دَور تھا ہمیں پکارا گیا، ہم نے اپنی دانست میں ایک مشکل زمین (۔۔۔دشوار دیکھ لو اور۔۔۔ بازار دیکھ لو) میں نعت پڑھی۔ ہم نے یہ سمجھا کہ سب سے بہتر نعت ہمیں نے پڑھی جس پر لوگوں نے داد بھی دی جن میں صدرِ مشاعرہ حضرت مثنیٰ میاں بھی شامل تھے، ہمیں یہ بھی گمان گزرا کہ اب مشاعرہ تمام ہو جائے گا لیکن ناظم مشاعرہ نے صدرِ مشاعرہ سے

زحمت کلام کی درخواست کی ہم لاعلم تھے کہ مثنیٰ میاں شعر بھی کہتے ہیں۔موصوف مائک کے سامنے بیٹھے اور پلٹ کر ہمیں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: میاں ندیؔم! ہماری نعت بھی سُن لیجیے۔ہم نے کہا:

سرکار! ہمہ تن گوش ہوں۔

موصوف نے غیر مردّف نعت شروع کی اور جس لفظ یعنی جس قافیے پر شعر تمام ہو رہا تھا اُسی لفظ سے دوسرے شعر کی ابتدا ہو رہی تھی پوری نعت اسی التزامِ خاص سے مُرصّع تھی لوگوں نے توجہ سے سنا اور داد بھی خوب دِی۔ہم نے جو سوچا تھا کہ 'مشاعرہ تو ہم نے مارلیا' مگر مثنیٰ میاں کی اس غیر معمولی صنعت میں نعت نے ہمارا سارا رنگ زائل کر دِیا۔مثنیٰ میاں نعت پڑھ کر مائک سے ہٹنے لگے تو ہمارے نفس نے پھر زور مارا کہ 'حضرت نے اس صنعت میں ایک نعت کہہ لی ہوگی' اور ہم نے مثنیٰ میاں سے درخواست کی کہ حضرت ایک نعت اور مرحمت فرمائیں۔موصوف نے دوسری نعت شروع کی تو وہ بھی اسی صنعت کی حامل تھی اور دوسری نعت کے اشعار پہلی نعت سے زیادہ زوردار تھے۔ہم بظاہر داد بھی دیتے رہے اور بباطن خجل بھی ہوتے رہے۔شاعروں میں اس طرح کا مزاج عام طور پر پایا جاتا ہے۔

یہاں مثنیٰ میاں (مرحوم) کی بے نیازی بھی درج ہوجائے۔دوسری صبح ناشتے میں موصوف سے جب ہماری ملاقات ہوئی تو ہم نے اُن کی نعت کی بات چھیڑی اور عرض کیا کہ یہ نعتیں ہمیں لکھ کر دیدیجیے ہم اسے روزنامہ انقلاب (ممبئی) کے جمعہ میگزین میں چھاپیں گے۔وہ یہ کہہ کر ٹال گئے کہ ''میاں ندیؔم! میں ممبئی آنے والا ہوں، وہیں لکھ کر دیدوں گا۔'' اس بات کو کوئی بیس برس سے زاید مدت گزر چکی ہے وہ ممبئی آئے بھی مگر انہوں نے اپنی آمد کی اطلاع تک ہمیں نہیں دِی اور اب تو وہ آسودۂ خاک ہو چکے ہیں۔اللہ اُن کی اس بے نیازی پر بھی اُن کے درجات بلند کرے۔آمین

ہم نے اپنی جس نعت کا ذکر کیا ہے اُس میں ایک شعر تھا:

پہلے دل و نگاہ کی تطہیر تو کرو پھر چاہو جب حضور کے انوار دیکھ لو

ایک دن اللہ کا کرم ہوا اور ضمیر نے چٹکی لی کہ میاں ندیؔم! آپ طہارتِ قلب ونظر کے کس درجے پر اور کب فائز ہوگئے کہ ''پھر چاہو جب حضور کے انوار دیکھ لو'' کہہ گئے۔یہ وصف اور زیارت کی یہ سعادت تو بڑے بڑوں کو نصیب نہیں ہوئی۔ضمیر کی اس نکتہ چینی پر ہمارا اِحساس جاگا اور ہم اللہ سے رجوع ہوئے:

تو نے کرم کیا کہ اس غلطی کی نشان دہی کی تو تو ہی اب اس کے تدارک کی راہ دِکھادے۔۔۔چند لمحے گزرے ہوں گے، کرم ہوا اور شعر کا مصرعِ ثانی یوں بدل گیا:

(پہلے دل و نگاہ کی تطہیر تو کرو) ممکن ہے پھر حضور کے انوار دیکھ لو

صبیح صاحب! ہماری فطرت عجب ہے کہ ہم ذراسی کامیابی پر اکڑ جاتے ہیں مگر جو لوگ اللہ سے پناہ کے طالب ہوتے ہیں وہ بچائے بھی جاتے ہیں۔ لفظوں سے اُن کی مدحت کے مدعی تو ہزار ہا ہزار ہا لوگ تھے اور ہیں مگر ان بندوں کے کیسے درجات ہوں گے جو لفظوں سے نہیں اپنے عمل سے اُن کی مدح کرتے ہیں اور کسی طمع و لالچ کے بغیر۔ ہمارے ضمیر نے تو یہ سوال بھی اٹھایا کہ میاں! اُن کو تمہاری مدحت کی ضرورت ہے یا تمہارا کردار و عمل مطلوب ہے؟ ہم یہاں بھی شرمندہ ہو کر رہ گئے۔

ہم جیسے لوگ نعتیہ مشاعروں میں بھی اپنی فیس طے کر کے جاتے ہیں، اس پس منظر میں ہماری نعت گوئی یا نعت خوانی کیا مدحتِ رسول سمجھی جانی چاہیے یا تجارت!

اخلاص کا عمل تو ہر طرح کی طمع اور طلب سے عاری ہونا چاہیے۔

عزیزم! ایک بار آپ کے تعلق سے اخبار میں کچھ لکھ رہا تھا تو یہ مصرع بھی قلم سے نکلے تھے:

دِل کی دھڑکن بھی اُن کی مدحت ہے مجھ کو محسوس یوں بھی ہوتا ہے

بظاہر نعت کے یہ سادے سے مصرعے ہیں مگر ان کا حسی پس منظر ہمیں نجانے کہاں سے کہاں پہنچا دیتا ہے۔ شاعری میں احساس و خیال اور جذب و کیف کی بڑی اہمیت ہے بلکہ اگر یہ کہا جائے تو غلط نہیں کہ شاعری میں ان کا کردار اساسی نوعیت کا حامل ہوتا ہے۔ اب شاعر کی قوتِ بیان اور لفظ پر قدرت ہی ہے جو اُس کے احساس کو فن کے درجے پر پہنچا دیتی ہے۔ مندرجہ بالا شعر پر ہم سوچ ہی رہے تھے کہ ایک جگہ شیخ سعدیؒ کا یہ قول نظر سے گزرا:

"ہر سانس پر انسان پر دو شکر واجب ہیں، ہر سانس جو اندر جاتی ہے وہ ممدِ حیات ہے اور باہر نکلنے والی ہر سانس مفرحِ ذات ہے۔"

اس قولِ سعدیؒ نے اس شعر کی فہم کو آسان تر کر دِیا کیونکہ یہ حیات و کائنات سب اُنہیں کے دَم قدم کی مرہونِ منت ہے۔ نعت کا شعر یوں تو کوئی بھی کہہ سکتا ہے مگر جس پر نعت اُترے اس کے کیا کہنے، یہ ایک اعزاز ہے اور یہ اعزاز اللہ جسے چاہے دے اس میں علم و ہنر سے زیادہ عطائے قدرت ہی کو دخل ہے فکر و فن وغیرہ تو بعد کی باتیں ہیں۔

مشہور ہندستانی گلوکار محمد رفیع کے تعلق سے دو واقعے پڑھے تھے، جس میں ہمیں اُن کا اخلاص اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبتِ اسمی پر اصرار میں بھی ایک جذبۂ خاص محسوس ہوا:

"رفیع کسی بھی مذہب کے لوگوں کے لیے چیریٹی شوز کر دیا کرتے تھے۔ اپنے زمانے کی مشہور خاتون اداکار مالا سنہا جو عیسائی مذہب کی

پَیرو ہیں، انہوں نے ایک چرچ کی تعمیر کے لیے چیرٹی شو کرایا جس میں توقع
سے زیادہ فنڈز اکٹھا ہوا۔ مالا سنہا نے خوش ہو کر محمد رفیع کو سادہ چیک دینے کی
کوشش کی تو رفیع مرحوم نے کہا کہ ’مالا! کیا جیسز کرائسٹ تمہارے ہی ہیں
ہمارے نہیں؟ یہ چیک چرچ کے فنڈز میں شامل کر دو۔‘

دوسرا واقعہ یوں ہے کہ پنڈت جواہر لعل نہرو پندرہ برس سے زائد مدت ہندوستان کے وزیرِ اعظم رہے اور اس دوران متعدد بار سرکاری اور نجی محفلوں میں محمد رفیع نے پنڈت نہرو کو اپنی سریلی آواز سنائی۔

ایک تقریب میں جب محمد رفیع یہ گیت گا رہے تھے:

’چاہوں گا مَیں تجھے سانجھ سویرے‘

تو پنڈت نہرو کی آنکھیں نم دیکھی گئیں۔ اس کے علاوہ رفیع کے مشہور نغمے مثلاً ’چودھویں کا چاند ہو‘ اور ’سہانی رات ڈھل چکی نجانے تم کب آؤ گے‘ وغیرہ بھی نہرو فرمائش کر کے محمد رفیع سے سنا کرتے تھے۔

پنڈت جواہر لعل نہرو محمد رفیع پر بڑے مہربان تھے۔ ایک مرتبہ اُنہوں نے پوچھا کہ ’رفیع صاحب! مَیں آپ کے لیے کیا کر سکتا ہوں؟‘

اس پر محمد رفیع نے کوئی دُنیاوی فائدہ اٹھانے کے بجائے پنڈت نہرو سے صرف اتنا کہا کہ ’آل انڈیا ریڈیو سے میرا نام ۔۔۔’رفیع‘۔۔۔ اناؤنس کیا جاتا ہے، جبکہ میرا پورا نام محمد رفیع ہے۔ براہِ کرم حکم صادر فرمائیں کہ آئندہ میرا پورا نام لکھا اور پکارا جائے۔‘‘

ان دونوں واقعات سے محمد رفیع مرحوم کا اپنے آپ کو ویسا مسلمان ثابت کرنا جو دوسروں کے مذہب اور دِین کا احترام کرنا جانتا ہی نہیں بلکہ عملاً بھی اس کا پیکر ہو اور پھر اپنے نام کے ساتھ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نامِ نامی اسمِ گرامی سے نسبت پر اصرار کرنا کس کردار کی نشاندہی کر رہا ہے؟

کیا یہ ہم سب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت اور مدحت کرنے والوں کو کچھ سوچنے اور عمل کی ترغیب نہیں دے رہا ہے۔ تبلیغ و دَعوت کے اپنے اپنے طریق ہوتے ہیں مگر ہماری نسبت اور مدحت کے پیمانے الگ ہیں۔

صبیح صاحب! اب تو ہمارا ضمیر بھی ہم سے اکثر سوال کرتا محسوس ہوتا ہے:

حشر میں ہماری لفاظی ہمارا سہارا بنے گی یا ہمارا کردار؟

اللہ آپ کا حامی و مددگار رہے اور آپ پر بہر طور عطا عام رکھے۔ آمین

☆☆☆

Dabistan-e-Naat Yearly
Registered with the registrar of News Paper for India — Issue No.: 8
RNI - Title Code : UP URDU 05427 — Jan. to Dec. 2023

+92 300 664 3887
dr.shabbirahmedqadri@yahoo.com

ڈاکٹر پروفیسر شبیر احمد قادری

چیئرمین شعبۂ اُردو (رفاہ انٹرنیشنل یونیورسٹی فیصل آباد) ستیانہ روڈ فیصل آباد

محترم ومکرم ڈاکٹر سراج احمد قادری صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

''دبستانِ نعت'' کے ساتوں شمارے کے منظوم و منثور مندرجات و مشتملات کے مطالعہ کی سعادت حاصل ہوئی۔ آپ نے دنیا بھر کے اربابِ فکر و نظر کو جس قرینے سے یک جا جمع کرنے کا اہتمام و انصرام کیا ہے۔ یہ عملِ خیر صد درجہ لائق تحسین و آفرین ہے۔ موصولہ مواد کی ورق ورق کرنیں بکھیرتے اور اپنے حسن ادارت کی بدولت اس کی تزئین و آرائش کا سامان کرتے ہیں۔ اس سے میں خوش ہوں اور متاثر بھی۔ جناب قمرؔ اجلال نے صدفی صد درست لکھا ہے:

حسین مرقع بہت خوب سالنامہ ہے — ''دبستانِ نعت'' کا زریں کارنامہ ہے
ہے منبع نعت کا، یا نعت کا خزانہ ہے — ہر اک شمارہ دبستاں کا خسروانہ ہے
کبھی 'سراج' تلے آفتاب ہوئے ہیں — ترے چراغ کا ہر لمحہ جاودانہ ہے
ذکرِ عشاقِ نبی تیرے ہر شمارے میں — جہاں پہ تیری نظر، فکر غائرانہ ہے

آپ اس باوقار تقدیسی سلسلے کو بڑی تمکنت سے جاری کرتے ہیں مگر آپ کے عجز و انکسار کا یہ عالم ہے کہ بحضورِ حق تعالیٰ اور پیش سرکارِ کل عالمیں آپ کے قلم سجدوں پر ساتواں آسمان بھی رشک کرتا ہوگا۔ یہ مبالغہ ہرگز نہیں، نہ میری رائے مدلّل مداحی کے زمرے میں آتی ہے۔

''دبستانِ نعت'' کے مشمولات کا میں بڑے ذوق و شوق سے مطالعہ کرتا ہوں اور مشامِ ذوق کی تسکین و راحت کا اہتمام کرتا رہتا ہوں۔ شاملِ کارواں جتنے اہلِ قریہ ادب اپنی اپنی توفیق و بساط اور ذوق کے مطابق مضامین و مقالات، گل ہائے عقیدت، زاویۂ نگاہ، تبصروں اور مکاتیب جلیلہ کے وسیلے سے حمد و نعت اور سیرت پاک کے دلآویز پرچم لہرانے اور بلند تر کرنے میں مصروف ہیں۔ ان کے لیے بھی ہزار ستائش اور بے شمار تحسین۔

''دبستانِ نعت'' کے توسل سے آپ اردو زبان و ادب کے فروغ اور ترویج و اشاعت کا لسانی فریضہ ادا کر رہے ہیں، اس کی تعریف الگ مضمون کا تقاضہ کرتی ہے۔ قبلہ فیروز احمد سیفی صاحب اور جملہ ارکان مجلس مشاورت کی خدمت میں عجز و نیاز سے سلام پیش کرتا ہوں۔

ڈاکٹر شبیر احمد قادری

Dr. Siraj Ahmed Quadri *Editor*
Naat Research Center-India, Mohalla Banjaria West, Khalilabad
Distt. Sant Kabir Nagar-272175, U.P.
Printed at : Habibi Offset Press, Khalilabad, Distt. Sant Kabir Nagar, U.P.